سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند ✦ قوم کا خادم ہوں حق یہ ہے کہ نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء

راہ گیر۔ یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں!

سودمند۔ کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟

سودمند۔ تجارتی سود کی داد ستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی

اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احید الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سود مند

۱۔ افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کر کے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹا دے۔

۳۔ فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

۴۔ مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا

۱۸۰۳۷

قواعد و ضوابط

۱۔ سود مند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ سود مند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے اس لئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اس کے بعد فی پرچہ ۲ آنے قیمت لی جائے گی۔

۳۔ رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجی جائے یا پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

۴۔ پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں

۵۔ نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

۶۔ خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سود مند کا رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

۷۔ گزشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی مل سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ر کے حساب سے لی جائے گی۔

۸۔ اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کر لیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔

۹۔ جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا [illegible] کے اشتہار بہم پہنچائینگے ان کے نام سود مند ایک سال تک بلا کمیشن جاری رہے گا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہو سکتا ہے

المشتہر منیجر سود مند بدایوں

سودمند

چندہ سالانہ دو روپیہ	جنوری ۱۹۲۸ء	جلد ۴
قیمت فی پرچہ تین آنے		نمبر ۱

فہرست مضامین

نادار کی شیخی

مخلوق جسے کہتی ہے نا دار وہ میں ہوں
جینا جسے دنیا میں ہے دشوار وہ میں ہوں
بیکار سے بڑھ کر ہو جو بیکار وہ میں ہوں
دانستہ جو اپنے کو کرے خوار وہ میں ہوں

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

اسلاف ہوں بدنام تو پروا نہیں مجھ کو
جاداد ہو نیلام تو پروا نہیں مجھ کو
دنیا کہے ناکام تو پروا نہیں مجھ کو
کھانے کو نہ ہوں دام تو پروا نہیں مجھ کو

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

جورو ہے گرفتار مصیبت تو مجھے کیا
اولاد پہ آتی ہے نحوست تو مجھے کیا
بدتر ہے جو ماں باپ کی حالت تو مجھے کیا
جاتی ہے بڑے بوڑھوں کی عزت تو مجھے کیا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

نقدی نہیں پلے میں تو کیا قرض نہ لوں میں
بیٹے کی بڑی دھوم سے شادی نہ کروں میں
یہ بیاہ بھی کچھ بیاہ ہوا کیا یہ سنوں میں
کیا ٹھوکروں کے خوف سے آگے نہ بڑھوں میں

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

کیا تو نے قمر مجھ کو مسلمان نہ سمجھا
جو بات پہ مرتا ہے وہ انسان نہ سمجھا
کچھ میری اولوالعزمی کی تو شان نہ سمجھا
اللہ نہ سمجھا ب مجھے نادان نہ سمجھا

وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا
پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

(قمر بدایونی)

بہ حیثیت سودمند کو سال نو مبارک

ناظرین سودمند کو سال نو مبارک

سودمند اور سال نو کی توقعات

سودمند جون ۱۹۲۶ء میں علیگڑھ سے جاری ہوا ابتداءً اس کو آزمائشی طور پر صرف دو سال کے لیے جاری کیا گیا تھا اور مہینہ میں دو بار اس کی اشاعت کا اعلان کیا گیا تھا۔ لیکن غور کرنے پر ماہوار نکالنا ہی مناسب سمجھا گیا اس لیے شروع ہی سے ماہوار نکلا ایک سال کی مُدت تو اس نے اپنے مولد (علیگڑھ) میں گزاری۔ دوسری سال کے شروع ہونے سے قبل بداؤں آگیا اور اَب ڈیڑھ سال سے بداؤں میں چھپ رہا ہے۔ اس کے کارکنوں نے دو سال کی جو آزمائشی مُدت قرار دی تھی وہ مئی گزشتہ میں ختم ہو چکی ہے۔ اس مدت کے گزرنے پر اس مالی نقصان کا تو جو اس رسالہ کے چلانے میں اس کے کارکنوں کو ہر سال برداشت کرنا پڑتا ہے اقتضا یہ تھا کہ اس کو بند کر دیا جاتا لیکن اس کے اکثر پرجوش ناظرین اور اس تحریک کے جس کی اشاعت کے لیے اس رسالہ نے جنم لیا تھا حامیوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس کو جاری رکھا جائے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ سودمند کے وجود میں آنے سے قبل ہمارے رسائل اور اخبارات کو مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے درستی کی بہت کم فکر تھی لیکن اب سودمند نے دُنیائے صحافت پر اس ضرورت کو واضح کر دیا ہے کہ جب وقت تک مسلمانوں کو تجارت اور کاروباری زندگی شروع کرنے کی طرف توجہ نہ دلائی جائے گی ان کا زندہ رہنا محال ہے۔ سودمند کے خاص مضامین اور نظمیں ان مختلف مقاصد پر جن کے لیے اِس کی اشاعت عمل میں آئی ہے اکثر اخبارات و رسائل میں نقل ہوتی ہیں۔ اس کو ہم سودمند کی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ سودمند کے مقاصد کا اعلان اور ان کی تکمیل کی کوشش اب اخباری صفحات سے گزر کر ایک اقتصادی انجمن کی صورت میں منظم ہو چکی ہے اور اس انجمن کے دو سالانہ اجلاس دہلی اور فرخ آباد میں منعقد ہو چکے ہیں۔ جہاں اس تحریک کے مخالف اور موافق مقررین کو اظہار خیالات کا موقع ملا ہے۔ اِن جلسوں کی رپورٹیں پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی گرتی ہوئی مالی حالت کا پورا اندازہ ہو گیا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ سرمایہ داروں کی غلامی سے نکلنے کی کوئی موثر تدبیر سوچیں۔ کیونکہ جبتک وہ ایسا نہ کریں گے نہ وہ کسی کاروبار میں کامیاب ہو سکتے ہیں نہ تجارت کر کے پنپ سکتے ہیں۔ گزشتہ سودمند کانفرنس فرخ آباد کے صدر مولوی اکرام عالم صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں بالکل صحیح فرمایا تھا۔

"ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا روپیہ منافع پر لگانے میں جس بیجا احتیاط کا عمل کیا ہے اور غیر قوموں سے شدید سود پر روپیہ قرض لینے میں جو آزادی دکھائی ہے اس کا اثر صرف جائدادوں کی تباہی تک محدود نہیں بلکہ ہماری زندگی کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہو رہا ہے جب یہ قرار پا گیا۔

کہ مسلم اہار روپیہ بیکار ہی رکھے گا تو ایک ذریعہ آمدنی مسدود ہو کر قومی سرمایہ کے نقصان کا باعث ہوگا
دوسری طرف تجارت وصنعت و حرفت میں ہزار ہا روپیہ کی روزمرہ ضرورت رہتی ہے اگر کوئی مسلمان
ایسے پیشے اختیار کرے تو اس کو لامحالہ غیر مسلمین کا دست نگر ہونا پڑتا ہے ایسے حالات میں شرح
سود مہاجن خاطرخواہ لیتا ہے اور انجام کار مسلمان تاجر یا صناع مہاجن کے رحم پر اپنی گزر اوقات کرتا ہے
اور اس کی حالت ایک کم حیثیت مزدور سے زیادہ نہیں ہوتی ہے

"غرض دوگونہ عذاب است جان مجنوں را ٭ بلائے صحبت لیلی و فرقت لیلی"

جب یہ حالات ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ روپیہ کا کاروبار جاری کرنے اور مسلم بنک قائم کرنے کی ضرورت کو مسلمانوں
کے ذہن نشین کرنے ربوا اور تجارتی سود کا فرق سمجھانے یا غیر مسلم سے سود لینے کا جواز بتانے کے لیئے "سود مند" جیسے سالے
کی اشاعت ضروری نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے۔ یہی رائے ہمارے اُن دوستوں کی ہے جو سود مند کا ایک پرچہ نہ پہونچنے یا دیر میں
پہونچنے سے بے قرار ہو جاتے ہیں اور بعض تو اس قدر جوش میں آ جاتے ہیں کہ پرچہ نہ پہونچنے پر خواہ وہ ڈاک ہی میں غائب ہو گیا ہو
کارکنان دفتر سود مند کو "بددیانت" اور "بے ایمان" کہنے میں تامل نہیں کرتے۔ سود مند کے موجودہ خریداروں میں ایسے
بھی ہیں جو صرف زبانی ہمدردی ہی نہیں کرتے بلکہ عملی طور پر اس کی ترقی اشاعت میں کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا
شمار صرف اُنگلیوں پر ہو سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ سود مند کے موجودہ خریداروں میں سے سال نو کے موقع پر ہر خریدار
اپنے عزیزوں اور اپنے دوستوں میں سے کم سے کم ایک خریدار بہم پہونچا کر اس کی تعداد اشاعت کو دوچند کر دے۔

کارکنان سود مند کے سامنے اس کی ترقی اشاعت کی ایک خاص اسکیم عرصہ سے زیر غور ہے جس سے چھ ماہ کے
بعد اس کی اشاعت ہزاروں پر پہونچ سکتی ہے لیکن اس اسکیم کا عملی صورت اختیار کرنا بھی موجودہ خریداران سود مند
کی دلچسپی پر منحصر ہے۔ اس وقت ہم نے ایک ایک خریدار بہم پہونچانے کی جو اپیل کی ہے اگر ان کی طرف سے اس کا
حوصلہ افزا جواب ملا تو ہم ان کی سچی دلچسپی کا اندازہ کرکے ترقی اشاعت کی "نئی اسکیم" اُن کے سامنے پیش کرنے
کی جرات کریں گے ورنہ۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ **نیازمند ایڈیٹر**

نوٹ: غور سے مضمون مندرجہ بالا کو پڑھیئے اور اگر آپ کو سچ مچ سود مند کی اشاعت کی ضرورت ہے تو ہمشتہ کارڈ کی
خانہ پُری کرکے واپس فرمایئے۔

خلاصہ خطوط

جناب منیجر صاحب۔ تسلیم۔۔۔ سود مند ایسے رسالہ کی اس وقت قوم کو نہایت سخت ضرورت ہے
جب سے سود مند شایع ہوا ہے یقینی بہت سے افراد قوم کو فائدہ پہونچا ہوگا۔ میرے پاس رسالہ
سود مند آتا ہے اس کو بھی دیکھ کر لوگ مستفید ہوتے ہیں اور سنبھلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا سود مند کے ایڈیٹر کی زندگی دراز کرے
اور منامحدوح قوم کی ترقی کرنے کے لیے اسی طریقہ سے کوشاں رہیں۔ عبدالعلی از دیوہ شریف

بے زری سو عیبوں کا عیب ہے

(جناب قلاش کے قلم سے)

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج   احتیاج است احتیاج است احتیاج

کہتے ہیں کہ مفلسی بُری بلا ہے، بے زری سو عیبوں کا عیب ہے، محتاجی شیروں کو بھی لومڑی بنا دیتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ دُنیا میں جس قدر جرایم ہو رہے ہیں وہ اکثر مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے ہو رہے ہیں، ایک شخص اپنی ضروریات کے لیئے کافی آمدنی رکھتا ہے تو اُسے ضرورت ہی نہیں ہوتی کہ وہ چوری کرے لیکن جب انسان غربت زدہ ہوتا ہے اور اُسے اپنے مصائب کو دور کرنے کا اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو وہ پھر چوری اور ڈاکہ پر اُتر آتا ہے۔ واقعی "بے زری سو عیبوں کا عیب ہے"۔

ماں باپ نے بھی چاہا میں نے خود بھی چاہا کہ اچھی سے اچھی تعلیم حاصل کروں۔ مگر اس کے لیئے روپیہ چاہیئے تھا۔ تن پیٹ کو تو ملتا ہی نہ تھا اسکول اور کالج کے اخراجات کہاں سے آتے دو چار جماعتیں پڑھکر میں تعلیم ترک کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اب کوئی ذریعہ معاش نظر نہیں آتا۔ کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ کس سے کہوں کوئی نہیں پوچھتا۔ ہاں ہاں "بے زری سو عیبوں کا عیب ہے"۔ میں جوان ہو گیا۔ شادی کی فکر ہوئی۔ والدین رات دن اسی فکر میں گھلے جا رہے ہیں قرض کا خیال کرتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں پھر بھی ہمت کرکے قرض لیا جا سکتا تھا مگر اس دَولت سے بھری ہوئی دُنیا میں میرے ماں باپ کو قرض دینے کے لیئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ قلّاش لوگ قرض کہاں سے ادا کریں گے۔ ان کے پاس کیا دھرا ہے کوئی قرض کا ذکر بھی سُننا گوارا نہیں کرتا۔ اب میں بھی حیران ہوں کہ کیا کروں۔ کیسے اس بلا سے نجات ملے۔ ضروریات زندگی الگ ستاتی ہیں۔ ہمچشموں میں شرمندگی ہوتی ہے دل پریشان ہے۔ خیالات منتشر ہیں۔ کسی مجلس میں جانا آنا اچھا نہیں لگتا۔ لوگ بھی مجھے نہیں پوچھتے۔

بہت سے بدکار لوگ میرے محلے میں اکڑتے پھرتے ہیں اور سب ان کی خاطر کرتے ہیں اُن کے پاس پیسہ ہے اور میں نیک اور سیدھا آدمی ہونے کے باوجود اس قابل نہیں کہ کوئی مجھ سے اتنا پوچھ لے کہ میاں کیا حال ہے۔ آہ یہ بے زری کے کرشمے ہیں۔ سچ ہے "بے زری سو عیبوں کا عیب ہے" میں نوکری تلاش کرتا ہوں۔ جہاں جاتا ہوں وہاں خرچ کی ضرورت ہے اکثر جگہ سفارش کی حاجت ہے۔ مجھے غریب جان کر کوئی بات نہیں پوچھتا۔ کوئی سفارش نہیں کرتا۔ میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوں۔ مجھے لوگ ایسی نظر سے دیکھتے ہیں

کہ گویا میں ایک بدترین خلایق انسان ہوں مجھے بھی یاد آتا ہو کہ ہاں واقعی بے زری سو عیبوں کا عیب ہو میں کلیجہ تھام کے رہ جاتا ہوں۔

گھر میں آتا ہوں تو اماں جی طعنے دیتی ہیں۔ والد کی طبیعت پر بھی بار ہوں سوچتا ہوں کہ کہیں باہر چلا جاؤں مگر اتنا بھی نہیں کہ ایک روپیہ کرایہ میں خرچ کرسکوں۔ آخر ابھی تک اپنی بستی کی گلیوں میں پھرتا ہوں دیکھئے کب تک یہاں کی خاک چھاننا پڑے گی۔

میرے پیارے بھائیو! میں نے غلطی کی کہ اپنی مالی حالت کی اصلاح کے لئے پہلے سے کچھ نہ کیا اب بُرا وقت آگیا ہو میں پریشان ہوں۔ عقل بھی کام کرنے سے رہ گئی یا بے زری سے وہ بھی روٹھ گئی آہ

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہو
کہ تاریکی میں سایہ بھی جُدا رہتا ہو انساں سے

سود مند کے پڑھنے والو! میری داستان سے عبرت حاصل کرو۔ خدا کی قسم مال کے بغیر جینا محال ہو اسی لیے خدانے بھی مال حلال کمانا انسان کا فرض ٹھہرایا ہو۔ کاش سمجھنے والے سمجھیں تو بیڑا پار ہو۔ والسلام

تحفظ جائداد کی بہترین تدبیر
وقف علی الاولاد

عرصہ دراز سے ہندوستان کے مسلمان بالخصوص زمیندار و کسان روز افزوں پستی اور تباہی کے عمیق گڑھے میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ زمینداری کا بڑا حصہ اغیار کو منتقل ہو چکا اور جو کچھ باقی ہے وہ بہت کچھ مکفول اور گرفتہ شبے مانند شبے دیگر مانند کا مصداق ہے۔ ورنہ یعنی زمینداری کا حصہ بے شبہ ہماری اکثر برائیوں کا سرچشمہ ہے

ملک کے بعض حصوں میں نہیں اکثر خاندانوں میں صنف ضعیف محروم الارث ہے اور طرح طرح کے حیلوں سے اس غریب طبقہ کو بالکل یا بہت کچھ محروم کرنے کی تدبیر و ترکیب کی جاتی ہے۔ اس ظالمانہ رسم کا وبال مختلف روحانی کلفتوں اور تمدنی شکر رنجیوں کی ترش و تلخ مکروہ و قابل نفرین صورتوں میں ناگوار و دل خراش اثر جلد یا بدیر ضرور دکھلاتا ہے۔

"اس وقت بیسویں صدی ہے اور عورتوں کے حقوق اور آزادی کا شور مچ رہا ہے لیکن اس وقت جبکہ دنیا کا ایک بڑا حصہ تاریکی میں تھا تو پیغمبر عرب نے عورتوں کے حقوق کو تسلیم کیا اور قانون کی نظر میں ان کو ایسے درجہ پر پہنچا دیا ہے جو آج کل زمانہ تہذیب میں انھیں دینے سے انکار کیا جاتا ہے"

(مسٹر اے۔ کے ابو احمد غزنوی)

"لیکن ہماری عملی زندگی ببانگ دہل اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہے کہ ہم رجوع الی الجاہلیۃ پر فخر و ناز کرتے ہیں۔ صنف ضعیف ہی کو ورثہ سے محروم نہیں کیا جاتا۔ کاش اسی پر بس ہوتا۔ زمینداری کے متعلق یہ مثل مشہور ہے اور صحیح ہے کہ قبضہ سچا اور جھگڑا جھوٹا کمزور اور چھوٹے حصہ دار بالعموم ہمیشہ پیسے جاتے ہیں مالک بلکہ قانوناً قابض ہونے کے باوجود بسا اوقات کم و بیش محروم رہتے ہیں زمینداری کے لئے آج کل مقدمہ بازی لازمی ہے قوانین مروجہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مقدمہ بازی روز افزوں ترقی پذیر ہو اور بے شمار تمدنی نقائص کو ظہور میں لائے۔ کاش! علمائے کرام کی کسی مقتدر جماعت کو اس رنج دہ حقیقت کا کچھ احساس ہوتا" "اگر ہم اپنے جھگڑے خود فیصلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے تو ہم درحقیقت اس نظام اسلامی سے بے بہرہ ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قایم فرمایا تھا"

(حضرت مرزا بشیرالدین محمود امام جماعت احمدیہ)

قرض زمین کا زیور ہے۔ قرض کی مذمت آسان ہے مگر قرض سے نجات محال ہے بالخصوص ادنی مزارعین کے لئے ممکن نہیں کہ انھیں موجودہ تمدنی دور میں قرض کے نہنگ سے خلاصی نصیب ہو۔

موجودہ زمینداری بیکاری کا بھی سرچشمہ ہے اور نا اتفاقی کا منبع ریاست کا گمان احمق نوجوان کو بلا اوقات وسائل معاش کے فکر و تردد سے بہت کچھ غافل کر دیتا ہے حقیر املاک پر مغرور ہونا شاذ نہیں ہے موجودہ ابلہانہ اطمینان آئندہ خطرناک انجام کا پیش خیمہ ہوتا ہے سچ پوچھو تو چھپنے سے چھوٹا رقبہ بھی غافل و مغرور بنانے کا اپنے اندر بالعموم خاص برقی اثر رکھتا ہے۔

روز افزوں ترقی پذیر تقسیم در تقسیم سے زمین کی مٹی اور بھی خراب ہوتی ہے باہمی نفسا نفسی اور خود غرضی کا ذلیل و رکیک جذبہ خوب پرورش پاتا ہے تو آپس کی کشاکش و کشمکش کا دروازہ بُری طرح کھول دیتا ہے جس سے یہ خدائی نعمت تریاق رحمت ہونے کے بجائے تمدن کے حق میں زہر ہلاہل ثابت ہوتی ہے یہ روز افزوں مشکلات و آفات فوری توجہ کی مستحق ہیں یہ ہمہ گیر اور مزمن و مہلک امراض کسی شافی علاج کے طلبگار رہیں۔

تمام مشرق میں خیرات کے فضائل مشہور و معروف ہیں یہ مسلہ ہے کہ خیرات جا بہ بہترین صدقہ ہے اور کم از کم ابتدائی منزل میں اوّل خویش بعدہٗ درویش ایک قدرتی قانون کا فطرتی اصول ہے۔

بظاہر قدرتی طور پر ایسا وقف جو کسی شخص نے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے اس طرح پر کیا ہو کہ آئندہ نسلوں کے حق میں سلسلہ نامتناہی کی طرح غیر معین وقت تک کے لیے مخصوص رہے زمانہ حال کی عقل قبول نہیں کرتی لیکن بقول لارڈ چانسلر ایل ہاسری

"قانون ہمیشہ منطق پر مبنی نہیں ہوتا اور اگر ایک مسلہ منطق کے مطابق ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ جائز بھی ہو" (بابو بھوپندر ناتھ باسو)

حقیقت یہ ہے "خیرات پانی کی مانند ہے جس طرح کہ پانی جس زمین سے گزرے اسی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح خیرات کا حال ہے جس کو دی جائے اس کے مستحق ہونے یا غیر مستحق ہونے پر خیرات کا جواز یا عدم جواز منحصر ہے" (مشہور ہندو جج اور مقنن سر سبرامانیہ آئر)

"اہل اسلام کے لیے فخر کا مقام ہے" ہمارے پاک قانون میں تمام مسائل مکمل طور سے دیئے ہوئے ہیں خواہ وہ مسلہ متعلق وراثت کے یا نکاح یا امانت ہم سمجھتے ہیں ہمارا قانون اس قسم کا نتیجہ خیز ہے کہ وہ ہر حالت اور ہر وقت میں معاملات متعلقہ سے مناسب طور پر تعلق پذیر کہا جا سکتا ہے (نواب سید محمد بہادر کلکتہ)

قرآن و حدیث و فقہ تینوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "ہر ایک نیک غرض جو خدا کو پسند ہو یا جس کے ذریعہ خدا تک رسائی ہو سکتی ہو جائز وقف میں داخل ہے اپنے اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کے لیے گزارہ بہم پہونچانا ایسا ہی نیک کام ہے جیسا کہ عام مساکین کی پرورش کے لیے وقف کرنا یہ اصول مذہب اسلام پر مبنی ہے رسول کریم کی تعلیم سے اخذ کیا گیا ہے" (سید امیر علی)

"قرآن مجید میں جہاں کہیں خیرات کا حکم ہے وہاں پہلے قرابت داروں کو دینے کا حکم ہے" (نواب عبدالمجید)

لیکن خیرات کا انتظام درکنار مسلسل انتشار سے جائدادیں گھٹتی اور مٹتی جاتی ہیں۔ مسلسل تقسیم درتقسیم اور توڑ پھوڑ ہوتے رہنے سے گھٹتے گھٹتے آخرکار اصلی خاندان کے ارکان کے ہاتھوں سے بسا اوقات جائداد بالکل نکل جاتی ہے اور صدیوں کے عزووقار کا بالآخر نام و نشان بھی ملیا میٹ ہوجاتا ہے۔

وراثت و قانون وراثت کے نامتناہی و متعدی نقائص و امراض کا علاج ممکن ہے سہل ہے مفید تر ہے۔ قانون وقف علی الاولاد کے ماتحت یک جائی انتظام کے ذریعہ صدیوں تک خاندانوں کی جائدادیں مجتمع رہ سکتی ہیں اور ان کا عزووقار بہتر شان کے ساتھ محفوظ رہ سکتا ہے۔

آئندہ ورثہ پر تکیہ نہ ہونا بھی بڑی نعمت اور رحمت ہے شروع ہی سے اپنی ہی ہمت و قوت اور خود قوت بازو سے دولت کمانے کے لئے یہ بات بڑی بھاری ترغیب کا باعث ہوتی ہے اور اکثر حالتوں میں اپنی ہی محنت ولیاقت سے اپنے ہی خاندان کی جائدادوں کے برابر جائداد پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے

الحاصل

وقف علی الاولاد جدی میراث کے تحفظ کی بہترین تجویز اور زریں تدبیر ہے۔ ایک روسی عالم جس نے اس مضمون کو نہایت احتیاط سے مطالعہ کیا ہے۔ اس قانون کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

"اس قانون نے اقتصادی سوالات کو جو ہمیشہ والدین کو اپنی اولاد کی آئندہ بہتری کے لئے متردد رکھتے تھے نہایت خوش اسلوبی اور عاقلانہ طریقہ سے حل کردیا ہے" اس کی وجہ ظاہر ہے

"یہ ایک ایسے اصول کو تسلیم کرتا ہے کہ جو مسلمانوں کے لئے نہایت ہی ضروری ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کے اس افلاس کا انسداد کریگا جو ان کی جائداد دوسروں کے ہاتھوں میں چلے جانے سے ان کو لاحق ہوتا ہے ہمارے مذہب کے ہادی صلعم نے مالک متوفی کے ورثا کے درمیان جائداد کی تقسیم کا قاعدہ مقرر کردیا ہے اور ساتھ ہی اپنی عجیب اور خداداد ذہانت سے ورثا میں بذریعہ وراثت نامتناہی جائداد کے تقسیم درتقسیم ہوجانے کے نتائج کے برخلاف چارہ کار کا انتظام کردیا ہے" (آنریبل فاضل بھائی کریم بھائی ابراہیم بمبئی)

"یہ قانون مسلمان سوسائٹی کی نشوونما اور محافظت کے لئے نہایت اعلےٰ درجہ کا اقتصادی پایہ رکھتا ہے۔ نیز ہندوستان کے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے لحاظ سے قانون وقف جو ان کے مذہب پر مبنی ہے ایک اہم سیاسی پہلو رکھتا ہے" (آنریبل مسٹر سچدانند سنہا بیرسٹرایٹ لا)

یہی اکثر اقتصادی مشکلات کو حل کرنے اور متعلق تمدنی آفات کو دفع کرنے کی واحد بہترین عملی اور یقینی تدبیر صرف یہ ہے کہ ہر مقام پر بالخصوص ہر خاندان بہ حق الوسع یکجائی انتظام کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے

مفید و معقول شرائط کے ماتحت قانون وقف علی الاولاد سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھائے تمام جائداد وقف نہ کیجائے تو اہم جزو بالضرور وقف کر دیا جائے اور بہترین قواعد و ضوابط کے ماتحت قابل ترین افراد کو انتظام کا ذمہ دار بنایا جائے تاکہ تمام کام دیانتداری اور مستعدی سے سرانجام پائے۔

کوئی حصہ دار محروم نہ ہوگا اور مفقود و مفرور بھی نہ ہونے پائے گا اس کو شروع ہی سے معلوم ہو جائے گا کہ کسب معاش کے لیئے کوئی دوسری راہ اختیار کرنی ناگزیر ہے زمین اپنے قبضہ سے باہر نہ جائے گی اور جائز طور پر مستحق اقربا ہی کے کام آئے گی نہ صرف ترقی حیثیت زمین و ترقی زراعت کا دروازہ کھُل جائے گا بلکہ بعض ارکان خاندان مجبور ہوں گے کہ دیگر وسائل معاش اختیار کریں اور صنعت و تجارت کے میدان میں جائیں اور دوسری جگہ قسمت آزمائی کریں۔ یہ انتظام ممکن بلکہ اغلب ہے کہ اقتصادی اتحاد کا محرک ہوگا اور ترقی حیثیت کے لیئے مہمیز ثابت ہوگا۔

کسی صورت سے بھی زمین کو منتقل نہ سکنے اور قرض کی قابلیت سے کلیتہً محروم ہو جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کاروبار کی کوئی دوسری شاخ ضرور تلاش کی جائے بلکہ کفایت شعاری امداد باہمی کے ذریعہ سرمایہ کی ضرورت کا احساس مجبور کرے گا کہ اسراف بالخصوص شادی و غمی کی بیہودہ رسوم کی پابندی اور مقدمہ بازی سے اجتناب کُلّی عمل میں آئے۔ (مسلم)

اجلاس اصلاح المسلمین منگلور ضلع سہارنپور

۲۵-۲۶-۲۷- نومبر ۱۹۲۵ء کو انجمن اصلاح المسلمین منگلور ضلع سہارنپور کی طرف سے تبلیغ و تنظیم کانفرنس کے نہایت ہی کامیاب جلسے ہوئے جن میں مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی مولانا مرتضے حسین صاحب دیوبندی مولانا محمد طیب صاحب مولانا نثار احمد صاحب اور مولوی جودت صاحب نے پرمغز اور پُراثر تقریریں کیں۔ بہت سے ریزولیوشن پیش کیئے گئے اور منظور ہوئے۔ منجملہ اُن کے ایک تجویز سود مند کے ذریعہ سے نذر ناظرین کی جاتی ہے۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کی اقتصادی خرابی اور ان کی فضول خرچی کے نتائج پر غور کرکے تجویز کرتی ہے کہ مسلمان شادی غمی کی تقریبوں میں اخراجات کو محدود کریں اور برادری اور سوسائٹی کے مجوزہ اخراجات سے تجاوز نہ کریں اور فضول خرچیوں اور فضول رسموں کو چھوڑ کر رسومات کی اصلاح کریں اور اسراف سے باز رہیں گو اس سے قبل ہر جلسے میں اس تجویز کا متفقہ طور پر منظور ہونا کہاں اثر کا مستحق نہیں ہے کہ ہم فرداً فرداً اس کی اہمیت کو کہیں [illegible] اور دوسروں کو سمجھائیں مگر اس کا جواب اشتہارات میں ہے تو اقرار کی ضرورت نہیں عمل کی ضرورت ہے (الجمعیۃ [illegible])

بچت کا آسان طریقہ

(از رسالہ کوآپریشن لاہور)

دُنیا میں کوئی ملک جب تک کہ وہ اپنی آمدنی سے کچھ نہ کچھ بچت نہ کرے۔ وہ کسی حالت میں خواہ آمدنی میں کتنا بڑھا ہوا کیوں نہ ہو کبھی بھی خوشحال نہیں ہو سکتا۔ ملک پنجاب میں یہ خاص بیماری ہے۔ کہ اِس صوبہ کے لوگ خصوصاً زمیندار بھائی شروع ہی سے بچت کے عادی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ افلاس اور قرضداری دِن بدن ترقی اور زور پر ہے۔ کیا وجہ ہے کہ یورپ کو آج سب سے امیر ملک کہا جاتا ہے۔ حالانکہ صوبہ پنجاب کی زمین اِس ملک سے بدرجہا بہتر اور زرخیز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اِن سب میں بچت کا مادہ ہے۔ اور وہاں تھوڑی تھوڑی بچائی ہوئی رقم آج کروڑوں کی تعداد میں جمع ہے۔ یورپ زرخیز ملکوں کو قرضہ دینے کی دعوت دیتا ہے۔

مگر افسوس کہ پنجاب کے باشندوں میں یہ مادہ ہی نہیں کہ وہ آئندہ مصیبتوں کے لیئے کچھ نہ کچھ اپنی بچت میں سے جمع کیا کریں۔ یہ خیال یا مادہ بالکل کالعدم ہے۔ اور جب تک یہ مادہ پیدا نہ کیا جائے کبھی کامیابی اور خوشحالی کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ ہمارے ملک میں اگر تھوڑا بہت یہ مادہ ہے بھی تو ساہوکار و دیگر تاجر لوگوں میں۔ اور زمیندار طبقہ میں تو اس کا نام تک بھی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اِن کی نسبت زیادہ آسودہ اور مالدار ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بیماری کا علاج کیسے کیا جاوے؟ اور کیسے یہ مادہ پیدا کیا جاوے اور ایسا آسان طریقہ نکالا جاوے جس سے انھیں پتہ بھی نہ لگے۔ اور کسی قسم کی تکلیف بھی نہ ہو اور بچانے کے عادی ہو جاویں۔

اس کے لیئے میں نے لاہور میں جو طریقہ بذریعہ کوآپریشن شروع کیا ہے وہ عرض کیئے دیتا ہوں۔ میں نے تھوڑی سی [illegible] کے بعد آٹا جمع کرنے کی انجمنیں چھ گاؤوں میں جاری کی ہیں۔ اِن انجمنوں کے ممبروں کے گھروں میں ایک ہی قد کے مٹی کے گھڑے رکھے گئے ہیں۔ اور اِن سب کو آٹے سے پُر کر کے آٹے کا وزن کر لیا گیا تاکہ ممبران کو ہر بار انھیں ناپنا نہ پڑے اور یہ یادداشت رکھ لی گئی کہ فلاں ممبر کے گھڑے میں اتنا آٹا سماتا ہے اور ان گھڑوں پر ان ممبران کے نام لکھ کر پرچیاں لگائی جاتی ہیں۔ اِن گھروں میں ان عورتوں کی عورتیں [illegible] پکانے کے وقت صبح اور شام ہر روز ایک مٹھی آٹے کی اس میں ڈال دیتی ہیں۔ وہ گھڑے جب بھر جائیں کمیٹی کے ممبران کے حوالے کیئے جاتے ہیں۔ اور یہ ان کو اکٹھا فروخت کر کے

علیحدہ علیحدہ وصول شدہ رقم اِن کے کھاتہ حساب میں جمع کردیتے ہیں۔ یہ گھڑے عام طور پر ایک ہی وقت میں پُر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ایک ہی ناپ کے ہیں۔

پہلے یہ بائی لا تھا کہ جب کسی ممبر کی اس طریقہ سے وصول شدہ رقم مبلغ دس روپے ہو جاوے تو اس ممبر کو واپس کی جاوے۔ مگر بعد ازاں ہمارے ہمدرد اور فاضل افسر جناب آغا عطاء اللہ خاں صاحب کل رجسٹرار بہادر کے مشورہ سے یہ بائی لا رکھا گیا۔ کہ بجائے دس روپیہ کے پانچ روپیہ تعداد کی جاوے اور بجائے ممبروں کے واپس کرنے کے اِن کو اس رقم سے گھروں کی روزانہ اشیاء خوردنی خرید کرکے دی جاویں۔ مثلاً تیل۔ نمک۔ مرچ اور مصالحہ وغیرہ وغیرہ تاکہ یہ دُکاندار جو کہ زمینداروں کی سال بھر کی پیداوار سب نچوڑ لیتے ہیں۔ لوگ اس سے بچ جاویں۔ ۱۵ روپے بجائے دس روپیہ کے اگر واپس ہوگئے تو انھیں ایک قسم کا یقین اور توسلہ ہو جاوے گا۔ اور انھیں زیادہ بچت کے مادہ کی خواہش پیدا ہوگی۔ یہ بچت بالکل نامعلوم اور بالکل آسان ہے۔ اور کامیابی کا آسان طریقہ ہے۔

اس تحصیل میں اِس وقت چھ گاؤں میں ایسی انجمنیں قایم کی گئی ہیں۔ اور کام کر رہی ہیں۔ اور ایک انجمن نے تو مبلغ ۱۵۰ روپیہ اس طریقہ سے جمع کرلیا ہے۔ اس طرح کی بچت اس گاؤں کی قرضہ کی انجمن میں بمد امانت رکھی جاتی ہے۔ اگر قرضہ کی انجمن نہ ہووے تو سنٹرل بنک میں رکھی جاتی ہے۔ پروپیگنڈا اس کام کا ہر گاؤں میں ہے۔ اور لوگ تیار ہیں مگر حسب الحکم جناب سرکل رجسٹرار صاحب ہر گاؤں میں ابھی جاری نہیں کیا گیا اِس خیال سے کہ موجودہ انجمنوں کی نگرانی زیادہ کی جاوے۔ اور ان کو کامیابی تک پہنچایا جاوے۔

علاوہ ان کے امریکہ کے طریق پر صندوقچیاں بھی گھروں میں مقفل رکھی گئی ہیں۔ اور اس میں ممبران اپنی اپنی صندوقچی میں اگر وہ سودا خلاً گوشت وغیرہ منگوانے لگیں۔ تو ایک یا دو پیسے اس میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر ایک سودا منگوانے کے وقت ہر ماہ کے بعد کمیٹی کے ممبران اس کے گھر جا کر اس صندوقچی کو اس کے سامنے کھولیں گے۔ اور جو کچھ نکلے گا وہ اپنے قبضہ میں لیکر اس کے پاس بُک بمد رسید دیدیں گے۔ اور اس طریق سے بچت جب دس روپیہ ہو جاوے گی تو انھیں واپس کیجاوے گی۔ یہ کام موضع کالا سنہ میں شروع ہے۔ اور فی الحال اس کے بیس ممبر ہیں۔ لاہور کے گرد و نواح میں یہ کام شروع کیا جاوے گا۔ کیونکہ پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔

اس طریقہ سے اگر انجمنیں جاری کی جاویں۔ تو یقیناً اس ملک میں بچت کرنے کی خواہش پیدا ہو جاویگی اور کچھ عرصہ کے بعد یہ ملک ضرور خوشحال ہو جاوے گا۔

یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر تین صد یعنی ڈیڑھ سو ممبران ایک ایسی انجمن میں شامل ہو جاویں۔ اور

صبح اور شام تین صد ستھ آنا کی جمع ہو۔ تو ایک سال کے بعد ایک ہزار روپیہ جمع ہو جاوے گا۔

(محمد اسلم خاں انسپکٹر بنک لاہور)

کفایت شعاری کا عملی سبق

(از رسالہ کوآپریشن لاہور)

ورنیکلر مڈل اسکول قبولہ تحصیل پاک پٹن میں طالبعلموں کو کفایت شعاری کا عملی سبق سکھلانے کے لیئے ایک کفایت شعاری کی انجمن مولوی محمدؐ علی صاحب ہیڈ ماسٹر اور دیگر ایسے ماسٹر صاحبان کی جنھیں تحریک امداد باہمی کے ساتھ خاص انس ہی) کوشش سے جاری ہوئی ہی۔ جس کا نام اُنھوں نے کفایت شعاری پیسہ اندوزی (پیسہ جمع کرنے والی انجمن) رکھا ہی۔ میرے خیال میں یہ اپنی قسم کی پہلی انجمن ہی۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہی۔ طالبعلموں کو اپنے روزانہ خرچ سے پیسہ دو پیسہ بچانے کی ترغیب دی جاتی ہی۔ اور جب پیسہ پیسہ جمع ہو کر آٹھ آنے یا اس سے اوپر کچھ رقم ہو جاتی ہی۔ تو طالب علم کو کسی خاص ضرورت کی حالت میں عندالطلب واپس کر دی جاتی ہی۔ وظیفہ خوار طلبا۔ اپنا وظیفہ انجمن میں جمع کراتے ہیں۔ اور حسب ضرورت بعد میں رقم برآمد کرکر خرچ کرتے ہیں۔ مَیں نے اس انجمن کا معائنہ ۱۶ر جولائی ۱۹۲۶ء کو کیا اور یہ دیکھ کر مجھے واقعی حیرت ہوئی۔ کہ بعض غریب طلباء نے بھی جن کے پاس ایک پیسہ تک جمع ہونے کی توقع نہ تھی۔ دو تین روپے جمع کر لیئے ہیں۔ اور بعض فضول خرچ طلباء نے فضول خرچی چھوڑ کر اچھی خاصی رقم جمع کر لی۔ یہ ایک قدرتی بات ہی۔ کہ جب کوئی آدمی کفایت شعاری کے ذریعہ سے تھوڑی سی رقم بچالے تو اُسے خود بخود زیادہ بچانے کی عادت ہو جاتی ہی۔ اور اس اسکول کے طالبعلموں میں بھی اسی اصول کے ماتحت بچانے اور جمع کرنے کا شوق دن بدن زیادہ ہو رہا ہی۔ یہ انجمن ۱۹ر مئی ۱۹۲۶ء کو جاری ہوئی۔ تعداد ممبران اس وقت ۷۹ ہی۔ سرمایہ جمع شدہ اس وقت ۲۰ روپیہ ۸ آنے ۹ پائی ہی۔ مگر اس قلیل عرصہ کے تمام لین دین پر اگر نظر ڈالی جائے۔ تو یہ انجمن ۷۰ روپے کے قریب جمع کر چکی ہی۔ چونکہ یہ انجمن نابالغ بچوں میں جاری ہوئی ہی۔ اس لیئے یہ ایک غیر رجسٹری شدہ انجمن ہی۔ اس کا پریزیڈنٹ مڈل اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہی۔ اور خزانچی و سکریٹری الگ ماتحت مدرس ہی۔ ممبران انتظامیہ مڈل اسکول کے طلباء ہیں۔ انجمن کے قواعد ابھی زیر غور ہیں۔ جن پر آئندہ کسی وقت بحث کی جائے گی۔ مگر اس وقت میں اتنا بیان کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ انجمن طالبعلموں کو کفایت شعاری کا سبق پڑھانے کے لیئے ایک نمونہ ہی۔ اور دوسرے سکولوں کو بھی اس کی تقلید کرنی واجب ہی۔ تاکہ صوبہ بھر کے تمام طالبعلم جن پر ملک اور قوم کی آئندہ

ترقی کا دارومدار ہے۔ کفایت شعاری کا عملی سبق سیکھ لیں۔ (خدا بخش انسپکٹر زمیندارہ بنکس پاک پتن)

کفایت شعاری

(از جناب سردار بے انت سنگھ صاحب)

ڈپٹی رجسٹرار

خرچ میں کمی کفایت شعاری کا دوسرا اور بڑا ذریعہ خرچ میں کمی کرنا ہے۔ اس کمی سے بُری خوراک کھانا یا ردی لباس پہننا مقصود نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ فضول امور پر خرچ نہ کیا جائے۔ مثلاً مقدمات کی روک تھام۔ شرح سود کی کمی۔ ضروریات کو تھوک کے حساب سے خریدنے۔ اور مویشیوں کو ہلاکت سے بچانے اور اپنے آپ کو بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے حفظان صحت کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے اور تنسیخ ملکیت کے ذریعہ سے کفایت شعاری کی عادت ڈالی جائے۔ یہاں میں اس تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کہ مذکورہ خرابیوں اور مقدمات کے باعث کس قدر روپیہ برباد ہوتا ہے میں فقط بطور مثال۔ بیان کرتا ہوں کہ پنجابی کسان ہر سال فقط دس کروڑ روپیہ کا نقصان صرف گنے کی فصل پر محض اس لئے برداشت کرتا ہے کہ گنے میں سے رس نکالنے کے لئے ناقص مشین استعمال کرتا ہے۔ اور یہ نقصان صوبہ پنجاب کے محصول اراضی سے زیادہ ہے۔ حال ہی میں حکومت پنجاب نے مسٹر بیلوڈی کو اس واسطے مدعو کیا تھا کہ وہ پنجاب میں صنعت قند کا معائنہ کریں اور جو اندازہ بتایا گیا ہے یہ آپ کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ یہاں میرا یہ مقصود نہیں ہے کہ میں وہ ترکیبیں وضع کروں جن پر عمل کرکے مقدمات کے مضر نتائج اور دوسری خرابیوں کے نقصان دہ اثرات کا سد باب کیا جا سکتا ہے۔ میرا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان میں سے ہر ایک شئی کفایت شعاری کی راہ میں ایک روک ہے۔ عملی دور اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ مقدمات کی بُرائیوں۔ تنسیخ ملکیت نہ ہونے۔ انتہائی شرح سود۔ وبائی مرض ہلاکت مویشیان اور ناقص مشین وغیرہ وغیرہ خرابیوں کے باعث جو نقصان ہو رہے ہیں ان کو بند کرنے کے لئے کامل توجہ اور پوری کوشش کی جائے۔ یہ خرابیاں وہ ہیں جن کا وجود ہر گاؤں اور ہر گھر کے لئے ایک تین آفت کا حکم رکھتا ہے۔ اور ان کی وجہ سے ان میں ایک زلزلہ برپا ہے۔ بربادی۔ پامالی۔ اور تباہی کے ان اسباب نے لوگوں کی آمدنیوں پر بڑے بڑے بوجھ ڈال دیئے ہیں۔ اور مصیبتیں ان کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں کہ وہ کچھ روپیہ بچا کر ترقی بخش کاموں میں صرف کرسکیں۔

انجمنہائے امداد باہمی محکمہ امداد باہمی نے ان تمام بیماریوں کا علاج مختلف قسم کی انجمنہائے امداد باہمی کی شکل میں پیش کیا ہے۔ جو نتائج ان انجمنوں کے قیام سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ وہ ان علاج کے موثر اور

اور سود مند ہونے کا ثبوت ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ملک کے ارباب سیاست متذکرہ علاج کا مطالعہ کریں اور عامتہ الناس کو اس کے استعمال پر راغب کرنے کے لئے اپنا فرض ادا کریں۔ لیکن یہ کام ذرا ٹیڑھی کھیر ہے اس کیلیے ضروری ہے کہ لوگوں کے دروازوں پر پہونچکر دستک دی جائے۔ ان کو سمجھایا جائے۔ یہ ضرورت پلیٹ فارموں پر کھڑے ہو کر فصاحت و بلاغت کے پھول بکھیرنے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ ملک کی مصیبت کا حل تقریریں نہیں ہیں۔ ان لیکچروں سے نہ تو ملک سے بیکاری دور ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی افلاس کا مرض کافور ہوسکتا ہے ہم کو صنعتوں اور کارخانوں کی ضرورت ہے لیکن ان کا قیام اور بقا سرمایہ کے بغیر محال ہے اور کفایت شعاری کے بغیر سرمایہ کا فراہم ہو جانا ایک جھوٹا خیال اور لایعنی خواب ہے۔ اس لیئے وہ لوگ جو اپنی بہتری۔ اپنے خاندان کی بہتری۔ اپنی قوم کی بہتری۔ اور اپنے ملک کے سود و بہبود کے طالب ہیں۔ ان کا سب سے پہلا فرض کفایت شعاری کا عادی ہونا اور اس کے فوائد سے عامتہ الناس کو آگاہ کرنا ہے۔

گزشتہ مشکلات یہ حقیقت کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ فضول اخراجات کا ترک کر دینا۔ آمدنی میں اضافہ وہ دو ستون ہیں جن پر کفایت شعاری کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ اب میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ عادت کس طرح سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ اور وہ کیا وجوہ تھے۔ جنھوں نے ہم کو کفایت شعار نہ بننے دیا۔ اس ضمن میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عامتہ الناس کی باہمی خانہ جنگی۔ ذاتی تنازع اور بیرونی دشمنوں کے حملوں کا خوف وہ اسباب ہیں جنھوں نے لوگوں کو کفایت شعار نہ بننے دیا۔ جب ہر شخص کو یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ دشمن آئینگے اور اس کا مال لوٹ کھسوٹ کر لے جائیں گے تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ وہ اپنا مال بچا کر رکھے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے۔ کہ بے امنی اور بے چینی زندگی کو اجیرن کر دیتی ہے۔ احتیاط اور دور اندیشی کا مادہ فنا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں تاریخ ہند کے یہی وہ ایام ہیں جن میں لوگوں میں اپنا مال زیر زمین دفن کرنے کی عادت پیدا ہوئی۔ جب سرمایہ ہی خطرہ میں تھا تو کوئی شخص بھی اپنا روپیہ نفع بخش کاموں میں نہیں لگا سکتا تھا۔ لوگوں نے ڈر کے مارے یا تو روپیہ پیسہ زمین میں دفن کر دیا اور یا یہ کیا کہ اس کے زیورات بنوالیئے۔

یہ شمار کرنا تو از حد مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ لوگوں نے کس قدر نقدی زمین میں دبا رکھی ہے لیکن اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک سُنار کی روزانہ اُجرت تصور کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ہر سال جس قدر روپیہ زیور کے تیار کرنے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ اس زر کثیر سے بھی زیادہ ہے جو نہر ہائے پنجاب کی تعمیر میں صرف ہوا۔ اور یہ وہ نہریں ہیں جو ہر سال ۳۰ لاکھ ایکڑ اراضی کی آبپاشی کر رہی ہیں اور ان کی وجہ سے ہر سال ۴۰ کروڑ روپے کی مالیت کی فصلیں پیدا ہو رہی ہیں۔

ہمیں کفایت شعاری کی عادت پیدا نہ ہوسکنے کی دوسری وجہ یہاں کی بود و باش کا نسبتاً آرام دہ

ہوتا ہے۔ زمینیں شاداب اور زرخیز ہیں۔ اور ہر سال دو فصلیں دیتی ہیں۔ اور لوگ زیادہ اضطراب اور بے چینی محسوس کئے بغیر مختلف موسموں میں اپنی زندگی کے دن بسر کر لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انگلستان کے رہنے والوں کو کفایت شعار وہاں کے سرد موسم نے بنایا۔ یورپ کے شمالی گوشے میں رہنے والی اقوام کی جائداد کا ایک حصہ وہاں کی آب و ہوا کی سختی کا رہین منت ہے۔ سردی کا ڈر ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ گرمیوں ہی میں جاڑے کے لئے خوراک کوئلہ اور گرم لباس کا انتظام کر لیں۔ چونکہ زمین دو فصلی نہیں اس لئے وہ گرمیوں میں اتنی گھاس اور اتنا غلہ جمع کر لیتے ہیں۔ جو سردیوں میں اُن کے کام آسکے۔

عملی حصہ کفایت شعاری کے معانی شخصی۔ قومی اور ملکی مفاد کے لئے اس کی ضرورت ہیں۔ اور ضروریات کفایت شعاری پر بحث کی جا چکی ہے۔ اب یہ دکھانا ہے کہ کفایت شعاری کا عملی پہلو کیا ہے۔ اور وہ صیغہ جات کیا ہیں۔ جو کفایت شعاری کے جذبے کو اُبھارنے کے لئے قایم ہیں اور وہ کس حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ "کمانا" کفایت شعاری میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ محض زیادہ کمائی ہی کفایت شعاری نہیں ہے۔ کمائی تو محض ایک ذریعہ ہے۔ جس کا ہونا کفایت شعاری کے لئے ضروری ہے۔ لیکن کمائی ہی کفایت شعاری کے برابر نہیں۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض اشخاص محتاط اور دور اندیش نہ ہونے کے باعث اچھی خاصی دولت کو یونہی ضایع کر دیتے ہیں اور کفایت شعار نہیں بنتے۔ اور اعلےٰ کمائی کی بدولت کفایت شعاری کے خوگر ہو جانے کے نادر موقع کو ضایع کر دیتے ہیں۔ اکثر حالات میں زیادہ کمائی، زیادہ کاہلی۔ زیادہ شراب خواری زیادہ فضا پسندی کا سبب بن جاتی ہے اور زیادہ عمدہ کمائی سے عمدہ نفع حاصل کرنے کے لئے دور اندیشی ہوشمندی اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ کفایت شعاری اختیار کرنا آسان فعل نہیں۔ خاصکر شروع شروع میں تو اس راہ میں سخت تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ کفایت شعاری ایک ہنر ہے۔ یہ ہنر دور اندیشی کی عادت ڈالنے سے ہوتا ہے۔ اس کے لئے جذبۂ ایثار کا ہونا ضروری ہے۔ یہ آسانی اور جلدی سے نہیں آجایا کرتا۔ بلکہ اس کے لئے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ لازمی ہے کہ کسی کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر کفایت شعاری کا ڈھنگ سیکھا جائے۔ دور اندیشی ایک کمیاب وصف ہے بہت کم انسان اس صفت کے مالک ہوتے ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو آئندہ کی بہتری کے موجودہ سُکھ کو قربان کر دینا چاہیئے۔ لوگ عام طور پر یہی چاہتے ہیں کہ ان کا حال درست ہو جائے ان کو مستقبل کی اتنی پروا نہیں ہوتی۔ روپیہ کو بچانے کی نسبت کمانا زیادہ آسان ہے۔ اس لئے روپیہ کمانے کی نسبت روپیہ بچانے کے لئے زیادہ تکلیف اور زحمت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ہر ایک شخص کو یہ بصارت اور بصیرت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ پیسوں کے اندر مہروں کی جھلک دیکھ سکے۔ لوگ آج کی ضروریات کو

کل کی ضروریات پر مقدم رکھنے کے عادی ہیں۔ اور دوراندیشی کا تقاضا یہ ہو کہ کل کی ضروریات کو آج کی ضروریات پر ترجیح دی جائے۔

بہت کم لوگ اس حقیقت کو تسلیم کرسکتے ہیں۔ کہ اگر فقط حقہ نوشی ترک کر دی جائے۔ اور فقط دو پیسے روز باضابطہ بچائے جائیں۔ اور برابر ۳۰ سال تک اسے جاری رکھا جائے تو ۱۲ فی صدی شرح سود کے حساب سے ۲۰۰۱ روپے جمع ہوسکتے ہیں۔ ۲ پیسے روز جمع کر لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ ہر ایک بچہ بھی اس پر قادر ہوسکتا ہو۔ اس بچت کا عادی بن جانا تو کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس کی طرف توجہ بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ جہاں تک دیہات کا مجھ کو تجربہ حاصل ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ لوگ جتنا سالانہ لگان اراضی حکومت کو ادا کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ تمباکو پر صرف کر دیتے ہیں۔ حساب لگایا گیا ہو کہ اگر ۳۰ سال تک حقہ نوشی ہی بند کر دی جائے۔ اور جو کچھ اس پر صرف ہوتا ہو۔ اُسے بچا کر رکھا جائے۔ اور ۳۰ سال کے بعد جو رقم فراہم ہو اسے امور عامہ پر لگایا جائے تو ہر ایک گاؤں میں ایک مختصر سا شفاخانہ ایک عمدہ شفاخانہ مولیشیان۔ ایک مڈل سکول قایم کیا جا سکتا ہے۔ اور دیہات کی سڑکیں پختہ بنائی جا سکتی ہیں اور حفظان صحت کی حالت میں خوشگوار تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہو۔ اگر اس بچت کو ۵۰ سال تک اور جاری رکھا جائے تو دیہات کی اراضیات میں بے شمار چاہات کھودے جا سکتے ہیں۔ اور ایک ایسا فنڈ جاری کیا جا سکتا ہو کہ جس کی مدد سے محصول اراضی ادا کیا جا سکتا ہو۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہو کہ اگر ہمارے دیہاتی بھائی صرف حقہ پینا چھوڑ دیں۔ اور اس کفایت شعاری سے جو کچھ بچے اُسے امدادی بنکوں میں جمع کرائیں۔ تو اس سے ان کو کتنے فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔ غور کیجئے اگر وہ اس پر پچاس سال تک عمل کریں۔ اور بچت کا پیسہ باقاعدہ طریق پر جمع کرائیں۔ تو اتنا سرمایہ اکٹھا ہوسکتا ہو کہ دیہاتیوں کی بہت سی ضروریتیں پوری ہوسکتی ہیں۔ ان کی زندگی کو کوئی ایک سکھ ہو پہنچانے والی چیز حاصل ہوسکتی ہیں۔ بیماروں کے علاج کے لئے ڈاکٹروں کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ بچوں کے لئے استاد بہم پہنچائے جا سکتے ہیں۔ زمینوں کی آبپاشی کے لئے نئے کنوئیں کھودے جا سکتے ہیں مختلف قسم کے محصولوں کو ادا کرنے کا سامان ہوسکتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو پچاس سال کا عرصہ ایک گاؤں کی زندگی میں ایک لمبا عرصہ نہیں ہو۔ اس کے ساتھ ہی اگر دیہات والے یہ کریں کہ انجمن ہائے ثالثی قایم کریں اور اپنے تمام جھگڑے اپنے گھروں میں نپٹا لیا کریں۔ تو گاؤں میں بہشت کا نمونہ نظر آسکتا ہے۔ اس طریق پر جھگڑوں کا فیصلہ کرا لینے سے وہ خرچ بچ جاتا ہے جو عدالتوں میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس بچت اور اس تدبیر کا ایک فائدہ یہ ہوسکتا ہے کہ بیماریاں کم ہو جائیں وباؤں کی روک تھام کی جا سکتی ہے۔ جہالت دور کی جا سکتی ہے۔ علم پھیلایا جا سکتا ہے۔ بیکاری دور کی جا سکتی ہے

جھگڑے ختم کیے جا سکتے ہیں۔ اور آزادی کی لہر پیدا ہو سکتی ہے۔ کیا اس سے زیادہ عمدہ اور پیاری چیز دیہات کے لیئے ہو سکتی ہے؟ کیا اس سے زیادہ اچھا "سوراج" قایم کیا جا سکتا ہے۔ سوراج یہی ہے کہ دیہاتی سکھ اور چین کی زندگی بسر کرنے لگ جائیں یہ کام ناممکن نہیں بلکہ بالکل ممکن ہے۔ اور اگر کوشش کی جائے تو اس میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ ضرورت فقط یہ ہے کہ دیہاتیوں کو عمدہ ہدایات کی جاویں۔ صحیح راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے ان کو ٹھوس طریقہ سمجھایا جائے۔ اس ہدایت۔ نصیحت اور رستہ دکھلانے کے لیئے دانا اور سچے راہنما (لیڈر) کی حاجت ہے۔

اعلیٰ تعلیم کی آسان ترکیب لیجئے میں ایک اور مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ اس کی تاریخ پیدائش سے شروع کرکے، فیصدی مرکب سود کے حساب سے ہر روز چھ آنے جمع کرتا جائے اور وہ برابر ۱۸ سال تک اس پر عمل کرتا رہے۔ تو ۱۸ سال کی مدت کے گزرنے کے بعد اتنا سرمایہ اکٹھا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو ۲۰ روپیہ ماہوار کا خرچ دے کر اعلےٰ تعلیم دلا سکتا ہے۔ اور جب وہ اچھا خاصہ تعلیم یافتہ ہو کر دُنیا میں زندگی شروع کرنے لگے تو جمع ہوئی ہوئی رقم میں سے متذکرہ خرچ نکال کر ۵ ہزار روپیہ اس کے حوالے کر سکتا ہے۔

ہمارے اکثر دوست یہ شکایت کرتے ہیں کہ وہ یہ تو چاہتے ہیں کہ اپنے بچے کو اعلےٰ درجہ کی تعلیم دلائیں مگر کیا کریں۔ اس غرض کے لیئے ان کے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ اگر وہ بچت سے کام لیں اور جو تدبیر بیان کی گئی ہے اس پر عمل کریں تو ان کی یہ آرزو بڑی آسانی سے پوری ہو سکتی ہے۔ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو۔ اور وہ اس کی پیدائش کے دن سے شروع کرکے پانچ روپیہ ماہوار ہی جمع کرتا چلا جائے تو وہ اپنی دُختر نیک اختر کی شادی بڑی آسانی سے کر سکتا ہے۔ اسی طرح سے بہت سی مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے کہ اگر مختصر سی مختصر رقم بھی ہر ماہ جمع کی جائے۔ اور اس کام کو باقاعدہ طریق سے کیا جائے۔ اور اچھی خاصی مدت تک جاری رکھا جائے۔ تو معقول رقم اکٹھی ہو سکتی ہے۔ اور کئی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ اور کئی مصیبتوں سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

چند خطرے اس مقام پر پہونچکر میں چاہتا ہوں کہ اُن چند خطروں کا اظہار کردوں جو اس راہ میں پیش آ سکتے ہیں ؎

رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے

اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

اگر ان خطروں اور مشکلوں کی تقسیم کیجائے اور ان کی اچھی طرح سے جانچ اور پڑتال کی جائے۔ تو ان کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک کا نام ذہنی یا دماغی خطرہ کہا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے کا نام جسمی خطرہ کہا جا سکتا ہے۔ دماغی خطرہ یہ ہے کہ بعض آدمی یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ کفایت شعاری

بڑی کٹھن چیز ہے۔ان سے نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو حد سے زیادہ بے چارہ سمجھتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں وہ کچھ نہیں بچا سکتے۔ ان میں جرات نہیں پیدا ہوتی۔ وہ یقین کر لیتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز کچھ نہیں بچا سکتے۔ ان پر بالکل مایوسی سوار ہوتی ہے۔ وہ اُمید سے خالی ہوتے ہیں لیکن اگر وہ گھبرائے نہیں۔ اور قدرے غور و خوض سے کام لیں تو ان پر ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ جس چیز کو پہاڑ سمجھے ہوئے ہیں۔ اس کی حقیقت خیالی خطرے سے زیادہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر انسان کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرے اور وہ ہمت کا اظہار کرے تو کوئی چیز ایسی نہیں جو بالکل نہ ہو سکتی ہو۔ اگر اس خیال کے بھائی اپنے گھر کی آمدنی اور خرچ کا باقاعدہ حساب لگائیں۔ اور جو جو چیز ان کو خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اس کا اور اپنے گھر کے تمام اخراجات کا جائزہ لیں۔ تو یہ جانچ پڑتال ان پر ظاہر کر سکتی ہے کہ وہ جس دیوار کو فولاد کی دیوار سمجھ رہا ہے۔ اس میں بھی کئی ایک سوراخ ایسے ہیں جن کی مدد سے وہ اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر وہ اپنے باورچی خانے کی دیکھ بھال کرے تو کھانے پینے کے سامان میں کئی ایک چیزیں ایسی نظر آ سکتی ہیں کہ اگر وہ ان کا استعمال کم کر دے یا ان میں سے کسی چیز کو ترک کر دے تو اس سے سامان خورد و نوش میں نہ تو مقدار میں کوئی کمی ہو سکتی ہے اور نہ ہی لذت اور ذائقہ میں کوئی خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ کھانے پینے کا سامان تو ویسے کا ویسا ہی رہے گا لیکن اس کے باوجود اس میں کسی قدر کمی یا کانٹ چھانٹ کی گنجائش نکل آئے گی۔ یہی حالت لباس کی ہے۔ اس میں بھی بغیر کسی لباس کی کمی یا زیبائش کے کم ہو جانے کے کمی ہو سکتی ہے۔ مثلاً سر کے صافے۔ قمیص۔ پاجامے۔ انگرکھے چادر میں اور کچھ نہیں تو پاؤں کی جوتی یا کوٹ یا واسکٹ کے بٹنوں میں کمی کی جا سکتی ہے۔ اور یہ کاٹ چھانٹ ایسی ہے کہ جن سے نہ تو لباس کی تعداد میں کمی پڑتی ہے اور نہ ہی خوبصورتی میں فرق پڑتا ہے۔ اگر ململ کی قمیص کی جگہ لٹھے یا گاڑھے کا کُرتہ بنوا لیا جائے تو درزی کی مزدوری میں کمی کی جا سکتی ہے۔ اور یہ کُرتہ جہاں خوبصورتی میں قمیص سے کم نہیں ہے وہاں اس میں یہ خوبی ہے کہ وہ قمیص کی بہ نسبت زیادہ دیر تک پہنا جا سکتا ہے۔ اور اس کے پھٹ جانے کا اندیشہ کم ہے۔ وہی کپڑے جو دھوبی کو دیئے جاتے ہیں اگر اس کو نہ دیئے جائیں بلکہ گھر کی عورت اس کام کو کر لے تو اچھی خاصی بچت ہو سکتی ہے۔ مزید براں اس کام میں مشغول رہنے کے باعث عورتوں کو ورزش کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ گورداسپور میں کفایت شعاری کی انجمن کے ایک ممبر نے جو ایک دیہاتی مدرسے کا غریب مدرس ہے مجھ کو بتایا کہ وہ چار آنے کا تیل ہر ماہ بچا رہا ہے۔ اس کی دیکھا دیکھی بعض دوسرے ممبران بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ بچت کوئی مشکل نہیں۔ اور وہ خود بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ لیکن جو غلطی ان کو لگی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اتنی تکلیف کے بعد اگر ہم نے چار آنے پورے ایک مہینے کے بعد بچا بھی لیئے تو یہ بالکل ایک بے حقیقت بچت ہے علاوہ اس تکلیف کا معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ جو اس لیئے برداشت کی جاتی ہے۔ یہی وہ پہلی چٹان ہے جو

اس راستے میں حائل ہے۔ لیکن ان کو نہیں سوجھتا۔ کہ اصل چیز یہ نہیں۔ کہ وہ کیا بچا رہے ہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان کو کفایت شعاری کی عادت پڑگئی ہے۔ اور وہ کچھ بچا لینے پر قادر ہوگئے ہیں۔ یاد رکھو۔ فارسی کا یہ مقولہ بالکل درست ہے کہ "قطرہ قطرہ مے شود دریا" ایک ایک قطرہ مل کر دریا بن جاتا ہے۔ بڑے بڑے خزانے چند پیسوں کے باضابطہ طریق پر جمع کرنے سے بھرپور ہو جاتے ہیں۔ غور کرو۔ ایک مرغی کتنے بچے دیتی ہے۔ اگر یہ بچے تین سال تک بڑھتے رہیں۔ اور ان سے بچے پیدا ہوتے رہیں تو ان کی تعداد اتنی ہو سکتی ہے کہ ان کو گنا بھی نہیں جا سکتا۔ بچت خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ بڑے فائدے سے خالی نہیں۔ موجودہ بچت پر نظر ڈالو اور یہ خیال کرلو۔ کہ آگے چل کر اس سے کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔

دوسرا خطرہ کفایت شعاری کے راستے میں دوسرا خطرہ یہ ہے کہ بعض لوگ بہت جلد بے صبر ہو جاتے ہیں۔ بے صبری اچھی چیز نہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ کچھ رقم فراہم ہوگئی ہے تو ان کا دل ہی چاہتا ہے کہ اس کو خرچ کرکے دم لیں۔ وہ صبر نہیں کرتے۔ اور یہ نہیں کرتے کہ اس رقم کو خوب بڑھنے دیا جائے۔ یہ خطرہ بہت بڑا ہے۔ اس کی روک تھام ضروری ہے۔ اس کے بغیر کفایت شعاری کی گاڑی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتی۔ اور رستے ہی میں ٹھہر جاتی ہے۔ وہ روپیہ اس نیت سے جمع کرنا شروع کرتے ہیں کہ جب بارش ہوگی تو اس کو صرف کرینگے لیکن وہ بارش کا انتظار نہیں کرتے آسمان کا مطلع ذرا سا گدلا ہوتا ہے۔ آسمان پر بادل کی ایک لکیر سی نظر آتی ہے۔ اور وہ بےچین ہو جاتے ہیں۔ یہ روش اچھی نہیں۔ بچت کے ابتدائی دنوں میں ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی شادی پر روپیہ خرچ کریں گے۔ مگر ابھی شادی کے دن بہت دور ہوتے ہیں۔ اور وہ گھبرا جاتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ منگنی پر ہی سب کچھ لٹا دیں۔ یہ لچھن عمدہ نہیں۔ یہ طریق کامیابی کے راستے سے پرے پھینک دینے والا ہے۔ "کفایت شعاری" پر کاربند ہونے والے کو چاہیئے کہ اپنے دل میں حوصلہ پیدا کرے۔ ایسے لالچ اور ایسی خواہش کو پاس تک نہ پھٹکنے دے۔ اور خواہشوں کے مقابلے کی جرأت پیدا کرے۔ شیر مرد وہ ہے۔ جو اپنے جذبات پر قابو رکھ سکتا ہو۔ ضروری ہے کہ نفس کی باگ ڈھیلی نہ چھوڑ دی جائے بلکہ اس پر قبضہ قایم رکھا جائے۔ اور اس کو ادھر اُدھر نہ بھٹکنے دیا جائے۔ جلد بازی مت کرو۔ اور اس قسم کی خواہش کی پیروی کرنے سے پہلے ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں۔ سو دفعہ نہیں۔ بلکہ ہزار مرتبہ سوچو۔ خوب سوچو حوصلہ مند انسان خود بخود کہہ اُٹھے گا کہ بے صبری جلد بازی۔ اور کسی جذبے کا غلام ہو جانا مردوں کی شان سے بعید ہے کسی دانا نے کیا سچ کہا ہے کہ انسان کو چاہیئے جتنا وہ کما سکتا ہو۔ کمائے اور جو کچھ کمائے اس پر جتنا عرصہ تک اپنا قبضہ قایم رکھ سکتا ہو۔ قایم رکھے۔ جو شخص اس اصول پر عمل کرے گا وہ خوشحال اور با اقبال ہو۔

کفایت شعاری اور کنجوسی

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں کنجوسی کی نصیحت کر رہا ہوں۔ خوب سمجھ لو میں ہرگز کنجوسی کی تعلیم نہیں دے رہا۔ میں ہرگز نہیں کہتا کہ انسان کو جائز ضرورتوں پر خرچ نہیں کرنا چاہیئے نہیں جائز اور واجبی ضرورتوں پر ہرگز ہرگز خرچ سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے مقصود فقط یہ ہے کہ خرچ کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیا جائے کہ جس چیز پر وہ خرچ کرنے لگا ہے وہ جائز ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو خرچ بھی جائز ہے۔ اور اگر ضرورت جائز نہیں تو خرچ بھی جائز نہیں۔ جائز ضرورت پر واجبی خرچ کرنا "کفایت شعاری" ہے۔ اور جائز ضرورت پر بھی خرچ نہ کرنا کنجوسی میں داخل ہے۔ "کفایت شعاری نہایت اچھی چیز ہے۔ کنجوسی اچھی چیز نہیں۔ کفایت شعار شخص قوم اور جماعت اور ملک کے حق میں رحمت اور کنجوس زحمت ہے۔ ضرورت کے وقت خرچ نہ کرنا روپے کی بے قدری کرنا ہے۔
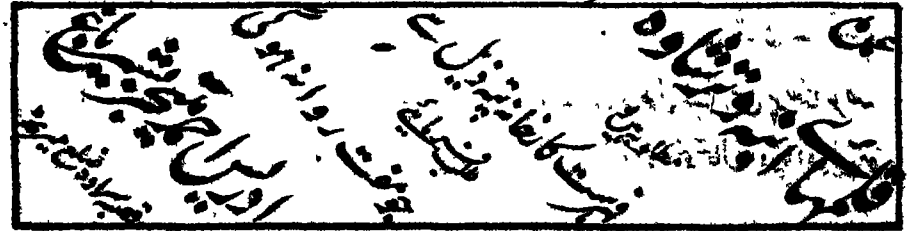
ایک افسانہ

حامد حسین دالان میں چارپائی پر بیٹھا ہوا حقہ پی رہا تھا۔ صالحہ جس کی عمر ابھی پورے چار سال کی بھی نہ تھی صحن میں کھیل رہی تھی۔ حامد حسین نے حقہ کا ایک لمبا کش کھینچکر کچھ دھواں منہ سے اور کچھ دھواں نتھنوں سے نکالا اور حقہ کو ایک طرف ہٹا کر چارپائی پر لیٹ گیا۔ اس کے دماغ میں اس وقت اپنی اکلوتی بچی کا خیال تھا اور اپنے دل سے یہ باتیں کر رہا تھا۔ لڑکی کی ذات بھی کیا ہے۔ چند روز کی مہمان۔ پرایا دھن۔ لو اب صالحہ چار برس کی ہے۔ زندہ رہی تو دس سال میں چودہ برس کی ہوگی۔ دس سال کا زمانہ آنکھ بند کرتے ختم ہو جائے گا۔ اور پھر اس کے بیاہ کی تیاری ہوگی۔ بیاہ کے تخیل نے حامد حسین کو چپ کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد پھر اس نے اپنی خیالی گفتگو شروع کی "خداوندا کیا ہوگا۔ کیونکر لڑکی بیاہی جائے گی۔ جہیز کا انتظام کیونکر ہوگا۔ مجھے بیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ ترقی کی کوئی امید نہیں۔ معمولی لکھا پڑھا ہوں۔ اگر نوکری چھوڑ کر دوسری جگہ قسمت آزمائی کروں تو بیس روپے ملنے کی بھی توقع نہیں۔ کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں۔ گھر میں کسی طرح کی فضول خرچی نہیں ہوتی لیکن کیا مجال کہ مہینے میں ایک دو روپے کی بچت ہو جائے۔ بچت تو درکنار اگر ایک دو روپے ماہوار قرض نہ ہو تو میں غنیمت سمجھوں اچھا تو پھر میں کیا کروں۔ وقت پر اگر میں آمد و خرچ کا حساب پیش کر کے معذرت کرونگا تو لوگ مذاق اڑائیں گے اور مجھ کو بے وقوف بنائیں گے۔ آمد و خرچ کچھ ہو لیکن لڑکی کو جہیز دینا ضروری ہے۔ دُنیا میں رہنا ہے تو وہ سب کچھ کرنا پڑیگا جو دُنیا میں ہوتا ہے" حامد حسین پھر کچھ سوچنے لگا اور دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے پھر خیال آرائی کی ابتدا کی "اچھا تو پھر میں آمدنی بڑھانے کی کوئی تدبیر نکالوں"۔

حامد حسین کو منجن کا ایک نسخہ معلوم تھا جس کے اجزا یہ تھے۔ ریٹھہ کا کوئلہ باریک پسا ہوا آدھ پاؤ پھٹکری بریاں ۳ ماشہ مصطگی رومی ۲ ماشہ۔ عاقر قرحا ۲ ماشہ کالی مرچ چھ ماشہ۔ نمک لاہوری ۲ ماشہ۔ وہ ذاتی تجربہ کی بنا پر اس منجن کے فوائد سے آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ منجن دانتوں کو خوب صاف اور مضبوط کرتا ہے۔ مسوڑھوں کی رطوبت دور کرتا ہے اور بہت سے عوارض سے محفوظ رکھتا ہے۔ بس اس نے اگلے مہینے کی تنخواہ ملنے پر دس روپے اس کام کے لیئے الگ کر لیئے۔ خوبصورت لیبل چھپوائے۔ ٹین کی ڈبیاں بنوائیں اور ان میں منجن کی مناسب مقدار بھر کر اور لیبل لگا کر اپنے شہر کے دوکانداروں کے پاس چار چار پانچ پانچ ڈبیاں رکھدیں۔ اور ساتھ ہی ایک بورڈ ہر دوکان پر آویزاں کر دیا جس میں منجن کی خریداری کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ منجن کے بکس کی قیمت چار آنہ تھی ایک مہینے کے بعد حامد حسین نے دوکانداروں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سب پچاس بکس فروخت ہوئے

جس کے یہ معنی تھے کہ حامد حسین کو نو روپے چھ آنے ملے۔ کیونکہ وہ پچیس فی صدی کا فاسوں کو کمیشن دیا کرتا تھا یہ رقم وصول کرکے حامد حسین نے پانچ روپیہ تو خانگی قرض میں دیدیئے اور باقی رقم کا اور منجن تیار کیا۔ اگلے مہینے اور چالیس بکس فروخت ہوئے۔ حامد حسین نے اس مہینے باقی ماندہ پانچ روپیہ بھی خانگی قرض کے ادا کردیئے۔ اور جو رقم بچی اس کا منجن تیار کیا۔ اب منجن کی مقدار زیادہ تھی اس لیئے اس نے شہر کے دوسرے دوکانداروں کے پاس بھی اپنا مال رکھا۔ رفتہ رفتہ شہر میں حامد حسین کا "کالا منجن" خوب مشہور ہوگیا۔ اور اگرچہ منجن کا ایک بکس تین ماہ کے استعمال کے لیئے کافی تھا۔ لیکن پھر بھی مہینے میں پچاس ساٹھ بکس ضرور فروخت ہو جاتے تھے۔ کالا منجن درحقیقت مفید تھا اور جن لوگوں نے چند روز اسے استعمال کرلیا۔ وہ اس کے مستقل گاہک بن گئے۔ جیسا کہ چلتے ہوئے مال کے نقال بکثرت پیدا ہو جاتے ہیں۔ حریص لوگوں نے کالے منجن کی نقالی کی۔ لیکن حامد حسین کے مقابلہ میں انھیں کامیابی اور فروغ حاصل نہیں ہوا۔

ایک سہ ماہی کے بعد حامد حسین کو اپنے کام میں فائدہ ہونے لگا تھا اور مہینے میں آٹھ دس روپے بچ جاتے تھے لیکن وہ اس روپے کو نہ گھر میں رکھتا اور نہ بیوی بچوں یا دوست اقربا کو اس کی خبر کرتا تھا۔ جو کچھ ملتا تھا وہ ڈاکخانہ میں جمع کردیتا تھا۔ منجن کی تیاری میں اس کے چار دن صرف ہوتے تھے۔ اور وہی چار دن مہینے میں اسے چھٹی ملتی تھی۔ ایک اتوار کو وہ منجن بناتا تھا دوسرے اتوار کو وہ منجن بکسوں میں بھر کر لیبل لگاتا تھا۔ تیسرے اتوار کو وہ اپنا مال دوکانداروں میں تقسیم کرتا تھا چوتھے اتوار کو وہ دوکانداروں سے دام وصول کرتا تھا اس کی بیوی اکثر پوچھتی تھی کہ اس منجن کے دام تم کیا کرتے ہو اور جب وہ جواب میں کہتا تھا کہ جو دام ملتے ہیں ان سے دوسرے بار کے لیئے دوا مول لے آتا ہوں تو اس کی بیوی کہتی کہ پھر اس درد سری سے کیا فائدہ

بہرحال گیارہ برس کا زمانہ گزر گیا۔ صالحہ جوان ہو گئی۔ اس کی نسبت بھی ٹھہر گئی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن حامد حسین کے ہاں ایک پیسہ نہ تھا۔ اس کی بیوی غم و فکر میں تمام رات بیدار رہتی اور شوہر سے پوچھتی کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے تمام عمر میں ڈیڑھ سو روپیہ جمع کیا ہے۔ میرے پاس ڈیڑھ سو کا زیور ہوگا۔ کچھ برتن ہیں۔ اب تم دو ڈھائی سو روپیہ کسی سے قرض لو تو ہم جیسے بنے اپنی گڑیا کو سنبھال دیں۔ حامد حسین اپنی بیوی کی باتیں سنتا تھا۔ لیکن کچھ جواب نہیں دیتا تھا۔ بیوی اس کی خاموشی سے بعض اوقات آزردہ اور بعض اوقات رنجیدہ ہوکر رونے لگتی تھی۔ آخر جب شادی میں ایک ماہ کا عرصہ رہ گیا تو حامد حسین نے ڈاکخانہ سے روپیہ نکالا اور پندرہ سو روپیہ کی رقم اپنی بیوی کے سامنے رکھ کر کہا کہ لو اب تم اپنی گڑیا کو جس طرح چاہو سنبھالو۔ یہ اس منجن کی قیمت ہے جس کے متعلق تم اکثر مجھ سے سوال کیا کرتی تھیں۔

(تجلی)

امریکہ کی معاشرت اور دولت کی افراط

امریکہ کو اگر قوموں کی کانگریس (جس کا دائمی اجلاس ہوتا ہے) کہیں تو بجا ہے۔ یہ ملک دنیا بھر کے آدمیوں کی کھچڑی ہے۔ روئے زمین کی آدھی نسلوں کا خون امریکن رگوں میں بہتا ہے جنگ یورپ سے پہلے دس لاکھ آدمی باہر سے ہر سال یہاں آکر آباد ہوتے تھے۔ غرضیکہ ۲۰ مختلف قوموں کے قایم نقام جو بہتر مختلف زبانیں بولنے والے ہیں۔ اس ملک میں بستے ہیں امریکہ سے بڑھ کر نسلی اختلافات ہندوستان میں نہیں ہیں اور یہی گوناگونی امریکن قومیت کا سب سے زبردست عنصر ہے۔ سرزمین امریکہ پر قدم رکھتے ہی اجنبی آدمی پر امریکہ کی حب وطنی کا ٹیکہ لگ جاتا ہے۔ امریکہ سے محبت کیئے بغیر کوئی شخص آرام سے نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے دیس کو پسند نہیں کرتے تو چلے جاؤ۔

"سب آدمی آدمی ہیں"! یہ اصول امریکہ کی ترقی کا راز ہے۔ اگرچہ ہندوستان کی مانند ذاتیں نہیں ہیں تاہم رنگ کے لحاظ سے یا دولت کے لحاظ سے جدا جدا جماعتیں ہیں۔

کروڑپتی امریکہ میں اس کثرت سے ہیں کہ اُن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ایک جنتری میں اُن خاندانوں کی فہرست جو کروڑپتی ہیں ۲۲ صفحوں کے اندر درج ہے۔ اُن امرا کی دولت عموماً یورپ کی قدیم نادر اشیاء کے مہیا کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ مثلاً تصویریں یا قالین اور رومال چار کے پیالوں کے نمونے مسٹر مورگن کی کتابیں اور کتنے اور مسودے حال میں دو کروڑ دس لاکھ روپے کو فروخت ہوئے ہیں۔ عام خوشحالی اور فارغ البالی کی وجہ سے بے شمار دولتمند آدمی ملک میں نظر آتے ہیں۔ معترض لوگ اہل امریکہ کو زرپرست کہتے ہیں۔ اگرچہ امریکن خود اس الزام کے صحیح ہونے سے منکر ہیں۔ لیکن جو شخص عرصہ تک اُس ملک میں رہا ہے اور جس نے امریکن لوگوں کی دولت اور دولت کمانے کے جوش کو دیکھا ہو وہ ضرور تسلیم کرے گا کہ زرپرستی کا مرض آبادی کے ایک حصہ میں ضرور سرایت کر گیا ہے۔ جلدی سے امیر ہو جانے کی دھن قسمت آزمائی اپنے فایدہ پر نظر ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ امریکہ باغ عدن ہے اور یہاں کے آدمی حاتم طائی ہیں تاہم وہ بہ حیثیت اور بعض دفعہ فیاض بلکہ گاہ گاہ نمونے کے آدمی کہے جا سکتے ہیں۔

متمول لوگوں کی یہاں کچھ زیادہ قدر نہیں ہے تیل کے بادشاہ۔ لوہے کے شہزادے پتھر کے نواب کوئلے کے راجہ گوشت کے امیر کبیر۔ یہ لوگ عوام الناس کے حلقوں میں کچھ زیادہ اثر نہیں رکھتے اور اہل قلم امرا کی فضول خرچیوں پر قابل تعریف دلیری سے حملے کرتے ہیں۔ عام لوگوں کا رویہ اُن کی جانب ادب و احترام کا

نہیں ہی۔ جیسا کہ ہندوستان میں ہی بلکہ یہ لوگ اُنھیں "مجرم امیر" کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کسی غیر معمولی دولتمند شخص کو ہرگز اُمید نہیں ہوسکتی کہ وہ کبھی امریکہ کا پریزیڈنٹ منتخب ہو سکے گا۔ امریکن زندگی کا ایک خوش گوار پہلو یہ ہی کہ بڑے بڑے مالدار اپنے تئیں پبلک دولت کا امین سمجھنے لگے ہیں۔ اس لیئے وہ شفاخانے بناتے ہیں۔ کالج اور یونیورسٹیاں قایم کرتے ہیں۔ علمی اور سائنٹی فک تحقیقات کے لیئے اکیڈمیاں بناتے اور عجائب خانے اور کتب خانے کھولتے ہیں۔

امریکن آدمی اس شخص کو سلام کرنے کے لیئے ٹوپی نہیں اُتارے گا جو کسی نامور خاندان کا آدمی ہی کیونکہ وہاں حاکم اور محکوم کا ایک ہی درجہ ہی۔ گورنمنٹ کی پالیسی کو ڈھالنے والے امرا نہیں۔ بلکہ عام لوگ ہیں۔ ہر ایک امریکن بجائے خود بادشاہ ہی۔ ہر شخص جس کام میں اپنا فائدہ دیکھتا ہی اُسے آزادی سے کرسکتا ہی ہر ایک پیشہ معزز اور شریفانہ سمجھا جاتا ہی۔ بعض دفعہ ڈاکٹر کاشتکار بن جاتے ہیں وکیل دوکاندار اور دوافروش مدبر۔ میں نے ایک عیسائی واعظ کو دیکھا کہ وہ اپنی آمدنی میں کھیتوں میں مزدوری کرکے یا شہر میں خندقیں کھود کر اضافہ کرلیتا ہی۔

بڑے بڑے سرکاری افسر بھی ہیں۔ لیکن انھیں خاص آدمی سمجھا جاتا ہی۔ اعلےٰ ترین عدالت کا چیف جج ممبر پارلیمنٹ اور یونیورسٹی پروفیسر کو عام لوگ اپنا ہم مرتبہ سمجھتے ہیں۔ یہاں ہر شخص ترقی کرنے کی اُمید رکھتا ہی۔ سستی اور کاہلی کو سب سے بڑا گناہ سمجھا جاتا ہی۔ لوگ محض تخیلات میں وقت نہیں گنواتے بلکہ باقاعدہ کوشش زبردست قوتِ ارادی اور جوش سے کام لیتے ہیں۔ امریکن لوگوں میں بجز سنیاسی اور جوگی بننے کے ہر قسم کا آدمی بننے کی قابلیت ہی۔ امریکہ والوں کا اس ضرب المثل پر عمل ہی کہ (جو ایک انسان نے کیا وہ ہر انسان کرسکتا ہی)

لیکن حال میں اُس پر اُنھوں نے یہ اضافہ کیا ہی "میں وہ کر دکھاؤنگا جو آج تک کسی نے نہ کیا" یہ ہو منئے زور دار نئے طریقے۔ نئی ایجاد کی تلاش میں رہتے ہیں قناعت پر اُنھیں عمل نہیں آگے بڑھو پر عمل ہی۔

کسی امریکن کو تم چپ چاپ خاموش نہ دیکھو گے۔ وہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہی۔ سال بھر میں صرف تعطیلیں ہوتی ہیں۔ لیکن ان دنوں میں بھی وہ بیکار نہیں رہتے بلکہ اپنی سرگرمی کا رُخ بدل دیتے ہیں۔ محنت کرنے میں اُنھیں لطف آتا ہی۔ جلدبازی امریکنوں کی خصوصیت ہی۔ ایک فرانسیسی کا قول ہی کہ اہل امریکہ جلد باز پیدا ہوتے ہیں۔ وہ جلدی کام کرتے۔ جلدی کماتے۔ جلدی امیر ہو جاتے اور جلدی مر جاتے ہیں۔

میرے خیال میں امریکن بچوں کو پہلا سبق شاید یہ ہی دیا جاتا ہی کہ جلدی کرو۔ وہ چند لمحوں کی بچت کے لیئے بہت کچھ خرچ کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اُن کا مقولہ ہی

"وقت ہی دولت ہے"

وہ ایسی جلدی جلدی کھاتے ہیں کہ شاید تم خیال کرو کہ بھوک کے مارے مرتے ہیں۔

امریکن اپنے ملک سے دیوانہ وار محبت کرتے ہیں۔ سوتے جاگتے۔ کھاتے پیتے چلتے اور دوڑتے ہوئے وہ کبھی اس جذبہ کو نہیں بھولتے۔ وہ ایک ہزار دفعہ خوشی سے مرنا قبول کریں گے لیکن امریکن جھنڈے کی بے عزتی نہیں گوارا ہوسکتی۔

شکریہ

جن اصحاب نے آیندہ سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر مرحمت فرمایا اور جن حضرات نے چندے کا وی پی وصول فرمالیا وہ دلی شکریہ قبول فرمائیں اور جن خریداروں کی مدت خریداری جنوری و فروری میں ختم ہوتی ہو وہ اگلے سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر مرحمت فرمائیں اور شکر گزار بنائیں۔

کفایت شعاری کے عملی طریقے

از

(مسٹر احید الدین صاحب ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن)

گھڑیوں کے لیئے تیل خالص زیتون کا تیل کسی انگریزی دواخانہ سے خرید لیجئے اس کو کسی صاف شیشی میں بھر کر ایک دو شیشے کے ٹکڑے ڈالکر دھوپ میں تین چار روز تک رکھدیجئے۔ ایسا کرنے سے تیل صاف ہوجائیگا اور تیل میں ایک قسم کا جو چیپ یا لعاب پیدا ہوجاتا ہے وہ نہیں ہوگا۔

دستی چھاپہ خانہ

بعض لوگوں کو اکثر اشتہارات اور نوٹس وغیرہ چھاپنے کی ضرورت رہتی ہے اور وہ اس قسم کے سستے پریسوں کی تلاش میں رہتے ہیں اکثر اردو اور انگریزی اخباروں میں سستے داموں کے پریسوں کے اشتہار طبع ہوتے رہتے ہیں، ان پریسوں کے بنانے والے خوب دام وصول کرتے ہیں حالانکہ اگر ضرورت مند لوگ اس پریس کو خود اپنے گھر تیار کرلیں تو ½ قیمت میں تیار ہوسکتا ہے اگر تھوڑے سرمایہ سے تجارت کرنے کے آرزومند لوگ اس کو تیار کرکے فروخت کرنا شروع کردیں تو کافی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ صرف اشتہارات دینے کی ضرورت ہے اور کام گھر بیٹھے چلنے لگے گا دوکان وغیرہ کھولنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

کوئی اس کو طلسمی چھاپہ خانہ کہتا ہے۔ کوئی کارآمد چھاپہ خانے کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ بہرحال ہر فروخت کنندہ اپنی مرضی کے مطابق اس کا نام وضع کرلیتا ہے۔ حقیقت میں اگر کسی چیز کی تھوڑی سی کاپیوں کی ضرورت ہو تو اس سے بہتر، ارزاں اور آسان چھاپہ خانہ دوسرا نہیں ہے۔ ہر شخص آسانی سے اپنے گھر میں بنا سکتا ہے۔

اس کے بنانے کے سیکڑوں نسخے ہیں۔ اُن میں سے ہم صرف چند لکھے ہیں۔ ناظرین کو جو پسند آئے اُس سے بنا سکتے ہیں۔ اس کے لیئے سب سے پہلے ٹین یا جست کی چادر کی (½) یا ¾ انچ گہرائی کی حسب ضرورت کشتی بنوالیں۔ تاکہ مصالحہ اس میں بھرا جاسکے۔ دیکھو شکل نمبر (۱)
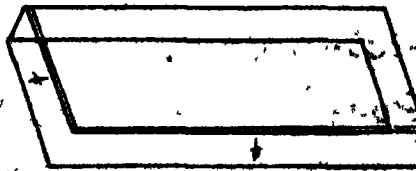
کوپرس کی جلاٹین COOPERS GELATINE اتنے ٹھنڈے پانی میں رات بھر بھگو کر

رکھو پانی اتنا ہو کہ جلاٹین تر ہو جائے اس کے بعد صبح کو پانی پھینک دو اور اس بھیگے ہوئے جلاٹین کو تیرہ اونس گلیسرین میں ڈالکر پکا لو۔ اس کے پکانے کی ترکیب یہ ہو ایک دیگچی میں پانی بھرو اور اس میں ایک المونیم یا ٹین کا بیلا رکھو مگر پانی دیگچی میں اتنا ہو کہ بیلے کے اندر نہ آنے پائے اب دیگچی کو چولھے پر چڑھادو پانی گرم ہوتے ہی سب جلاٹین گلیسرین میں حل ہو جائے گی۔ اس کو چلاتے رہیئے تاکہ بلبلے نہ پڑجائیں جب سب جلاٹین گل جائے تو اس میں دو چار قطرے لونگ کے تیل کے ڈالدو اور اُتار کر شکل نمبر ۲ کی کشتی میں بھردو ایک ایسی جگہ خشک ہونے کے لیئے رکھدو کہ جہاں گرد و غبار ہو اور کشتی بالکل لیول LEVEL میں رکھی جائے۔

کم از کم چھ گھنٹے تک اُس کو مطلق ہاتھ نہ لگایا جائے۔ جم جانے کے بعد جب کبھی اُس کو استعمال کرنا مقصود ہو تو ہمیشہ یاد رکھو کہ پہلے اُس کو گیلے اسفنج سے دھو کر خشک کر لیا جائے پھر کوئی چیز لکھی ہوئی (اس کی سیاہی خاص ہوتی ہو جس کا نسخہ ہم آخر میں لکھیں گے اُسی سیاہی کا نئی نب سے لکھا ہوا یا نقشہ کھنچا ہوا ہونا چاہیئے) اس کو خشک ہونے کے بعد جما کر چند منٹ تک اُنگلی یا کسی رولر سے اس لکھی ہوئی کاپی کو داب دی جائے۔

پھر سادہ کاغذ رکھ کر اُسی طرح ایک یا دو مرتبہ ہلکا سا ہاتھ پھیر کر فوراً ہی الگ کر لیا جائے۔ بس اسی طرح مطلوبہ مقدار کاغذوں کی چھاپی جاسکتی ہو۔ ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ کاغذ کا کونا پکڑ کر اُٹھایا جائے جیسا کہ شکل نمبر ۲ میں دکھایا گیا ہو۔
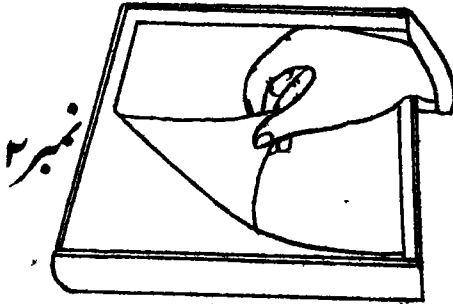
جب مطلوبہ کاغذ چھپ چکیں تو اس کو دھو کر خشک ہونے کے بعد دوسری کاپی جائی جائے یا اگر کام نہیں لینا ہو تو بھی دھو کر رکھا جائے۔ اگر اسی کی سطح کسی وقت خراب ہو جائے یا کوئی اور نقص ہو تو اس تمام مصالحہ کو نکال کر پہلے کی طرح اس کو پھر نمک کے پانی میں رکھ کر پکا دو اور اسی طرح پھر لینا چاہیئے اگر آپ کو یہ معلوم ہو کہ آپ کا پریس حسب خواہش کام نہیں دے رہا ہو تو اس کی دو وجہ ہونگی ایک تو یہ کہ اس کو اچھی طرح پکایا نہ گیا ہوگا۔ دوسرے گلیسرین زیادہ ہو گئی ہو یا جلاٹین زیادہ ہو گیا ہو۔ اس لیئے اس کو درست کر لیا جائے۔

دوسرے نسخے حسب ذیل ہیں۔

(۱) گلیسرین (GLYCRINE) ۱۰ حصہ پانی (WATER) ۲ حصہ جلاٹین (GELATINE)

۱۰ حصہ۔ چائنا مٹی (KEOLINE) ۵۰ حصہ

تیسرا نسخہ

گلیسرین (GLYCERINE) ۵۰ حصہ۔ سریش (GLUE) ۱۰ حصہ۔ پسی ہوئی چائنا مٹی (KEOLIN) ۲½ حصہ پانی (WATER) ۲۸ حصہ

اس کے لیے سیاہی مندرجہ ذیل طریقے سے بنتی ہے:

رنگ اودا (METHYLINE VOILET) ۲ حصہ۔ الکوحل (ALCOHOL) ۳ حصہ

شکر (SUGAR) ½ ۱ حصہ۔ گلیسرین (GLYERINE) چھ حصہ۔ پانی (WATER) ۳۶ حصہ

شکر کو پانی میں الگ گھولو اور رنگ کو الگ الکوحل میں الگ گھول کر اس میں گلیسرین ملاؤ جب سب اچھی طرح مل جائیں تو ان ہر دو کو آپس میں ملا کر کام میں لاؤ۔

پودوں کا اثر ہماری تندرستی پر

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہی کہ اگر پودوں اور پھول دار درختوں کو جو خوابگاہ یا نشستگاہ میں رات کو رکھا جائے تو نقصان پہنچاتے ہیں۔ لیکن اگر دن کو رکھا جائے تو نفع دیتے ہیں۔ پودے جو اوکسیجن اور کاربن زمین اور ہوا میں سے حاصل کرتے ہیں اُسے وہ کاربونک ایسڈ یعنی کوئلہ کا تیزاب بنا دیتے ہیں۔ یہ تیزاب پودوں میں سے رات کو خارج ہوتا ہی۔ وہ بہت زہریلا ہوتا ہی اور انسان کے لئے سخت مضر اور خطرناک ثابت ہوتا ہی اسی لئے سونے یا بیٹھنے کے کمرے میں رات کو پودے یا پھولدار درخت رکھنا صحت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہی۔ دن میں اور خاصکر صبح کے وقت پودوں میں سے اوکسیجن خارج ہوتا رہتا ہی۔ اور صبح کی ہوا کو تازگی بخش اور مفرح بنا دیتا ہی۔ مزید براں پودے ہوا میں سے کاربن کو جو حیوانی زندگی کے لئے مضر ہوتا ہی جذب کرلیتے ہیں۔ اور اسی طریقے میں وہ ساکن پانی مثلاً بند تالاب کے پانی کو بھی صاف کرتے ہیں۔

پودوں میں دو جدا جدا اور مخالف عمل جاری رہتے ہیں۔

(۱) کاربونک ایسڈ کا تجزیہ کرنا اور کاربن کو جذب کرکے اُس سے اپنے ریشوں کا بنانا اور مضبوط کرنا اور اوکسیجن کا خارج کرنا۔ اس اوکسیجن سے پودوں کو غذا ملتی اور اُن کی پرورش ہوتی ہی۔

(۲) کاربونک ایسڈ کو جو ہوا میں کے اوکسیجن اور پودوں میں کے ریشوں میں کے کاربن سے مل کر پیدا ہوتا ہی خارج کرنا۔ اور یہ بات انسان کے عمل تنفس سے مشابہت رکھتی ہی۔

اِن میں سے پہلا عمل حیوانات کی زندگی کیلئے خاصکر اور نہایت ضروری ہی۔ کیونکہ حیوانات عمل تنفس کے ذریعہ اوکسیجن کو جذب کرتے ہیں۔ اور کاربونک ایسڈ کو خارج۔ اگر کسی اور طریقے سے اس کے خلاف واقع نہو تو کرۂ ہوا میں جس قدر اوکسیجن ہی وہ ایک خاص مدت کے بعد صرف ہو جائے اور اس کے ختم ہو جانے سے حیوانات کا وجود باقی نہ رہے۔ لیکن موجودہ عمل کے ذریعہ حیوانات اور نباتات دونوں کو ایک دوسرے سے نفع پہونچتا ہی اور یہ حال نہ صرف کاربونک ایسڈ ہی کا ہی بلکہ دیگر مرکب اشیاء مثلاً امیونیہ پانی وغیرہ کا بھی جو حیوانات کے جسم میں بنتی ہیں۔ اور جن کا حیوانات کے جسم میں جاکر تجزیہ ہوتا ہی یہاں تک تو پودوں کا مکان کے اندر رکھنا صحت بخش ہی

دوسرا عمل جو ایک قسم کا تنزل ہوا سے بعض لوگ عمل تنفس سمجھتے ہیں اور چونکہ حیوانات کے اندر بھی پایا جاتا (عمل تنفس سے) جاری رہتی ہی۔ اس لئے اُس سے کاربونک ایسڈ میں ضرور اضافہ ہوتا رہتا ہی اور اس طرح اُس سے ایک نتیجہ جو حیوانات کی زندگی کے لئے مضر ہی پیدا ہوتا ہی۔ اگر یہ دونوں عمل ایک ہی حد تک یا ایک برابر جاری رہ

رہیں تو اُن میں سے ایک دوسرے کا ضرور مانع اور حارج ہو۔ اور دونوں میں سے ایک بھی ہوائی کرہ پر اچھا یا بُرا اثر پیدا نہ کر سکے۔ لیکن چونکہ عام اسباب کے لحاظ سے پہلا عمل دوسرے عمل پر غالب آجاتا ہے اس لئے نباتات یا پودوں سے محصور رہنا عام طور پر صحت بخش ہوتا ہے۔

مگر بعض ایسی حالتیں بھی ہیں جن میں عمل تنفس جاری رہتا ہے اور پودوں کو غذا پہونچانے والا عمل بند رہتا ہے۔ اور ایسی حالت میں نباتات کا اثر جو ہوائی کرہ پر پڑتا ہے وہ حیوانات کی زندگی کے لئے مضر ہوتا ہے ان حالتوں میں سے ایک دھوپ یا دن کی روشنی کا نہ ہونا۔ کیونکہ یہ دونوں محرک باتیں پودے کے جسم میں غذا پہونچانے والے عمل کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس لئے ایسے مکان میں جس میں پودے ہوں سونا کم و بیش مضر ہوتا ہے۔

ریاست پٹیالہ کی کفایت شعاری اور زرعی ترقیاں

گزشتہ دو سال میں ریاست پٹیالہ نے قابل رشک ترقیاں کی ہیں، ہز ہائینس مہاراجہ صاحب نے بیشمار اصلاحات کو ریاست میں نافذ کیا ہے۔ وزرا اور اعلیٰ عہدیداروں کو اپنے محاکم پر اختیار دیا گیا ہے، ادنیٰ و اعلیٰ ملازموں کے اختیارات و فرائض کی تشریح کی گئی ہے، تمام گزیٹڈ افسروں کے تقرر اور برطرفی کا اختیار ہز ہائینس نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے اور اس کے علاوہ محکموں کے اعلیٰ افسروں کو ماتحتوں کے مقرر کرنے اور الگ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ سرکاری مالیات کو عمدہ صورت میں لایا گیا ہے۔ خرچ جیسے محکموں کے مصارف پر کڑا احتساب قایم ہے، اور ہز ہائینس کو رعایا کی زرعی ترقیوں کا خاص شوق ہے، چنانچہ منجملہ زرعی اور صنعتی سالانہ نمایش کے زرعی اسکول کا افتتاح کیا گیا ہے، جس میں اعلیٰ تربیت یافتہ اور فاضل لکچرار رکھے گئے ہیں، خان بہادر فتح الدین صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر زرعیات پنجاب کے خدمات حاصل کئے گئے ہیں کہ وہ زرعی نشو و نما اور توسیع کے وسائل دریافت کریں پچپن ہزار روپے الگ رکھے گئے ہیں تاکہ نسل کشی میں خرچ کئے جائیں کیونکہ عمدہ مویشی ہی پر زراعت کا دارومدار ہے۔ ۲۵ ہزار روپیہ الگ رکھے گئے ہیں کہ جدید آلات کشاورزی خرید کر تقسیم کئے جائیں اور ان کی ترویج کی جاوے۔ ابتدائی تعلیم سے لیکر کالج کی اعلیٰ تعلیم تک مفت ہے اور اب جبریہ ابتدائی تعلیم کے ابتدائی اور ثانوی مدارس کھل چکے ہیں۔ سرہند سے روپڑ تک جو ریلوے لائن تیس میل کی تیار ہوئی ہے اس پر ریاست نے چالیس لاکھ روپیہ خرچ کیا ہے۔ برقی طاقت کے عام ہونے کے لئے بہت کوشش کی گئی ہے اور بارہ سو گھوڑوں کی طاقت کا انجن نصب کیا گیا ہے تقریباً ۸۰ پنچائتیں ریاست میں ہیں۔ سب سے نئی بات جو دوسری ریاستوں کے لئے قابل تقلید ہے یہ ہے کہ لوگوں کو میونسپل کا حق انتخاب عطا کیا گیا ہے۔ کالج کے لئے سائنس کے آلات ایک لاکھ روپیہ کی لاگت سے خریدے گئے ہیں۔ بہر وجوہ پٹیالہ بہت ترقی کر رہا ہے۔ اور ہم دست بدعا ہیں کہ خالق اکبر اس ترقیاں عطا فرمائے [illegible]

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دے کر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولیت بہم پہونچانے کی کوشش کی اور مبلغ دو لاکھ روپیہ گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرے سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے۔

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ پانچ لاکھ روپیہ کا کل سرمایہ بے ضرر ہے۔ کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا اردو پراسپکٹس جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ ایشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۸ ڈلہوزی سکوئر کلکتہ

چنانچہ سود ہند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۸ دسمبر ۱۹۲۳ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے۔ بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے۔ ہر مرد و عورت اور بچے کا ہر مکان اور سودی کا جہاز اور کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اور دیما نکالیکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین میں حکمراں تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوئے ہیں اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے پسماندگان کے لئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم و شادی کے لئے ان کا بیمہ کرا کر ان کو مفلسی سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ محمد حمید الدین ایف آر۔ ایس اے (لندن) پرنٹر و پبلشر

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند ❖ قوم کا خادم ہوں میں ہی نام میرا سودمند

سودمند
بدایوں

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۲۸ع

راہ گیر یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جارہے ہیں اور کس علت میں!
سودمند کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند تجارتی سود کی داد و ستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر — سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی

اسسٹنٹ ایڈیٹر — محمد احید الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ)

قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سود مند

۱۔ افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹادے۔

۳۔ فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

۴۔ مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا

قواعد و ضوابط

۱۔ سود مند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ سود مند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شایع ہوتا ہے اس لیئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اُس کے بعد فی پرچہ ۳ آنے قیمت لی جائے گی۔

۳۔ رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجی جائے یا پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجنے میں آسانی اور کفایت ہے۔

۴۔ پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں

۵۔ نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

۶۔ خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سود مند کا رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

۷۔ گزشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی مل سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ کے حساب سے لی جائے گی۔

۸۔ اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے۔

۹۔ جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا پانچ اشتہار بہم پہنچائینگے ان کے نام سود مند ایک سال تک بلا کمیشن جاری رہے گا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے

المشتہر منیجر سود مند بدایوں

سودمند

چندہ سالانہ دو روپیہ	فروری ۱۹۴۸ء	[illegible]
قیمت فی پرچہ تین آنے		

فہرست مضامین

شادی خانہ بربادی

آج اس سے پوچھئے کل جس کے گھر شادی ہوئی　　خانہ آبادی ہوئی یا خانہ بربادی ہوئی
اُس طرف دھومیں مچیں باجے بجے گانا ہوا　　اِس طرف غیرت، حمیت، عقل فریادی ہوئی
اُس طرف گھر پھونک کر دیکھا تماشہ بیاہ کا　　اِس طرف نیلام عزت قرق آزادی ہوئی
یک بیک دونوں طرف لینے کے دینے پڑ گئے　　کام آئی پھر نہ دولت لی ہوئی یا دی ہوئی
شاہزادی شاہزادہ جس سے تھے دولھا دلھن　　وہ محبت ان کے حق میں ایک جلادی ہوئی
قرض کی ثروت سے جس پر فخر تھا سسرال کو　　مفلسی میں اب عذاب جاں وہ دامادی ہوئی
جو ملا تھا چھن گیا وہ قرض میں یا سود میں　　جو مرصع کار تھی وہ زندگی سادی ہوئی
کل ملے مخمل کے گدے اور اطلس کے لحاف　　آج اُن کے زیب تن بوسی ہوئی کھادی ہوئی
لاکھ کا گھر خاک تھا کل جس دلھن کے بیاہ میں　　بدنصیبی سے وہی فاقوں کی اب عادی ہوئی
باپ جس کا پیشوا تھا اور دادا فخر قوم　　ماں جواری کی ہوئی وہ چور کی دادی ہوئی

کاش اب بھی ہم یہ سمجھیں فخر تھا جس پہ قمر
وہ اولوالعزمی ہماری وجہ بربادی ہوئی

(قمر الحسن صاحب، قمر بدایونی)

سودمند کے مضامین میں توسیع

سودمند کے اجرا کو ڈھائی سال سے زیادہ ہو گئے۔ اُس کے مقاصد پانچ قرار دیئے گئے تھے مگر اُس کا حقیقی مقصد مسلمانوں کی مالی اصلاح تھا اس لیئے اُس نے ابتک اپنی قوت مسلمانوں کو کفایت شعار بنانے اور روپیہ پیدا کرنے کے طریقے بتانے میں صرف کی۔ اور اس میں خدا کے فضل سے اُسے کامیابی بھی ہوئی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ہمارے ناظرین محض ایک قسم کے مضامین پڑھتے پڑھتے کچھ اُکتا سے گئے۔ بنی اسرائیل پر جب بغیر محنت کے اور بلا ہاتھ پاؤں ہلائے دونوں وقت من وسلویٰ اُترتا تھا تو انھوں نے اُس سے تنگ آکر ساگ پات پیاز اور مسور کی دال مانگی تھی۔ پھر کیا عجب ہے کہ سودمند کے ناظرین اب روپیہ پیدا کرنے کے طریقوں سے تنگ آکر دیگر مضامین کے بھی خواہشمند ہوں۔ اس لیئے ہم نے ارادہ کیا ہے کہ سودمند کے مقصد ۵ کے تحت میں "مسلمانوں کی عام بہبودی" کے مضامین کا بھی اضافہ کر دیں۔ چنانچہ اس پرچہ میں ہم مسلمانوں کو یہ دکھائیں گے کہ اُن کے ملک میں دوسری قومیں کیا کر رہی ہیں۔ اور اُن سے ہمیں کیا سبق لینے چاہئیں۔ (ایڈیٹر)

نظرات

سود خواروں کے خلاف انگلستان میں قانون

حال میں انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک قانون پیش ہے جس کی رو سے سود در سود بند کر دیا جائیگا۔ شرح سود بھی محدود کی جائے گی اور سود خواروں کو پندرہ پونڈ یعنی سوا دو سو روپیہ دے کر لیسنس لینا پڑے گا۔ کاش ہندوستان میں بھی کوئی ایسا قانون پاس ہو جس سے سود خواروں کے پنجے سے رہائی ملے۔ جب کسی ملک میں ڈاکو تلواریں لے لیکر مکانوں پر چڑھ آتے ہوں تو اس کا علاج بجز اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ ہر شخص اپنی حفاظت کے لیئے تلوار رکھے اور مدافعت میں اُس سے حربہ کرے اسی بنا پر علماء کرام نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر غیر مسلموں سے ربا یعنی ہر قسم کا سود لینے کا فتوےٰ دیا ہے۔ البتہ اپنے بھائیوں کو تجارتی اور کاروباری اغراض کے لیئے کم سے کم شرح سود یا معین منافع پر روپیہ دینا مناسب ہے۔

انگلستان میں کفایت شعاری کی ترغیبیں

جب کسی ملک میں لوگوں کو کفایت شعار بنانا ہوتا ہے تو وہاں کے حکمران بکثرت بنک کھولتے ہیں تاکہ نہ صرف ہر شہر اور قصبہ میں بلکہ ہر گاؤں اور محلہ میں بنک ہوں تاکہ لوگوں کو روپیہ بچا کر اُسے جمع کرنے اور اُسے بڑھانے کی ترغیب ہو۔ چنانچہ مسٹر گھنشام داس برلانے

جو ہندوستان کے ایک زبردست تاجر ہیں انگلستان سے لوٹ کر بیان کیا ہے کہ اُس ملک میں گزشتہ سال میں ہرسال ۲۰۰ جدید بنک کھلنے کا اوسط رہا۔ جس کے حساب سے ہر روز ایک نیا بنک کھلتا رہا۔

انجمنہائے امداد باہمی کا نفع نقصان سے زیادہ ہے

اکثر اصحاب کو انجمنہائے امداد باہمی سے ایک نقصان یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں غیر محدود ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیئے جب کوئی ایک ممبر نا دہند ہوجاتا ہے تو وہ روپیہ انجمن کی طرف سے کسی ممبر سے وصول کرلیا جاتا ہے۔ مگر اس کا پہلو یہ بھی ہے کہ وہ جماعت چونکہ محدود ہوتی ہے اس لیئے اُس کے ممبران میں سے ہر شخص ایک دوسرے کی حالت جاننے اور اُسے بہتر بنانے کی فکر میں رہتا ہے۔ جس سے رفتہ رفتہ اس جماعت کے افراد روز بروز معاملات اور اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ بدمعاملہ شخص کا اُن لوگوں میں رہنا مشکل ہوجاتا ہے۔

آل انڈیا کسان سبھا

حال میں تمام ہندوستان کے کسانوں کی اقتصادی بہبودی کے لیئے ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کا مرکز الہ آباد میں قرار دیا گیا ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ تعلیمی، تمدنی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے کاشتکاروں کی حالت بہتر کیجائے۔

ریاست میسور میں کاشتکاروں کی بھلائی کی کوشش!

ریاست میسور میں ایسی انجمنیں قایم ہورہی ہیں جو کاشت سے خالی رہنے کے زمانوں میں کاشتکاروں کو مالی امداد اور کاروبار کا سامان دیکر انھیں اس قابل بنا دیتی ہیں کہ وہ خود اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں اور کسی کے دست نگر نہیں رہتے۔

لکڑی کے برادہ سے شکر سازی

بہت سے لوگوں نے چقندر سے شکر بنانے کے طریقے کا حال سُنا ہوگا۔ لیکن ملک سوئڈن میں لکڑی کے برادہ سے شکر بنانے کا ایک جدید طریقہ حال میں ایجاد ہوا ہے اگر برادہ سو من وزنی ہو تو اس میں سے ۵۰ یا ۶۰ فی صدی تک شکر نکل آتی ہے۔ ملک سوئڈن میں جنگلات اور درختوں کی بڑی کثرت ہے اس لیئے وہاں سے لکڑی کے لٹھے اور شہتیر اور کڑیاں بکثرت دساور میں بھیجی جاتی ہیں شکر یا چینی وہاں نہیں بنتی۔ دیگر ممالک سے شکر کی درآمد ہوتی ہے۔ اس لیئے سوئڈن کے لیئے معاملہ نہایت اہم اور فائدہ مند ہے کہ وہاں خود شکر بننے لگے۔ اگر یہ طریقہ بالکل کامیاب ہوگیا ہو تو اس میں کچھ شک نہیں کہ کئی لاکھ ٹن شکر سوئڈن میں ہرسال آسانی سے مہیا ہوجانیوالی خام جنس سے بنوایا کرے گی اگر ایسا ہوگیا تو اس سے تمام دُنیا میں بھی شکر کا نرخ بہت ارزاں ہوجائے گا۔

نکسیر کا حکمی علاج

ہاشمی، نوجوان والدین کا ایک تندرست بچہ تھا۔ خدا کے فضل سے شروع سے اُس کی اُٹھان ایسی تھی کہ سال بھر کی عمر میں وہ چشم بد دور، تین سال کا معلوم ہوتا تھا۔ اور شیر خوارگی سے گزر کر جب اُس کے بچپن کا زمانہ آیا تو بیچ مچ جوان نظر آنے لگا اور نہ صرف جسم کے نشو و نما کے اعتبار سے وہ جوان تھا بلکہ ذہنی، دماغی اور اخلاقی ہر اعتبار سے وہ ایک مکمل انسان ہو گیا۔ جب انسان کے جسم میں اُس کی عمر کی نسبت سے زیادہ قوت ہوتی ہے تو وہ ہر شخص سے اُلجھتا اور اپنی طاقت کے زعم میں بات بات پر لڑ پڑتا ہے، مار بیٹھتا ہے مگر یہ نیک نفس انسان ملکوتی صفات کا مجموعہ تھا۔ کبھی کسی سے لڑنا بھڑنا جانتا ہی نہ تھا وہ تو اپنے زبردست اور قوی ہاتھ پاؤں سے غربا کے لئے مشقت کے کام کرتا، بیواؤں اور نادار عورتوں کے لئے باربرداری کی خدمات انجام دیتا اور بے نواؤں اور بیکسوں کے کاموں میں خون پسینہ ایک کر دیتا۔ البتہ جب اُس کے دین اور اُس کے مذہب پر کوئی ہاتھ ڈالنے کی جرات کرتا تب اور صرف اُسی وقت اُس کی خداداد قوت کا ظہور ہوتا۔ اور بڑے بڑے پیل تنوں کو زیر کر دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ رفتہ رفتہ جامع اوصاف بچہ ہر عمر، ہر قابلیت اور ہر حیثیت کے لوگوں حتیٰ کہ قوموں پر چھا گیا اور دُنیا کا بڑا حصہ اُسی کا کلمہ پڑھنے لگا۔ مگر ابھی تیرھواں سال بھی نہ لگا تھا کہ اُس کے جسم میں کوئی مرض گھن کی طرح لگ گیا جس سے وہ روز بروز گھلنے لگا۔ اور پھر اُس ایک مرض میں شاخ در شاخ دیسیوں مرض پیدا ہونے گئے۔ حتےٰ کہ تیرھویں برس میں جو اُس کے لئے سخت منحوس تھا وہ بڈھوں سے بھی زیادہ کمزور اور ناتواں ہو گیا۔ اور اب جبکہ اُسے چودھواں برس لگا ہے اُس کے مخالفوں کو یہ کہنے کی جرات ہونے لگی کہ یہ نو عمر بچہ اپنی عمر طبعی کو پہونچ چکا۔

جو عارضے اُس کے پیچھے لگے ہیں اُن میں سب سے زیادہ نمایاں نکسیر کا مرض ہے جس کے دورہ سے اُس کے جسم کا خون سیروں بہہ جاتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے ایک ستر برس کا بڈھا بھی اُس کے مقابلہ میں توانا معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب اُسے ذرا بھی افاقہ ہوتا ہے تو چند روز میں اُس کے بدن میں وہی جوانوں کی سی چستی چالاکی آ جاتی ہے جس سے لوگوں کے اُس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ وہ اپنے انتہائی عمر کو پہونچ چکا۔ جسم میں سے خون بہنے کی وجہ سے اُسے ضعفِ معدہ اور ضعف جگر دوران سر اور اختلاج قلب سب ہی قسم کے دَورے پڑتے ہیں اور ان مختلف قسم کے امراض نے طبیبوں کو اور بھی زیادہ چکر میں ڈال دیا ہے اور کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ تمام عوارض محض نکسیر کا خون جاری رہنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور جن اطبا کی نکسیر کی طرف توجہ بھی ہوتی ہے تو

وہ بجائے مقامی علاج کرنے کے کھانے پینے کی ایسی بارد یا مرطوب دوائیں دیدیتے ہیں جن سے کوئی نہ کوئی دوسرا عارضہ نمودار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ناک کی جھلی ایسی کمزور ہو گئی ہے کہ ذرا سے خراش یا خشکی آجانے سے تڑخ جاتی ہے اور فوراً خون کی ٹونٹیاں بہنے لگتی ہیں۔ نوعمر ہونے کی وجہ سے خدا کے فضل سے خون صالح اور بافراط پیدا ہوتا ہے۔ صرف اگر ناک کی جھلی کو لگانے کی دواؤں سے ذرا مضبوط کردیا جائے تو پھر خون بہنا بند ہو جانے سے خود بخود قوت آنے لگے گی اور تمام عوارض خود بخود دور ہو جائیں گے۔

بجنسہ یہی حال مسلمانوں کی قوم کا ہے کہ سود کی شکل میں قوم کا کروڑوں بلکہ اربوں روپیہ ضائع ہورہا ہے۔ اور اس کی وجہ سے تجارت وصنعت، زراعت وفلاحت ہر شعبۂ زندگی میں حد درجہ کا تنزل ہے۔ اس مسلسل تنزل کو دیکھ کر لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی قوم اپنی عمر پوری کر چکی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اب بھی وہ دنیا کی جملہ اقوام میں سب سے زیادہ نوجوان ہے۔ قوموں کے لیئے صدیاں مثل برسوں کے ہوتی ہیں۔ اس حساب سے چودھویں صدی مسلمانوں کی قوم کے لیئے چودھویں سال سے زیادہ نہیں سمجھی جاسکتی۔ بیشک تیرھویں صدی اُس کے لیئے زیادہ سخت تھی مگر وہ زمانہ بھی گزر گیا۔ اُس کے مرض کی صحیح تشخیص ہو چکی۔ اُس کا علاج صرف اس قدر ہے کہ اسلامی جسم سے سود کی شکل میں جو خون حیات ہر وقت بہہ رہا ہے اور اُس کی روح کو سلب کر رہا ہے اُسے بند کردیا جائے۔ اور بند کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ ہر مسلمان جس طرح بن پڑے نیک کام سمجھ کر پیسوں سے لیکر روپیوں اور اشرفیوں تک کچھ نہ کچھ پس انداز کرے اور اُس کا کچھ حصہ تو اپنے کاروبار میں لگائے مگر ایک حصہ لازمی طور پر بنکوں میں کیش سرٹیفکٹ کی خریداری میں، جان کا بیمہ کرانے میں لگائے یہی عملی سبق اپنے بچوں کو دے، انجمنہائے امداد باہمی میں شریک ہو۔ غیر مسلموں کے ساتھ روپیہ کا ہر قسم کا کاروبار کرے اور مسلمان دکانداروں اور کاریگروں کو معین منافعہ یا تجارتی سود پر روپیہ دیکر اُنھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلائے۔ اِنھیں طریقوں سے مسلمانوں کے قومی جسم میں جان آئے گی اور پھر وہ پہلے کی طرح حریفوں کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر آجائے گا اور خدا کے فضل سے سب کو ہرا دے گا۔ (ایڈیٹر)

شکریہ

خریداران سود مند میں سے جن ہمدرد حضرات نے سود مند ماہ جنوری کے ساتھ بھیجے ہوئے مطبوعہ کارڈ کے ذریعہ سے توسیع اشاعت میں خریدار بہم پہونچاکر اعانت فرمائی ہے وہ اپنی اس سچی ہمدردی کا دلی شکریہ قبول فرمائیں۔

یاددہانی جن حضرات نے نئے خریداروں کے نام لکھ کر کارڈ واپس نہیں فرمائے ہیں وہ توجہ فرماکر شکرگزار بنائیں۔ (منیجر)

کفایت شعاری مسلمانوں کے افلاس کا علاج نہیں ہے

یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمان سخت ترین افلاس میں مبتلا ہیں اور وہ بہت کچھ نتیجہ اُن کے مسرفانہ عادات کا ہے اسکا علاج عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمان مسرفانہ رسوم اور مسرفانہ عادات کو ترک کریں اور کفایت شعاری اختیار کریں چنانچہ ایک صدی گزر چکی کہ مسلمان مسلسل اسی امر کی تلقین کر رہے ہیں تاہم روز بروز مسلمانوں کی مالی حالت گرتی چلی جاتی ہے حال میں مجھے مدراس جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں قلمی کتابوں کے کتب خانہ میں ۱۲۶۹ھ کی ایک تحریر ملی جس پر اُس زمانہ کے علماء کرام کی مہریں ثبت ہیں اور جس کو اسّی سال کا عرصہ گزرا تحریر مذکور کے بعض فقرے نقل کیے جاتے ہیں۔

"اگلے زمانہ میں مسلمانوں پر بہت ثروت اور فراغت تھی اس لیے انھوں نے ہر ایک کام میں اپنی شان و شوکت ظاہر کی۔ چنانچہ شادیوں میں دل کی ہوس آرزو نکالنے اسراف کے عبث طریقے رواج دیے، آخر وے رسوم ٹھہرے۔ علاوہ یہ کہ ہنود کی رسمیں بھی اختیار کیں پھر چھوٹوں نے بڑوں کی پیروی کر تکلف بڑھایا آخر الامر ہر ایک محتاج تونگر بلاشبہ یہ رسوم فرض و واجب سمجھ کر ان کے بجالانے میں نہایت تکلیف سہنے لگا اب اہل اسلام پر جو ضعف اور اقسام کے دنیوی تصادیع میں گرفتار ہیں ان رسوم کی سربراہی سخت دشوار پڑی ہے پھر بھی اسراف سے باز نہیں آتے بلکہ اکثر لوگ ملک منقولہ اور غیر منقولہ اور منافع جس سے انھیں کئی فائدے پہنچتے ہیں ان امور میں رائیگاں کرتے اور سودی دین میں جو عمر بھر ان سے ادا نہ ہو سکے پھنس جاتے ہیں ناچار محتاجی سے مالدار کے امیدوار یا لدار شان و شوکت کے درپے ہو قرض میں گرفتار ہیں اس لیے بہت سی جوان عورتیں جن کا بٹھا رکھنا سخت ممنوع اور اقسام کی قباحتیں نمود ہونے کا سبب ہے برسوں ناکتخدا رہتی ہیں۔ خدائے تعالے نے ہماری ملت سب سے آسان کی پھر ہم کس لیے اپنے ہاتھوں اس مصیبت اور سختی میں پھنسے رہیں۔ انصاف سے پوچھو تو شادی مانند تاریخ مول لینا ہے۔ اب ہم نے مذکور مضرتوں کے لحاظ کرنے کے واسطے نفع عام اور اصلاح عام کے شادی کے باب میں عموماً ایک ضابطہ جو شرعاً اور عرفاً پسند و مقبول رہے اور جس کی رعایت اسراف سے بچا رکھے ٹھہرایا ہے تاسب پر آسانی ہو اور کنواری لڑکیاں جلد بیاہیاں ہوں۔

مرقوم ماہ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ

اس کے بعد وہ ضابطہ درج ہے جس میں فضول اخراجات کو بند کیا گیا ہے۔ اس تحریر سے اُن اصحاب کو سبق مل سکتا ہے جو مسلمانوں میں صرف شادی غمی کے اخراجات بند کرانے کو اسراف کا علاج سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس ضابطہ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ اب سے اتنی سال قبل بھی مسلمانوں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اکثر لوگ ملک منقولہ اور غیر منقولہ اسراف میں رائگاں کر دیتے ہیں اور سودی ڈین میں جو عمر بھر ان سے ادا نہ ہو سکے پھنس جاتے ہیں اس سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ اسراف بند کرنے اور کفایت شعاری اختیار کرنے کی نصیحتیں کرنے سے ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے مگر یہ اُس وقت جبکہ ساتھ کے ساتھ حقیقی تدبیر بھی اختیار کی جائے اور وہ یہ ہے کہ پس انداز روپیہ کو بڑھانے کی تعلیم دی جائے اور اُس میں ذایقہ پیدا کیا جائے۔ جب ایک بار روپیہ بڑھنے لگتا ہے اور اُس میں انسان کو لطف آنے لگتا ہے تب ہی تو وہ تکلیف اُٹھا کر روپیہ بچاتا ہے۔ پس مسلمانوں کے مسرفانہ عادات کا ہزار علاجوں کا صرف علاج یہ ہے کہ بچوں سے لیکر بوڑھے تک روپیہ پس انداز کریں اور پس انداز روپیہ بینکوں میں رکھیں کیش سرٹیفکٹ خریدیں۔ زندگی کا بیمہ کرائیں غیر مسلموں کو سود پر روپیہ دیں اور خود مسلمان کاریگروں اور دُکانداروں کو تجارتی سود کی کم شرح پر کاروبار کے لئے روپیہ دے کر اُنھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے چنگل سے رہائی دلائیں۔ (ایڈیٹر)

فصل تل کی رپورٹ

مسٹر جی۔ کلارک۔ ڈائرکٹر زراعت صوبجات متحدہ اس سال کی فصل تل کے متعلق اطلاع فرماتے ہیں کہ اس سال تل کی کاشت ۲۴۲۱۲۶۴-ایکڑ میں ہوئی ہے۔ سال گزشتہ ۱۸۶۴۸۶۱ ایکڑ میں ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سال ۵۵۶۴۰۳-ایکڑ یا ۲۹٫۸ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ صرف اضلاع باندہ و بہرائچ میں سال گزشتہ کے مقابلہ میں کمی ظاہر ہوتی ہے۔

اوسط پیداوار کا تخمینہ سال گزشتہ کی طرح ۸۰ فی صدی کیا جاتا ہے۔ کل پیداوار کا تخمینہ ۲۴۳۰۰۰ ٹن ہوتا ہے سال گزشتہ ۱۹۵۳۲۲ ٹن پیداوار ہوئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سال پیداوار میں ۴۷۶۷۸ ٹن یا ۲۴٫۴ فی صدی کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ حالت خالص تل کی کاشت کی ہے۔ اور آٹھ لاکھ ایکڑوں میں تل کی کاشت مخلوط ہوئی ہے اور پیداوار کا تخمینہ ۱۵ ہزار ٹن کیا جاتا ہے۔

راز ترقی

یہ مشہور اور مسلّم ہی کہ تمام متمدن و مہذب ممالک میں ہندوستان سب سے زیادہ مفلس و محتاج ہی مگر ہندوستان میں مختلف اقوام آباد ہیں اور افلاس و احتیاج کے لحاظ سے سب سے بڑھکر اہل اسلام صحیح طور پر بدنام ہیں لیکن حقیقت یہ ہی کہ برادران وطن میں صرف چند طبقات ہیں جن کو نسبتاً خوش حال اور فارغ البال کہا جا سکتا ہی ورنہ بے شمار تعداد ایسی موجود ہی جو یقیناً نادار ہی خستہ ہی تباہ ہی بالخصوص دستکار اور ان سے بھی بڑھکر ہندوستانی آبادی کی ریڑھ کی ہڈی کاشتکار بالعموم مفلس و مقروض ہی۔ قرض و افلاس کے مرمن و مہلک جراثیم جز و اعظم آبادی کے رگ ریشہ میں اس درجہ پیوست ہو گئے ہیں کہ نسلاً بعد نسلٍ جز و فطرت بن گئے ہیں بظاہر یہ بہت دشوار بلکہ محال نظر آتا ہی کہ موجودہ حالات میں وہ اپنے پیشوں میں کوئی پائدار ترقی یا خوش گوار تبدیلی کر سکیں۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ ان میں کما حقہ ہمت و قوت نہیں بلکہ ہمت و قوت کا کوئی شائبہ ہو بھی تو مقابلہ بے سود محض ہی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ ہندوستان کے خوش نصیب افراد کا تمول زیادہ تر اس پر منحصر ہی کہ فروتر طبقات کو ہمیشہ پست و ذلیل رکھا جائے۔ ایک دوسرے کو زک دینے اور زیر کرنے ہی میں اپنی بھلائی سمجھی جاتی ہی یہ بے کس کسانوں بے بس صناعوں اور غریب مزدوروں ہی کے خون پسینہ ایک کرنے کا طفیل ہی جو شہروں کے ٹھاٹھ میں ہمیں نمایاں نظر آتا ہی۔

کچھ عرصے سے ہندوستان سوراج کے لیئے بے چین ہی مگر مہاتما گاندھی کا فیصلہ ہی اور سچا فیصلہ ہی کہ دیہی آبادی کی شمولیت بغیر سوراج کا خیال خام سراب بلکہ خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ پس سوراج کا راز شہروں کے عالی شان محلوں اور عظیم الشان کوٹھیوں میں نہیں بلکہ غریب کاشتکاروں کے کھیتوں اور حقیر مزدوروں کی خس پوش جھونپڑیوں میں مخفی ہی اب اہم سوال یہ ہی کہ تنظیم دیہات کی مشکلات کو کیونکر حل کیا جائے؟

کیا بلحاظ ضرورت ذاتی کیا بخیال فرض منصبی ہادی الامم کی امت خیر الامم ہونے کی جہت سے مسلمانوں کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض ہی کہ وہ اس مشکل کو حل کرنے میں سب سے بڑھکر حصہ لیں۔

بعض کا گمان ہی کہ بین الملی اقتصادی تعلقات میں مکروہ چھوت چھات کے قابل نفریں اصول کو رواج دیا جائے ایک خاص دائرہ کے اندر جائز بلکہ ضروری ہونے کے باوجود یہ ظاہر ہی کہ اصولاً اور عملاً یہ حربہ بہت کچھ فضول و بیکار محض ہی تجارت کے میدان میں قدم رکھنے کی ہمت افزائی ہر صورت میں ایک مبارک اور سود مند خیال ہی لیکن اکراہ اور انتقام پر پائدار بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ علاوہ ازیں جو قوم اپنا سرمایہ نہیں رکھتی ذاتی تجربہ نہیں رکھتی بلکہ من حیث القوم تجارت کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں رکھتی وہ کیونکر کامیاب حوصلہ دکھا سکتی ہی پھر اس حالت یاس میں کوئی تدبیر بھی ہی؟ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ہی اور ضرور ہی کل داءٍ دواءٌ

نہ صرف اقتصادی ترقی کا بہترین ذریعہ بلکہ پس ماندہ طبقات کی تمام ضروریات و مشکلات کا اعلیٰ ترین حل نیز جملہ ملک و مزمن اقتصادی امراض کا واحد علاج صحیح اور وسیع اصول پر "کوآپریشن" میں مضمر ہے۔

کیا یہ کوئی عجیب تجویز اور ناقابل عمل تدبیر ہے۔ ہرگز نہیں۔ ابتدائی تخم ریزی کے لئے ہر جگہ سہولت موقع میسر ہے اور نہایت آسانی سے ہر مقام پر داغ بیل یقیناً ڈالی جا سکتی ہے۔

مایحتاج ضروریہ کا کون فرد بشر ہے جو محتاج نہیں مگر ان کے حصول میں کس قدر مشکلات و ترددات کا مقابلہ ناگزیر ہے۔ وقت اور دولت کا خون ہوتا ہے کوفت اور پریشانی ہی نہیں ہوتی بلکہ کم و بیش مادی نقصان بھی ہوتا ہے جس کی بچت بڑے بڑے فوائد اور نتائج کا باعث ہو سکتی ہے۔

ہر شہر میں ایک مختصر و مستعد مرکزی انجمن کے ماتحت ایک "سنٹرل کوآپریٹو اسٹور" ہو نہ صرف شہر کے بلکہ ہر قصبہ اور ہر قریہ کے ہر ایک محلہ میں ایک نظام کے ماتحت خاص انتظام کے ساتھ ہر جگہ اس کی شاخ قایم کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جائے۔ براہ راست اقتصادی تعلقات کے قایم و برقرار ہو جانے سے غریب کسان خون آشام ساہوکار اور خود غرض دکاندار کا محتاج نہ رہے گا بلکہ اپنے غمگسار کا شکر گزار ہوگا اور بنتیجہ اپنے پیشہ میں خاطر خواہ ترقی کے گوناگوں وسائل پر دست رس پا سکے گا۔ اہل شہر و دیہات مایحتاج کے لئے غیروں کے محتاج نہ رہیں گے کھرے دام دے کر ناقص اور کم مال نہ لیں گے اور باہم قرض اور بد معاملگی کی بلیات سے بچنے کے لئے مجبور ہوں گے۔ نیم تعلیم یافتہ جماعت جو بطالت اور رشک رقابت سے بیکاری بلکہ سیاہ کاری میں وقت اور دولت کا بڑا حصہ کھوتی ہے وہ سود مند کاموں میں پڑنا سیکھ جائے گی۔ باہمی ارتباط و قریبی اختلاط سے تعلیم و تہذیب میں بھی بنتیجہ یقیناً نمایاں ترقی ہوگی۔

درمیانی طبقہ کے دلالوں یعنی معمولی دکانداروں کو بے شبہ شروع میں کچھ نقصان پہونچنے کا خدشہ بے جا نہیں لیکن بہت جلد ان کی ہمت اور دولت نیا میدان تلاش کر لے گی اور ہم بہت جلد دیکھیں گے کہ خود غرض دکاندار یا پست ہمت و خون خوار ساہوکار کے بجائے ہر جگہ اولوالعزم و دانشمند اور نیک دل کاروبار نظر آئیں گے۔ زراعت کی ترقی سے صنعت کو بے شبہ فروغ ہوگا اور حقیقی معنوں میں تجارت کی برکت سے تمام ملک مالا مال نہیں تو خوشحال ضرور ہو جائے گا۔ پس سب سے اول اور سب سے بڑھکر بلکہ تمام تر کوشش مخلص رہنمایان ملک و خادمان ملت کی "کوآپریشن" پر وقف ہونی واجب اور تعلیم و تعمیم کوآپریشن کے لئے ایک مستقل شعبہ قایم کرنا لازم ہے۔

سیاسی ہو یا تعلیمی قومی ہو یا مذہبی ہر ایسی تحریک کا پہلا اور بڑا فرض یہ ہونا چاہیے کہ جمہور عوام کے [illegible] لئے اقتصادی ترقی کے خاص نظام کو خاص انتظام کے ساتھ عمل میں لانا اپنا اولین فرض سمجھے۔ اور بہترین تدبیر [illegible]

ہوسکتی ہے کہ کوآپریشن پر خاص توجہ فی الفور مبذول کی جائے اور ہر جگہ "ایکٹ کو اپریٹیو سپلائی سٹور" کے اجرا کو ایک فرض عظیم یقین کیا جائے۔ کیا قومی مجالس بالخصوص انجمن حمایت اسلام لاہور اور ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف کوئی عملی قدم اٹھائے گی۔ واللہ ولی التوفیق و ہو نعم الرفیق۔

"مسلم"

عرضداشت

(قابل توجہ رہنمایان قوم و بہی خواہان ملت)

آج کل ہم مسلمانوں کی اقتصادی حالت جیسی کچھ ہے وہ ظاہر ہے جو بیان اور تفصیل کی محتاج نہیں۔ ہماری اس بربادی کا سبب منجملہ دیگر اسباب کے بیجا رسومات و فضول خرچی ہے جس پر ہمارے تیوہاروں اور تقاریب میں صرف ظاہری نام و نمود کی غرض سے ہزاروں کیا لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بیدریغ بہا دیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ سب پر عیاں ہے۔

مسلمانوں کی یہ تباہی اور بربادی خود اپنے ہاتھوں دیکھ کر ایک ذی حس انسان خاموش نہیں بیٹھ سکتا ہے۔ اکثر اکابر قوم نے اس کے انسداد کی تدبیریں قوم کے سامنے پیش کی ہیں اور کر رہے ہیں۔ کچھ عرصے سے میں بھی ان فضول اخراجات کے انسداد کی کوشش میں اپنی ناچیز خدمت قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جو عموماً شادی بیاہ کے موقعہ پر نیز عید بقرعید وغیرہ تیوہاروں میں ہوتے رہتے ہیں۔

گزشتہ سال عید کے موقعہ پر میں نے ایک تحریک "دھلے ہوئے کپڑوں سے عید" کے نام سے قوم کے سامنے پیش کی تھی۔ جس سے غرض لوگوں کو بامقدرت اپنی آمدنی سے زیادہ قیمتی کپڑے بنانے سے روکنا تھی۔ جو عموماً ایسے موقعہ پر لوگ خود اپنے اور اپنے بچوں کیلئے قرض لے کر بناتے ہیں۔ جس کا خمیازہ سال بھر تک سود در سود کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ تحریک بصورت پوسٹر و اشتہارات شائع کی گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اکثر اکابر قوم نے اسکو پسند فرمایا۔ اور متعدد اخبارات کے ذریعہ مسلمانوں سے اس پر عمل کرنے کی اپیل کی۔ اللہ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے اپنے ایک ناچیز بندہ کی کمزور آواز ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچادی۔ مجھے علم نہیں کہ میری اس عرضداشت کا ہندوستان کے دوسرے حصوں میں کچھ اثر ہوا یا نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ خاص ہمارے شہر جبلپور میں اکثر مسلمانوں نے اس تحریک پر عمل کیا جس سے ہمارے شہر کی بہت بڑی تعداد غیر ضروری اخراجات و قرض سے بچ گئی جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے ایسے موقعہ پر عام بات ہے کہ لوگوں نے اپنی آمدنی کو مدنظر رکھتے ہوئے عید کی سچی خوشی منائی کیونکہ وہ قرض جدید سے نجات حاصل کیے تھے علاوہ یہ تھا کہ کثیر التعداد دھلے ہوئے کپڑے پہننے والوں کے سامنے قلیل التعداد لوگ اپنی آمدنی سے زیادہ قیمتی اور شوخ لباس پہننے والے محجوب نظر آتے تھے۔

اس سال پھر میں بہ موقعہ عید بہی خواہ ملت سے پرزور اپیل کرتا ہوں خصوصاً مسلم اخبارات کہ ہر ممکن طریقہ سے اس تحریک کے پھیلانے میں کوشش کریں۔ کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ تبلیغ کانفرنس دہلی بھی میری اس گزارش پر متوجہ ہوگی اور اپنے پروگرام میں اسکو بھی شامل کریگی۔ میری تمنا ہے کہ ابھی سے ملک کے ہر شہر میں حسب طاقت کے ساتھ اس کا پروپگنڈا شروع کیا جاوے تاکہ وہ خوش نتائج جو جبلپور میں پچھلے سال دیکھ چکا ہوں ملک کے دوسرے حصے کے مسلمان بھی حاصل کریں تاکہ [illegible] عید کی اصلی خوشی منائیں مجھے امید ہے کہ اس طرح سے ہمارا [illegible] روپیہ صرف ایک [illegible] فضول خرچی سے بچ جائیگا جو ہمارے [illegible] میں [illegible] ہے۔

وما علینا الا البلاغ

خیر خواہ قوم محمد انور خاں [illegible] جبلپور

کاروباری معلومات کی بہم رسانی

جناب منیجر صاحب سودمند۔ سلام مسنون

خاکسار کے عریضے کے شایع ہوتے ہی ایک بزرگوار نے اپنے گرامی نامہ کے ذریعہ سے بعض کاروباری معلومات کی بہم رسانی کا اعزاز خادم کو بخشا ہے۔ چونکہ انفرادی طور پر خطوط کا جواب دینے میں بہت سا وقت رائیگاں جاتا ہے اسلیئے مستدعی ہوں کہ مہربانی فرماکر اپنے رسالے کے ذریعہ سے مندرجہ ذیل اطلاعات مشتہر فرماکر مشکور فرماویں۔

۱۔ جہانتک ممکن ہو انفرادی کاروبار کے بجائے کوآپریٹو سوسائٹیاں بناکر اجتماعی طور پر کام کیا جاوے کیونکہ مشترکہ سرمایہ اور مشترکہ دماغ کامیابی کے لیئے نہایت ہی مفید ہے۔ انفرادی کوششیں قوم کی مالی حالت کو سدھارنے کے لیئے غیر مکتفی ہیں۔

۲۔ کاروبار تین قسم کا ہے۔

قسم اول۔ مقامی یعنی چھوٹی موٹی دکان کھول کر وہیں سے تھوک فروشوں سے جنس خرید کر خوردہ فروشی میں فروخت کرنا اس میں منافع بہت ہی محدود ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کا تمام منافع تھوک فروش لے جاتے ہیں۔ لہذا ایسے کاروبار کے لیئے لازم ہے کہ مسلمانوں کی اپنی تھوک کی دکانیں ہوں۔ جو مسلم و غیر مسلم بیوپاریوں کو واجبی منافع لگاکر خوردہ فروشی میں فروخت کے لیئے مال بہم پہونچا سکیں۔

قسم دوئم۔ تھوک فروشی اس کے لیئے کافی سرمایہ کے علاوہ ایسی اجناس کو انتخاب کرنا چاہیئے۔ جو مقامی ضروریات کے لیئے اشد ضروری ہوں۔ خواہ اس میں منافع کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مال کے جلد جلد فروخت ہوجانے پر روپیہ سال بھر میں زیادہ چکر لگاکر زیادہ آمدنی کا باعث ہوسکتا ہے۔ تھوک فروشی کے لیئے کلکتہ بمبئی کی منڈیوں سے مال خریدنے کی بجائے بہتر ہوگا کہ یورپ سے براہ راست منگایا جاوے۔ یورپ سے کاروبار میں فقط اس صورت میں فائدہ ہوسکتا ہے۔ جبکہ مال زیادہ مقدار میں منگوایا جاوے۔ کیونکہ جہاز کا کرایہ ۵/۱۰-۵ شلنگ فی ٹن یا ۴۰ مکعب فٹ کے حساب سے مال کی نوعیت کے مطابق ہے۔ بدیہی ہے کہ مال جتنا زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی جہاز و مال گاڑی کا کرایہ ارزاں پڑے گا۔ چونکہ یورپ سے مال منگانے میں کم از کم تین چار ماہ آرڈر دینے کی تاریخ سے مال کی وصولی تک صرف ہوجاتے ہیں اس لیئے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ مناسب وقت پر آرڈر دیئے جاویں۔ بہتر ہوگا کہ مقامی ضروریات کے مطابق متعدد مفید ترین اجناس کو انتخاب کرکے اُن کے باقاعدہ چالان منگائے جائیں یعنی اس ترتیب سے کہ پہلے چالان کے روانہ ہوتے ہی دوسرے کا آرڈر دے دیا جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا

کہ پہلے چالان کا مال فروخت ہو جاتے ہی تازہ تر مال وارد ہو جاوے گا۔ جس سے کسی بڑی دکان یا گدام کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور نہ ہی زیادہ سرمایہ ایک دم مال پر لگانا پڑے گا۔ آرڈر دینے کے وقت اگر آرڈری مالم رقم بذریعہ بنک ڈرافٹ کے جہاں سے مال منگایا جاوے۔ وہاں کے کسی بنک کے نام مشروط بایں شرط بھیجدی جا سکے۔ کہ مال کی روانگی کے کاغذات وصول کرنے پر یہ رقم فرستندہ مال کو ادا کردی جائے۔ تو اس میں قریباً ایک دو فی صدی مال رزاں مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ بھیجنے والا اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہے دوسری صورت یہ ہے کہ کم از کم ۲۵ فیصدی آرڈر کے ساتھ پیشگی بھیجا جاوے اور باقی مال کے چالان کے کاغذات کی وصولی پر اپنے ہاں کے کسی بینک کی معرفت فوراً ادا کردیا جاوے۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ بیوپاری اپنے مطلوبہ مال کی وصولی سے کاغذات کے پہونچنے پر انکار کردیتے ہیں اس نقصان کی تلافی کیلئے ۲۵ فی صدی پیشگی آنا اشد ضروری ہے۔

قسم سوئم۔ اکسپورٹ یعنی ہندوستان کی اجناس خام کا یورپ کی منڈیوں میں فروخت کرنا جہاں تک سرمایہ اور مقدار کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق اتنا ہی عرض کردینا کافی ہے کہ مال جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی بہتر ہوگا۔ برعکس تھوڑے مال کے بھیجنے میں اخراجات زیادہ پڑ کر منافع بہت کم ہو جاتا ہے۔ چونکہ مختلف مقامات کی اجناس خام بھی مختلف ہیں اس لیئے ہم سے سوال کرنے کے بجائے کہ کون کون سی اجناس یہاں بک سکتی ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ جن اجناس کو کوئی صاحب اکسپورٹ کر سکتے ہیں اُن کے نام اور جس مقدار میں دے سکتے ہوں۔ وہ مقدار نیز جس مدت میں دے سکتے ہوں۔ اس کا وقت معین کرکے ہم سے اس کے متعلق دریافت کر سکتے ہیں۔ چونکہ ہم کمیشن پر اُن کا یہ مال فروخت کرنے کے لیئے حاضر ہیں۔ اس لیئے بہتر ہوگا کہ وہ نمونہ و نرخ بھی بھیجدیا کریں۔

ہم اس نرخ سے یہاں کی منڈی کا موازنہ کرکے صائب رائے قایم کر سکتے ہیں کہ آیا اس میں فریسندہ جنس کو فائدہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ نرخ مقرر کرتے وقت بہتر ہوگا کہ Hamburg ہمبرگ کی بندرگاہ تک کا کرایہ جہاز و صرفہ بیمہ وغیرہ اس میں شامل کرلیا جاوے جو اپنے نزدیک کی بندرگاہ Shipping Agent کے توسط سے مہیا کر سکتا ہے۔ چونکہ دُنیا میں سب قسم کے انسان موجود ہیں۔ اس لیئے غبن و بد دیانتی سے بچنے کا ہمیشہ خیال رکھا جاوے۔ اور امپورٹ کے متعلق جو رقم بھی آرڈر کے ساتھ روانہ کرنی ہو وہ ہمیشہ کسی بینک کے نام روانہ کی جاوے۔ بدیں شرط کہ بنک مذکور مال مطلوبہ کی روانگی کے کاغذات لیکر رقم فریسندہ کو ادا کردیوے۔ بہت سی ایسی مثالیں ہمارے مشاہدے میں آچکی ہیں۔ جن میں ہندوستان کے بیوپاریوں نے مختلف جرمن فرموں کے نام مال کے لیئے پیشگی رقوم بھیجی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اُن کو

مال تو کیا روپے کی وصولی کے لیئے ہم کو لکھنا پڑا۔ بعض رقوم ہم نے وصول کر لیں۔ اور بعض فرموں کے دیوالیہ بن جانے سے ناقابل وصول رہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے روپے کو نہایت احتیاط اور حفاظت سے استعمال کریں۔ اور ناجائز بدظنی سے مجتنب رہیں۔

اکیسپورٹ میں ہندوستان کی ساکھ نہایت بُری ہی۔ ہم نے خود دیکھ لیا ہو کہ برادران وطن مال کے بھیجنے میں گندم نمائی وجو فروشی سے کام لیتے ہیں۔ جو کاروبار کے لیئے نہایت مضر ہی۔ ضروری ہی کہ مال ہر حیثیت سے نمونہ کے مطابق اور میعاد معینہ پر دیا جاوے۔ تاکہ ایک ہی سودا کرنے کے بجائے مستقل طور پر خریدار ہاتھ میں آسکے۔ جو کاروباری کامیابی کے لیئے نہایت ضروری امر ہی۔ چونکہ تار، ڈاک وغیرہ کے وسائل سے دنیا بھر کی تمام منڈیوں کا نرخ خریداران کو معلوم ہوتا ہی اس لئے تجارتی مقابلہ بھی روز بروز زیادہ تیز ہوتا جا رہا ہی لہذا ناظرین کرام کو چاہیئے کہ اپنی خام اجناس کے دام ایسے مقرر کریں۔ جن سے مال کی نکاسی کی صورت ہوسکے۔ ورنہ تکلیف نہ اُٹھائیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ کہ لوگ سونے کے نرخ پر رانگ خرید کرنے کو تیار ہوسکیں۔

کامیابی کے لیئے ضروری ہی کہ فقط متعدد اجناس سے کام شروع کیا جاوے تاکہ باآسانی اس کام کے متعلقہ عیب و ثواب کی ہر طرح کی معلومات حاصل ہوسکیں ورنہ بہت سے اشیا کے کاروبار میں سرمایہ دماغ اور وقت ضایع کرنے کے علاوہ سراسر نقصان ہوتا ہی۔

چونکہ میں خود بھی زمیندار ہوں اور رسالے کے ناظرین کرام میں سے بہت سے اصحاب دیہات کے رہنے والے و زمیندار ہوں گے۔ بنابریں یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ جہاں کہیں ارنڈ۔ سرسوں تورِیا السی وغیرہ وغیرہ ایسی اجناس کہ جن سے تیل اور کھلی نکالی جاسکتی ہی بکثرت پیدا ہوتی ہوں اُن کو چاہیئے کہ ان اجناس کو وہاں کے ہی لالہ جی کے ہاتھ کوڑیوں کے دام فروخت کر دینے کے بجائے کوآپریٹو سوسائٹیوں کے ذریعہ سرمایہ کی طرف سے مطمئن ہوکر اپنے گاؤں کی اس قسم کی پیداوار کو اپنے تصرف میں لاکر اور کولہوؤں کی بجائے آئل انجن کے ذریعہ سے تیل نکالنے کی مشین لگالی جائے۔ ان مشینوں کا چلانا بہت آسان ہے اور باآسانی مستری ہندوستان میں دستیاب ہوسکتے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ تنخواہ دار مستری کے بجائے سوسائٹی کا کوئی ممبر خود اس کام کو سیکھ کر انجام دے۔ یا مستری حصہ دار ہو۔ جو تیل اور کھلی اس طرح سے برآمد ہوئے اس کو باقاعدہ طور پر ٹینوں میں بند کر کے یورپ کو روانہ کیا جاسے۔ یہاں بہاں تیلوں میں سے بعض ادویات کے کام آتے ہیں۔ اور اکثر مشینوں کے چرب کرنے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل نقشے سے معلوم ہوسکتا ہی کہ ۱۹۲۶ء میں فقط ہندوستان سے ہی کون کون اور کس کس مقدار میں اشیا روانہ ہوئیں۔ مارک تقریباً ایک شلنگ کے برابر ہی۔

نام جنس	سال ۱۹۲۵ء		سال ۱۹۲۶ء	
	مقدار سیر	قیمت مارک	مقدار سیر	قیمت مارک
نباتاتی روغن	۴۰,۲۹,۷۰۰	۳۶,۷۴,۰۰۰	۲,۴۴,۱۰۰	۲,۱۷,۰۰۰
مصالحہ جات فلفل دارچینی وغیرہ	۱۶,۰۵,۹۰۰	۳۴,۹۶,۰۰۰	۱۲,۶۲,۳۰۰	۳۵,۴۷,۰۰۰
تخم ارنڈ۔ سرسوں۔ توریہ وغیرہ اور اُن کی کھلی۔	۲۴,۳۵,۱۷,۹۰۰	۱۱,۷۲,۰۵,۰۰۰	۲۶,۳۸,۱۱,۲۰۰	۱۱,۳۸,۶۹,۰۰۰
بھیڑ یا مینڈھے کی کھال معہ پشم	۱,۰۸,۰۰۰	۳,۷۶,۰۰۰	۴۷,۳۰۰	۲,۰۴,۰۰۰
گائے وغیرہ کی کھالیں	۷۲,۸۴,۲۰۰	۱۷,۱۳۹,۰۰۰	۴۴,۱۱,۳۰۰	۹۱,۶۱,۰۰۰
اُون وحیوانات کے بال خام	۴,۲۰,۴۰۰	۱۳,۲۲,۰۰۰	۳,۶۱,۶۰۰	۸,۹۰,۰۰۰
جوٹ سن وغیرہ	۱۳,۹۵,۷۲,۵۰۰	۱۲,۲۲,۳۹,۰۰۰	۹,۰۳,۰۸,۳۰۰	۷,۴۹,۷۸,۰۰۰
گوند لاکھ چیڑا	۴۷,۶۸,۷۰۰	۲,۰۲,۸۸,۰۰۰	۵۳,۰۷,۳۰۰	۱,۲۳,۷۲,۰۰۰
گندم	۱,۶۶,۳۰,۰۰۰	۴۸,۵۵,۰۰۰	۳,۰۱,۴۰۰	۸۰,۰۰۰
جوار	۵۶,۳۴,۰۰۰	۱۰,۶۶,۰۰۰	۷,۸۰,۴۰۰	۱,۱۴,۰۰۰
چاول ناقص قسم کا اور بے چھلکے آٹا ہی	۴۷,۴۴,۱۹,۲۰۰	۱۳,۳۵,۷۱,۰۰۰	۲۷,۵۱,۲۰,۰۰۰	۸,۶۸,۸۰,۰۰۰
لوبھیا۔ مسور وغیرہ	۲,۳۸,۶۴,۹۰۰	۴۸,۷۳,۰۰۰	۴۴,۱۴,۳۰۰	۱۲,۸۹,۰۰۰
چائے	۷,۸۹,۶۰۰	۳۰,۹۸,۰۰۰	۱۰,۴۶,۰۰۰	۴۱,۶۴,۰۰۰

تیل نکالنے کی مشین اور آئل انجن ہندوستان میں ہر جگہ مل سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی صاحب ہماری معرفت جرمن سے منگوانا چاہیں تو اُن کو چاہیئے کہ اس قسم کی مشین کے آرڈر کے ساتھ مطلع فرمادیں کہ کس کس جنس کے تیل کے لیئے یہ مشین درکار ہے۔ اور روزانہ کس قدر مقدار پیلی جائے گی۔

بار بار استدعا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مشترکہ سرمایہ سے اور وہ بھی کوآپریٹو سوسائٹیاں بناکر کام شروع کیا جاوے۔ کارکن نہایت قابل اور مخلص نیز قومی درد سے سرشار ہونے چاہئیں۔ کیونکہ کامیابی کا انحصار کارکنوں پر ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایسی سوسائٹیوں کا جاری کرنا نہایت آسان ہے۔ بشرطیکہ اخلاص اور بے غرضی سے کام لیا جاوے۔ میں نے خود اس خیال کے پیدا ہوتے ہی ایک ماہ کے اندر اپنے گاؤں میں اس قسم کی سوسائٹی

جاری کرکے دکھادیا ہوا ہے۔ ضروری ہے کہ سوسائٹیوں میں غربا کو بھی شمولیت کا موقع دیا جاوے۔ ورنہ معدودے چند امیروں کا بنا لینا ایسا ہی ہے جیسا سیکڑوں مزدوروں میں ایک میٹ جو قومی مفاد کے لیے ہرگز مفید نہیں۔ والسلام

خادم (خانصاحب) (ڈاکٹر) ممتاز علی خاں بھٹی

"کھانا اور کھلانا"

ہمارا قرض اور سود در سود کی ذلت میں پھنسنے کا منجملہ دوسری باتوں کے ایک سبب یہ بھی ہے کہ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا ہے کہ دوسروں کے ہاں کھاتے ہیں انھیں کھلانا بھی چاہیئے جو کسی حد تک ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ مگر اس ڈر کی وجہ سے متوسط الحال اور غریب طبقہ کے لوگ غیر معمولی تقریب میں بھی قرض لیکر کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ اور مدتوں پریشان رہتے ہیں۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ لڑکی والے کی کھانا کھلانے کی رسم کو جو واجب سمجھ رکھا ہے۔ وہ برادران وطن سے نقل کی گئی ہے۔ اسی طرح غمی کا کھانا بھی غریب محتاج اور یتیموں کے سوائے دوسروں کو نہ کھلانا چاہیئے۔ اب رہا طعام ولیمہ تو یہ ضروری نہیں ہے کہ محلہ وار فہرست بنالی جائے۔ بلکہ حسب اطاعت شرعی طور پر صرف اپنے اپنے خاص عزیزوں کو جس قدر آسانی سے ہو سکے ولیمہ کی دعوت دی جا سکتی ہے۔

اب میں ان تنگ خیال حضرات سے دریافت کرونگا کہ کیا ان کی دعوت طعام کا معاوضہ قرض لیکر بھی دیا جانا چاہیئے۔ جبکہ مذہب اسلام صبح کے کھانے کے لئے بھی قرض لینے کو منع کرتا ہے۔ میرے خیال میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس خیال کے لوگوں کو دعوت طعام دینے سے پہلے سوچ لینا چاہیئے کہ کون معاوضہ دے سکتا ہے ورنہ اُنھیں کون مجبور کرتا ہے۔ کہ شہر بھر کو دعوت دیویں اور اس بات کا انتظام کریں کہ جس طرح آئندہ آنے والے معلوم اور نامعلوم اخراجات کا خیال نہ کرتے ہوئے لوگوں کو دعوت دی ہے۔ ویسے ہی دوسرے بھی اپنی بساط سے باہر دوراندیشی کو خیرباد کہتے ہوئے اسی طرح مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اور ہر قسم کی تکلیف خاموشی سے برداشت کرتے ہوئے ماہانہ قرض دینے والوں کی چوکھٹ کو بوسہ دیا کریں جس سے وہ بن رہے ہیں۔ اور ہم مٹ رہے ہیں۔

کیا برادران اسلام اس قسم کی موٹی موٹی باتوں پر توجہ فرماویں گے؟ خیر خواہ قوم

محمد افضل خاں۔ پیشکاری جلپور

بڑے دن کے پچاس جلسے

کرسمس کے زمانے میں چونکہ ہندوستان میں تمام دفاتر اور کچہریوں میں تعطیلیں ہوتی ہیں اس لیئے زیادہ تر قومی اور ملکی جلسے اسی ہفتے میں ہوتے ہیں۔یوں جلسے تو تمام ہندوستان کے مختلف مقامات میں ہوتے ہیں مگر مجالس اور کانفرنس کا مرکز دراصل وہ ہوتا ہی جہاں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس منعقد ہو۔ کرسمس کے اس ہفتہ میں امسال نہ معلوم کتنی کانگریسیں، کانفرنسیں اور جلسے منعقد ہوئے ہوں گے مگر ہماری نظر سے اخبارات میں جو جلسے گزرے اُن کی تعداد پچاس ہو جن میں سے ۳۵ جلسے خاص مدراس میں منعقد ہوئے اور اُن پینتیس۳۵ میں سے بہت سے جلسے کانگریس نگر میں منعقد ہوئے۔باقی پندرہ جلسے تمام ہندوستان میں ہوئے۔

نمایش مدراس میں کانگریس نگر ایک جداگانہ آبادی قایم کی گئی تھی اور اُس کا پنڈال اس قدر وسیع بنایا گیا تھا کہ بعض نامہ نگاروں نے حاضرین جلسہ کی تعداد تیس ہزار بیان کی ہی۔ پنڈال بالکل سادہ تھا، اُس میں قطعًا کوئی آرایش بجز لیڈروں کی تصاویر کے نہ تھی نشست فرش پر تھی۔ کانگریس کے ساتھ ایک عظیم الشان نمایش قایم کی گئی تھی اور ایک حصہ کھدر کی نمایش کے لیئے مخصوص تھا۔ نمایش میں یوں تو ہزاروں عجیب و غریب چیزیں تیں مگر سب سے زیادہ عجیب وہ آلات تھے جو میسور یونیورسٹی کی طرف وہاں کے پروفیسر کی نگرانی میں رکھے گئے تھے۔ اُن آلات میں سے ایک آلہ ایسا ہی جس سے انسان کے جسمانی تکان کی پیمایش ہوسکتی ہی دوسرے آلہ سے اس امر کا پتہ چلایا جاتا ہی کہ بچہ میں مخصوص کس پیشہ کی قابلیت ہی۔ تیسرے سے انسان کی ذہنی قابلیت کی پیمایش کی جاتی ہی اور چوتھے آلہ سے انسانی جذبات ناپے جاتے ہیں حتیٰ کہ جرایم کا پتہ لگایا جاتا ہی۔ غرضکہ علم النفس نے اب قیاسات سے گزر کر اس درجہ ترقی کرلی ہو کہ دماغ میں جو خیالات گزرتے ہیں اُن کے عکس کی پیمایش کی جاسکتی ہی۔ اس آلہ کے عمل کو خود ہم نے دیکھا۔ معمول کا ہاتھ برقی تاروں کے درمیان رکھا گیا سامنے ایک تختی پر صفر سے لیکر چودہ تک نشان لگائے گئے تھے معمول سے چند سوالات کیئے گئے۔ معمولی امور کے متعلق سوالات سے روشنی کا عکس صرف تین چار نمبر پر پڑتا تھا مگر ہیجان یا خوف پیدا کرنے والے سوال سے روشنی کا عکس دس یا بارہ نمبر تک پہنچ جاتا تھا۔ سنا گیا ہی کہ کسی اعلیٰ انگریز افسر سے جب سائمن کمیشن کی نسبت سوال کیا گیا تو روشنی کا عکس چودہ نمبر سے بھی باہر چلا گیا جو انتہائی نمبر تھا۔ جس سے حد درجہ کی پریشانی کا اظہار ہوتا تھا۔

جلسوں کا اجتماعی اثر جب کسی شہر میں کوئی جلسہ ہوتا ہی تو ہر طرف اسی کا چرچا ہوتا ہی اس پر ایسے شہر کو قیاس کیجئے جس میں ایک ہفتہ کے اندر ۳۶ جلسے ہوئے جہاں ادبر صدد

استقبالیہ اور صدر اجلاس دونوں کے خطبے ملاکر کل جلسوں میں ۲۰ خطبہ جات صدارت پڑھے گئے ہوں اور ہزاروں تجاویز پر مباحثے ہوئے ہوں کسی شہر میں شکر کی منڈی ہے۔ دوسرے میں اناج کی منڈی ہے تیسرے میں پھلوں اور ترکاریوں کی منڈی ہے مگر مدراس امسال داغوں کی منڈی تھی۔ تمام ہندوستان کے ہر قوم و مذہب ہر فرقہ اور عقیدے کے منتخب لوگ اور بہترین دل و دماغ وہاں جمع تھے۔ اور روئداروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے لوگ متعدد جلسوں میں اڈریس دیتے، مباحثوں میں حصہ لیتے اور جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ کاش کوئی ایسا آلہ ہوتا جس سے مدراس کے دماغی نشوونما کا فوٹو لیا جا سکتا تو وہ قابل دید ہوتا۔ البتہ ظاہر میں ٹریموں موٹروں ٹیکسیوں اور راستوں میں جدھر دیکھئے ہاتھوں میں خطبہ جات صدارت ہیں۔ ریزولیوشن ہیں۔ جلسوں کے پروگرام ہیں۔ اور اجلاسوں کے حالات کے اخبارات ہیں اور جلسوں کی کارروائیوں پر رائے زنی ہو رہی ہے۔

اسی زمانہ میں مسلمانوں کی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس تھا۔ جس میں خلاف معمول اس قدر کثرت تھی کہ آخر روز ٹکٹ دینا بند کرنا پڑا کیونکہ ممبروں کو ٹکٹ کی قیمت دینے کے بعد جب جگہ نہ ملتی تھی تو وہ ناراض ہوتے تھے اور بعضے تو ٹکٹ کے دام واپس مانگتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جہاں کانگریس ہوگی وہاں کانفرنس میں لوگ نہ آئینگے مگر مدراس کی حالت قطعاً مختلف تھی۔ جس طرح کانگریس میں لوگوں کی کثرت تھی اُسی طرح کانفرنس کی حیثیت کے مطابق اُس میں کثیر مجمع تھا۔ غرضکہ بالعموم تمام جلسوں میں خوب رونق رہی۔ ذیل میں ہم اُن جلسوں کی فہرست درج کرتے ہیں جو ہمارے علم میں مدراس میں منعقد ہوئے۔ اُس کے بعد دیگر مقامات کے جلسوں کی فہرست بھی درج کی جائے گی۔

مدراس کے جلسے

(۱) انڈین نیشنل کانگریس بیالیسواں اجلاس صدر۔ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری

(۲) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ چالیسواں اجلاس صدر۔ سر شیخ عبد القادر صاحب

(۳) انڈین نیشنل سوشل کانفرنس چالیسواں اجلاس صدر۔ مسٹر کے نتارنجن

(۴) مسلم سوشل کانفرنس (اصلاح تمدن) صدر۔ ڈاکٹر شاہ سلیمان صاحب جج ہائیکورٹ الہ آباد

(۵) آل انڈیا خلافت کانفرنس صدر۔ مولانا محمد شفیع صاحب داؤدی ممبر اسمبلی پٹنہ

(۶) انڈین انڈسٹریل اینڈ کمرشل کانگریس (صنعتی و تجارتی) صدر۔ ابراہیم رحمت اللہ صاحب بمبئی

(۷) مدراس سدرن مرہٹا ریلوے ملازمان کانفرنس صدر۔ مسٹر سرینواس آئینگر ممبر اسمبلی

(۸) کانفرنس بیکاران جنوبی ہند۔ صدر۔ ڈاکٹر وردا راجولو نائیڈو۔

(۹) آل انڈیا سٹیٹس سبجکٹس کانفرنس (ریاستوں کی رعایا) صدر۔ مسٹر سرینواس آئینگر۔

(۱۰) آل انڈیا والنٹیرس کانفرنس — صدر۔ پنڈت جواہرلال نہرو بیرسٹرایٹ لا

(۱۱) آل انڈیا لوکل باڈیز کانفرنس (میونسپل و ڈسٹرکٹ بورڈ) — صدر۔ آنریبل ڈاکٹر سوبرایان چیف منسٹر مدراس۔

(۱۲) آل انڈیا تھیسٹک کانفرنس (کانفرنس موحدان) — صدر۔ مسٹر ہیرو سنتو کمار سین

(۱۳) آل انڈیا میوزک کانفرنس (کانفرنس موسیقی)

(۱۴) یوتھ کانگریس (کانگریس نوجوانان) — صدر۔ ڈاکٹر کے۔ ڈی۔ شاستری

(۱۵) ہندوستانی سیوادل

(۱۶) آل انڈیا ارین کانفرنس — صدر۔ ڈاکٹر مونجے

(۱۷) آل انڈیا لائبریری کانفرنس (کتب خانہ کانفرنس) — صدر۔ ڈاکٹر برجندر ناتھ بنرجی

(۱۸) آل انڈیا اسٹوڈنٹس کانفرنس (کانفرنس طلباء) — صدر۔ ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ

(۱۹) آل انڈیا آریاویشیا کانفرنس — صدر۔ سیٹھ جمنالعل بجاج

(۲۰) مدراس نان گریجویٹ ایجوکیشنل ایسوسی ایشن (افسران تعلیمی)

(۲۱) ومینس ڈے (کانفرنس نسواں) — صدر۔ مسز کپائی بیٹ

(۲۲) فرسٹ پورٹ کمشنرس کانفرنس — صدر۔ مسٹر جمشید این آر۔ مہتا۔

(۲۳) مدراس پریسیڈنسی سب رجسٹرارس کانفرنس — صدر۔ مسٹر ٹی۔ ایس۔ رامچندرایار

(۲۴) مدراس پریسیڈنسی محرران رجسٹری کانفرنس — صدر۔ مسٹر سی۔ وی۔ ونکٹارامن اینگر

(۲۵) آل انڈیا ریپبلکس کانفرنس — صدر۔ پنڈت جواہرلال نہرو

(۲۶) ہندو مہاسبھا — صدر۔ پنڈت مدن موہن مالوی

(۲۷) آل انڈیا وارنشرا دھرم کانفرنس — صدر۔ مسٹر این۔ سرینواس اچاریار۔ بی۔ اے

(۲۸) انڈین افیسرس ایسوسی ایشن — صدر۔ آنریبل سرسی۔ پی۔ راماسوامی ایار

(۲۹) مدراس انجینرنگ ایسوسی ایشن — صدر۔ مسٹر اے۔ آر۔ سہسوانی آیار

(۳۰) آل انڈیا ہیو مینیٹرین کانفرنس (ہمدردانسان) — صدر۔ مسٹر سی جینارا جداسا

(۳۱) میڈیکل پریکٹیشنرس کانفرنس (ڈاکٹری پیشہ) — صدر۔ ڈاکٹر بی۔ ایس۔ مالیا۔ ایم۔ ایل۔ سی۔

(۳۲) آل انڈیا ریلوے پسنجرس کانفرنس (کانفرنس مسافران) — صدر۔ مسٹر سی۔ دوراسامی آئنگر ممبر آسمبلی

(۳۳) کانفرنس پریسیڈنسی ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل کونسلان — صدر۔ دیوان بہادر این سوبھاراؤ

(۳۴) فیڈریشن آف انڈین چیمبرس آف کامرس — صدر۔ سر ڈنشا پیٹ۔

(۳۵) آدی۔ ڈ۔ یوڈ کانفرنس۔

دیگر مقامات کے جلسے

(۳۶) آل انڈیا مسلم لیگ بمقام کلکتہ صدر۔ مولوی محمد یعقوب ممبر اسمبلی

(۳۷) آل انڈیا مسلم لیگ بمقام لاہور صدر۔ سر محمد شفیع صاحب

(۳۸) سائنس کانگریس بمقام کلکتہ صدر۔ ڈاکٹر سائمن

(۳۹) مدراس پراونشل ایجوکیشنل کانگریس اجلاس نوزدہم۔ بمقام ویلور۔ صدر۔ مسٹر آر۔ ایم۔ ساتھم۔

(۴۰) آل انڈیا تبلیغ کانفرنس بمقام دہلی۔ صدر۔ لارڈ ہیڈلے۔

(۴۱) نیشنل لبرل فیڈریشن اجلاس دہم بمقام بمبئی۔ صدر۔ سر تیج بہادر سپرو۔

(۴۲) کچھی میلس کانفرنس بمقام کچھ منڈی۔ صدر۔ مسٹر ایل۔ آر۔ نیٹرسی۔

(۴۳) آل انڈیا ٹیچرس فیڈریشن بمقام کلکتہ۔ صدر۔ ڈاکٹر سی۔ وی۔ رامن

(۴۴) آل بنگال منسٹرل فیسرس کانفرنس اجلاس نہم بمقام بوگرا۔ صدر۔ رائے بہادر تارا پدا چٹرجی

(۴۵) انڈین نیشنل سوشل کانفرنس متعلق لبرل فیڈریشن بمقام بمبئی۔ صدر۔ سر ایم۔ چٹ نویس

(۴۶) کلر مہاسنگم کانفرنس بمقام تنجور

(۴۷) آل انڈیا کرسچین کانفرنس بمقام الہ آباد۔ صدر۔ مسٹر بی۔ ایل۔ رلیارم

(۴۸) آل انڈیا ویرا سیوا کانفرنس بمقام بنگلور۔ صدر۔ راو بہادر ایس ٹی کمبلی ڈے پریم

(۴۹) کانفرنس مہاراجان بنگال، بہار، اڑیسہ، آسام بمقام کلکتہ۔ صدر۔ مہاراج ادھیراج۔ سر رامیشور سنگھ بہادر آف دربھنگہ

(۵۰) آل انڈیا ادی۔ ہندو کانفرنس۔ صدر۔ مسٹر بی۔ اے گوائی۔

نوٹ:۔ اگر موقع ہوا جلسوں میں سے ہم بعض کی مختصر کیفیت درج کریں گے۔ (اڈیٹر)

اصحاب ذیل توسیع اشاعت سودمند کا شکریہ قبول فرمائیں

۱۔ عالیجناب سید عبدالواسع صاحب محمود آباد ضلع سیتا پور۔

۲۔ عالیجناب صاحب جی صاحب جاگیردار ستان الکلوٹ

۳۔ عالیجناب شیخ نبی بخش صاحب نظامی کشمیر

۴۔ عالیجناب مولوی عبدالقدیر صاحب پٹنہ

۵۔ محمد فضل الرحمن صاحب آنریری مجسٹریٹ کشن گنج پورنیہ

قابل تقلید مثال

میں اتفاقیہ ملیح آباد میں آیا۔ معلوم ہوا کہ ۸ جنوری ۱۹۲۳ء کو ملک برادرس کے یہاں کوئی تقریب ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ سید حبیب الملک صاحب انسپکٹر پولیس کے صاحبزادہ فصیح الملک کی بسم اللہ ہے۔ مسلمانوں میں عموماً ہر جگہ اور خصوصاً اودھ میں یہ رواج ہے کہ جب بچہ چار برس چار مہینے چار دن کا ہوتا ہے تو اس کی بسم اللہ کی تقریب کی جاتی ہے اس کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس تقریب میں بھی مثل دیگر تقریبات کے حسب حیثیت جلسہ ہوتا ہے اور بسا اوقات سودی قرض لیکر دلوں کے ارمان اور حوصلے نکالے جاتے ہیں اور دل کھول کر روپیہ صرف ہوتا ہے۔ پھر آئندہ چاہے بچہ کی تعلیم کا انتظام ہو یا نہ ہو۔ اس وقت ماشاء اللہ ملک برادرس کی مالی حالت اچھی ہے اور کھاتے پیتے گھروں میں اُن کا شمار ہوتا ہے اس لیئے میرا خیال تھا کہ یہ تقریب بھی بہت شاندار ہوگی اور اگر قرض لیکر نہیں تو کم سے کم اپنی حیثیت کے مطابق ضرور جلسہ کریں گے۔ ناخواندہ مہمان کی حیثیت سے میں بھی شریک جلسہ ہوا۔ میں جس وقت پہونچا تو میری مایوسی کی کوئی حد نہ تھی۔ میں نے دیکھا "اونچی دوکان پھیکا پکوان" نہ تو جلسہ گاہ زیب وزینت سے آراستہ تھی نہ باجہ گاجہ۔ نہ ناچ نہ رنگ۔ نہ کھانا نہ پینا۔ پیش دروازہ چبوترہ پر معمولی فرش بچھا ہوا تھا جس پر چالیس پچاس پیرو جوان اور تقریباً سو بچے ملک اسکول و دیگر مدارس کے بیٹھے ہوئے تھے۔ صرف حقہ کا دور تھا۔ آغاز کارروائی اس جلسہ کی اس طرح ہوئی کہ اسکول کے چند بچوں نے قومی نظمیں نہایت خوش الحانی سے پڑھیں جن میں عبدالباری خانصاحب کے بچوں کی نظم اور اُن کا لب و لہجہ نہایت دلپسند تھا۔ اس کے بعد سید عطاء الملک صاحب طارق ایڈیٹر ملیح آباد گزٹ نے جو بچے کے حقیقی چچا ہیں ایک موثر اور برجستہ تقریر کی جس میں رسم ورواج کی پابندی اور فضولخرچی کی مذمت بیان کی اور بتلایا کہ مسلمانوں کی تباہی کا سب سے بڑا سبب فضولخرچی اور رسم پرستی ہے، یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو تسلیم ہے کہ رسم ورواج سے ایک قوم کو دوسری قوم سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ اس لیئے قومی رسم و رواج جو مذہب اخلاق تعلیم۔ کفایت شعاری اور تہذیب کے خلاف نہ ہوں اور ایک قسم کا قومی نشان ہوں اُن کا کرنا معیوب نہیں ہے۔ لیکن ہماری جہالت سے ان قومی مراسم میں بھی افراط و تفریط شامل ہوگئی ہے اس لیئے سخت ضرورت ہے کہ اُن سے وہ تمام زوائد جو خلاف مذہب۔ غیر مہذب اور فضول خرچی پر مبنی ہوں نکال دینا چاہیں جس کی وجہ سے قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ قومی و مذہبی مراسم، ذہنی جذبات۔ پاکیزگی۔ کفایت شعاری۔ صفائی۔ سچائی۔ تہذیب اور اخلاق سے لبریز ہیں اسی طرح یہ بسم اللہ نہایت پاکیزہ رسم ہے۔ اس لیئے میں نے یہ رسم کی ہے۔ حالانکہ رسوم کا میں سخت مخالف ہوں، لیکن آپ یقین جانیئے کہ اس میں کوئی بات خلاف مذہب نہیں ہوئی ہے نہایت سادگی سے

یہ تقریب کی ہی جس کی وجہ سے میرے بہت سے اعزا اور بالخصوص عزیز عورتیں ناخوش ہیں۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ شیرینی تقسیم کرنے کا جو رواج ہو وہ بھی بند کردوں لیکن میری ضعیفہ والدہ بہت ناخوش ہو چکی تھیں اس لیئے خفیف مقدار میں حاضرین کو کچھ شیرینی تقسیم ہوگی۔ میں نے چاہا تھا کہ اس شیرینی کی رقم بھی اسکول کو دیدی جاوے مگر میں کامیاب نہو سکا اس لیئے اس گناہ کا معترف ہوں اور اس کا کفارہ اس طرح ادا کرتا ہوں کہ ۵ ملک اسکول کے سکریٹری صاحب کو نذر کرتا ہوں"

تقریر ختم ہونے کے بعد مقرر نے ۵ سکریٹری صاحب کو پیش کیئے اور ۶ قاضی عابد علی صاحب نے دیئے اور ۶ اندر سے عورتوں نے بھیجے۔ اس طرح ۱۶ اسکول کو مل گیا۔ بعدہ مولوی عاشق علی صاحب نے بچے کو بسم اللہ اور سورہ فاتحہ پڑھایا اور پانچ روپیہ مولانا کے بھی نذر کیئے گئے اور حاضرین کو شیرینی تقسیم ہوئی۔ پان کھانے کے بعد سب رخصت ہوئے اور یہ مبارک تقریب نہایت سادگی سے ختم ہوئی۔ کاش اسی طرح ہر تقریب میں اخراجات کا ایک حصہ قومی درسگاہوں کو مل جایا کرے تو یہ ناداری و افلاس کی شکایت قومی درسگاہوں سے جاتی رہے اور غالباً فضول خرچی کے گناہ کا کچھ کفارہ ہو جایا کرے۔ فقط "معترف" از لکھنؤ

ریویو

حافظ صحت | حفظ صحت کا ایک ماہوار رسالہ ہی جو لاہور کے زبدۃ الحکما حکیم غلام نبی صاحب مرحوم کی یادگار ہی۔ پہلے یہ رسالہ زبدۃ الحکما مرحوم نے شایع کیا تھا ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم مظفر حسین صاحب نے کچھ دنوں تک نکالا۔ اب یہ رسالہ جو ہمارے پاس پہونچا ہی تیسرے دور کا پہلا نمبر ہی۔ عوام میں حفظ صحت کے قواعد اور اصولوں کی اشاعت کی جس قدر ضرورت ہی وہ محتاج بیان نہیں یہ رسالہ تمام ضروری امور پر جو ہر انسان کو ایک تندرست زندگی قایم رکھنے کے لیئے مطلوب ہوتے ہیں حاوی ہی۔ اس رسالہ میں نوعیت غذا۔ امداد اولین دلچسپ طبی معلومات۔ ورزش وغیرہ کے علاوہ تجارتی نسخہ جات۔ باغبانی۔ لطایف وظرائف کے عنوانات قایم کرکے حفظ صحت کے خشک مضمون کے علاوہ ناظرین کے فائدہ اور دلچسپی کا سامان مہیا کیا گیا ہی۔ حجم علاوہ سرورق ۴۸ صفحے سائز ۱۸×۲۲ سرورق پر ایڈیٹر صاحب کی تصویر کا بلاک نہایت خوشنا طبع کیا گیا ہی۔ لیکن کیا اچھا ہوتا اگر زبدۃ الحکما مرحوم کی تصویر بھی رسالہ کے سرورق پر دی جاتی۔

ملنے کا پتہ حکیم مظفر حسین ایڈیٹر حافظ صحت موچی دروازہ لاہور

زمانہ حال کی تبلیغ

ابتدائے اسلام میں اس مذہب میں ایسی کشش تھی کہ محض اُس کی حقانیت اور اُس کے حلقہ بگوشوں کے اخلاق وعادات سے متاثر ہوکر لوگ جوق جوق اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ جب ابتدائی دَور میں یہ حالت تھی تو عروج کے زمانہ میں تو کوئی حد وانتہا ہی نہ رہی۔ بالآخر اسلام کی یہ خصوصیت ہوگئی کہ مسلمانوں کا ہر ہر فرد خواہ اُس کا کوئی پیشہ کیوں نہ ہو صحیح معنوں میں ایک مبلغ تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ افریقہ اور بعض دیگر ممالک میں اسلام اپنی اشاعت وتوسیع کے اعتبار سے عیسائی مشنریوں کو شکست دے رہا تھا صدیوں سے ہندوستان میں بھی اسلام کی کشش کی یہی حالت تھی اور عجیب بات یہ ہو کہ جو مقامات پایہ تخت سلاطین سے زیادہ دور تھے وہیں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد زیادہ رہی مثلاً بنگال، کشمیر، سندھ وغیرہ مگر افسوس کہ اب حالت دگرگوں ہو اور ہر طرف سے ارتداد کی وحشت ناک خبریں سننے میں آتی ہیں۔ زمانہ سابق میں تبلیغ اسلام کے لیئے نہ باقاعدہ انجمنیں تھیں اور نہ کوئی تنظیم تھی مگر مسلمانوں کے ہر فرد بشر میں ایک کشش مقناطیسی تھی کہ اُس سے ہر مذہب و ملت کے لوگ بلا ارادہ اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ برخلاف اس کے اب مرکزی، اور صوبہ وار اور ضلع وار تبلیغی جماعتیں ہیں، اکثر عربی مدارس اور انجمنوں نے کسی نہ کسی شکل میں تبلیغی کاموں کو اپنے اپنے قواعد میں داخل کر رکھا ہو۔ ایک انجمن مکاتب قایم کرتی ہو تو دوسری دیہات میں مبلغین بھیجتی ہو اور اس طرح کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہی۔ مگر دیگر اقوام کے مقابلہ میں عام حالت مایوس کن ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ مسلمانوں کے تمام کاموں میں روح نہیں رہی صرف ایک ڈھانچ باقی رہ گیا ہو۔

اب سوال یہ ہوسکتا ہو کہ کیا مسلمانوں میں ہمدردی نہیں رہی، جوش نہیں ہو، ایثار نہیں ہو۔ اس کا جواب یہ ہو کہ خدا کے فضل سے ابتک مسلمانوں میں سب چیزیں موجود ہیں۔ جہاں کہیں مسلمانوں کو معلوم ہوتا ہو کہ دیگر مذاہب کے لوگ اُن کے مذہب پر حملے کرتے ہیں تو وہ اُس کے جواب میں عظیم الشان مذہبی جلسے منعقد کرتے ہیں۔ مبلغ مقرر کرتے ہیں مکاتب قایم کرتے ہیں۔ مگر چند روز بعد جوش ٹھنڈا پڑجاتا ہو اور سب کام رفتہ رفتہ ختم ہوجاتے ہیں۔ برخلاف اس کے ہندوؤں میں گروکل قایم ہیں پاٹ شالے کھل رہے ہیں۔ لاوارث اور بیکس بچوں سے یتیم خانے آباد ہیں اور جو کام ایک بار جاری ہوجاتا ہو وہ اگر ترقی نہیں کرتا تو کم سے کم یکسانیت کے ساتھ جاری رہتا ہو۔ اب پھر سوال پیدا ہوتا ہو کہ باوجود مذہبی جوش اور مذہب کے لیے جان تک دے دینے کے جذبہ کے مسلمانوں کے کام کیوں نہیں جاری رہتے۔ اس کا جواب ہمارے نزدیک صرف ایک ہو اور وہ یہ ہو کہ دُنیا

مادی ہو اور مادی چیزوں کے جاری کرنے اور انھیں قایم رکھنے کے لیئے صرف مادیات کی ضرورت ہو۔ روحانیات سے انسان میں ایک جذبہ اور جوش پیدا ہوسکتا ہو اور اس سے انسان اپنی جان و مال کی قربانی کرسکتا ہو مگر [illegible] کے کام تو محض ایک بار جان کھودینے یا اپنا اثاثہ دے ڈالنے سے نہیں چلتے۔ اُن کے لیئے تو مسلسل آمدنی کی ضرورت رہتی ہو جس سے خود مسلمان محروم و معرا ہیں۔ مسلمانوں میں جو ملازم ہیں بوجہ اسراف کے اُن کی تنخواہیں ناکافی ثابت ہوتی ہیں۔ جو کاریگر اور دوکاندار ہیں وہ سرمایہ دار کے غلام ہیں۔ جو زمیندار ہیں وہ مہاجن کے بندۂ زرخرید ہیں اور ان کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ غلاموں کے غلام ہیں۔ جب ہر شخص اپنی اپنی روٹی کی فکر میں حیران و سرگرداں ہو اور اُس کے دماغ میں اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کا سودا ہو تو اُسے اشاعت دین کے متعلق سوچنے کی کہاں مہلت مل سکتی ہو۔ اب تو یہاں تک نوبت پہونچ چکی ہو کہ جب ہندو مسلمانوں میں کبھی کوئی بلوہ ہوتا ہو تو افلاس و ناداری کی وجہ سے خود مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف شہادت دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مجبور ہونا اِس لیئے کہا گیا کہ جب بھوک سے مرے جاتے ہیں تو کیا کچھ نہ کر گزریں۔ ایک شہر میں جہاں ہندو مسلمانوں میں بلوہ ہوا اور باہمی مقدمات چلے تو ہمیں تحقیق معلوم ہو کہ ایک ہندو نے علی الاعلان کہا کہ مسلمانوں کے ایمان تو ہماری جیب میں موجود ہیں یعنی یہ کہ جب مسلمانوں کو ہم روپیہ دیں گے تو وہ خود ہماری طرف سے شہادت دیں گے۔

پس اُن اصحاب کی خدمت میں جو اپنا روپیہ اور وقت تبلیغی کاموں میں صرف کر رہے ہیں عرض ہو کہ سب سے پہلے وہ مسلمانوں کی معاش کا انتظام کریں۔ انجمنوں کا تمام تر اثاثہ بنکوں میں سود پر رکھوائیں۔ مسلمانوں میں انجمنہائے امداد باہمی قایم کرائیں۔ لوگوں کی زندگی کا بیمہ اور بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائیں۔ اور مسلمان کاریگروں اور دوکانداروں کو کاروبار کے لیئے خوشحال مسلمانوں سے معین منافع یا تجارتی سود پر روپیہ دلوائیں۔ بغیر اس کے اسلامی تبلیغ صحیح بنیاد پر آج کل قایم ہونا ناممکن ہو۔　　(ایڈیٹر)

صرف اخبار نویس حضرات کیلئے

دہلی کا اخبار "ریاست" خاص اہتمام کے ساتھ ہندوستان کی اُردو اخباری برادری کے اُن اراکین کی زندگی کے حالات اور بلاک کی تصاویر ایک کتاب کی شکل میں شایع کرنے والا ہو جو فن صحافت کو فروغ دینے اور ترقی کے اعلےٰ درجہ تک پہونچانے کے لیئے قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اُمید ہو کہ تمام اخبار نویس حضرات خواہ وہ کسی حیثیت میں کام کرتے ہوں اپنی زندگی کے حالات معہ عکسی تصاویر

قرض کی نکیل

سود مند آیا۔ دل خوش ہوا۔ کھول کر دیکھا رنج ہوا۔ ٹائٹل پیج پر ایک عبرت انگیز نظارہ تھا جس نے رُلا دیا
آہ کیا ہو رہا ہے! کاشتکار، قرض کا شکار ہے۔ اہل حرفہ گرفتار قرض ہیں، تاجر قرض کے پنجہ میں ہیں ملازمت پیشہ
بلائے قرض میں مبتلا ہیں۔ آہ نواب صاحب بھی قرض کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اُف اُف مذہبی پیشوا
بھی قرض کی نکیل میں بندھے ہوئے ہیں" آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور کیا ہونے والا ہے؟ اور یہ کیا ہو گیا ؎

یہ ہوئے۔ وہ ہوئے کہ میر ہوئے
"علت قرض" میں اسیر ہوئے

رات کے چار بجے تھے کہ میری آنکھ کھل گئی۔ روشنی کرکے میں اپنی میز پر پڑھنے بیٹھا تو سب سے پہلے مجھے سود مند دکھائی دیا۔ پڑھنا شروع کیا۔ سرورق پر قرض کی نکیل کا نقشہ دیکھ کر دل بھر آیا۔ واقعی یہ خوب کہا گیا ہے کہ "القرض مقراض المحبة" کہ ادھار محبت کو کاٹنے والی قینچی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ "القرض مقراض الراحة" کہ قرض نہ صرف محبت کو بلکہ ہر ایک راحت کو پاش پاش اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینے والی قینچی ہے۔ قرض انسان کے لباس عزت کی دھجیاں بکھیرنے والی قینچی ہے۔ قرض دل کی موت کا پیغام ہے۔ قرض مصیبت کا پھندا ہے قرض دوزخ کے عذابوں میں سے ایک ہولناک عذاب ہے جو انسان کو رنج و الم کی طوق و سلاسل میں گرفتار کراتا ہے۔

میں اپنے خیالات میں سود مند کی ورق گردانی کر رہا تھا فوراً مجھے خیال آیا کہ ہمارے ہادی برحق رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرض سے باز رہنے کی تاکید فرمائی تھی مگر ہم ان کی نافرمانی کرکے تباہ ہو رہے ہیں۔ خدا تعالے نے صاف کہدیا تھا۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ	کہ رسول کے خلاف چلنے والوں کو ڈرنا چاہیئے
ان تصیبھم فتنة او یصیبھم	ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کو تباہی کا دھکا لگ جائے
عذاب الیم۔	یا دردناک دکھ انھیں آ جائے۔

میرے سامنے حدیث کی مشہور کتاب کنز العمال رکھی تھی۔ انھیں خیالات میں میں نے اُسے پڑھنے کے لیئے اُٹھایا تو مجھے فوراً قرض کی نسبت ہی بہت سی احادیث نظر آئیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم جو ارشادات فرماتے ہیں وہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیئے کافی ہیں۔

ناظرین سود مند! اگر اب تک ہماری غفلت نے ہماری حالت خراب کر رکھی تو آئندہ سے ہمیں چاہیئے کہ

ہم سنبھل جائیں رسول اکرم کے ارشادات آپ کو سُناتا ہوں۔ اختصار اور آسانی کے لئے صرف اُردو ترجمہ کر دیتا ہوں (یہ سب حدیثیں کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ و صفحہ ۲۳۵ پر ہیں)

"اللہ اللہ قرض کی نسبت کیسا سخت بیان نازل ہوا ہے۔ خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں مارا جائے پھر زندہ کیا جائے۔ پھر مارا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے۔ پھر مارا جائے۔ اور اس پر کوئی قرض ہو تو وہ اس وقت تک داخل جنت نہ ہوگا جبتک اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے"

حضور فرماتے ہیں:۔

"قرض خدا کا وہ پھندا ہے کہ جب خدا کسی کو زمین میں ذلیل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے گلے میں ڈالدیتا ہے"

حضور فرماتے ہیں:۔

"قرض دین اور عزت دونوں کو نقصان پہونچاتا ہے"

حضور فرماتے ہیں:۔

"تمام کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان مرکر خدا کے حضور ایسی حالت میں حاضر ہو کہ اس پر کسی کا قرض ہو"

حضور فرماتے ہیں

"خبردار! قرض نہ لینا۔ کیونکہ قرض رات کو غم اور دن کو ذلت ہے"

ان ارشادات مبارکہ سے ہر مسلمان کا دل بیدار ہوسکتا ہے کیونکہ ان میں ہر ارشاد سوچنے والے کے لئے تازیانۂ عبرت ہے ؎

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

سود مند اور اس کے کارکن مبارک ہیں جو لوگوں کو اس بلا سے نجات دلانے کی جدو جہد کر رہے ہیں۔ کاش سب لوگ قرض کی نکیل سے چھوٹ جائیں۔

راقم ایک سود مند۔ دہلی

افعال جن کا اثر ہماری اقتصادی زندگی پر پڑتا ہے

ربوا و تجارتی سود

ربوا و سود کا مسئلہ نہایت خاردار ہے جو تجارتی سود کے ہم معنی فرض کر لیا گیا ہے۔ اس کا جواز ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے جس کے متعلق مستند علما ہی قطعی رائے دینے کے مجاز ہیں۔ لیکن چونکہ اس کا زیادہ تر اثر مسلمانوں کی اقتصادی فلاح پر پڑتا ہے اس لیے ہر لحاظ سے اس مسئلہ کے ہر ایک پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس مشکل مسئلہ کا کوئی حل ہو سکے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ربوا اسلام میں قطعاً ممنوع ہے۔ قرآن کریم میں صاف حکم ہے کہ لا تاکلوا اضعافا مضعفۃ (ترجمہ) سود نہ کھاؤ دو نا دون۔ ربوا کی تفسیر اور تشریح کرنے سے بحث پیدا ہوتی ہے۔ یہ واقعہ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم پر یہ آیت آپکے ارتحال سے چند روز پیشتر نازل ہوئی تھی تو اس وقت آپ بستر علالت پر صاحب فراش تھے اور اس وجہ سے صحابہ کرام کو اس کی تفسیر اس کا دائرہ عمل معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ چونکہ اس کی تشریح کرنے والی کوئی حدیث موجود نہیں اس لیے لفظ ربوا کے وہی معنی ہیں جو اس وقت اہل عرب سمجھتے تھے اور جو معنی کہ عرب میں لیے جاتے تھے اور اس میں بھی کلام نہیں کہ تجارتی سود آجکل رائج ہے۔ اور بنک کا کاروبار جو تجارت و صنعت و حرفت کی جان ہے ان دونوں کا وجود اسلام کے ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا۔ لیکن اس وقت یہودیوں میں سود در سود یعنی دُونا دون لینا جائز تھا قرضدار سے بہت زیادہ سود در سود وصول کرنا بڑا ظلم تھا۔ اور زر خواہ اس کی وصولی میں بڑی سختیاں اور مظالم کرتے تھے اس لیے اب یہ کام علمائے کرام کا ہے کہ وہ ارشاد فرمائیں کہ حرمت سود کا حکم کس حد تک تجارتی سود پر عاید ہو سکتا ہے۔ میں کسی مذہبی دلیل کی بنا پر اس مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا لیکن فی الحقیقت بعض علمار نے تجارتی سود کی بعض اشکال کو چند خاص ضرورتوں میں اپنے فتاوے سے جائز قرار دیا ہے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے فتوے دیدیا ہے کہ ہندوستان میں تجارتی سود لینا ناجائز نہیں ہے۔ دیگر علمانے بھی سود کی بعض صورتوں کو جائز کیا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ علمار کی مجالس سود کے جواز کے مخالف ہے۔

لیکن جیسا کہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں میری ہرگز یہ خواہش نہیں ہے کہ میں اس پر اصولی بحث کروں چونکہ یہ مسئلہ نہایت نازک پیچیدہ اور غور طلب ہے اس لیے میں علمائے کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ چند صحیح واقعات کو پیش نظر رکھیں جن سے کہ اس مسئلہ کی موجودہ حالت زمانہ گزشتہ کی حالت سے بالکل مختلف ہو گئی ہے اور پھر اپنا فتویٰ تحریر فرمائیں۔ اوّل یہ کہ سود کی حرمت میں اس کا لینا اور دینا دونوں داخل ہیں۔ کیا ایک ایسے ملک میں سود لینا ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے جس میں کہ اسلامی شرع سود لینے کی حرمت کو نافذ نہیں کر سکتی ہے۔ اگر دونوں

یکساں ممنوع ہوں تو یہ قرین انصاف ہوگا اور اس میں کسی قسم کی سختی نہ ہوگی۔ لیکن غریب مسلمانوں کو ضرورت مجبور کرتی ہے کہ وہ قرضہ لیں اور سود دیں۔ کیونکہ اُن کو بلا سودی قرضہ نہیں مل سکتا ہے تو کیا یک طرفہ ممانعت فائدہ مند ہے اب غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا تجارتی سود کی موجودہ شکل ربوا کے مطابق ہے اور اگر ان دونوں میں کچھ مشابہت ہے تو وہ مشابہت تجارتی سود کی کس صورت تک ہے۔ تیسرا سوال غور طلب ہم جنس اشیاء کا دینے سے زیادہ مقدار میں لینے کا ہے۔ مثلاً سونا دیکر اُس سے زیادہ مقدار میں سونا لینا یا چاندی دیکر اُس سے زیادہ مقدار میں چاندی لینا۔ کیا سود کی ممانعت میں یہ حیلۂ شرعی چل سکتا ہے کہ چاندی یا نوٹ کے بدلے میں سونا لے لیا جائے کیا سونا چاندی یا نوٹ کے لینے اور دینے پر سود کی حرمت آتی ہے۔ اس کے جواز کے لئے حیلۂ شرعی نکالا جاتا ہے اور اُس کو خلاف شرع نہیں سمجھتے ہیں۔ چونکہ تجارتی سود کی حرمت کا انحصار سود سے اُس کی مشابہت ہونے پر مبنی ہے۔ پھر اس میں کوئی حیلۂ شرعی کیوں نہیں نکالا جاتا۔ اس قسم کے سیکڑوں سوالات مسلمانوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم علمائے کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کے متعلق فتویٰ دینے سے پیشتر وہ موجودہ مشکلات کو پیش نظر رکھیں جنمیں سے چند مشکلات کو میں بیان کرتا ہوں۔

چونکہ سود دینے کے لئے کوئی روک نہیں۔ سود لینے کی ممانعت سے مسلمان بہت خسارہ میں ہیں۔ سود کو ضرور بند کردینا چاہیئے۔ لیکن غور طلب یہ مسئلہ ہے کہ کیا ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ ہم سود دیتے تو رہیں اور لیں نہیں۔ تجارت کرنے میں بعض فصلیں ایسی ہوتی ہیں کہ جب روپیہ کی اشد ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس لئے تجارت کے واسطے روپیہ قرض لینے کی قطعی ممانعت نہیں کی جاسکتی ہے۔ جدید اصولوں کے بموجب روپیہ کو ہرگز بیکار نہ رکھنا چاہیئے۔ اور جو شخص روپیہ سے کام لیتا ہے وہی نفع اُٹھاتا ہے۔ روپیہ کو کاروبار میں لگانا نفع بخش ہوتا ہے۔ اب روپیہ محض تبادلہ کا سکہ نہیں رہا ہے۔ بلکہ اُس کی ذاتی قیمت بھی ہے آج کل تاوقتیکہ روپیہ کے استعمال کا کچھ معاوضہ نہ دیا جائے۔ روپیہ کسی سے قرض نہیں مل سکتا ہے۔ جو شخص کہ روپیہ کو خود کام میں نہیں لاتا بلکہ اپنا روپیہ دوسرے شخص کو قرض دیدیتا ہے تو وہ اُس کے نقد معاوضہ کا بھی اُمیدوار رہتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خود اس روپیہ سے کام لیتا تو یقیناً وہ کچھ نہ کچھ نفع حاصل کرتا۔ قرض لینے والا اپنے روپیہ پر جو سود لیتا ہے وہ فی الحقیقت اُس نفع کا ایک جزو ہوتا ہے جو قرض لینے والے نے اُس روپیہ کو کسی تجارت میں لگا کر حاصل کیا ہے۔

غدر سے پہلے دام دوپٹ کا قاعدہ عام طور پر رائج تھا۔ یعنی ہندو شاستر کے بموجب قرضہ کی رقم کے دوچند سے زیادہ لینے کی ممانعت تھی۔ یہ قاعدہ ابھی تک کلکتہ پریزیڈنسی بمبئی پریزیڈنسی و برار میں رائج ہے لیکن یہ صرف ہندو قرضداران تک محدود ہے۔ اب اس کا نفاذ اجمیر میں بھی ہوگیا ہے۔ دام دوپٹ کی موجودگی کی وجہ سے پہلے زمانہ میں ہندوستان میں سود در سود کی زیادتی مفقود تھی۔ اور اس لئے نہ کوئی سختی تھی اور نہ کچھ نقصان۔ انگلستان کی الی

حالت ہندوستان سے بالکل جداگانہ ہو اور وہ ایک صنعتی ملک ہو لیکن وہاں کے قانون کا اتباع کرکے کہ فریقین میں جو کچھ شرح سود قرار پا جائے وہ جائز ہو ہندوستان میں قانون سود ۱۸۵۵ء میں پاس کر دیا گیا اور جو پابندیاں سود پر یہاں عاید تھیں وہ سب دور کر دی گئیں اور چونکہ دونوں ملکوں کی اقتصادی حالت جداگانہ ہو اس لیئے ایک ہی قانون کا دونوں جگہ بالکل مختلف اثر پڑا۔ اس قانون سے انگلستان میں شرح سود بالکل گھٹ گئی لیکن ہندوستان میں شرح سود بہت بڑھ گئی ہو۔

اگرچہ وصولی قرضہ میں بہت آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں اور غدر کے بعد سے ملک میں امن و امان قایم ہو گیا ہو اس کا لازمی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ شرح سود میں کمی ہوتی۔ اس کے برعکس اُس قانون سے ہندوستان میں شرح سود بہت زیادہ بڑھ گئی ہو۔ اس کی بدولت مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان پہونچا ہو اور اس سے جو نقصان زمینداروں اور کاشتکاروں کو پہونچا ہو وہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہو۔ گزشتہ مردم شماری کی رپورٹ کے بموجب ہندوستان میں ہندو ۶۸ فی صدی مسلمان ۲۲ فی صدی اور دیگر اقوام ۱۰ فی صدی ہیں۔ اس لیئے غیر محدود اور سخت سود کی اجازت دینے کا اثر غریب کسانوں پر بیحد پڑا ہو۔ جن میں زیادہ تر ہندو ہیں اور اس کی وجہ سے اُن کی جائدادیں اُن کے قبضہ سے نکل گئی ہیں۔ سود کی بھاری شرح کے متعلق قانون معاہدات کی دفعہ ۱۶ سے عملاً کوئی فائدہ نہیں پہونچا۔ اسی طرح دفعہ ۷۴ بھی بیکار ثابت ہوئی۔ ۵۰ سال کے تلخ تجربہ کے بعد گورنمنٹ نے تسلیم کیا ہو کہ ہندوستان میں بھاری شرح سود نے تجارت اور صنعت و حرفت کو تباہ کر ڈالا۔ اور اُس کی بدولت ملک کی ترقی رُک گئی۔ قانون سودی قرضہ ۱۹۱۸ء کی رو سے عدالت کو اختیار دیا گیا ہو کہ اگر شرائط نامناسب ہوں تو عدالت اُس میں دست اندازی کرکے سود میں کمی کر دے۔ اب اُمید کی جاتی ہو کہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو اس جدید قانون کا نہایت معقول اثر حریص ساہوکاروں پر پڑے گا۔ اور اُس کی بدولت شرح سود میں اس قدر کمی ہو جائے گی جس قدر کہ ترقی یافتہ اور مہذب ممالک میں ہو۔ روپیہ قرض دینا معقول آمدنی کا ذریعہ ہو جس سے کہ بلا کسی محنت اور کوشش کے روپیہ اس قدر بڑھتا جاتا ہو جس قدر کہ کسی اور پیشہ اور کام میں نہیں بڑھ سکتا ہو اس وجہ سے ہر ایک ملک میں اور ہر زمانہ میں ساہوکار نہایت مرفہ الحال ہو گئے ہیں مثلاً یہودی اگرچہ تعداد میں کم ہیں مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور اُن کے خلاف قومی نفرت اور تعصب کا برتاؤ کیا جاتا ہو لیکن محض سودی قرضہ دینے کی بدولت اُنھوں نے دولت جمع کرنے میں زبردست کامیابی حاصل کی ہو۔ چونکہ سود لینے میں کامیابی یقینی طور پر ہوتی ہو اس لیئے روپیہ کا لالچ پیدا ہو جاتا ہو اور چونکہ دولت کے معنی قوت کے ہیں اس لیئے دولتمند ساہوکار کا زبردست اثر حاجتمند قرضدار پر ہوتا ہو اور قرضدار اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر خود شرائط قرضہ نہیں لکھ سکتا ہو۔ اس لیئے اگر اس معاملہ میں حکومت دست اندازی نہ کرے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ صاحب اقتدار ساہوکار حاجتمند قرضدار سے قرضہ کی شرائط نہایت سخت لکھوائے گا۔ ہم مسلمانوں کو

یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ اگر ہم بھاری شرح سود پر قرضہ لینگے تو اس کا نقصان نہ صرف ہم کو بلکہ سارے ہندوستان کو پہونچیگا چونکہ ہم بھاری شرح سود پر قرضہ لیتے ہیں اس وجہ سے ساہوکاروں کو ہندوستان کی دیگر اقوام کو کم شرح سود پر قرضہ دینے میں تامل ہوتا ہے اور اس وجہ سے شرح سود کے بڑھانے میں اُن کو سہولت پیدا ہو جاتی ہے اس لیئے ہندوستان میں بھاری شرح سود رائج ہونے کے ایک حد تک ہم بھی ذمہ دار ہیں جس کا مقابلہ مغربی ممالک کی شرح سود سے نہیں ہو سکتا ہے۔

زرامانت:۔

سود لینے کے خیال نے بہت سے اوقاف کے ٹرسٹیوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ پس انداز روپیہ کو کسی بنک یا ڈاکخانہ کے سیونگ بنک میں رکھنے کے بجائے پرائیویٹ لوگوں کی تحویل میں جمع کر دیں۔ پرائیویٹ لوگوں کی تحویل میں یہ روپیہ بیکار نہیں پڑا رہتا ہے بلکہ اس وقف کے بجائے اُن تحویلداروں کو اس کا نفع ملتا ہے۔ یہ بات شاذ و نادر ہی محسوس کی جاتی ہے کہ اس سے وقف کو سخت مالی نقصان پہونچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں بسا اوقات روپیہ بالکل ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ پرائیویٹ اشخاص اس روپیہ سے خود نفع اُٹھاتے ہیں اور اس نفع کا کوئی جزو اس وقف کو نہیں دیتے ہیں۔ اگر تحویلدار بے ایمان ہو جائے، اور اگر بے ایمانی بھی نہ کرے اور دیوالیہ ہی ہو جائے تو اس میں وقف کا روپیہ ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس واقعہ کی طرف بھی خاص طور پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر ضلع میں سرکاری روپیہ کسی شخص کی ذاتی تحویل میں نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ بنک یا ڈاکخانہ میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس لیئے روپیہ بچانے والے اور اکثر مسلمانوں سے جو نہ بخیال عدم جواز بلکہ بنظر احتیاط سود کی ہر شکل سے تنفر کرتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ صرف حفاظت کے نقطۂ خیال سے غور کریں کہ آیا اس بیسویں صدی میں روپیہ کا زمین میں دفن کرنا یا تجوری میں مقفل رکھنا جس میں کہ ہر وقت چوری کا اندیشہ لگا رہتا ہے یا اس روپیہ سے بیش قیمت زیور بنوانا جس سے کہ مستورات کی جان معرض خطر میں رہتی ہے۔ یا اپنے پس انداز کیئے ہوئے روپیہ کو سرکاری ڈاکخانہ کی تحویل میں رکھنا یا سرکاری ضمانت کی شکل میں امپیریل بنک یا کسی دوسرے بنک میں رکھنا دانشمندی پر مبنی ہے۔

ڈاکخانہ اور بنکوں میں زرامانت جمع کرنے کے متعلق ایک خاص معاملہ کی طرف بھی مسلمانوں کو فوراً توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اب بہت سے مسلمان اس کو محسوس کرنے لگے ہیں کہ پس انداز کیا ہوا روپیہ بنکوں اور ڈاکخانوں میں جمع کرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر مسلمان بنظر احتیاط سود نہیں لیتے اور سود سے دست بردار ہو جاتے ہیں لیکن غالباً ان متدین مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ یہ سود بحق گورنمنٹ ضبط نہیں ہوتا ہے بلکہ مکتی فوج کو دیدیا جاتا ہے جو اگرچہ غربا کی تمدنی اصلاح کا قابل تعریف کام کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ عیسائی مشن کی خدمات بھی انجام دیتی ہے۔ کیا یہ مسلمان اس حقیقت کے معلوم ہو جانے پر بھی سود کا لینے کو بہ نسبت نہ سود کے اسلام کے خلاف استعمال کیئے جانے قابل گناہ تصور کریں گے۔ اگر وہ خود سود نہیں لینا چاہتے تو سود کو چھوڑنا بھی نہیں چاہیئے تاکہ رقم سود ان کے حساب ... جمع ...

خلاف شرع امور پہ صرف نہ ہونے پائے۔ مختلف مشکلات بیان کرکے میں نے ان مسائل کا جواب دینے سے خود احتراز کیا ہی۔ کیونکہ یہ مسائل نیم مذہبی ہیں اور علمائے کرام ہی اس کے جواب دینے کے مجاز ہیں۔ (ماخوذ از خطبۂ صدارت آنریبل جسٹس ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صدر مدارس سوشل کانفرنس)

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دے کر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہونچانے کی کوشش کی اور مبلغ **دو لاکھ روپیہ** گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لیئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرے سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے۔

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ** روپیہ کا کل سرمایہ بے ضرر ہے۔ کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں۔ ہمارا **اردو پراسپکٹس** جس میں مختصر تاریخ بیمہ معہ نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۸ ڈلہوزی سکوئر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے۔ "بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے۔ ہر مرد و عورت اور بچہ کا ہر مکان اور سواری کے جہاز اور کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اصل میں یہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین میں حکمراں تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے پسماندگان کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لیئے اُن کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

سُود مند لٹریچر

مسلمانوں کے لیے اِن کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہ ہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک درد مند قوم نے خاص طور پر شایع کرایا ہے۔ ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سود خواروں کے پنجے سے نجات دلانے۔ بنک کا لین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔ ان کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رکھی گئی ہے تاکہ لوگ خرید کر تقسیم بھی کر سکیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث۔ یعنی خطبہ صدارت جو مولوی اکرام عالم صاحب وکیل بی اے نے سود مند کانفرنس منعقدہ فرخ آباد ۱۹۲۰ء میں پڑھا تھا قیمت ۲ر

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۸ر

کشف الغطاء عن وجہ الربوا۔ مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو اسحٰق حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کر کے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہے ایک کالم میں عربی ایک میں اردو ترجمہ قیمت ۴ر

رسالہ جواز سود مع فتاوے۔ جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علمائے فتووں کا مجموعہ ار

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح۔ مولانا سید عقیل احمد صاحب کی تصنیف ہے جس میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں قیمت ار

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ۔ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیمہ کرانے کے کیا فوائد ہیں قیمت ار

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان۔ مصنفہ سید عقیل احمد صاحب ایم اے ایل ایل بی [illegible] بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو نہایت ضروری ہے قیمت [illegible]

سود کے متعلق فتوے [illegible] سود مند [illegible]

[illegible]

[illegible] قیمت

[illegible] — [illegible] بک ایجنسی [illegible]

سودمند ہیں

اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اٹھائیے

شرح اجرت اشتہار

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	مؔر	ہے۱۸	ہے۳۰	وشہ
نصف صفحہ	للعہ	عنہ۱۰	ہے۱۸	للو۳۴
چہارم صفحہ	عہ	سے۶	عنہ۱۰	ہے۱۸
چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر آٹھ آنے				

کیا یہ صحیح ہی

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے
آپ سستی گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اٹھا چکے ہیں
آپ پچھلی سال اپنی چاندی کی قیمتی گھڑی گما چکے ہیں
آپ اپنے کام پر روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہونچتے
تو فوراً ہماری اصلی ریلوے ریگولیٹر جیبی گھڑی جس پر کارخانہ کی اصلی مہر کھدی ہوئی ہی اور ڈائل پر انجن کی تصویر بنی ہی منگا لیجئے۔ اس کارخانہ کی گھڑیوں کی پائداری اس قدر مشہور ہی کہ اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں ٹائم بالکل سچا اور تین برس کی گارنٹی اس کی اصلی قیمت عہ ہی مگر طلبا اور مدرسین سے صرف للعہ لئے جاتے ہیں۔ دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصولڈاک معاف۔ صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہی

آج ہی آرڈر بھیج دیجئے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں۔

ملنے کا پتہ **نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں۔ یو۔ پی۔**

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ محمد احید الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن) پرنٹر و پبلشر

راہ گیر۔ یہ صاحب کتاں کتاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں؟
سودمند۔ کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے قتل میں، سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند۔ تجارتی سود کی داد و ستد کرے اور کو آپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہوتے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ)
قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

سودمند بدایوں

نمبر ۳	مارچ ۱۹۲۸ء عیسوی	چندہ سالانہ دو روپیہ عہ
جلد ۳		قیمت فی پرچہ تین آنہ

فہرست مضامین

سرمایہ

(از حکیم مظفر حسین صاحب بسمل)

ہر اک مجلس میں چرچا ہے مسلمانوں کی ذلت کا
نہیں منظور خود ان کو بچانا اپنی عزت کا

کوئی ہمدرد مند ایسا مسلمانوں کو سمجھائے
ہو کچھ احساس ان میں بھی زمانہ کی ضرورت کا

مسائل اقتصادی کچھ سمجھ میں ان کی آجائیں
ذرا یہ سیکھ جائیں کچھ چلن دنیا کی رنگت کا

اُٹھیں لیکر خدا کا نام دنیا کے سمندر میں
ہوا کے رخ پہ لیجائیں یہ بیڑہ اپنی ملت کا

جھگڑ کر اپنی آپس میں ہوا خیزی نہ ہٹنے دیں
گلے میں اپنے دانستہ نہ ڈالیں طوق لعنت کا

جو ہیں امراض قومی سب کی جڑ ہے ایک بیماری
وہ ہی افلاس جو باعث ہے ادبار و فلاکت کا

اسی کا آج طوطی بولتا ہے سارے عالم میں
اسی سے گرم ہے بازار ہر سو علم و حکمت کا

بدی کوئی نہیں ایسی نہ جسمیں دخل ہو اس کا
کوئی نیکی نہیں جسمیں کرشمہ ہو نہ دولت کا

نکلتے ہیں اسی سے کام سارے وقت پیدایش
یہی کرتا ہے پورا راستہ مرنے پہ میت کا

خدا نے قرض مانگا ہے اسی کو اپنے بندوں سے
اب اس کے بعد کیا باقی ہے موقع تم کو حجت کا

فنا ہو جس کی طاقت اس کو آخر موت آتی ہے
جو مفلس قوم ہو اُس کو پیام آتا ہے رحلت کا

ہمیشہ کرتی ہے فاقہ زدہ کی شکل غمازی
جو خالی پیٹ ہو نقشہ بگڑ جاتا ہے صورت کا

ہوا سمجھا نیئے صاحب اگر دنیا میں رہنا ہے
عمل کا وقت آیا اب نہیں موقع ہے حجت کا

نہ تنہا کاروبار اچھا نہ دولت کی فراوانی
اثر پیدا نہ ہو جبتک کہ اُسمیں قومی رنگت کا

زمین کے چار بیگہ جو بزرگوں کی نشانی ہے
بچے برباد ہونے سے مٹے خطرہ عقوبت کا

مشن ٹھیرا ترا بسمل غریبوں کی مدد کرنا
یہ جبتک سانس باقی ہے سمجھ لے وقت فرصت کا

باوجود قاعدہ نمبر ۸ مندرجہ قواعد و ضوابط سود مند بعض ہمدردان سود مند کی فرمائشوں پر جو رسالے بصیغہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں ان کی واپسی کا بار سود مند کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس لیئے ایکبار پھر ہم کو ناظرین پڑھ لیں (دیکھو)

ذخیرۃ الفلاح

اہل دیہات کیلئے ایک کام کی بات

دُنیا میں آنا آسان ہی لیکن دُنیا میں رہنا اور گزر کرنا مشکل ہی۔ احتیاج کے لیئے تقریباً ہر شخص محتاج اور پریشان حال نظر آتا ہی آرام و اطمینان کے ساتھ گزر اوقات کا ہر کس و ناکس طلبگار ہی لیکن یہ نعمت عظمیٰ کثیر التعداد اشخاص کے لیئے عنقا کی طرح معدوم ہی اور زندگی کی تنا کش اور کشمکش میں گرفتار رہنے کے لیئے ہر فرد بشر مجبور ہی بالعموم غریبوں اور بالخصوص کسانوں کا نیز متعلقہ مزدوروں کا واجب الرحم افلاس کا شکار طبقہ بہت ہی مفلوک و منکوب ہی۔ اگرچہ دنیا کی ترقی بلکہ زندگی کی سلامتی کا تمامتر اسی گروہ پر دارو مدار ہی مگر یہ اپنی عرقریزی اور جاں فشانی سے جس قدر رکھتا ہی اسی قدر اس کا خون چوسا جاتا ہی یہی وجہ ہی کہ یہی مغلوب و مقہور بے کس و بے بس طبقہ آج سب سے زیادہ تباہ و خستہ حال ہی

سچ یہ ہی کہ دُنیا میں آنا نہایت سہل ہی لیکن گزر کرنا نہایت مشکل ہی غالباً سب سے بڑی مشکل یہ ہی کہ پیسہ مشکل سے ہاتھ آتا ہی اور جو آتا ہی اس کو شاذ و نادر ہی صحیح طور پر کام میں لایا جاتا ہی۔

ہر انسان ان گنت خواہشات اور بے شمار ضروریات رکھتا ہی بقول شاعر

زندگی ہی یا کوئی طوفان ہی   ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مرچلے

لیکن تمام دُنیا کا متفقہ فیصلہ ہی کہ تمام ضروریات کا قبلہ گاہ اور تمام حاجات کا سرتاج پیسہ ہی۔ فی نفسہ پیسہ ہیچ محض ہی مگر فی الاصل پیسہ انسان کی تقریباً ہر ایک احتیاج کے پورا ہونے کا بنیادی سرچشمہ ہی پیسہ کی اہمیت عظمت ضرورت و منفعت کی تمام دُنیا قائل اور ایک حد تک عامل ہی؎

ای زر تو خدا نہ ولیکن بخدا   ستار عیوبی و قاضی الحاجاتی

یہی وجہ ہی کہ تقریباً ہر شخص کسی نہ کسی رنگ میں اور کسی نہ کسی طریق سے پیسہ کا فریفتہ اور دلدادہ نظر آتا ہی مگر اس مجنونانہ شیفتگی کے باوجود دُنیا کا بڑا حصہ ہنوز مفلوک و منکوب ہی۔

اگر عالم اسباب میں یہ کلیہ صحیح ہی کہ ہر علت کی کوئی علت ضرور ہوتی ہی تو وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہی کہ اس درد انگیز نکبت و فلاکت کا خاص سبب اس حقیقت سے مسلسل غفلت ہی کہ

"اگر تم پیسہ کی فکر کرو۔ تو وہ پیسہ اپنی فکر آپ کرے گا"

معاش پیدا کرنا یعنی پیسہ کمانا تو ہر نیک قماش انسان کا لازمی فرض ہی۔ اور پیسہ جس قدر بھی ہاتھ آئے

اسی قدر بہتر ہو۔ یہ سچ ہو کہ پیسہ کی دھن میں تقریباً ہر شخص مجنون نظر آتا ہو لیکن جائز طور پر کمانے والے اور کمانے کے ہنر میں خاطرخواہ ترقی دکھلانے والے بہت کم پائے جاتے ہیں۔ دُنیا میں بڑی تعداد مفلوک و منکوب نظر آتی ہو۔

پیسہ کمانے کے لئے بڑی ضرورت یہ ہو کہ انسان کچھ نہ کچھ سرمایہ ضرور رکھتا ہو لیکن اہم سوال یہ ہو کہ سرمایہ کہاں سے آئے؟ جبکہ ملک کی بڑی تعداد خود ہی مایحتاج کے لئے محتاج ہو اور افلاس کی بُری طرح شکار ہو رہی ہو۔

اولین ضرورت تو یہی ہو کہ قرض سے مخلصی نصیب ہو۔ قرض بدترین عیب اور مہلک ترین مرض ہو۔ اس موذی سے رہائی پانے کی فکر مقدم امر ہو مگر اس سے نجات پانے کی کیا سبیل ہو؟ سبیل ممکن ہو اور نسبتاً سہل ہو وہ یہ ہو کہ جو کچھ کمایا جائے اس میں سے کچھ نہ کچھ ضرور بچایا جائے۔

آج کل قرض زمین کا نہیں زندگی کا زیور ہو۔ ہر کاروبار بالخصوص زراعت کے لئے اس کی حاجت ناگزیر ہو مگر کسان کے اکثر تمدنی امراض کی واحد علۃ العلل یہی زہر قرض سودی قرض ہو جس نے زمینداروں اور کاشتکاروں کو زندہ درگور نہیں بلکہ مردہ سے بدتر نیم بسمل بنا رکھا ہو۔

وقت پر روپیہ نہیں ملتا بڑی ذلت خوشامد چاپلوسی سے بہ ہزار خرابی ملتا ہو اور اکثر تب ملتا ہو جب بہت کچھ نقصان ہو چکتا ہو اور جہاں مایحتاج کے لئے ملتا ہو وہاں فضولیات یعنی رسومات اور مقدمات کے لئے بہت ہی جلد ملتا ہو۔ ادائگی میں غفلت، قرض کی ایک عام طبی خاصیت ہو۔ پس مقروض بالعموم مجبور ہوتا ہو کہ ہمیشہ غلام نیم جان رہے اور آبا و اجداد کا کوئی ورثہ ہو تو اس زمین کے ٹھیکرے کو کوڑیوں کے مول میں بہادے۔

نہ صرف کاروبار کے لئے بلکہ روزمرہ خانگی انتظام کے لئے حساب نہایت ضروری ہو کمانا نسبتاً آسان ہو اور ہر شخص کسی نہ کسی حیلہ سے ضرور کچھ نہ کچھ کماتا ہو لیکن خرچ کرنا بہت مشکل ہو اور ہر شخص میں یہ حوصلہ بلکہ مادہ نہیں ہوتا کہ وہ روپیہ کا صحیح استعمال کر سکے۔ اس کے لئے خاص سلیقہ درکار ہو۔ اس سلیقہ کی روح رواں عملی حساب ہو جو ہمارے نزدیک مکروہ عیب میں داخل ہو اور اگر ہم عمل میں لانا بھی چاہیں تو اکثر کے لئے بہت کچھ ناممکن ہو۔

مایحتاج زندگی کے لئے کم و بیش ہر فرد بشر محتاج ہو۔ پس جب ضرورت مجبور کرتی ہو تو بری بھلی سستی اکری اَونے پَونے چیز لینی ہی پڑتی ہو مگر عام طور پر چیز وقت پر نہیں ملتی پوری نہیں ملتی اچھی نہیں ملتی اور پیسہ پاس نہ ہو (اکثر ایسا ہوتا ہو) تو نہایت ہی پریشانی اُٹھانی پڑتی ہو، دھائیے والا بھاؤ نہیں کرتا نہ پاسنگ کھوا سکتا ہو بُری بھلی چیز جو ہو بمجبوری لینی پڑتی ہو۔ نقد اور پورے دام دیئے جاتے ہیں مگر کھوٹے اسٹے سے سر منڈوا لئے ہیں۔ حساب سے تو ہین، چنداں مناسبت ہی نہیں ہو نہ اس پر کبھی کوئی اختیار ہو سکتا ہو۔ اُچاپت کی بُری عادت ہمیشہ بربادی کا پیش خیمہ ہوتی ہو اور بڑے بڑے رئیسوں کی جڑوں کو بھی ہلا دیتی ہو بلکہ بعض اوقات یہ علت بالکل ہی غارت کر دیتی ہو۔

خانگی انتظام کا بہترین گُر یہ ہی کہ چیز اکٹھی منگا کر رکھی جائے لیکن اوّل تو کثیر تعداد کے لیئے ممکن ہی نہیں۔ خال خال افراد اس پر عمل کر سکتے اور کرتے ہیں مگر بالعموم وہ اس طرز عمل سے اور بھی زیادہ نقصان اُٹھاتے ہیں گھر عورت کے ہاتھ میں ہی اور وہی گھر بن سکتا ہی بلکہ وہی شخص زندگی کی دَوڑ میں کامیاب اور فائز المرام ہو سکتا ہی جو سلیقہ ور کے ہاتھ میں ہو۔ بدسلیقگی متمول سے متمول گھر کو بھی لے ڈوبتی ہی۔ بدسلیقہ عورت کی اولاد بھی ناہموار اُٹھتی ہی اور وہ کفایت شعار باپ کے اندوختہ کو بھی چشم زدن میں برباد کر دیتی ہی۔

مشاہدہ کہہ رہا ہی کہ سلیقہ ور عورتیں روز بروز معدوم ہو رہی ہیں۔ بد ترتیبی اور بدسلیقگی کے باعث ہمارے بھرے گھر بھی خالی نظر آتے ہیں اول تو ہم خود صرف کھانا اور چاٹنا جانتے ہیں انجام بینی اور پیش اندازی کے کے اوصاف بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں کسی کو خفیف احساس ہو بھی تو انجام دشوار ہی۔ بحفاظت تمام چیزوں کے رکھنے کا ہمارے گھروں میں سازوسامان ہی نہیں ہی۔ کتوں بلیوں چیونٹیوں کھیوں کو پورا حصہ ملتا ہی اولاد کے ساتھ سب سے بڑا لاڈ یہی ہوتا ہی کہ اس کو کھانا چاٹنا اور مال لٹانا سکھایا جاتا ہی۔ گویا ہم نے اپنی زندگی کا مقصد وحید اور بچّوں کی تربیت کی بہترین تدبیر یہی سمجھ رکھی ہی کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو کھانے چاٹنے مال مٹنے اور مٹانے میں کمال پیدا ہو جائے۔

جس طبقہ کی سرشت میں غفلتؔ اسراف کے جراثیم شروع ہی سے پرورش پاتے ہوں وہ ان خرابیوں کو کیونکر بھانپ سکتا ہی۔ جو اشیا کی خرید و فروخت میں بالعموم پیش آتی ہیں وہ اپنی توجہ کو اس طرف بمشکل مبذول کر سکتا ہی کہ اس طرز عمل میں ذرا تغیر و تبدل ہو جائے تو یہ قبیح نتائج سود مند فوائد میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

الحاصل ہندوستان میں بالخصوص غریب اقوام اور بالعموم جمہور عوام میں ضرورت یا عادت نے اس دستور کو طبیعت ثانیہ بنا دیا ہی کہ مایحتاج زندگی کو مناسب وقت پر یکجائی طور پر لینے اور محفوظ رکھنے کے بجائے اچاپت کے طور پر بالعموم قرض لیا جاتا ہی یا بسا اوقات غلہ کے بالعوض نقد خریدا جاتا ہی۔ دونوں صورتوں میں بالکل جائز طور پر بھی بہت کچھ نقصان ہی پیش بینی اور کفایت شعاری دونوں سے محرومی یقینی ہی۔ وقتا در قوت دونوں کا بہت کچھ خون ہوتا ہی اور یہ بدنظمی ہر صورت میں بربادی کا پیش خیمہ نہیں بلکہ سرچشمہ ہوتی ہی۔

کمانا آسان ہی خرچ کرنا مشکل ہی گھر کا انتظام ذی عقل کے لیئے دشوار ہی اگر کسی فرد واحد کی طبیعت میں اس وصف کا مادہ بدرجہ اتم موجود بھی ہو تب بھی دوسروں کی بدسلیقگی ذی ہوش انسان کو بھی بسا اوقات مجبور و لاچار کر دیتی ہی بالفرض یہ وصف موجود بھی ہو تب بھی روزمرہ کی خرید و فروخت میں ایسے نقائص پائے جاتے ہیں جن کی مستقل اصلاح سے بالیقین اعلیٰ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

بچانا ضروری ہی مفید ہی مگر غریب کے لیئے یہ کیونکر ممکن ہی کہ کیا کھانا اور پہننا بھی بند کر دے۔ پیٹ کی آگ

کیسے بچھائے تن بدن کو کہاں لے جائے اس پر یہ بھی کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ ہر مسلمان یعنی ہر انسان کا ضروری فرض ہے کہ وہ تجارت میں کچھ نہ کچھ بالضرور حصہ لے حالانکہ تجارت میں حصہ لینے کے لئے وقت دولت اور اہلیت درکار ہے۔ نہ صرف سرمایہ بلکہ خاص مادہ ضروری ہے ایک عرصہ تک سبق آموز تجربہ بھی ناگزیر ہے۔ اب کوئی ایسی تدبیر درکار ہے جو ان تمام مشکلات کے خاطر خواہ حل کی؟ احد سبیل و کفیل ہو پھر پیسہ کی بھی چنداں احتیاج نہ ہو اور تجارتی دستگاہ کم از کم تجارتی ابجد کی مہارت کے لئے ایک کامیاب درسگاہ میسر ہو جائے۔

پس سخت ضرورت ہے کہ جملہ مرض و مصائب اقتصادی امراض کے لئے کوئی موزوں حکمی علاج نہ صرف تجویز کیا جائے بلکہ اس کو عمل میں لانے کے لئے سعی بلیغ عمل میں آئے۔

نہایت ضروری ہے کہ کوئی ایسا معقول و موثر ذریعہ سوچا جائے کہ خرید و فروخت اشیاء ضروریہ روزمرہ کی تمام متعلقہ خرابیوں کا صرف انسداد ہی نہ ہو جائے بلکہ وہ ذریعہ ہر لحاظ سے ہمارے حق میں خیر و برکت کا سرچشمہ ہو۔ جس میں پیش بینی و کفایت شعاری کا مادہ پیدا ہو ذلیل مرض سے نجات ملے۔ ہر چیز اچھی پوری نسبتاً ارزاں اور قابل اطمینان ہو۔ حاضر و غائب۔ بچہ اور بڈھا سب کو یکساں ہے بلکہ آرام و اطمینان اور شرم و حیا کو برقرار رکھنے کے لئے وقت پر ہر چیز خود گھر پر پہنچ جائے نہ صرف محنت و کفایت و اعتدال مصارف کی عادات میں انضباط ہو بلکہ کام اور آرام کے لئے اطمینان کی گھڑیاں نصیب ہوں ہاں ایسی تدبیر ممکن ہے سہل العمل ہے بغایت مفید ہے صرف ارادہ اور استقلال درکار ہے۔

چند فہمیدہ اور درد آشنا اصحاب اگر اصلاح حال پر اجتماعی رنگ میں متفق ہو جائیں تب تو نورٌ علیٰ نور" مگر بظاہر این خیالست و محالست و جنوں ایسی یاس انگیز حالت میں انفرادی جد و جہد کے لئے بھی کافی وسیع میدان موجود ہے۔

اگرچہ تقریباً ہر شخص مریض ہے یا مریض ہونے کا قوی خطرہ رکھتا ہے لیکن باہمی صلاح سے خاص اپنی فلاح کے لئے بالاتفاق کسی مفید تجویز کا سوچنا اور نتیجہ خیز تدبیر کا عمل میں لانا این خیالست و محالست و جنوں کا مصداق ہے پس اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ جمہوری سعی کے بلند ترین خیال کو غیر معین مدت یعنی مناسب وقت تک ملتوی کرنے کے بعد ہر اولوالعزم "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند" کا زندہ معجزہ دکھلائے۔ یعنی شخصی ذمہ داری کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر جگہ یا جہاں کہیں ممکن ہو انفرادی اہتمام میں بہبودی عام کا کوئی خاص انتظام عمل میں لایا جائے جو حتیٰ الوسع سہل العمل مگر موثر ترین نتائج سے معمور ہونے کے علاوہ ہر فرد بشر کو اس سے مستفیض ہونے کا زریں موقع میسر ہو۔

ہر حساس اولوالعزم کو اپنے محدود دائرہ کے اندر با اصول زندگی بسر کرنے پر فی الفور متوجہ ہو جانا چاہئے

بہترین اور سہل ترین دستور العمل بھی ممکن ہو کہ طلب صادق اور عزم راسخ کالنقش فی الحجر مرتسم ہو۔ اور عملی زندگی کا فی الفور آغاز کر دیا جائے۔

فصل کے موقع پر حسب ضرورت و مصلحت وقت مناسب مدت کے لئے اشیاء ضروریہ روزمرہ کو یکجا خرید لیا جائے اور بطریق معینہ و وقت معینہ پر اپنے استعمال کے علاوہ ہر خواہشمند با اصول کو دیا جائے اور اس ذریعہ سے جو کچھ بآسانی بچایا جا سکے بچا یا جائے۔

المختصر

روز افزوں مفلوک و منکوب جمہور میں تجارت کے لئے سرمایہ ہو نہ حوصلہ مادہ ہو نہ سلیقہ کفایت شعاری بھی اس وقت تک ممکن نہیں جبتک کہ صرفِ دولت میں کامل احتیاط نہ ہو۔ عادت کی تبدیلی سہل نہیں ہے اور افلاس زدہ کے لئے تقریباً محال ہو کیا بچائے اور کس طرح بچائے؟

سہل ترین تدبیر صرف یہی ممکن ہو کہ انفرادی یا اجتماعی کوشش کے ماتحت ہر مقام پر "اشیاء ضروریہ روزمرہ کا گودام یعنی ذخیرۃ الفلاح" قایم کیا جائے تاکہ یکجائی طریق پر مال نسبتاً اعلیٰ اور ارزاں ہاتھ آئے ضرورت کی ہر چیز ہر وقت موجود رہے کوئی کوفت اور پریشانی لاحق نہ ہو اور معین اوقات میں معین مقدار میں معین بہترین شرائط کے ماتحت معین ممبروں اور مستقل خریداروں کو دیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے مصارف زندگی پر نظر رکھ سکے اور حسب ضرورت حدود آمدنی کے اندر مصارف کو محدود رکھنے کے لئے خود مجبور ہو سکے۔ "مسلم"

اصحاب ذیل توسیع اشاعت کا

دلی شکریہ قبول فرمائیں

نمبر ۱۔ عالیجناب سید محمد صادق صاحب فیض منزل بہرائچ

نمبر ۲۔ عالیجناب محمد عظیم صاحب تمیم انسپکٹر کواپریٹو سوسائٹیز بھکر ضلع میانوالی۔

نمبر ۳۔ عالیجناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب ادہمی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل گورکھپور

نمبر ۴۔ عالیجناب مولوی محمد حسین صاحب سکریٹری زمیندارہ بنک بہادر پور ضلع لاہور۔

نمبر ۵۔ عالیجناب سید توقیر احمد صاحب مختار عدالت نگینہ ضلع بجنور۔

منیجر

انسانی تمدن میں سکہ کا چلن

میں نے "روپیہ پیسہ" یا زر وسیم کی جگہ سکہ کا لفظ پسند کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ "زر وسیم" یا "روپیہ پیسہ" سے بات تو سمجھ میں آجاتی ہے مگر ان کے احاطہ میں سکہ کی کل قسمیں نہیں آتیں۔ عام طور سے لوگ سکہ اور دولت میں بہت کم فرق کرتے ہیں مگر اقتصادی نقطۂ نظر سے دونوں میں بہت فرق ہے۔ لفظ دولت بہت وسیع المعنی ہے اس میں سکے بھی شامل ہیں اور ان سے قطع نظر وہ تمام چیزیں داخل ہیں جن کی قیمت لگائی جاسکے جن کا تبادلہ کیا جاسکے اور جن سے فائدہ حاصل ہوسکے کھیت مکان دوکان خدمات، نیکنامی وغیرہ وغیرہ۔

آجکل دُنیا کے ہر حصہ میں کسی نہ کسی نام سے مختلف سکے رائج ہیں۔ ایران وعرب میں طومان، درہم، دینار، قمری، قران، پول، فلوس۔ انگلستان میں ساورن، کراون، پونڈ، شلنگ، پنس، فارذنگ، فرانس میں مارک، فرنک ہندوستان میں اشرفی، گنی، روپیہ وغیرہ مگر ایک جگہ کے تمام سکے تمام دوسری جگہوں کے سکوں سے بدلے جاسکتے ہیں اور ایک کی قیمت دوسرے کے نرخ سے لگائی جاسکتی ہے۔ دنیا میں اس وقت جتنے دھات کے سکے رائج ہیں ان میں سب سے زیادہ قیمت والے سکے سونے کے ہیں اُس کے بعد چاندی کے اُس کے بعد نکل کسکٹ اور تانبے کے حسب مراتب ہیں۔

اقتصادی نقطۂ خیال سے سکہ کے دو خاص فائدے ہیں (۱) سکہ تبادلہ کا ذریعہ ہے (۲) سکہ قیمت کی ترازو ہے۔ اگر سکہ میں پہلی خوبی نہ ہوتی تو آج دُنیا کے بازار میں اس کا چلن کیا وجود بھی نہ ہوتا۔ سکہ میں عالمگیر قبولیت کا جوہر ہے۔ بیچنے والے اپنے مال کے بدلے میں سکہ صرف اس لئے قبول کرتے ہیں کہ وہ بھی اس کے بدلہ میں اپنی ضرورت کی چیزیں جب چاہیں گے اور جس سے چاہیں گے لے لیں گے۔ سکہ کا دوسرا نفع یہ ہے کہ ہر شئے کی قیمت سکہ میں ناپی۔ لگائی، اور آنکی جاسکتی ہے۔ اس جگہ میں دام اور قیمت میں فرق کردینا چاہتا ہوں "دام" وہ ہے جو کچھ ہم سکے کی شکل میں خریدار یا مالک کی حیثیت سے بیوپاری یا نوکر کو دیتے ہیں قیمت وہ ہے جو خود اُس چیز یا خدمت کی اصلی حیثیت، اور جوہر فطری ہوتا ہے۔ قیمت کا انحصار فوائد جنس، خوبی، استعداد، اور جوہر پر ہے بازار کا نرخ قیمت کا فیصلہ نہیں کرتا بلکہ دام کا فیصلہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر گیہوں کو لے لیجئے اُس کی قیمت اُس کے فوائد کا جوہر ہے مگر "دام" ضرورت، مقام کمی وزیادتی کے ساتھ بڑھتا گھٹتا رہتا ہے قیمت داخلی چیز ہے۔ اور دام خارجی۔ سکہ سے خدمات کی قیمت بھی معین ہوتی ہے۔ مزدوری یا تنخواہ کیا چیز ہے۔ وہ دام ہے جو کسی شخص کی خدمات کی قدر وقیمت کے مناسب دیا جاتا ہے۔

جس وقت تک دُنیا میں سکہ کا چلن نہ تھا انسانی ضروریات پورا کرنے میں لوگوں کو بڑی دقت ہوا کرتی تھی کافی سے زیادہ وقت صرف ہوتا تھا اور بعض وقت ضروریات زندگی کا رفع ہونا ناممکن سا ہو جاتا تھا۔ اُس زمانہ کا لین دین جس کو ہم معاوضہ یا BARTER کہتے ہیں اس طور پر ہوتا تھا کہ ایک چیز کے عوض میں دوسری ملتی تھی۔ مثلاً کسان غلہ دیکر بڑھئی سے ہل لیتا تھا۔ جولاہا کپڑا دے کر کسان سے غلہ حاصل کر لیتا تھا مگر وہ زمانہ نہایت سادگی کا زمانہ تھا لوگوں کی ضرورتیں گنتی کی تھیں اور قریب قریب مشترک تھیں لہذا معاوضہ بھی آسانی سے ہو جاتا تھا۔ مگر جیسے جیسے زمانہ کروٹیں بدلتا گیا انسانی خواہشیں بڑھتی گئیں اور معاوضہ مشکل ہوتا گیا۔ معاوضہ کی دقتوں کے لیئے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔

رام ناتھ کے پاس ایک بیل ہے۔ مگر اُس کو کھانے کے لیئے غلہ شکار کے لیئے تیر اور پہننے کے لیئے کپڑے مطلوب ہیں۔ اب غریب کیا کرے (۱) کسان جولاہا یا لوہار اس وقت بیل لینے کی خواہش نہیں رکھتے (۲) بڑی منتوں کے بعد لوہار راضی ہوا مگر معاوضہ اس لیئے نہیں ہو سکتا کہ کسان تیر اور کھٹے لیکر غلہ دینے کے لیئے تیار نہیں ہے۔ (۳) رام ناتھ کے لیئے ناممکن ہے کہ بیل کے تین حصے کر کے، تینوں کا علحدہ علحدہ معاوضہ دے سکے۔ یہ اور اسی قسم کی ہزارہا دقتیں تو اُس زمانہ کی تھیں۔ جب پتھر اور دھات کی گرم بازاری تھی۔ جب بھیل اور سنتال ہندوستان کے باشندے تھے اور جب دُنیا کا تمدن اپنے ابتدائی حالت میں تھا۔ آج ہماری ضرورتیں اِس قدر مختلف اور اِتنی زیادہ ہوگئی ہیں کہ سکّہ کے بغیر کوئی کام ہی نہیں چل سکتا۔ آج ہم لوگ جس چیز کو سکہ کہتے ہیں وہ کسی مقررہ دھات کا ٹکڑا مخصوص طرز و وضع کا ہوتا ہے اور اس پر حاکم وقت کی مہر یا صورت (یا دونوں) کندہ ہوتی ہے مگر جب سکہ نہ تھا اُس وقت بھی مختلف زمانہ میں مختلف قسم کی چیزیں "آلہ تبادلہ" کی حیثیت سے رائج تھیں۔ یورپ میں بلور کے ٹکڑے ہندوستان میں کوڑیاں۔ پہاڑی مقامات اور زرخیز قطعات میں بیل گائے۔ امریکہ میں کھالیں اور تمباکو کے پتے رائج تھے۔ مگر زمانہ نے رفتہ رفتہ ہر چیز کی خامیاں انسان کو دکھادیں لہذا آخر میں سونا۔ چاندی نکل، تانبا اور کسکٹ سکوں کے لیئے مخصوص کر لیئے گئے اس لیئے کہ ان میں بہت سی خوبیاں خاص ہیں۔ (۱) ملک کا ہر شخص ان کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس عام قبولیت کا راز بہت کچھ سیاست سے متعلق ہے۔ مگر سونے اور چاندی میں فطری جوہر بہت قیمتی ہے سلطنت بدلجائے یا سکّہ قانوناً تبدیل ہوجائے تو بھی سونا چاندی بیکار نہیں ہیں (۲) ان کا بوجھ غلہ کوڑی اور کھال کے مقابلہ میں بہت ہے۔ لوگ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت آسانی سے منتقل کر سکتے ہیں (۳) مہینوں کیا معنی برسوں رکھے چھوڑنے کے بعد بھی ان کے وزن و شکل میں برائے نام تبدیلی ہوتی ہے اور استعمال سے بھی کم گھستے ہیں (۴) سڑتے گلتے یا خراب نہیں ہوتے (۵) ان کی قیمت نہیں گھٹتی بازار کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ (۶) وہ گلائے جاسکتے ہیں (۷) ان کے تمام اجزا کی خوبی ایک طرح کی ہوتی ہے (۸) لوگوں کو ان کی نقل یا جعلی سکے

بنانے میں بہت وقت ہوتی ہے۔ اکثر لوگ ناکامیاب رہتے ہیں اور جو بنا بھی لیتے ہیں وہ دیر سویر حکومت کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔

سکہ کی داخلی حیثیت سے یہ مراد ہے کہ اس کے اندر مقررہ عمدگی اور معین وزن کی دھات ہونی چاہیئے یہ نہ سمجھ لیجے گا کہ روپیہ میں پورے روپیہ بھر چاندی ہوتی ہے جو عمدگی و وزن قانوناً ضروری ہے وہ ہونا چاہیئے ورنہ سکہ کھوٹا ہوگا۔ خارجی حیثیت سے یہ مراد ہے کہ قانون کی مدد سے سلطنت اس کی قیمت معین کر دیتی ہے مثلاً روپیہ جس میں دس یا ساڑھے دس آنہ بھر چاندی ہوتی ہے پورے روپیہ کے برابر مانا جاتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دو دھاتوں کے سکے رائج ہیں یا صرف ایک ہی دھات کے سکہ چلتے ہیں ہندوستان میں آج سے تیس برس پہلے اشرفی اور دس برس پہلے گنی بھی روپیہ کی طرح اور روپیہ کے ساتھ ساتھ قانونی جواز کے سکے تھے۔ مگر سناروں نے سونا گلا گلا کر زیور برتن اور دیگر آرایشی سامان بنانا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ گنی اشرفی اور اس کے ساتھ خزانہ میں سونے کی کمی ہوگئی جو سیاسی اغراض کے لیئے نہایت مہلک اور مضر تھی لہذا گورنمنٹ نے اشرفی اور گنی کو قانونی جواز کے قیود سے آزاد کر دیا اور مروجہ سکہ صرف روپیہ رہ گیا قانونی جواز والے سکہ سے وہ سکہ مراد ہے جس کے قبول کرنے کے لیئے ہر قرضخواہ مجبور ہو۔

سکہ کے پہلے سونے کی اینٹیں اور چاندی کی چھڑیں مبادلہ میں استعمال ہوتی تھیں مگر ہر معاملت کے وقت کھرا کھوٹا پہچاننے کے لیئے کسوٹی پر کسنا اور ضرورت کے اعتبار سے کاٹ چھانٹ کر گننا گھنٹوں کی دردسری کا باعث تھا۔ آخر سلطنت نے اپنی مہر کرنا شروع کر دی اور وزن مقرر کر دیا۔ مگر زمانہ جعلسازوں سے کبھی خالی نہیں رہا لوگوں نے کھرچنا اور سونا اُتارنا شروع کر دیا لہذا فرانس نے مجبور ہوکر حاشیہ بنانے کی داغ بیل ڈالی اب تمام سکوں کے دور میں چھوٹی چھوٹی برابر کی لکیریں اُبھری رہتی ہیں لہذا کہیں سے بھی ذرا سا سونا چاندی کم ہو جائے تو فوراً معلوم کیا جا سکتا ہے۔

سکہ کی ٹکسال میں برائے نام ٹکسالی حق لیا جاتا تھا اور ہر سونے اور چاندی والے کو اختیار تھا کہ جب اور جس قدر چاہے سکے بنوالے مگر اب ٹکسال کے دروازے صرف سلطنت کے لیئے کھلے ہوئے ہیں غریب اور محکوم ہندوستان کو ابتک کبھی مفت کی ٹکسال نصیب نہیں ہوئی ہے۔

ہندوستان میں سکوں کا چلن اور اس کا دور حسب ذیل ہے۔ کسان گاؤں کے مہاجنوں سے سکے قرض لیتے ہیں دوکاندار خریداروں سے پاتے ہیں۔ گاؤں کے مہاجن شہر کے صرافوں سے یا کوآپریٹو سوسائٹی سے لیتے ہیں کوآپریٹو سوسائٹی اپنے مرکز سے اور وہ مرکز مبادلہ کے بنکوں سے اور مبادلہ کے بنک امپیریل بنک سے پاتے ہیں۔ اور امپیریل بنک میں ہندوستان کی معاملات کا معتدبہ حصہ ہر سال جمع ہوتا رہتا ہے ضرورت اس

بات کی ہو کہ کسانوں اور دیہاتیوں کی آسانی کے لیئے (جن کی مردم شماری ۹۰ فی صدی کے قریب ہی) قریب
قریب ہر جگہ کو آپریٹو سوسائٹی اور نیشنل بنک کی شاخیں کھولدی جائیں ورنہ سادہ لوح غریب اور دیانتدار
کسان بیدرد مہاجنوں سے پچیس سے لیکر پچہتر فی صدی تک کے سنج سود پر قرض دام کرکے تباہ و برباد
ہوتے رہیں گے۔

سکّہ میں کئی طرح کی کمی ہوتی ہو (۱) سکہ کے وزن سے حکومت اُس قدر نکال لیتی ہو جس قدر ڈھالنے
میں صرف ہوتا ہو اس کو ٹکسالی کمی کہتے ہیں (۲) ٹکسالی کمی کے علاوہ ہر سکہ میں سے تھوڑی سی چاندی
حکومت اپنے حقوق حکمرانی کے عوض میں کم کردیتی ہو اس کو شاہی کمی کہتے ہیں
(۳) بعض وقت ضروریات سے مجبور ہوکر حکومت مقررہ وزن قانونی سے
کم دھات کے سکّے بنواتی ہو۔ یہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہو اور صرف اس وقت
ہوتا ہو جب خزانہ میں سونے چاندی کی کمی بہت زیادہ ہو جاتی ہو اور داخلی
و خارجی مصارف و قرضہ جات بڑھ جاتے ہیں۔
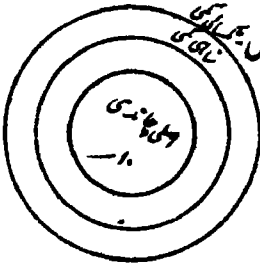
ہندوستان کے چھوٹے سکوں میں اٹھنی۔ چونی۔ دوانی۔ اکنی۔ ادھنا یا ڈبل پیسہ۔ پیسہ کی دُو اور
پیسہ کی تین پائیاں شامل ہیں۔ پہلے اٹھنی چونی دوانی سب چاندی کی ہوتی تھیں مگر جنگ جرمن کے بعد
نکل اور کسکٹ کا خوردہ بھی رائج ہوگیا ہو۔ ان کے مجموعہ کو ریزگاری۔ خوردہ اور بھانج بھی کہتے ہیں انکا
قانونی جواز محدود ہو۔ یعنی پانچ روپیہ سے زائد کا خوردہ قبول کرنے کے لیئے قرضخواہ مجبور نہیں ہو۔ بھانج کا سب
سے بڑا فائدہ یہ ہو کہ مقامی لین دین اور چھوٹی موٹی ضروریات کے رفع کرنے کے لیئے وہ بہت زیادہ کارآمد ہیں

سکہ کے متعلق مسٹر گریشم کا قانون یہ ہو کہ کم درجے کے سکے اچھے درجے کے سکوں کو ہمیشہ شہر بدر کردیتے
یعنی اگر کسی جگہ سونے اور چاندی کے سکے ایک ساتھ رائج ہوں تو رفتہ رفتہ چاندی کے سکے سونے کے سکوں کی جگہ
لے لیں گے اور سونے کے سکوں کا رواج گھٹ جائے گا اور یہ بھی کہ پورانے سکے نئے سکوں کو ہضم کرلیں گے
وہ اس طرح کہ جمع کرنے والے پورانے سکوں کو دفینہ سے نکالکر صرف میں لائیں گے اور نئے سکوں کو جمع کرتے جائیں گے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہو کہ ہندوستان کو ابھی تک سکوں کے صرف کا سلیقہ نہیں آیا ہندوستان
اس قدر غریب کیوں ہو؟ اس کے بہت سے وجوہ ہیں مگر ایک اہم وجہ یہ بھی ہو کہ عام طور پر یہاں کے مالدار
لوگ صنعت و حرفت، تجارت و زراعت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ایک طبقہ ایسا ہی ہو جو روپیہ
کو بیجا طور پر صرف کرتا ہو۔ سرمایہ کی کمی روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہو۔ یہ خیال بالکل غلط ہو کہ ہندوستان
سکوں کے اعتبار سے کسی اور ملک سے کم ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہو۔ فرق صرف اتنا ہو کہ اور جگہ سکے صحیح مصرف میں

رہ کر دن دونے رات چوگنے ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہاں زمین کے اندر دفن ہو کر یا اسراف کے ہاتھ پڑ کر ضایع ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں تعلیم و تربیت کی برکت اور ضروریات زمانہ سے ہندوستان کی آنکھیں بھی کھلتی جارہی ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب ہمارا پیارا ہندوستان بھی مالی اور اقتصادی اعتبار سے دُنیا کے بڑے سے بڑے ملک کے ہمدوش نظر آئے گا۔

سکہ کا نرخ اس لیئے گھٹتا بڑھتا رہتا ہی کہ چاندی سونے کا بھاؤ کمی اور زیادتی کی نسبت سے کم زیادہ ہوتا رہتا ہی جس کی وجہ سے غیر ملک سے تجارت کرنے والوں کو اکثر نفع نقصان ہوتا رہتا ہی۔ مگر بعض اوقات مبادلہ میں بہت طوالتیں پیدا ہو جاتی ہیں انھیں امور کو مد نظر رکھ کر ماہرین مالیات کے صلاح مشورے اور بحث و تحیص کے بعد حکومت برطانیہ نے روپیہ کا نرخ مبادلہ ایک شلنگ چھ پنس مقرر کر دیا ہی۔

یہاں تک محض اُن سکوں کی داستان تھی جو کسی نہ کسی دھات کے ہوتے ہیں۔ اب کاغذی سکہ کا مختصر حال بھی سُن لیجیئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مستقل قیام کے بعد ہی سے کاغذی سکہ ہندوستان میں شروع ہو گیا تھا۔ مگر گزشتہ صدی کے آخر میں اُن کے رواج کو بہت زیادہ ترقی ہوئی آج کل تو ہندوستان میں ہر جگہ ان کا رواج ہی جسے عرف عام میں نوٹ اور ہماری اصطلاح میں کرنسی نوٹ کہتے ہیں۔ اس کی مقبولیت کے تین خاص راز ہیں ایک تو یہ کہ ہر شخص قانوناً اُس کے قبول کرنے کے لیئے مجبور ہی۔ دوسرے یہ کہ اُن کی نقل و حفاظت و سبکی کی وجہ سے بہت آسانیاں ہیں۔ تیسرے یہ کہ حکمران وقت کا وعدہ ہی کہ نوٹ رکھنے والا شاہی دفاتر مال سے جس وقت چاہے اپنے نوٹ بھنا سکتا ہی مگر اس میں خرابیاں بھی بہت ہیں جل جانے کا اندیشہ۔ خراب ہو جانے کا ڈر۔ سڑنے گلنے کا خوف اور سب سے بڑی خرابی یہ ہی کہ صرف بقاء حکومت حاضرہ تک ان کی قدر و قیمت ہی اگر سلطنت بدل جائے تو وہ کوڑیوں کے مول بھی مہنگے ہونگے۔ علاوہ اس کے غیر ممالک کی درآمد برآمد میں ہم اُن سے براہ راست کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

کرنسی نوٹ مختلف قیمتوں کے ہوتے ہیں یعنی دس ہزار سے لیکر پانچ روپیہ تک۔ سنہ ۲۲ء کے بعد تھوڑے زمانے کے لیئے عہ اور ۲عہ کے نوٹ بھی چلائے گئے تھے مگر سیاسی اور معاشی مصالح کے لحاظ سے بند کر دیئے گئے۔ نوٹ ۲ قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہی جن کا ذکر کیا گیا اور دوسرے وہ جن کے خوردہ کرانے کی کوئی شرط یا پابندی حکومت کی طرف سے نہیں ہوتی۔ مگر اس قسم کے نوٹ اشیائے ضرورت کے وقت اور بہت کم مدت کے لیئے چلائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں کبھی نہیں چلے۔

قاعدہ یہ ہی کہ حکومت جس قدر کرنسی نوٹ ٹکسال سے نکالتی ہی اُسی کے قریب قریب سونا بھی خزانہ میں محفوظ رکھتی ہی۔ تاکہ مبادلہ میں کسی قسم کی کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔ مگر دُنیائے مالیات ایک قسم کی چرخی ہی جس میں نوٹ

اور سونے کے مبادلہ سے ایک قسم کا توازن ہمیشہ قایم رہتا ہی۔ زر محفوظ کی مقدار مروجہ نوٹوں سے کسی قدر کم ہوتی ہی۔ یعنی جس وقت ساڑھے اٹھاون کروڑ کے نوٹ رائج ہوں اس وقت خزانہ میں محفوظ سونے کی مقدار چالیس کروڑ ہوتی ہی۔

کاغذی سکّہ کے سلسلۂ بیان میں یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ یورپ کے بعض متعصب مورخین نے محمد تغلق کے تانبے والے سکّوں کا ذکر بہت ہی تنگ خیالی سے کیا ہی حقیقت یہ ہی کہ محمد تغلق نے ۱۳۳۰ء میں چین کے مروجہ کرنسی نوٹوں کے جواب میں تانبے کا ایک سکّہ چلایا تھا۔ اُس کی تجویز اس لیئے ناکام نہیں رہی کہ ایجاد سکہ اور اُصول رواج میں کسی طرح کی خامی نہ تھی بلکہ جعلسازوں کی کثرت ہو گئی۔ اور ہندوستان اتنا زیادہ مہذب نہ تھا کہ قانونی جواز کی پوری قدر کر سکتا۔ (طالب الہ آبادی)

نمایشی ٹرین کا پُرلطف و سبق آموز نظارہ

امداد باہمی اور صنعتی ترقی کی چلتی پھرتی تصاویر

حکومت عالیہ پنجاب اور نارتھ ویسٹرن ریلوے کے مشترکہ اہتمام میں ایک نمایشی ٹرین ۲۰ ردسمبر کو لاہور سے روانہ ہوگی اور صوبے کے مختلف اسٹیشنوں پر ایک ایک دو دو روز ٹھیرے گی۔ اس گاڑی کو جاری کرنے سے حکومت کا مقصد یہ ہی۔ کہ لوگوں کو دکھایا جائے کہ تحریک امداد باہمی صنعت و حرفت۔ تعلیم صحت عامہ زراعت و علاج مویشیان کے متعلق حکومت نے کیا کچھ کیا ہی۔ کس قدر کامیابی ہوئی ہی۔ اور یہ کہ ان مفید تحریکوں کو اور زیادہ پھیلانے کے لیئے کس قدر مزید گنجایش کی ضرورت ہی۔ ایک خاص ڈبّہ "امداد باہمی" اور "صنعتی انجمن ہائے امداد باہمی" کی مصنوعات اور پارچہ جات کے لیئے وقف کیا گیا ہی۔ اُمید ہی کہ "امداد باہمی" کے حامی اور دوسرے لوگ بھی اس عجیب اور انوکھی قسم کے پروپیگنڈے سے ضرور خاطرخواہ فائدہ حاصل کرنے کی پوری اور انتہائی کوشش کریں گے۔ جو ڈبہ کوآپریشن کے لیئے مخصوص ہی اُس میں پنجاب کی صنعتی انجمنہائے امداد باہمی کا ہر قسم کا تیار کردہ مال بغرض نمایش و فروخت موجود ہوگا۔ اس کے علاوہ تحریک امداد باہمی کے مختلف پہلوؤں پر فلمیں ہونگی۔ تصاویر ہونگی۔ رسالے ہوں گے اور رفتار ترقی کو ظاہر کرنے کے لیئے نقشے ہوں گے۔

اُمید ہی۔ کہ اس ڈبہ کی شاندار و پُرلطف حیثیت خود بخود عامۃ الناس کو اپنی طرف کھینچ لائے گی لیکن حامیانِ تحریک امداد باہمی کا فرض ہی۔ کہ وہ جوق در جوق گاڑی کے نظارے کے لیئے آئیں۔ اور لطف اُٹھائیں

(از رسالہ کوآپریشن)

اناج کی قوت کی جانچ

(از رائے صاحب چھجو چند لوتھرا۔ آئی۔ ایس۔ ایس)

بعض اوقات جب گندم کو بھوسے سے صاف کیا جاتا ہو تو غیر معمولی بارش کے باعث گندم کے دانے خراب ہو جاتے ہیں۔ اور ایک بڑی حد تک اُن کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ جب ایسے دانوں کو بویا جائے تو وہ کم پھوٹتے ہیں۔ اور اگر تخم ریزی حسب معمول پیمانے پر ہو۔ تو پیداوار بہت کم ہوتی ہے۔ لہذا ضروری ہو کہ ایسے موقعوں پر بونے سے پہلے یہ دیکھ لیا جاوے کہ دانوں کی طاقت نشوونما کس قدر ہے؟ اور کس پیمانے پر تخم ریزی کرنی چاہیئے حسب ذیل سہل ترکیبوں سے گندم اور دیگر قسم کے اناج کی قوت نشوونما معلوم ہو سکتی ہے۔

چار پانچ قطر کا ایک پیالہ لو جو عام طور پر ہندوستانی گھروں میں پایا جاتا ہے۔ اس میں صاف ریت بھر دو۔ اس کے بعد پیالہ میں اتنا پانی ڈالو کہ ریت اچھی طرح بھیگ جائے۔ اور فالتو پانی ریت کی سطح پر موجود نہ رہے۔ بعد ازیں گندم کے خرمن سے مختلف چھ جگہوں سے مٹھی بھر دانے لو۔ اور اُن کو آپس میں ملا دو۔ اب اِن دانوں میں سے بلا تشخیص سَو دانے چُن لو۔ اور ان کو ایک ایک کرکے پیالہ میں ریت کی سطح پر رکھدو۔ اور اس پر ہر روز پانی چھڑک دیا کرو۔ جوں ہی دانے پھوٹ جائیں۔ ان کو پیالے میں سے نکال لو۔ دانہ اُس وقت پھوٹتا ہے جبکہ اس کے اندرونی حصہ میں نشوونما شروع ہو جائے۔ ہر روز جتنے دانے پھوٹیں۔ اُن کو پیالے سے باہر نکال کر مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق علیحدہ رکھتے جاؤ

نمونہ کے دانوں کا نقشہ

نام نمونہ	کتنے دانوں کا تجربہ کیا گیا	تجربہ کے بعد ہر روز کتنے دانے پھوٹے										پھوٹنے والے دانوں کی کل تعداد	فیصدی کتنے دانے پھوٹے
		۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰		
گندم نمونہ نمبر ۱	۱۰۰ دانے	۰	۰	۰	۳۰	۲۰	۲۰	۰	۰	۰	۰	میزان ۷۵	۷۵

یہ تجربہ دس دن تک جاری رکھا جائے اور جو دانے اس دوران میں پھوٹنے سے رہ جائیں۔ ان کو خراب سمجھ لیا جائے۔ گیارھویں دن اِن دانوں کو گن لو۔ جو پھوٹے ہیں جس قدر فی صدی کم ہوں۔ اس قدر تخم ریزی میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ اگر ایک سو دانوں میں سے ۷۵ دانے پھوٹتے ہیں۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ۲۵ فی صدی یا کل مقدار کا ۱/۴ حصہ تخم ریزی کے لیئے ناکارہ ہے لہذا مناسب ہو کہ حسب معمول پیمانہ پر فصل پیدا کرنیکے لیئے

معمول سے زیادہ گندم کی تخم ریزی کی جاوے۔ اگر معمولی طور پر ۴۴ سیر گیہوں بونے کے لیئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ تو اسکی بجائے ۴۰ سیر گندم اس مطلب کے لیئے استعمال کئے جائیں

یہ ذکر کرنا ضروری ہی کہ جو گندم تخم ریزی کے لیئے استعمال کئے جاویں اُسے ڈیلے وغیرہ کے خارجی بیجوں نیلی لکلاء پیازی وغیرہ سے جو عام طور پر اس کے ساتھ ملی ہوئی ہیں بالکل صاف کر لیا جاوے۔

(۲) پیالہ میں ریت کی بجائے سیاہی چوس کاغذ کا بھیگا ہوا ٹکڑا یا بھیگا ہوا موٹا کپڑا استعمال کیا جاوے اس کاغذ پر سو دانے بکھیر دو۔ اور پھر ان کو اسی قسم کے کاغذ یا کپڑے سے ڈھانپ دو۔ اور اس پیالہ کو ایک اور پیالہ سے ڈھانپ دو تاکہ پانی بخارات بن کر نہ اُڑ جائے۔ ہر روز دانوں کو دیکھو۔ اور اگر ضرورت ہو تو انھیں مرطوب رکھنے کے لیئے اور پانی ملا دو۔ بعد ازاں نقشہ نمبر ا کے مطابق پھوٹے ہوئے دانوں کو گن کر ان کا حساب درج کرو۔ یہی طریقہ دیگر اناج یا باغ کی قوتِ نشو و نما معلوم کرنے کے لیئے استعمال کیا جا سکتا ہی۔ جب ایک دفعہ ریت استعمال کیجائے تو اُسے دوبارہ استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ تجربات کیلیئے کپڑا کام نہیں آسکتا لیکن ہر تجربہ کے بعد اس کو پانی میں اُبال لینا ضروری ہی۔

بلوؤں میں مسلمانوں کا نقصان

ہندوستان میں گزشتہ پانچ سال سے مذہبی تنازعات اور بلوے زیادہ تعداد میں ہو رہے ہیں ذیل کا نقشہ صرف صوبہ متحدہ کے متعلق ہی جس سے ہندو مسلمانوں کے نسبتی نقصانات کا اندازہ ہو سکے گا۔

سال	تعداد بلوہجات	مقتول		زخمی		سپردسشن		سزایاب	
		ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان
۱۹۲۳ء	۱۶	۸	۸	۶۵۹	۱۵۰	۱۴۰	۷۱۴	۷۱	۳۱۳
۱۹۲۴ء	۱۸	۱۰	۱۷	۳۱۴	۱۴۷	۳۲۴	۳۶۱	۱۵۸	۱۷۱
۱۹۲۵ء	۱۲	۳	۴	۱۶۰	۷۷	۹۸	۱۹۳	۴۸	۲۳
۱۹۲۶ء	۱۵	۷	۵	۱۳۱	۷۸	۳۰۹	۲۴۶	۱۰۲	۱۲۱
۱۹۲۷ء	۲۷	۱۱	۸	۳۰۲	۲۸۳	۳۱۱	۲۷۰	۴۱	۹
میزان	۸۸	۳۹	۳۲	۱۵۶۶	۷۳۵	۱۱۸۲	۱۷۵۴	۴۲۰	۶۳۷
کل بلوے	۸۸	مقتول	۸۱	زخمی	۳۳۰۱	سپرد	۲۹۳۶	سزایاب	۱۰۵۷

(ایڈیٹر)

کفایت شعاری

یہ کس قدر خودغرضی کی بات ہے کہ ایک شخص جو کہ معقول تنخواہ پاتا ہے وہ اپنی کل آمدنی اپنے ذاتی اخراجات یا اگر وہ صاحب اہل و عیال ہو تو اُن پر کلیتاً صرف کر دے اور اُس کا کوئی جز بھی پس انداز نہ کرے۔ جبکہ ہم کو یہ خبر ملتی ہے کہ فلاں شخص فوت ہو گیا اور اُس نے کچھ بھی سرمایہ نہ چھوڑا اور اپنے اہل و عیال کو بلا کسی سہارے کے اُن کی قسمت پر چھوڑ دیا کہ وہ غریب بیکس مریں یا جئیں اس کے وجوہ صرف خودغرضانہ اسراف ہیں۔ مگر ان حالات پر جیسی توجہ ہونی چاہیئے نہیں ہوتی اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے لیئے چندے کیئے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے چندوں سے ان غریبوں کا بھلا نہیں ہوتا اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بدنصیب خاندان کے نام لیوا مفلسی اور تباہی کے سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں

اگر صرف ذرا سی ہوشیاری اور حکمت عملی سے کام لیا جاوے تو یہ بدنتائج کبھی مشاہدہ میں نہ آویں۔ اگر ہم شراب اور تمباکو نوشی ترک کر دیں تو کچھ دنوں میں دوسروں کے سہارے کے واسطے کچھ نہ کچھ پس انداز ہو سکتا ہے۔

یہ ہر ایک شخص کا فرض منصبی ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے آڑے وقت کے لیئے جس سے دوچار ہونا ہر شخص کے لیئے یقینی ہے کچھ نہ کچھ سرمایہ جمع رکھے۔ مگر اس کا خیال اور پروا آدمی بہت کم کرتے ہیں۔

مقابلتاً صاحب دول تو بہت کم آدمی ہیں لیکن بہت سے آدمیوں کے امکان میں ہے کہ وہ بذریعہ حرفت و کفایت شعاری اپنے ضروریات پورا کرنے کے واسطے کافی مالدار بن سکیں اور ایک کافی سرمایہ جمع کر سکیں جو اُن کے انحطاط اور بڑھاپے کے وقت کام آ سکتا ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آدمی کو اس کا موقعہ نہیں ملتا بلکہ وہ چاہتا نہیں کہ ایسا کرے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ انسان لگاتار ہاتھ اور دماغ سے کام لے سکتا ہے لیکن وہ ضرورت سے زیادہ فضول خرچی اور حیثیت سے زیادہ ٹھاٹ بنانے سے پرہیز نہیں کر سکتا۔ زیادہ تعداد اُن اشخاص کی ہے جو دنیوی عیش و مسرت کو ایثار پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کثیر التعداد انسانوں سے جانور بھی اچھے ہیں۔ کیونکہ اپنی تمام آمدنی اور کمائی صرف کر دیتے ہیں۔ صرف کام کرنے والے ہی آدمیوں کی یہ حالت نہیں ہے کہ وہ اپنا پس انداز بھی ذرا سی دیر میں صرف کر دیں۔ بلکہ ہمارے علم میں بہت سے آدمی جو کہ عرصہ دراز تک کماتے رہے ہیں جب بالکل فوت ہو گئے تو انھوں نے اپنے بچوں کے واسطے ایک حبہ بھی نہیں چھوڑا

ہر شخص کو قریب قریب اس قسم کے واقعات معلوم ہیں کہ ایسے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کی زندگی کا قرضہ ادا کرنے کے لیئے اثاث البیت بھی فروخت کر دیا جاتا ہے جس سے ان کی زندگی کا قرض ادا ہو۔ روپیہ کی قدر و قیمت اُس وقت تک کچھ نہیں معلوم ہوتی جب تک کہ وہ جمع ہی ہوا نہ اُس وقت تک اُس کا کوئی مفاد یا صحیح استعمال معلوم ہوتا ہے

لیکن روپیہ ایسی بیش بہا شئی ہو کہ جس کی بدولت انسان نہایت خود مختاری اور آزادی کی زندگی بسر کر سکتا ہے اور وہ ایک بڑے اخلاقی تحفظ کا ذریعہ ہوتا ہے۔اس مقابلے سے کفایت شعاری کی یہ معمولی خوبی سمجھ میں آجاتی ہے جس سے انسان کی حالت ایک بڑے اعلیٰ درجہ پر پہونچ جاتی ہے۔

بقول بلور صاحب "روپیہ کے معاملات میں تلون اور دل برداشتگی کے ساتھ عمل نہ کرو۔ روپیہ بجائے خود اخلاق ہے اور انسان کی بہت سی خوبیاں مثلاً فیاضی، سخاوت، انصاف و ایمانداری اور دور اندیشی روپیہ پر منحصر ہیں اور ساتھ ہی بُرے عادات بھی روپیہ کے بُرے استعمال کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جیسے کہ خساست۔ حرص بے انصافی بفضول خرچی۔ ناعاقبت اندیشی۔ ایسے لوگ کچھ ترقی نہیں کر سکتے جو کہ اپنی کمائی بہت جلد برباد کر دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگ جو اپنی آمدنی کلیتاً صرف کر دیتے ہیں اُن کے واسطے غربت اور مصیبت ہمیشہ تیار رہتی ہے وہ ضعیف و کمزور ہوتے ہیں۔ اور ان کو وقت کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔ اور ہمیشہ غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ نہ اُن کو خود اپنی عزت و آبرو کا پاس رہتا ہے اور نہ دوسرے لوگ اُن کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز آسائش و آسودگی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے کفایت شعاری سے کام کرنے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ آدمی اپنی انسانی خوبی اور اولوالعزمی کو برباد کرنے۔ لیکن وہ شخص کہ جس نے کچھ سرمایہ جمع کر لیا ہو اور اس کا سرمایہ خواہ قلیل المقدار کیوں نہ ہو لیکن اس کی حالت اُن لوگوں سے بالکل جدا ہوتی ہے جن کے پاس کچھ پس انداز نہیں ہوتا۔ سرمایہ دار کا تھوڑا سا بھی سرمایہ اُس کو بہت کچھ سہارا اور قوت دیتا ہے اور وہ کبھی مصیبت اور ادبار کے خطرے میں نہیں پھنستا۔ وہ نہایت آزادی سے ہر شخص سے ملتا جلتا ہے اور دنیا میں اُس کو کسی سے حجاب دامنگیر نہیں ہوتا۔ اس طریقہ سے وہ خود اپنا مالک اور آقا ہوتا ہے اُس کے اصول اور طریقے بالکل مخصوص ہوتے ہیں۔ لالچ دے کر اُس سے کوئی شخص کام نہیں لے سکتا اُس کو بڑھاپے کی ضعیفی اور کمزوری کے وقت سے کچھ خوف و خطر نہیں ہوتا اور وہ ضعیف العمری میں نہایت عیش اور آرام کی زندگی بسر کرتا ہے۔ انسان میں جس قدر عقل اور سمجھ کا مادہ بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر وہ کفایت شعار اور عاقبت اندیش ہوتا جاتا ہے اور ناعاقبت اندیش اپنی کمائی وحشیوں کی طرح بہت جلد برباد کر دیتا ہے وہ اس کی قطعی پرواہ نہیں کرتا کہ کل کو کیا ہوگا اور نہ اپنے متعلقین کے حقوق کا خیال رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے ایک صاحب عقل آدمی آئندہ کا خیال ضرور رکھتا ہے۔ اور اچھے موقعہ اور وقت سے کچھ نہ کچھ سرمایہ اپنے عزیز یگانوں کی ناگہانی آفتوں کے لئے جمع کر رکھتا ہے شادی شدہ اشخاص پر کس قدر سخت اور زبردست ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔ مگر بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کہ اس خاص ذمہ داری کی قطعی پرواہ نہیں کرتے جس وقت انسان کی شادی ہو اُس وقت سے اُس کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ آئندہ حتی الامکان اُس کے گھر میں کسی ضروری شئے کی

کمی نہ رہے۔ اور یہ کہ اس کی وفات کے بعد اُس کے اہل و عیال کا بار کسی دوسرے کو نہ اُٹھانا پڑے۔ ان باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ کفایت شعاری انسان کا فرض منصبی ہو۔ بلا کفایت شعاری کے انسان منصف اور ایماندار نہیں ہوسکتا۔ ناعاقبت اندیشی اپنے اہل و عیال کے حق میں بہت بڑا ظلم ہو گو کہ اس ظلم کا احساس اس وقت انسان کو نہیں ہوتا۔ وہ اپنی آمدنی جو کہ خورونوش کے خرچ کے بعد بچتی ہو شراب سگرٹ وغیرہ میں صرف کردیتا ہو اور کچھ نہیں بچاتا اور اپنے اہل و عیال کو ہمیشہ کے واسطے ادبار و فاقہ کشی کا شکار بناکر دنیا سے کوچ کرجاتا ہو۔ اگرچہ کوئی اور ظلم اس ظلم سے بڑھکر نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی یہ منحوس مرض ہر فرقہ اور ہر مذہب وملت کے بہت سے آدمیوں میں پھیلا ہوا ہو۔ درمیانی اور اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی طرح قابل الزام ہیں وہ اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور دنیوی عیش و مسرت کے بہت زیادہ دلدادہ ہوتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہم خوب دولتمند ہوجاویں تاکہ بڑھیا اور بیش قیمت شرابیں پئیں اور دوسروں کو بڑی بڑی دعوتیں دیں۔ جوانی اور درمیانی عمر کے ایام میں انسان کو اس بات کی کوشش کرنا چاہئے کہ اُس کے بڑھاپے کے دن آرام اور آسایش سے بسر ہوں۔ اس سے زیادہ اور کونسی بات آزاردہ ہوسکتی ہو کہ ہم ایک شخص کو جو کہ اپنی جوانی کے ایام میں معقول آمدنی رکھنے والا آدمی تھا مصیبت اور فاقہ کشی کی حالت میں ادھر اُدھر ہاتھ پھیلاتے ہوئے دیکھیں اور اُس کی روزی کا دارمدار اُس کے عزیز رشتہ دار اور پڑوسیوں کی رحملی پر ہو۔ ان معاملات پر نظر کرتے ہوئے انسان کو لازم ہو کہ وہ اوائل عمری ہی میں کفایت شعاری سے کام لے اور اپنے اہل و عیال کی آئندہ زندگی کے واسطے کچھ نہ کچھ سرمایہ ضرور جمع کردے جو وقت پر ان کے کام آئے۔ (مرسلہ شیخ عمر آدم صاحب)

خاص شکریہ

عالیجناب مولوی عبدالقدیر خاں صاحب ٹنوی نے علاوہ توسیع اشاعت کی ہمدردانہ کوششوں کے مبلغ دس روپیہ سودمند کو بمد اعانت بذریعہ منی آرڈر عطا فرمائے۔ اس اعانت کا دلی شکریہ مولانا ممدوح قبول فرمائیں۔ (منیجر)

ضروری التماس فروری ۱۹۲۶ء میں جن حضرات کا سالانہ چندہ ختم ہوگیا ہو وہ آئندہ سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر مرحمت فرمائیں ورنہ مارچ نمبر وی پی روانہ کیا جائے گا۔ (منیجر)

زراعت پیشہ ساہوکار

عالیجناب مسٹر سٹرکلینڈ صاحب بہادر رجسٹرار انجمن ہائے امداد باہمی پنجاب نے زراعت پیشہ ساہوکاروں کے متعلق ایک محکمانہ تحقیقات کرائی تھی۔ اور اس کے متعلق ایک مضمون اخبار سول ملٹری گزٹ لاہور میں شایع کرایا تھا ناظرین سود مند کی آگاہی کے لیئے اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔

سال ۱۹۲۶ء میں جبکہ ساہوکارہ بل پنجاب کونسل میں پیش تھا۔ زراعت پیشہ ساہوکار کے متعلق دلچسپ بحثیں ہوتی رہیں۔ محکمہ امداد باہمی پنجاب نے زراعت پیشہ ساہوکاروں کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے کے لیئے سال ۲۷-۱۹۲۶ء کے موسم سرما میں اپنے عملہ کے ذریعہ سے مندرجہ ذیل امور کے متعلق گہری تحقیقات کی ہے۔

(۱) گاؤں میں زراعت پیشہ ساہوکاروں کی تعداد۔ اور ان کے مذاہب؟

(۲) ساہوکارہ کرنے والی عورتوں اور بچوں کی تعداد جن کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

(۳) سپاہیوں۔ فوجی پنشنروں اور واپس آنے والے تارکان وطن کی تعداد جو ساہوکارہ کرتے ہوں۔

(۴) ایسے کتنے ساہوکار انجمن ہائے امداد قرضہ دہی کے ممبر ہیں۔ اور انجمن کے دیگر ممبران کے ذمہ ان کا کتنا قرضہ ہے۔ ان قرضہ جات میں زر رہن بھی شامل کیا جائے۔ جو پُرانے قرضوں کے باعث ہو۔

(۵) حساب کتاب کس طرح رکھا جاتا ہے۔ آیا باقاعدہ بہی کھاتہ رکھے گئے ہیں۔ یا صرف وثیقہ جات تحریر کرائے جاتے ہیں۔ یا زبانی۔

(۶) زراعت پیشہ اقوام سے تعلق رکھنے والے ایسے ساہوکار کتنے ہیں جن کی آمدنی سوا ایکہزار روپیہ سے زیادہ ہے اور ایسے کتنے ہیں جن کی ایکہزار روپیہ سے کم ہے۔

اس مقصد کے لیئے ساہوکار کی جو تعریف کی گئی ہے حسب ذیل ہے:-

"ساہوکار وہ شخص ہے جو نقد یا جنس پیشگی دیکر اس کو واپس بشکل نقد یا جنس لیتا ہے۔"

یہ تحقیقات عملہ نے انجمن ہائے امداد قرضہ دہی کی پڑتالوں کے ساتھ ساتھ پنجاب کے ۳۴۲۷ دیہات میں کی۔ جو کل دیہات پنجاب (۳۴۰۰۰) کا دس فی صدی ہیں۔ کام نومبر ۱۹۲۶ء سے شروع ہو کر مئی ۱۹۲۷ء میں ختم ہوا۔ اوسط دیہات جو ہر ایک تحصیل میں معائنہ کیئے گئے ۳۱ ہے۔

زراعت پیشہ اقوام سے تعلق رکھنے والے ساہوکار ۶۲۰ (۱۸ فی صدی) دیہات میں پائے گئے۔ دیگر

۴۲۰۰ (۸۲ فیصدی) دیہات میں ایسے لوگ نہیں ملے۔ ۹۲۶ دیہات کے زراعت پیشہ ساہوکاران کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سکھ ۱۰۳۳ (۵۲ فیصدی) وسطی پنجاب میں کثرت ہے۔
ہندو ۴۴۰ (۵ و ۲۳ فیصدی) جنوب مشرق پنجاب اور کانگڑہ میں کثرت ہے۔
مسلمان ۱۱۰ (۵ ر۵ فیصدی) صوبہ کے جنوب مشرق اور مشرق میں کثرت ہے۔
عیسائی ۲

کل میزان ۱۹۰۰

مغربی پنجاب میں کسی بھی مذہب کے پیرو زراعت پیشہ ساہوکار آباد نہیں ہیں۔ ان ساہوکاروں میں صرف ۱۸ عورتیں اور ۵ بچے شامل ہیں تحقیقات سے ان کی تعداد بہت قلیل معلوم ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ کونسل کی بحثوں میں ظاہر کیا جاتا تھا ثابت نہیں ہوا۔

سپاہی اور فوجی پنشنر تعداد میں ۱۶۶ ہیں۔ اور واپس آنے والے تارکان وطن صرف ۹۴۔ اول الذکر زیادہ تر جھجر (۲۰) سرگودہا (۱۹)، پالم پور (۱۵) اجنالہ (۱۱) اور ڈسکہ۔ ہشیارپور اور تلہ گنگ (ہر ایک ۱۰) میں پائے گئے ہیں۔ اور سپاہیوں اور چلے آنے والے تارکانِ وطن کی یہ جماعتیں اتنی اہم نہیں ہیں۔ کہ ہماری خاص توجہ کی محتاج ہوں۔ جہاں تک اس دوستانہ تحقیقات سے پتہ لگا ہے ۵۱۳ زراعت پیشہ ساہوکاروں کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کی سالانہ آمدنی بمعہ سود ایکہزار روپیہ سے زیادہ ہے۔ باقی ۱۴۷۵ ساہوکار ۱۰۰۰ روپیہ سے کم سالانہ کماتے ہیں۔ گڑگاؤں۔ حصار۔ رہتک۔ لاہور۔ اور لائل پور میں ایسے ساہوکاران کی تعداد زیادہ ہے۔ جن کی آمدنی ایک ہزار روپیہ سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد فیروزپور جالندھر اور لدھیانہ کے اضلاع ہیں۔ انبالہ۔ ہشیارپور۔ کانگڑہ۔ گورداسپور۔ امرتسر اور سیالکوٹ کے اضلاع میں ایسے ساہوکاروں کی آمدنی کم ہے۔

انجمن ہائے امداد قرضہ کے ممبران کے ذمہ ایسے اشخاص کے قرضہ کی رقم کا اندازہ ۱۸۰۳۴۳۰۰۰ لگایا گیا ہے۔ اضلاع امرتسر فیروزپور۔ جالندھر۔ گوڑگاؤں۔ اور حصار میں ایسے قرضجات بہت زیادہ ہیں۔ اس کے بعد سرگودھا اور لائل پور کا درجہ ہے۔ حصار میں ۲½ لاکھ روپیہ ۵۰ زراعت پیشہ ساہوکاران کا قرضہ ہے۔ اس کے بعد جالندھر ہیں۔ ۲۲۳۰۰۰ روپیہ ۲۰۰۔ ایسے اشخاص کا قرضہ ممبران انجمن ہائے کے ذمہ ہے۔ اور کانگڑہ میں ۲۳۶ زراعت پیشہ ساہوکاران نے ۴۱۰۰۰ روپیہ ممبرانِ انجمن ہائے امداد باہمی کو دیا ہوا ہے۔ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جہاں زمینداروں نے ساہوکارہ کی طرف کم توجہ کی ہے وہاں جن تھوڑے سے لوگوں نے اس کام کو

اختیار کیا ہے۔ وہ اچھے فائدہ میں رہتے ہیں۔ ان ۱۹۰۰ ساہوکاران میں سے ۶۱۴ (۳۱ فیصدی) انجمہائے امداد قرضہ کے ممبران ہیں۔ اس بات کی تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان میں سے کتنے انتظامیہ کمیٹیوں کے ممبران ہیں۔ اس کے متعلق پھر تحقیقات کی جائے گی۔ کیونکہ ضوابط لوکل گورنمنٹ ایسے اشخاص کو انتظامیہ کمیٹیوں کے ممبر منتخب کرنے کی مخالفت کرتے ہیں۔ تاہم اتنا پتہ چلا ہے کہ ضلع حصار میں دو زراعت پیشہ ساہوکار اپنے ہاں کی انجمنوں کے پریذیڈنٹ ہیں۔ ان میں سے ایک ذیلدار بھی ہے۔ عوام کی اس تحریک میں مخالف مقاصد رکھنے والے اشخاص کا صاحب اقتدار ہونا تحریک کے لیئے خطرناک ہے۔ مسلمان زراعت پیشہ اقوام میں ساہوکاران کی تعداد حسب ذیل معلوم ہوتی ہے۔ یہ تحقیقات صرف ½ حصہ دیہات پر مشتمل ہے۔ تمام صوبہ میں غالباً ... اسے زیادہ مسلمان زراعت پیشہ ساہوکار ہوں گے۔

۳۵ راجپوت ۲۹ - اعوان - ۱۰ جاٹ - ۱۱ - رائی - ۹ سید - ۳ پٹھان - ۲ کمبوہ - ۲ ڈھونڈ - ایک قصاب ایک بہشتی ۲۶ - اعوان ایک ہی گاؤں واقع ضلع اٹک میں رہتے ہیں۔ جو اراضیات کا رہن اپنے ہمیشہ کے طور پر لیتے رہتے ہیں۔ ورنہ رہن اراضی کو ساہوکارہ میں شامل کرنا ایک مشکوک امر ہے۔ مسلمان ساہوکار ہوشیارپور (۲) جالندھر (۱۳) سیالکوٹ (۱۱) انبالہ (۸) اور گوڑگاؤں (۷) میں بھی پائے گئے ہیں صرف دو تین اشخاص کے علاوہ سب زراعت پیشہ ساہوکاران کسی نہ کسی قسم کا حساب رکھتے ہیں۔ اکثر تو بہی کھاتے رکھتے ہیں۔ مگر تھوڑی سی تعداد ایسی بھی ہے جو تمسک اور پرونوٹ تحریر کرانے پر بھی اکتفا کرتی ہے۔ ضلع سیالکوٹ میں ایک مسلم جاٹ عورت پرونوٹ تحریر کرا لیتی ہے۔ اسی طرح ضلع کرنال میں ایک سید سود تو نہیں لیتا ہے مگر تمسک اصلی قرضہ سے کچھ زیادہ لکھا لیتا ہے۔ وغیرہ

اس تحقیق میں یہ ایک خاص قابل توجہ بات ہے۔ کہ تمام ساہوکارہ کرنے والے زراعت پیشہ لوگ باقاعدہ کسی نہ کسی طرح حساب کتاب رکھتے ہیں۔ ۱۹۰۰ ساہوکاران میں سے ۱۵۲۴ بہی کھاتہ رکھتے ہیں ۳۲۴ تمسکات اور پرونوٹ تحریر کرالیتے ہیں۔ اور ۲۲ کوئی تحریری حساب نہیں رکھتے۔ اس تحقیقات کے نتائج جو صرف زراعت پیشہ ساہوکاران کے متعلق کی گئی ہے حسب ذیل اخذ کیئے گئے ہیں۔

(۱) اسی قدر دیگر دیہات میں یہ تحقیقات کی جائے۔ تاکہ زیادہ یقین کے ساتھ کوئی رائے قائم کی جاسکے

(۲) زراعت پیشہ ساہوکار آپس میں کچھ فاصلے پر تمام صوبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(۳) ساہوکارہ کرنے والی عورتیں اور بچے اس قدر کم ہیں کہ ان کی طرف کسی توجہ کی ضرورت نہیں۔

(۴) ایسا ہی حال سپاہیوں اور واپس آنے والے تارکان وطن کا ہے۔

(۵) تمام مذاہب کے لوگ اس پیشہ میں شرکت کرتے ہیں۔ مسلمان اور عیسائی بھی یہ کام کرتے ہیں

(۶) امداد قرضہ کی انجمنوں میں ایسے ساہوکاروں کی موجودگی توجہ طلب ہے۔

(۷) ...۱ روپیہ سے زیادہ آمدنی پانے والے زراعت پیشہ ساہوکاروں کی تعداد اگر صرف ۶۶ فیصدی ہے تو یہ غیر اغلب ہے کہ ان میں سے بہت سے ...۲ روپیہ سے زیادہ کماتے ہیں۔ اور انکم ٹیکس سے بچے ہوئے ہیں۔

(۸) تمام ساہوکار کسی نہ کسی قسم کا حساب رکھتے ہیں۔ اپنے لین دین کی نقول بھیجنے میں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ اس تحقیقات کے اعداد و شمار پنجاب گورنمنٹ کو موجودہ ساہوکارہ بل کے تیار کرنے اور ممبران کونسل کو بحث و مباحثہ کرنے میں مدد دیں گے۔ اور عام باشندگان ملک کے لئے بھی یہ تحقیقات دلچسپی کا باعث ہوگی۔ (کوا پریشن لاہور)

خلاصہ خطوط

مجھے "سود مند" کے مقاصد حسنہ سے کلی اتفاق ہے اور میں بڑی مدت سے اس کوشش میں ہوں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سدھر جائے۔ چنانچہ میں نے خود اپنا اور اپنے بچوں کا "سود مند" کے اجرا کے بعد ہی بیمہ کرادیا ہے اور "سود مند" کے ایک ارشاد کے مطابق اس کوشش میں ہوں کہ ہر ایک مسلمان کو بیمہ کرالینا چاہیئے چنانچہ ہزاروں آدمیوں کا اس وقت اپنی کوشش سے بیمہ کرادیا ہے اور اس لحاظ سے میں نے "نیشنل انڈین لائف انشورنس کمپنی کلکتہ" کی ایجنسی لے لی ہے۔ اگرچہ مجھے اپنے فرائض منصبی سے اتنی مہلت نہیں ملتی کہ میں کوئی کام کرسکوں لیکن صرف مسلمانوں کی اقتصادی درستگی کے لحاظ سے میں نے یہ کام اُٹھایا ہے۔ چنانچہ میں اس بارے میں کچھ ٹریکٹ بھی چھپواؤنگا۔ آپکا صادق عبدالغفار از ہتی مردان ضلع پشاور

گزارش خدمت ہے کہ رسالہ سود مند نے مسلمانوں کی دُنیوی حیثیت میں ایک انقلاب پیدا کردیا ہے۔ جس کی قوم کو سخت ضرورت ہے وہ سب اس میں موجود ہے اور جس کی طرف قوم کی سب سے زیادہ بے توجہی ہے۔ میں اس صوبہ میں اس کی پالیسی و خیالات کی اشاعت کر رہا ہوں اور دل و جان سے اسکا حامی ہوں۔ گلفشیر خان کوٹلہ دہلی

مکرم بندہ تسلیم۔ سود مند کے حالات سال نو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور افسوس ہوا کہ مسلم پبلک ایسے مفید رسالہ کی خریداری میں اس قدر تساہل کرتی ہے حالانکہ اس سے مفید رسالہ اس وقت تک جاری نہیں ہوا۔ اگرچہ ملک میں ادبی رسالہ عرصہ سے نکل رہے ہیں اور اچھی زندگی بسر کر رہے ہیں سود مند انشا اللہ تعالےٰ ترقی کرے گا اور تھوڑی سی تکلیف کے بعد ملک بھر میں راحت پھیلائے گا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اگر ہر خریدار دو دو خریدار بہم پہنچائے تو چنداں مشکل نہیں ہے۔ براہ مہربانی مفصلہ ذیل اشخاص کے نام رسالہ جاری کرادیجئے۔ سید توقیر احمد مختار نگینہ ضلع بجنور

اہل دیہات کی فارغ البالی کے اسباب

باشندگانِ دیہات بالعموم کاشتکار ہوتے ہیں اور بلا مبالغہ ۹۰ فی صدی قرض کے باعث ساہوکار کے آہنی پنجہ میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ غریب کسانوں کی پریشان حالی اور تنگ دستی کے واقعی اسباب گونگوں اور پیچ در پیچ ہیں جن کا کما حقہ رفع کرنا بہت کچھ ان کے دست اختیار سے خارج ہو۔ تاہم اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان کے تنزل میں ایک حد تک کم فہمی اور کاہلی کا بھی بالضرور دخل ہے، دوسرے لفظوں میں ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ بے کسی اور بے بسی کی حالت میں بھی بعض ایسی تدابیر ممکن ہیں۔ جن پر کاربند ہونے کا اگر عہد مستحکم ہو تو روزانہ حالت تبدیل ہونے سے کسی حد تک بتدریج بے فکری نصیب ہو جائے۔

یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جملہ اشیاء خوردنی بالعموم ہمارے ہی صوبہ میں پیدا ہوتی ہیں اور وہ بھی کاشتکار ہی ہیں جو تھوڑی سی زمین میں بہت سی رقم کی چیزیں پیدا کر لیتے ہیں۔ جیسے تمباکو خوردنی و نوشیدنی آلو خشخاش۔ ہلدی۔ اجوائن سونف۔ زیرہ۔ الائچی خورد و کلاں۔ لونگ۔ سونٹھ مرچ سرخ سیاہ و سفید۔ اب ان کے نرخ پر غور کریں تو کیسی گراں ملتی ہیں۔ جو کسان سو بیگہ زمین کاشت کرتا ہے وہ بھی اتنی رقم حاصل نہیں کر سکتا جس قدر یہ اشیا کاشت کرنے والے بیس بیگہ زمین سے پیدا کر لیتے ہیں یہ سب چیزیں روزمرہ ہر گھر میں استعمال میں آتی ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کس طرح ان کو بہم پہونچانے کی تدبیر عمل میں آئے۔

کاشتکاروں کو یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ بجائے نہر کے حتی الوسع کنوئیں سے آبپاشی کریں افسوس ہے کہ کنوئیں عدم استعمال سے روز بروز خراب ہوتے جاتے ہیں حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ پرانے کنوئیں محفوظ رکھے جائیں اور نئے بنوائے جائیں۔ کھیتی کے لئے پانی کا بندوبست مقدم ہے نہ صرف خاصیت میں بہتر ہوتا ہے بلکہ ہر وقت اختیار ہونے کے باوجود احتیاط سے دیا جاتا ہے۔ نہر کا پانی بسا اوقات وقت پر نہیں ملتا اور کئی کمائی کھیتی کا ناس کر دیتا ہے کمزور کسانوں کو بمشکل تمام ملتا ہے۔ پھر بالعموم بافراط دیئے جانے کے باعث زمین کو کمزور بلکہ شور کر دیتا ہے۔ پس زرعی ترقی کی بنیاد یہی ہے کہ آبپاشی میں سہولت ہو۔

وہ دن ابھی دور ہے جب کہ ساہوکاروں اور سرمایہ داروں کو اس امر کا احساس ہوگا کہ زرعی ترقی میں

نہ صرف بحیثیت مجموعی ملکی بہبودی کا خزانہ مخفی ہے بلکہ تجارتی اور کاروباری نقطہ نظر سے بہت بڑی شخصی منفعت کی گنجایش موجود ہے۔ کاش ملک میں ایسی کمپنیاں ہوتیں جو کنوؤں کی مرمت کراتیں۔ نئے بنواتیں انجن اور رہٹ لگواتیں۔ نیز کھاد کی مختلف اقسام کے کارخانے کھولتیں۔ الحاصل غریب کسانوں کو ہمت نہ ہارنی چاہیئے اور ان کی اور ان کے خیرخواہوں کی بطور شدہ پالیسی ہونی چاہیئے کہ حتی الوسع چاہی آبپاشی کو ترجیح کے ساتھ فوقیت دی جائے۔ آبپاشی کی سہولت ہونے پر ہی مذکورہ بالا اشیا اور ترکاریوں کی کاشت پر خاطرخواہ توجہ مبذول ہوسکتی ہے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اکثر دیہات میں ترکاریاں نایاب ہیں اور شہروں میں بافراط مل سکتی ہیں مگر بالعموم باسی اور ناقص ہوتی ہیں۔ آئے دن کی بیماریوں کا یہ بھی ایک خاص سبب ہے کہ ترکاریاں نہیں ملتیں اور جہاں ملتی ہیں وہ خراب اور ناقص ہوتی ہیں۔ قیمتی چیزوں پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت کے لئے ہندوستان میں وسیع میدان موجود ہے۔

ہرحال موجودہ خستہ اور زدہ حالت میں بھی کچھ نہ کچھ ممکن ہے اور جس کاشتکار کے امکان میں ہو اس کو اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ ہر کسان اپنے اپنے حسب منشا ایک ایک چیز کاشت کرے پیداوار کو حسب ضرورت مبادلے کے بعد فروخت کردیا جائے ہر چیز کا تخم ضرور رکھیں بلکہ غلہ کا تخم بھی گھر کا ہی ہو بیج سب سے مقدم اور ضروری چیز ہے مگر افسوس صد افسوس کہ مطلق خیال نہیں کیا جاتا کوئی سمجھاتا ہے تو بیس مین میکھ نکالتے ہیں اقرار تو کرلیتے ہیں مگر پھر کچھ نہیں تو لیکہ "پنچوں کا کہنا سر آنکھوں پر مگر پارول کا پرنالہ یہیں رہے گا" اشیاء مذکورہ بالا میں بعض ایسی بھی ہیں جن کے گل و برگ و بیج بھی فروخت ہوتے ہیں۔

کاشتکاروں کی خانگی زندگی میں بھی بڑا مرض ہے جس کا علاج کرنا پہلا فرض ہے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے غلہ بیچ کر آتی ہے جس کی ادل بدل میں دیکھیئے کس قدر خرابیاں ہیں اول تو نرخ میں علانیہ فرق پھر وزن میں بالعموم کچھ نہ کچھ تفاوت۔ غرض جو چیز خریدو گے نرخ میں کم تول میں کم نفع در نفع دس سیر کے نرخ میں ۱۲ سیر لیا جائے گا پھر اسی غلہ کو تم خریدنے جاؤ تو بمشکل ۹ سیر ملے گا۔ مالنوں سے ترکاری خریدتے ہیں تو وہ ناج برابر سالنیں کبھی پیسہ کی چیز نہ دینگی وہ ایک روپیہ کے دھرم کے چوگنے کرتی ہیں تب ہی تو بیگہ دو بیگہ زمین میں کاشت کرکے فارغ البالی سے بسر کرتی ہیں جو کہ پچاس بیگہ کاشت کرنے والے کو میسر نہیں ہوتا۔ باوجود جاننے کے پھر پردۂ غفلت آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اور قرضہ کی شکایت کی جاتی ہے۔ آج نوٹس ہے کل نالش ہے پرسوں ڈگری پھر قرقی اور گرفتاری ہوکے بیٹھے کورم کورا گھر میں لٹیا نہ ڈور" عبرت! عبرت!! غیرت! غیرت!!

کاشتکار کو روغن گل نمک لوہا ظروف مسی و برنجی وغیرہ صرف چند ہی اشیا کی احتیاج بازار سے خریدنے کی ہو مگر آج کل غریب گھروں میں بھی کوئی شئی گھر کی نظر نہیں آتی بلکہ عام طور پر عورتوں میں یکورچے کا بڑا دستور ہو کہ غلّہ کو بلا وجہ گھٹتی بڑھتی فروخت کرکے خفیہ طور پر اپنے کیسہ میں جمع کر لیتی ہیں۔ مردوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ بعد ازوقت ہوتی بھی ہو تو بے نتیجہ تنبیہ نہ ہونے یا بے سود ہونے سے وہ اور بھی دلیر بلکہ شیر ہو جاتی ہیں کاش! کفایت شعاری کا یہی طریقہ کچھ نتیجہ خیز ہوتا تو چنداں ہرج نہ تھا۔ یہ پس انداز رقم زیادہ تر زیورات میں یا نمائشی رسومات میں برباد کر دی جاتی ہو اگر کسی غریب بھائی کو پرچونی کی دوکان کھلوا دی جائے یا باہمی امداد کے اصول پہ اشیا ء ضروریہ کا ایک گودام یعنی "ذخیرہ" کھلوا دیا جائے تو اکثر متعلقہ خرابیوں کا بہترین علاج ہو جائے۔

مزدور پیشہ طبقہ کی بہبودی کی بھی ایک آسان راہ ہو۔ جب وہ نلائی یا گھاس کو جائیں تو صدہا جڑی بوٹی گھاس ادویات میں کام آتی ہیں ان کو جمع کر لیں اور خشک کرکے فروخت کر دیں۔ منڈی شاہترہ برہم ڈنڈی اسوڑے یہ عام طور پر جنگل میں ہوتے ہیں۔ بہت سی فصلی چیزیں ہیں جو کہ اپنے وقت پر مفت دستیاب ہو سکتی ہیں۔ جامن گولر بیر جھربیری تنت یعنی کریل کا پھل گاؤں میں یہ سب چیزیں مفت ہیں صرف ہاتھ پیروں کی محنت ہو اور پھر راحت ہو مگر کاشتکاروں کو بالعموم مطلق خیال نہیں ہوتا اگر کہیں کچھ توجہ ہوتی ہو تو کو دکان قصاب کو جوان میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں اور اپنے خرچ کے لئے رقم فراہم کر لیتے ہیں۔ آک کی روئی بڑی گراں فروخت ہوتی ہو جس سے چار فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر کوئی مسلمان توجہ نہیں کرتا ایسی تجارت بلا سرمایہ کہلاتی ہو اور کافی نفع دکھلاتی ہو پھر اسی کے ذریعہ سے بتدریج اور ترقی کا دروازہ کھل جاتا ہو علی ہذا ہڈی گو ڈر لاکھوں روپیہ کا ہر سال فروخت ہوتا ہو ان میں اگر حصہ ہو تو مہتران کا یا قصابان کا کسانوں کو تو ان کا مطلق خیال نہیں۔

خداوند کریم نے سیم و زر کے ڈھیر ہمارے پیروں کے نیچے بکھیر رکھے ہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ ہم سے اُٹھانا نہیں آتا۔ تنگدستی فاقہ کشی کی آفت و صعوبت مفلسی کی مصیبت اُٹھاتے ہیں۔ نوکری چاکری کی تلاش میں سرگرداں رہ کر ذلیل و خوار ہوتے ہیں مسلمانوں کو شرم بھی کچھ نہیں کرنے دیتی ورنہ کیوں اس قدر مفلوک و مفلس ہوں۔ اگر کسب حلال کی اہمیت کا کچھ بھی احساس ہو اور ہاتھ پیر ہلائے جائیں تو حرکت میں برکت نظر آئے۔

اشیاء ذیل اگر بازار میں عطار سے خریدی جائیں تو کس قدر گراں ملتی ہیں جو کہ گاؤں میں بالکل مفت ہاتھ آتی ہیں۔ مکوہ، تنہد، خاکسی، ملہٹی، گل ڈھاک۔ گل ہار سنگار۔ شیر مدار صمغ عربی

صمغ ڈھاک، ٹہسوڑے، نیلوفر، گل اروسہ

کو وہ کو خشک کرکے الگ فروخت کرو عرق کشید کرکے الگ اگر ایندھن کا سوال ہو تو پاچک وشتی مفتی چیز ہے۔ اسی طرح شہد ہے جس سے موم بھی حاصل ہوتا ہے نیلوفر کا بھی شربت بناکر فروخت ہوسکتا ہے۔ مغز خیارین وکدو ضرورت کے وقت گاؤں میں تو مل ہی نہیں سکتے اور بازار میں عطار کیسی کچھ قیمت لیتا ہے اگر خربوزہ تربوز اور ککڑی کھانے کے بعد ان کے تخموں سے مغز علحدہ کرکے کام میں لائیں تو وہ مثل صادق آئے آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ مستورات اس کام کو آسانی انجام دے سکتی ہیں کیونکہ ان کو تمام دن بجز پان چبانے چارپائی پر دراز ہونے اور اینڈنے کے کوئی دوسرا کام نہیں۔ دو چار جمع ہوئیں تو تیری میری غیبت کرینگی اور باہمی رنجش کا تخم بوئینگی۔ پھر یہ کیوں بیکار رہیں۔ بیکار مباش کچھ کیا کر ہماری مستورات اس سبق کی از بس محتاج ہیں۔ اگر دس فی صدی عورتیں بھی سنیں اور پانچ فی صدی بھی عمل کرنے لگیں تو پھر یقین بلکہ حق الیقین ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اور ہندوستان کی بھیڑ چال مشہور ہے دوسروں پر اثر ہو اور ضرور ہو الغرض جو کچھ ہے عمل کا ثمرہ ہے۔ ایک گنوارو مثل ہے جس نے کری شرم اس کے پھوٹے کرم جس نے کی بے حیائی اس نے کھائی دودھ ملائی" اس مثال سے مراد صرف یہی ہے کہ کسی کے کہنے سننے کا کچھ خیال نہ کیا جائے۔ ہر نیک اور جائز کام میں کسی شرم اور پس و پیش کے بغیر جو راستہ مفید و آسان نظر آئے اس کو بے تامل اور بلا تکلف اختیار کیا جائے۔

میرا واسطہ قریب ہر طبقہ اور ہر پیشہ کے لوگوں سے پڑتا ہے۔ جس قدر اسراف کے دلدادہ مسلمان اور کفایت شعار مہاجن نظر سے گزرے اور کوئی نہیں یہ مثل مشہور ہے کہ بنیئے کی کمائی بیاہ اور مکان نے کھائی لیکن اب انھوں نے شادی وغمی کی جملہ مذموم رسوم کو چھوڑنے اور اسراف سے اجتناب کرنے کا تہیہ کرلیا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ فدائیان اسلام جو شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی حرمت پر جان قربان کرنے کے لئے تو مستعد نظر آتے ہیں لیکن آبائی رسوم کو چھوڑنے کے لیئے اگر وعظ و تلقین کی جائے تو ناک کٹتی اور آن پر آنچ آتی ہے۔

جمہور مسلمان روز بروز جہل و افلاس کے سبب دنیا میں ذلیل و خوار ہوتے جاتے ہیں۔ حتی کہ اب فتنہ ارتداد نے ان کے ایمان کو بھی محفوظ نہیں رکھا ہے۔ لیکن حرمت نبوی کے صحیح احساس نے ہنوز کوئی اعلی ور پائیدار شکل اختیار نہیں کی ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ الفقر کاد ان یکون کفرا اور ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین کے خلاف جہاد عظیم کا علم بلند نہ ہوتا۔

ہماری ذہنیت روز بروز پست اور تاریک تر ہوتی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خواب غفلت سے بیدار

کرنے کا تہیہ "سود مند" نے کیا ہے۔ آج کل مسلمان غریبوں اور کاشتکاروں کے لیئے جس قدر مفید "سود مند" ہے کوئی دوسرا پرچہ نہیں ہے۔ اس کی اشاعت و خریداری ہر شہر قصبہ اور موضع میں ہونی ضروری ہے۔ لازمی ہے کہ سب کو اس کا شکرگزار ہوکر اس کی تعلیم و تلقین پر عمل کرنا چاہیئے ہر جگہ اس بات کا انتظام و اہتمام ہونا چاہیئے کہ اس پر کاربند ہونے کے لیئے سرگرم کوشش کی جائے عمل کے لیئے اسی قدر کافی ہے اس سے زیادہ کیا عرض کیا جائے والسلام مع الاکرام و ما علینا الا البلاغ خاکسار

عزیز الرحمٰن۔ پوسٹ مین ڈاکخانہ آر۔ ایں ضلع میرٹھ

اسلامی انجمنوں کے لیئے خوشخبری

یہ امر مثل روز روشن کے واضح ہے کہ مختلف مقامات میں مسلمانوں کے مدرسے اُن کی انجمنیں اُن کی قومی جماعتیں کس طرح سے بالعموم پریشان رہتی ہیں کیونکہ مقامی لوگوں سے انھیں مالی امداد نہیں ملتی۔ مگر رونے کا مقام تو یہ ہے کہ جو انجمنیں کل انڈیا کہلانے کی مستحق ہیں اور جنھیں تمام ہندوستان کے متمول مسلمانوں سے امداد ملنی چاہیئے اُن کی حالت بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔ مثلاً حال ہی میں ایک اخبار میں یہ پڑھکر نہایت افسوس ہوا کہ دارالعلوم ندوۃ العلما اس وقت کسی مہاجن کا مقروض ہے اور اسی طرح جمعیتہ العلماء ہند کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ اُس میں اس وقت سرمایہ ندارد ہے اور کارکنان کو سخت مالی مشکلات کا سامنا ہے یہی حالت کم و بیش مسلمانوں کی ہر جماعت کی ہے۔ قوم میں جو خوشحال ہیں وہ چندہ کے نام سے بدحواس ہو جاتے ہیں اس لیئے کہ واقعی خوشحالوں کی تعداد مسلمانوں میں نہایت کم ہے اور جو تھوڑے بہت ہیں انھیں پر ہر طرف سے یورش رہتی ہے۔ باقی رہا عوام الناس تو وہ ہیجان اور جوش کے وقت تو اپنے کپڑے تک اُتار کر دے ڈالتے ہیں مگر معمولی حالات میں یکسانیت اور پابندی کے ساتھ کچھ نہیں دے سکتے اس لیئے کہ اُنکا روز کا خرچ بھی کسی طرح پورا نہیں ہوتا۔ چندہ وصول کرنے کیلیئے سفیر مقرر کیئے جاتے ہیں تو اُنکا خرچ تک نہیں نکلتا بیت المال قایم کرکے زکوۃ کا روپیہ مانگا جاتا ہے۔ تو کوئی صاحب نصاب ہونا تسلیم نہیں کرتا اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کا افلاس حد درجہ پر پہونچ گیا ہے اور یہی وجہ مسلمانوں کے قومی کاموں کی بربادی کی ہے تاہم اس حالت میں بھی اگر کوشش کیجائے تو انجمنوں کو کچھ سہارا مل سکتا ہے اور وہ یہ کہ اب بھی بہت سے مسلمان ایسے ہیں جن کا کچھ نہ کچھ روپیہ ڈاکخانوں کے سیونگ بنک اور دوسرے بنکوں میں اور پراویڈنٹ فنڈ میں رہتا ہے جن پر سود لگایا جاتا ہے اور مسلمان اُسے نہیں لیتے۔ میرے پاس اکثر استفسارات آتے رہتے ہیں کہ ہم بنک کا سود لیں یا نہ لیں میں علمائے کرام کے فتوے کی بنا پر لکھدیتا ہوں کہ جمع شدہ روپیہ کا سود لیکر اُسے اپنے صرف میں لاؤ۔ زیادہ احتیاط مدنظر ہو تو کسی کار خیر میں دیدو۔ اس ہفتہ میں میرے پاس ایک صاحب آئے جنھوں نے بیان کیا کہ اُن کے ایک دوست کا روپیہ بنک میں رہتا ہے اُس پر تین سو بانوے روپیہ جمع ہو گیا ہے مگر وہ شخص نہیں لیتا پس جبکہ علمائے کرام کے فتوے موجود ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انجمنوں کے کارکن اپنے حلقہ اثر میں لوگوں کے پاس جاکر گشتی خطوط بھیجکر

زندگی کا بیمہ

(از جناب نیاز محمد خاں صاحب بدوبی اے (آنرز) ادیب فاضل

ہندوستان کی کسی پرانی کتاب میں بھی اس کفایت شعاری اور پیش بینی کے طریق جدید کا ذکر نہیں ہے یورپ کے اقتصادی دماغوں نے اسے اختراع کیا اور وہیں اس کا رواج عام ہوا۔ ہوتے ہوتے انگریزی حکومت کے ساتھ جس طرح اور کئی نئی ایجادیں ہندوستان میں آگئیں اسی طرح اس کو بھی دخل ملگیا۔

بیمے کے متعلق چند ایک اصطلاحات کا اردو زبان میں بھی استعمال شروع ہو گیا ہے۔ مثلاً انشورنش اور ایشورنش عام محاورے میں تو یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے مترادف سمجھے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انشورنش آگ، جہاز رانی و دیگر متفرقات کے بیمہ کو کہتے ہیں۔ لیکن ایشورنش کا صحیح اطلاق صرف زندگی کے بیمہ پر ہی ہو سکتا ہے مضمون ہذا میں صرف ایشورنش کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

زندگی کے بیمہ کے اساسی اصول دو ہیں۔ یعنی امداد باہمی اور پیش بینی۔ انسانی زندگی نہ صرف دیگر وجوہات کی وجہ سے بلکہ اقتصادی امور کی بنا پر بھی بہت قیمتی ہوتی ہے۔ لیکن اس کا اعتبار کوئی نہیں۔ کئی آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جو بوڑھے ہو کر اسّی نوّے سال کی عمر پاکر مرتے ہیں۔ اور کئی ایسے جو بیس تیس سال کی عمر میں ہی اس جہان فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔ ایسی بے وقت اور ناگہانی اموات سے بہت سے اشخاص کو مالی صدمہ پہونچتا ہے۔ مثلاً ایک نوجوان آدمی جب اچانک مرجاتا ہے تو اس کی بیوی اور بال بچے لاوارث رہ جاتے ہیں وہ خود تو کچھ کمانے کے اہل نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں دوسرے لوگوں کے دروازوں پر دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے۔ زندگی کے بیمہ کا مقصد یہی ہے کہ ان اٹل حوادث سے جو اشخاص کمزور ہو جائیں۔ سوسائٹی انہیں مدد دے۔

مختصراً تاریخ اس بیمے کی یوں ہے کہ ۱۸ جون ۱۵۸۳ء کو ولیم گمبر نے ۳۸۳ پونڈ، ۶ شلنگ ۸ پنس کے لیئے رائل ایکسچینج لنڈن میں اپنی زندگی کا بیمہ کروایا۔ یہ بیمے کی سب سے پہلی نظیر ہے جو ہمیں دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد میں شائد کبھی کبھار کوئی ایسا کر لیتا ہو۔ لیکن سترھویں صدی سے پہلے ٹھیک پتہ نہیں چلتا سب سے پہلے ۱۶۶۱ء میں ایک شخص جان گرانٹ نے اس فن کو مزید ترقی اس طرح سے دی کہ اموات کے نقشے تیار کیئے ان نقشوں نے زندگی کے بیمہ کرنے والی کمپنیوں کو بہت مدد دی۔ کیونکہ اُن سے پتہ چل سکتا تھا کہ کسی آدمی کی زندگی کا بیمہ کرتے ہوئے کمپنی کو کس قدر شک و احتمال کو جگہ دینی پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی حساب کے ماتحت اس آدمی کے لواحقین کو جتنی رقم دینی پڑتی تھی اُس کا تخمینہ شروع ہی سے معلوم

ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد تو ایسے بے شمار نقشے مرتب کیئے گئے۔ پہلے نقشوں اور پچھلے نقشوں میں صرف یہی فرق تھا کہ پچھلے نقشوں میں پہلے نقشوں کی نسبت اعداد و شمار زیادہ تفحص اور جستجو سے فراہم کیئے گئے تھے۔ بلجیم، جرمنی، فرانس۔ انگلستان۔ امریکہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں موجودہ زمانہ میں انشورنش کی خاص تعلیم دی جاتی ہے۔ جن میں ان نقشوں کے سمجھنے اور ان کے اہم نتائج پر غور کرنے کی طرف طلبا کی توجہ خاص طور پر منعطف کی جاتی ہے۔

ہندوستان میں بھی ایسے نقشے مرتب کیئے گئے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی ترتیب دہی میں جاں فشانی نہیں دکھائی گئی۔ اور نہ زیادہ احتیاط برتی گئی ہے۔ اس لیئے بہت سی خامیاں ان میں موجود ہیں۔ چونکہ اس میں فن کی اہمیت ہندوستانیوں کے طبقۂ عوام نے محسوس نہیں کی۔ اس لیئے کچھ اور عرصہ تک یہی حالت رہے گی۔ لیکن جوں جوں تعلیمی ترقی کے ساتھ عوام کو اقتصادیات میں دلچسپی لینے کا خیال پیدا ہو گیا اور اعداد و شمار کے لیئے بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ تو پھر یہ خامیاں ان نقشوں سے دور کر دی جائینگی۔

ہندوستان میں اس وقت زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں ابھی طفل نوزائیدہ کی مانند ہیں۔ کئی ٹھوکریں کھا کھا کر گر جاتی ہیں۔ صرف چند ایک ایسی کمپنیاں ہیں جو اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکتی ہیں۔ اس کمزوری کے بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا سبب ایک یہ ہے کہ ابھی اس فن کے اصولوں کو ہم بالکل نہیں سمجھتے۔ صرف وہی کمپنیاں کام کر رہی ہیں جن میں یورپین منیجر ہیں۔ یا جن میں ماہر کا مشورہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانی کمپنیوں کی تعداد اکیاون ہے۔

لائف انشورنس کے اصول فطرتی قوانین پر مبنی ہیں۔ خصوصاً دو باتوں کا خیال ضروری ہوتا ہے جن میں سے ایک تو موت کا امکان ہے۔ اور دوسرے تخمینہ کی گئی عمروں کے سالوں کو سود در سود۔ چنانچہ اس فن کے ماہرین نے کہا ہے کہ زندگی کا بیمہ کرانے والے اشخاص سے جو فیس وصول کی جاتی ہیں وہ مندرجہ ذیل امور پر نظر رکھ کر مقرر کی جاتی ہیں۔ (۱) شرح اموات (۲) موصولہ رقوم پر جو شرح سود حاصل کی جاتی ہے (۳) موصولہ رقوم میں سے کس قدر روپیہ فوری اخراجات کے لیئے علیحدہ رکھنا پڑتا ہے۔ ایسی انشورنس کمپنی جو ان امور کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہے کبھی متزلزل نہیں ہو سکتی بشرطیکہ پرانی روش کو ترک نہ کیا جائے۔ اور فنڈوں کی درآمد و برآمد میں کسی قسم کی بددیانتی وقوع پذیر نہ ہو۔ بہر حال کمپنی کے حسابات کی جانچ پڑتال وقتاً فوقتاً ہوتی رہنی چاہیئے۔ انسانی زندگی کے متعلق یہ مشاہدہ کی گئی ہوئی بات ہے کہ جونہی شباب گزرا شرح موت بڑھتی گئی۔ یعنی بڑھاپے کے سالوں میں لوگ بہت تعداد میں مرتے ہیں۔ اسی لیئے بوڑھے آدمیوں کو کمپنی میں "بیمے کی پالیسی" دیتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیئے اور نسبتاً ان سے بہت بھی

رقوم بابت زرِ پیشگی وصول کرنی چاہئیں۔

ہندوستان میں شرح موت کے متعلق عجب کھلبلی سی مچی ہوئی ہے۔ اوّل تو نقشے طلب ہی نہیں کیئے جاتے اور اگر کیئے بھی جائیں تو ان میں یہ ذکر بالکل نہیں ہوتا کہ ان نقشوں کو کس کام کے لیئے استعمال کیا جائیگا۔ چنانچہ نقشے بلا تفریق پیشہ و قومیت مہیا کیئے جاتے ہیں۔ جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حالات سے درست واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ یورپ میں تو نقشے صرف مختلف عمروں کی بنیاد پر ہی نہیں بنائے جاتے بلکہ جس قسم کا بیمہ ہوگا ویسے ہی اعداد و شمار رہوں گے۔ ہندوستان آب ایسا ملک ہے جہاں بے شمار مذاہب اور بے حد فرقے پائے جاتے ہیں اس چھوٹے سے براعظم کے لیئے تو بے شمار نقشے صحیح اندازہ لگانے کے لیئے چاہئیں۔

انگلستان میں جس قدر بیمہ کی کمپنیاں ہیں ان کا سرمایہ اور منافع دیکھکر حیرانی ہوتی ہے کہ انھیں اس قدر ترقی کیس طرح حاصل ہوتی ہے۔ ان کا کاروبار نہ صرف انگلستان تک محدود ہے بلکہ ہندوستان کے راجا اور نواب بھی ان کی سرپرستی کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر ہمارے ملک کے مالدار آدمی ہندوستانی سرمایہ سے کام کرنے والی کمپنیوں کی سرپرستی کریں۔

امریکہ میں زندگی اور دیگر چیزوں کے بیمے کرانے کا لوگوں کو ایک قسم کا خبط ہو گیا ہے وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ سرمایہ کا بہترین استعمال اسی قسم کے "پالیسی" خریدنا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ جس شخص نے بیمے کی "پالیسیاں" خرید کی ہوئی ہیں۔ وہ نیو یارک کا ایک سوداگر ہے۔ روڈمم واناملیکر اس کا نام ہے۔ اور وہ ہر سال ساڑھے لاکھ ڈالر کے قریب رقم بیمے کی کمپنیوں کو بطور زرِ پیشگی ادا کرتا ہے۔

خدا کرے وہ دن جلدی آئے جب ہندوستانیوں کو بھی بیمے وغیرہ کا خیال پیدا ہو۔

(از رسالہ ہنر مند لاہور)

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کرکے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دے کر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہونچانے کی کوشش کی اور مبلغ دو لاکھ روپیہ گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرے سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے۔

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ پانچ لاکھ روپیہ کا کل سرمایہ بے ضرر ہے۔ کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا اردو پراسپکٹس جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمایئے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۲ ڈلہوزی اسکوائر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۸ دسمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے "بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے۔ ہر مرد و عورت اور بچہ کا ہر مکان اور سواری کے جہاز اور کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اور درانحالیکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے پسماندگان کے لئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

سود مند لٹریچر

مسلمانوں کے لیئے ان کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک دردمند قوم نے خاص طور پر شایع کرایا ہے ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سود خواروں کے پنجہ سے نجات دلانے۔ بنک کا لین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔ ان کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رکھی گئی ہے۔ تاکہ لوگ خرید کر تقسیم بھی کر سکیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث۔ یعنی خطبہ صدارت جو مولوی اکرم عالم صاحب وکیل بی اے نے سود منڈ کانفرنس منعقدہ فرخ آباد ۱۹۳۲ء میں پڑھا تھا قیمت ۲ر

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۳ر

کشف الغطاء عن وجہ الربوا۔ مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو الحسن حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کر کے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہے ایک کالم میں عربی ایک میں اردو ترجمہ قیمت ۴ر

رسالہ جواز سود مع فتاوے۔ جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علماء کے فتووں کا مجموعہ ۱ر

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہے جس میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں۔ ۱ر

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ۔ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیمہ کرانے کے کیا قواعد ہیں قیمت ۱ر

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان مصنفہ سید طفیل احمد صاحب ایم ایل سی علیگ بڑی محنت و جانفشانی سے لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو از بس ضروری ہے قیمت

مسئلہ سود کے متعلق [illegible] کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز سود منڈ کانفرنس [illegible] [illegible] کا مجموعہ مع ان تحقیق کے جو مسئلہ سود کے متعلق بنگلہ میں دیئے گئے ہیں قیمت

[illegible] خرید پر [illegible]

ملنے کا پتہ۔ نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں یو۔ پی

سودیشی میں
اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اُٹھائیے

٭ شرح اجرت اشتہار ٭

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۴ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۲ روپیہ ۸ آنہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اُجرت فی سطر ۹ پائی				

کیا یہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے **آپ** سستی گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اُٹھا چکے ہیں **آپ** پچھلے سال ایسی خاندانی کی قیمتی گھڑی دیکھ چکے روزانہ ٹھیک وقت پر رہتی اصلی ریلوے ریگولیٹر کی اصلی مہر لگی ہوتی تصویر دی ہے مثال کیجئے پائداری اس قدر مشہور ضرورت نہیں ٹائم بالکل گارنٹی اس کی اصلی قیمت

ہیں **آپ** اپنے کام پر دیکھئے **تو** ذرا ہماری نئی گھڑی میں درکار ہے اور ڈائل پر انجن کی اس کارخانہ کی گھڑیوں کی ہے کہ اب مزید تعریف کی سکتا اور دس برس کی ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا اور مدرسین سے صرف ۴ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہی آرڈر بھیج دیجئے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو - پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد احمد الدین ایف ار ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

[illegible] قوم کا خادم ہوں [illegible]

[illegible] ۱۹۱۱ء

راہگیر۔ یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس مصیبت میں ہیں؟
سودمند۔ کوئی دفتر رجسٹری، کوئی عدالت دیوانی، کوئی کلکٹری کے نیلام، کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہگیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند۔ تجارتی سود کی داد و ستد کرنے اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی

اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ)

قیمت فی پرچہ تین آنے (۳/)

مقاصد سودمند

(۱) اپنے اندر قوم کی یہ عادت پیدا کرنا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و ابتلا کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اکٹھا کرکے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام سرمایہ سود بچت کرنا کہ جو بربادی اور حرام ہے بچا دے۔

(۳) فضول اور بربادی رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور تجارت معاش کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات جمع کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سالانہ چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

(۲) سودمند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے۔ اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اُس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی۔

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنی جائے یا ذریعہ رقعہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۲۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی۔

(۸) اگر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اگر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہیگا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے۔

المشتہر:—منیجر سودمند بدایوں

سودمند بدایوں

نمبر ۴	اپریل ۱۹۲۸ء	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد ۴		فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

مقروض قیدی

گھر سے مجھے نکالا ! افسوس ! بے حسی نے — زنداں میں لاکے ڈالا صد حیف ! مفلسی نے

اِس قرض کی بدولت آفت میں ! مبتلا ہوں — گھر بار سے ! جدا ہوں ۔ لب پر یہی دعا ہے

عزت وہی ہو حاصل ! پھر ایک بار ! مجھکو — دُنیا سے یا اُٹھالے ! پرور دگار مجھ کو

ہر دم ہے فکر ! مجھکو ! اب ! کس طرح بسر ہو — اس شام رنج و غم کی ! کب دیکھیے ! سحر ہو

بار الم ! یہ کب تک ۔ کوہِ ستم رہے گا — ہوگی ! رہائی کیونکر ۔ فریاد ! رب اکبر

راحت ! کچھ ہو حاصل ! پھر اختیار مجھکو — دُنیا سے ! یا اُٹھالے ! پروردگار مجھ کو

اس روز بد کا ! مجھکو ! افسوس ! ڈر نہیں تھا — انجام بد سے ! اپنے ! میں با خبر ! نہیں تھا

دولت لٹا کر اپنی ۔ عزت ! نہ یوں گنواتا — میں قرض کی بدولت اس جیل میں نہ آتا

ان ذلتوں کے ہاتھوں رکھے نہ خوار مجھکو — دُنیا سے ! یا اُٹھالے ! پروردگار ! مجھکو

دُنیا کی ! یہ بہاریں ! یہ چاند ! یہ ستارے — گلگشتِ باغ عالم ! راحت فزا ! نظارے

صد حیف ! پاؤں کیونکر یہ اس ! دورِ مفلسی میں — پھر راہ پر نہ آئے جب تک مرا مقدر

حاصل ہو ! پھر جہاں میں عز و وقار ! مجھکو — دُنیا سے یا اُٹھالے ! پروردگار مجھکو

زنداں میں ہائے میرا ! کیا حال ہو رہا ہے — رنج و الم سے یہ دل ! پامال ہو رہا ہے

اسراف نے مٹایا ۔ دولت وہ اب کہاں ہے — عبرت کی داستاں ہے ۔ غم سے ہوں میں پریشاں

حاصل ! کسی طرح ہو ! صبر و قرار ! مجھکو — دنیا سے ! یا اُٹھالے ! پروردگار ! مجھکو

اِک عید ہو چکی ہے اک عید آ رہی ہے — ہاں ! قرض کی نحوست زنداں دکھا رہی ہے

دل پر ہے اک قیامت ۔ بس پا چکا ۔ سزا کو — ہر وقت یہ دعا ہے یہ میری التجا ہے

راحت کی ! پھر دکھا دے پہلی بہار مجھکو — دُنیا سے یا اُٹھالے ! پروردگار مجھ کو

نشتر ! یہ حال میرا لکھ کر ! سنا رہا ہے — سُن ! سن کے ایک عالم ! آنسو بہا رہا ہے

عبرت کا ہے ! مرقعہ

سُن کر مری حکایت — حاصل کرو نصیحت

مانگو دعا خدا سے

ملک کی اقتصادی حالت پر ایک نوجوان عازم انگلستان کے خیالات

(خاص سود مند کیلئے)

مولوی حضور عالم صاحب بدایونی (علیگ) جنھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور حال میں محکمہ صنعت و حرفت صوبہ متحدہ نے سرکاری وظیفہ دیکر ان کو چرم سازی کی تعلیم کے لیئے انگلستان بھیجا ہے چنانچہ اس وقت لسیسٹر کالج آف ٹیکنالوجی میں باقاعدہ داخلہ ہوکر آپ کی تعلیم شروع ہوگئی ہے چمڑے کی صنعت سکھانے کے علاوہ اس مدرسہ میں سائنس کے تجربات بتائے جائینگے اور کارخانجات کے انتظام اور تجارت کے طریقے بھی سکھائے جائینگے مولوی حضور عالم صاحب موصوف نے ایک جلسہ میں جو ان کے وطن میں ان کو خدا حافظ کہنے کی غرض سے منعقد کیا گیا تھا اپنے ہم وطن احباب سے مخاطب ہوکر ایک تقریر کی تھی جس میں اس انقلاب کا ذکر کرنے کے بعد جو گزشتہ جنگ عظیم نے دنیا کے تمام ملکوں اور شعبوں میں پیدا کر دیا ہے فرمایا تھا کہ دنیا کے موجودہ حالات بتا رہے ہیں کہ وہی قوم زندہ رہنے کی مستحق ہے جو اپنے آپکو موجودہ اقتصادی کشمکش میں قوی ترین ثابت کرے گی اس کیلئے اہل ہند کا یہی فرض ہے کہ ہم اپنے ملک کی سیاست اس کے تمدن اور اس کی تجارت کو اس درجہ پر پہونچاویں جس سے (Survival of the fittest) (بقائے بہترین) کے اصول کے ماتحت ہم اپنی زندگی کا ثبوت دے سکیں۔ اس معاملہ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیئے سب سے پہلی ضرورت آپ نے یہ بتائی کہ ہمارے رہنمایان ملک کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ ملک کی اقتصادی حالت کو ترقی دینے کی کوشش کریں آپ کی تقریر کے اہم حصے حسب ذیل ہیں فرمایا کہ

ہمارا افلاس و جہالت

”حقیقتاً افلاس و جہالت ایک عذاب الٰہی ہے جو بدنصیب ہندوستان کے بدقسمت باشندوں پر ان کی اپنی کرتوت کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ قانون قدرت یہ ہے کہ اگر ہم خدائے تعالےٰ کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہونے کی کوشش نہ کریں تو رفتہ رفتہ وہ نعمتیں ہم سے لی لی جاتی ہیں اور اُن کو دیدی جاتی ہیں جو اپنے آپ کو عملاً اس کا مستحق ثابت کرتے ہیں۔

ہندوستان کی زرخیزی ضرب المثل ہے اور یہاں کا افلاس بھی مشہور ہے۔ یہ نتیجہ ہے ہماری غفلت کا لہٰذا کوئی تعجب نہیں کہ ایک غیر قوم جس نے عملاً اپنے آپ کو ان نعمات الٰہی کا مستحق ثابت کر دیا ہے ان سے مستفید ہو رہی اور ان ہی وسائل کی مدد سے ہم پر حکومت کر رہی ہے

افلاس کا علاج ہمارے تمام عوارض کا علاج اقتصادی ترقی میں مضمر ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ملکی پیداوار کو بہترین صورت میں تیار کرکے اُس نفع کو حاصل کریں جو ممالک غیر ہماری جہالت اور لاپروائی کی بدولت کما رہے ہیں۔ مَیں ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہندوستان سے ایک گوکھرو (Hides) انگلستان یا امریکہ یاسے روپیہ میں جاتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کا چمڑا یہاں آکر کتنے میں بکتا ہے۔ [illegible] یا بعض اوقات [illegible] روپیہ تک۔ یہ نہ سمجھیے کہ ہندوستان میں دباغت کے وسائل میسر نہیں۔ ہر چیز یہاں موجود ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ تعلیم یافتہ دماغ اور روپیہ کو صحیح مصرف میں لگایا جائے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں تجارت اور صنعت کو ابتک حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سوائے خاص حالات کے تعلیم یافتہ اشخاص اس طرف راغب نہیں ہوتے۔

ذاتی تجربہ خودستائی نہیں بلکہ ترغیب کے خیال سے اگر میں کچھ اپنے متعلق عرض کروں تو غالباً بے جا نہ ہوگا ۱۹۲۳ء میں بی اے تک تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد جب میں نے اپنے اکثر بزرگوں کی رائے کے خلاف ملازمت یا وکالت وغیرہ کے مقابلہ میں تجارتی یا صنعتی زندگی کو ترجیح دی تو باوجود اہم حالات کے ناموافق ہونے کے مجھے امید تھی کہ اگر خدا تعالےٰ کا فضل شامل رہا تو میں دو تین سال میں اس حالت سے بہتر ہو جاؤنگا جو مجھے حکومت کی ملازمت کی صورت میں بہتر سے بہتر میسر ہو سکتی تھی الحمد للہ کہ میری توقعات صحیح ثابت ہوئیں۔ میں کوئی خاص صلاحتیں نہیں رکھتا اور نہ مجھے کچھ زیادہ موافق حالات پیش آئے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارے ہندوستانی تعلیم یافتہ اشخاص کچھ جرات اور فہم سے کام لیں اور دوسرے پیشوں کی برابر ہی محنت کریں تو وہ تجارت یا صنعت میں کہیں زیادہ عزت آزادی آسایش اور منفعت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

سرمایہ کا سوال ہمارے اکثر نوجوانوں کو جو تجارت کرنی چاہتے ہیں سرمایہ کا خیال باز رکھتا ہے۔ اس کا سبب کچھ تو ان کی ناواقفیت ہے اور کچھ جھوٹی عزت کا لحاظ۔ جو کم حیثیت کاروبار کرنے سے زائل ہو جائیگی۔ ان کی خدمت میں میری مخلصانہ گزارش ہے کہ اگر وہ واقعی اپنے واسطے اور اپنی قوم و ملک کے لیئے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو ان کو کسی تجارتی یا صنعتی شغل کا خیال کرنے سے بھی قبل اس تمام عزت سے دستکش ہو جانا چاہیئے جو ایک جائز کام کے کرنے سے جاتی رہتی ہو۔ ایسی عزت کو کسی رئیس یا نواب کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ سرمایہ ضرور تجارت میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مگر سرمایہ تجارت کی جان نہیں ہے۔ اگر آپ کے پاس سرمایہ کم ہے تو آپ ایسے کام شروع کر سکتے ہیں جن میں کم روپیہ کی ضرورت ہو۔ اگر آپ میں فہم، استقلال، جفاکشی اور خود اعتمادی ہے تو یقیناً خدا تعالےٰ آپ کی محنت کا

ثمر دیگا۔

ضلع بدایوں کی بعض خاص صنعتیں اور تجارت کا میدان

مقرر نے اپنی تقریر کے آخر حصے میں اپنے ضلع کی بعض خاص صنعتوں کے حالات پر روشنی ڈالکر یہ بتایا کہ اس ضلع کی پیداوار کے لحاظ سے کن کن صنعتوں کو ترقی دے کر ان کی تجارت سے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ آپ کی تقریر کا یہ حصہ اس جلسے کے حاضرین کے لیئے مقامی خصوصیت کے لحاظ سے لکھا گیا تھا لیکن چونکہ سود مند کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے ناظرین کی معلومات میں اضافہ کرے تاکہ ان میں تجارتی حوصلہ پیدا ہو اور تجارت اور کاروبار شروع کرنے کیلئے نئے میدانوں سے واقفیت ہو۔ اس لیے ان حالات کا مطالعہ ان کے لیئے فائدہ سے خالی نہ ہوگا آپ نے مندرجہ ذیل آٹھ اشیا کی پیداوار کی طرف توجہ دلائی

۱۔ **مونج**:۔ باوجودیکہ اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی ہے ضلع بدایوں میں مونج اچھی اور زیادہ پیدا ہوتی ہے تحصیل داتاگنج سہسوان اور گنور قابل ذکر ہیں۔ اسلام نگر میں اس کی تجارت بہت زیادہ ہے۔ اس ضلع میں مونج کی سالانہ پیداوار تخمیناً چھتیس ہزار من ہے جس کی قیمت تقریباً سوا لاکھ روپئے ہوتی ہے اس سے پورا فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا۔ متفرق طور پر لوگ بان بٹتے ہیں۔ اور زیادہ تر باہر کے بیوپاری اکثر مال خرید لے جاتے ہیں اگر بدایوں یا اجھیانی میں کارخانہ کھولا جائے اور بان کے علاوہ مونج کے فرش اور پردے بھی بنائے جائیں تو کامیابی کی بہت امید ہے۔ فرش اور پردے بنانے کی صنعت اس ضلع میں رائج نہیں ہے لیکن سرکی کے پال بنانے والے غالباً اس کام کو آسانی اور خوبی کے ساتھ کر سکتے ہیں

۲۔ **شورہ**:۔ اس ضلع میں شورہ بھی خوب پیدا ہوتا ہے۔ ایسے کارخانے جنمیں ۳۔۴۔ آدمی کام کرتے ہیں ۱۹۲۳ء میں ۱۴۰ تھے جن کی بنائے ہوئے شورہ کی مقدار تیرہ سو من تھی یا تقریباً پانچ ہزار روپیہ کی قیمت۔ اس سے زیادہ مقدار میں شورہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ اگر صاف کیا جائے تو دو کارخانے بخوبی چل سکتے ہیں۔ ایسی [illegible] اوجھیت یا اوجھیانی میں موزوں ہونگی اور ان کا مال بھی بآسانی اور اچھے منافع کے ساتھ بھیجا جا سکتا ہے۔

۳۔ **کھاری**:۔ کچھلا کے قرب وجوار میں کھاری بہت پیدا ہوتی ہے ۱۹۲۳ء میں ایسے سولہ کارخانے تھے جن میں ۲۔۳۔ آدمی کام کرتے تھے۔ مارچ سے جون تک کام چلتا ہے۔ اور سالانہ پیداوار کا تخمینہ چار پانچ ہزار من کا کیا گیا ہے یہ تمام مقدار باہر کے بیوپاری اکر لے جاتے ہیں چونکہ تقریباً کل مقدار ایک ہی جگہ پیدا ہوتی ہے اس کو بآسانی ایک نظام کے ماتحت لایا جا سکتا ہے اور پھر موزوں جگہ پر فروخت کیا جائے کانپور میں اس کی بہت مانگ رہتی ہے۔

۴. **تیل و عطر**:- سہسوان کی وجہ سے ضلع عطر اور خوشبودار تیل میں کافی شہرت حاصل کرچکا ہی اندازہ کیا گیا ہی کہ سالانہ ڈیڑھ سو من خوشبودار تیل اس ضلع میں بنایا جاتا ہی۔ اور اس کا زیادہ حصہ بیرونِ ضلع حتیٰ کہ اضلاع سرحد و بنگال تک جاتا ہی۔ سہسوان کے کارخانہ دار اس صنعت میں معقول کام کرتے ہیں لیکن یہاں کی خصوصیات دیکھتے ہوئے ابھی ترقی کا میدان موجود ہی۔ خصوصاً غیر ممالک کے عطر و تیل کی درامد روکنے کے واسطے مغربی مذاق کے موافق خوشبوئیں ایجاد کی جانی چاہیئیں اور ظاہری نفاست میں ترقی ہونی چاہیئے۔

۵. **پارچہ بافی**:- ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے بموجب گیارہ ہزار دستکار اس ضلع میں بستے ہیں۔ اور پانچہزار کرگہ ہیں۔ جن کا روزانہ اوسط ۸ گز تخمینہ کیا گیا ہی۔ لیکن یہ سب کام متفرق طور پر انجام پاتا ہی اور غریب صناعوں کی محنت کا زیادہ حصہ مہاجن کو سود کی شکل میں چلا جاتا ہی۔ چونکہ مشینوں کے مقابلہ میں ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا بالعموم زیادہ نہیں بِکتا ہی۔ لہٰذا ان ہی صناعوں کو اسی قسم کی چیزیں بنانے کی طرف رجوع کیا جائے جن کا مقابلہ مشین کے کام سے زیادہ نہیں ہی۔ ہمارے تعلیم یافتہ دماغ اس طرف بہت کام کرسکتے ہیں۔ افسوس ہی کہ یہاں کا [illegible] جو بہت مفید کام کرسکتا تھا توڑ دیا گیا۔ بہرحال ہم کو ہر بات میں حکومت کا دست نگر نہیں رہنا چاہیئے۔

۶. **کوُٹ**:- یہاں کی بہت قدیم اور خاص صنعت تھی اور اب تک اس کے کچھ آثار باقی ہیں۔ شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں غالباً یہ ایجاد ہوئی تھی اور اُس وقت اس کو بہت عروج تھا۔ صناعوں کو معافیاں دی گئی تھیں اور ان ہی کے نام سے ایک محلہ آباد ہی۔ ہماری غفلتوں کی یاداش میں یہ عتاب الٰہی نہیں تو اور کیا ہی کہ ہم جس فن کو چھوڑتے ہیں۔ یورپ والے اس فن میں ترقی کرتے ہیں سال گزشتہ میرے پاس جرمنی سے نقلی چمڑے کا ایک نمونہ آیا جو حقیقتاً کوٹ تھا۔ مگر کچھ مصالحہ ملا کر اور مشین میں دبا کر اس قدر سخت اور مضبوط کردیا تھا کہ اس سے سوٹ کیس وغیرہ بخوبی بنائے جاتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ کوئی صاحب اس صنعت کو پھر فروغ دینے کی طرف توجہ فرماویں۔ اور اگر فی الحال کوئی خاص ایجاد نہ کرسکیں تو بھی موجودہ حالت میں زیادہ نفیس اور کار آمد چیزیں تیار کراسکتے ہیں۔ مثلاً سگرٹ کیس سنگھار بکس یا عمدہ قسم کے کھلونے۔ پھر اشتہار کے ذریعہ ان کی فروخت کا معقول انتظام کیا جائے۔

۷. **سیپ کے بٹن**:- سوتھ اور آرل میں سیپ دستیاب ہوتی ہی۔ اور پنجاب کے بیوپاری اس کو بہت کم قیمت میں لے جاتے ہیں۔ بدایوں میں چند عورتیں اس کام کو کر رہی ہیں۔ لیکن ان کو نہ تو اس فن سے

واقفیت اور نہ جدید طرز کے اوزار ان کو میسر ہیں۔ایسی صورت میں وہ کچھ زیادہ کامیاب نہیں ہیں۔
اگر کوئی صاحب چند ماہ کے واسطے ڈھاکہ یا کسی اور جگہ جاکر یہ کام سیکھ آئیں اور یہاں شروع کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ چند سو روپیہ کے سرمایہ سے معقول نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ بٹنوں کے علاوہ بروچ وغیرہ یا کھلونے بھی بڑی سیپ کے بنائے جا سکتے ہیں۔
۸۔ لاکھ۔ دھناری سٹیشن کے قریب ڈھاک کا بڑا جنگل ہے۔ لاکھ کی کاشت اس میں ہوسکتی ہے اور یہ خاصی منفعت بخش ہوگی۔

مسلم کلب لکھنؤ کے جلسہ میں ۲۰ مارچ ۱۹۲۰ء کو مولانا سید طفیل احمد صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ اے آنریری ایڈیٹر سود مند نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کی نحوست اور انگلستان کی اقبال مندی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں صنعت و حرفت سے محروم ہندوستانی ۷۱ فی صدی محض زراعت اور اس کے متعلق کاموں میں اپنی زندگی گزارتے ہیں اور انگلستان میں ۷۱ فی صدی کے لیئے وجہ عزت و ترقی وہی صنعت و حرفت ہے جس پر ہندوستان ڈیڑھ سو برس قبل ان سے بدرجہا زائد فخر کا اہل و مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد اس بات پر بھی غور دلایا کہ شرح سود کا بڑھنا جس کے وجوہ میں مسلمانوں کا قصور خصوصیت کے ساتھ شامل ہے عجب نہیں کہ دس برس کے بعد وہ صورت اختیار کرلے جو ہمیں کسی اجتماعی کارروائی کے قابل نہ رکھے۔ آخر میں مولانا نے کوآپریٹو سوسائٹیوں سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دی مولانا کی مفصل تقریر آئندہ نمبر میں شایع کی جائے گی ناظرین منتظر رہیں۔
ان سب باتوں سے بڑھکر یہ اطلاع کس قدر ہمت افزا ہے کہ اب مولانا نے ایسے مفید جلسوں کی شرکت اور ان کے لیئے اظہار خیال کی فرصت کو اپنے فرائض زندگی میں شامل کر لیا ہے اور آئندہ وہ دوسرے مقامات پر بھی اپنے مفید لکچروں کا سلسلہ جاری رکھینگے۔　　(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

جواز اور عدم جواز سود کے متعلق ایک عالمانہ استفسار

مسلمانان ہندوستان کی اقتصادی تباہی و بربادی دیکھ کر کئی سال سے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں تحریک جواز سود جاری ہے یہاں تک کہ بعض لوگ بلا استثنا ہر قسم کے تجارتی سود اور سودی کاروبار کے بغیر مسلمانوں کا زندہ رہنا غیر ممکن خیال کرتے ہیں۔

گزشتہ سال بعض علما نے بھی غیر مسلم اقوام سے سودی کاروبار کرنے بینکوں و ڈاکخانوں سے سود لینے بیمہ کمپنیوں میں روپیہ مع سود محفوظ کرنے کی جواز کا فتوے دیدیا۔

بعض علما نوٹ کے بیع کے ذریعہ مسلم و غیر مسلم سے منافع زائد لینے کے جواز کے قائل ہیں اور اس کے سوا مسلم و غیر مسلم سے ہر قسم کا معاملہ سود ناجائز ٹھہرا لیتے ہیں۔ لیکن محتاط علما اسے بھی حرام جانتے ہیں اور نص قطعی حرمت ربا کو پیش کرتے ہیں

بنکوں وغیرہ سے سود لینے کے قائل اور غیر مسلم سے سودی کاروبار کے جواز کے مفتی ہندوستان کو دار الحرب قرار دیتے اور لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب پیش کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں مانعین سود کی طرف سے امام اعظم کی تعریف دار الحرب پیش کی جاتی ہے جو واقعی ہندوستان پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان موجودہ حالت میں نہ قطعاً دار الحرب ہے نہ مطلقاً دار الاسلام

اگرچہ ہندوستان بلا شبہ گزشتہ زمانہ میں دار الاسلام رہ چکا تھا لیکن استیلائے حکومت غیر مسلمہ سے حالات و واقعات میں جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اُن سے احکام فرعیہ میں اختلاف و تبدیلی یقیناً لازمی ہے اس لیئے بحث سے پہلے قابل غور یہ بات ہے کہ دار الاسلام میں استیلائے حکومت غیر مسلمہ کے سبب احکام دار الحرب کا کہاں تک لحاظ و اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

حقیر بحث کے صاف ہونے کے لیئے ایک عبارت السیر الکبیر معہ شرح السیر[1] پیش کرتا ہے اور علما سے التجا کرتا ہے کہ اُس پر توجہ فرمائیں۔

ولو ان عسکراً من اہل الحرب لہم منعۃ دخلوا　　اگر اہل حرب کی فوج جنھیں قوت و غلبہ

---

[1] السیر الکبیر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے اُس کی شرح شمس الائمہ امام سرخسی (الفقیہ الحنفی) المتوفی ۴۸۳ھ نے کی ہے کتاب معہ شرح مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد میں چھپ گئی ہے۔

دار الاسلام ثم استامن الیھم مسلم وعاملھم بھذہ المعاملۃ التی لا تجوز فیھا بین المسلمین فلا باس بذلک (السیر الکبیر الامام محمد)

(شرح) لان المعنی الذی لاجلہ جاز لہ ذلک فی دارھم موجود فی منعتھم فی دار الاسلام وھو ان اموالھم مباح الاخذ للمسلم وعلیہ التحرز عن عذر الامان فھو بھذہ المعاملۃ یکتسب سبب التحرز عن الغدر وبھذا القدر تبین ان صح ما ذھب الیہ المشائخ وان موضع نزولھم ھھنا لم یاخذ حکم دار الحرب ومع ذلک جاز للمسلم ھذہ المعاملۃ لبقاء الاباحۃ فی مالھم۔

حاصل ہو دار الاسلام میں داخل ہوئی ہو۔ مسلمانوں نے اُن سے امن حاصل کر لی اور اُن سے ایسا معاملہ کیا جو وہاں مسلمانوں کے باہم جائز نہیں تو کوئی حرج نہیں (السیر الکبیر امام محمد)

اس لیئے کہ وہ بات جس کے سبب ایسا معاملہ دار الحرب میں جائز ہے۔ دار الاسلام میں اہل حرب کی قوت و شوکت میں پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کو ان کے مال لینا مباح ہیں اور مسلمان پر امن شکنی سے پرہیز کرنا بچا رہنا بھی واجب ہے پس وہ ایسے معاملہ کے ذریعہ غدر امان سے بچے رہنے کا سبب حاصل کر سکتا ہے اس سے مشائخ پرہیزگار حنفیہ کے مذہب مختار کی صحت اچھی طرح کھل گئی کیونکہ یہ دار الاسلام اہل حرب کے نزول کی وجہ سے اگرچہ دار الحرب کا حکم نہیں رکھتا پھر بھی اُن کے مال میں اباحت باقی رہنے کے سبب مسلمان کو اُن سے ایسا معاملہ کرنا جائز ہے۔

اور دیکھیئے فرماتے ہیں

ولو ان اھل دار من دار الحرب وادعوا اھل الاسلام فدخل الیھم مسلم وبایعھم الدرھم بدرھمین لم یکن بذلک باس (السیر الکبیر)

شرح لان بالموادعۃ لم یصر دارھم دار الاسلام وانما یحرم علی المسلمین اخذ مالھم بغیر طیب انفسھم عافوہ من غدر الموادعۃ فاذا استرضاھم بھذہ المعاملۃ فقد انعدم معنی الغدر وھذا طابلہ ما اخذ

اگر دار الحرب کے رہنے والے مسلمانوں سے صلح کریں اور کوئی مسلم اُن کے یہاں پہونچے اور ایک درہم کو دو درہم میں بیچے تو کوئی بیم نہیں۔

(شرح السیر الکبیر صفحہ ۲۲ جلد ۳)

اس لیئے کہ صلح سے دار الحرب دار الاسلام نہیں ہو مسلمانوں پر حرام تو اہل حرب کا مال لینا بغیران کی جی کی خوشی کے ہوا ہے کہ اس صلح سے غداری ہو لیکن جب اس معاملہ سے انھیں راضی کر لیا تو غدر کے معنی ہی جاتے رہے۔ اس لیئے مسلمان کو اُن کا مال لینا پسندیدہ (حلال) ہوگیا۔

بیمہ اور شریعت اسلامیہ

تمدن کی حقیقت | تمدن نسل انسانی کا اخلاقی، دماغی، مالی حیثیت سے ترقی کرنے کا نام ہے۔ اور بالکل صاف ظاہر ہے کہ یہ سہ گانہ ترقیات باہمی تعاون ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور تعاون ایک متحدہ قومیت کا مقتضی ہے جبتک تمام افراد ملت متحدہ قومیت کے رنگ سے رنگین نہ ہوں۔ اس وقت تک تعاون کا حقیقی مفہوم خارج میں نہیں پایا جائے گا۔

ہماری روزمرہ کی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ انسانی زندگی مجموعہ حوادث ہے۔ مصائب اور تکالیف ناگزیر ہیں ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات دوسروں سے ہمدردی اور اپنوں سے نیکی تمام مذاہب کا عموماً اور مذہب اسلام کا خصوصاً ایک نہایت ضروری مسلم اصول ہے اس لیئے رب العالمین نے ہماری تربیت اور احتیاج کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرکے فرمایا وتعاونوا علی البر والتقویٰ۔ تم نیکی اور تقوے کے طریقوں میں باہمی تعاون کیا کرو۔ تعاون علی البر والتقویٰ کا مفہوم نہایت ہی وسیع ہے۔ یعنی جملہ تعاونات، تعاون اخلاقی، تعاون علمی۔ تعاون علی تعاون مالی پر مشتمل ہے۔ اور یہ جملہ تعاون ہم کو اس وقت ہی مل سکتے ہیں جب کہ ہم مالی حالت مین بحیثیت قوم ترقی حاصل کریں۔ خداوند تعالےٰ نے اموال کو قوم کی بقا کا موجب قرار دیا ہے اور متعدد مقامات پر اموال کی حفاظت کے احکام کا اصدار اور اس کے متعلق قوانین کا ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوھم وقولوا لھم قولا معروفا

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ حکام اور مدبرین قوم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے کہ تم اپنے اموال کو جن کو اللہ تعالےٰ نے تمہارا بنایا ہے ان لوگوں کے ہاتھ میں جو مال کی حفاظت کرنا نہیں جانتے نہ دو۔ ہاں ان اموال کے ذریعہ سے ان کو رزق دو اور کپڑا پہناؤ۔ اور اچھی بات کہتے اور بتاتے رہو یعنی ان اموال کو منافع اور آمدنی کا ذریعہ بناؤ۔ تاکہ اس نفع سے ان کا گزارہ ہوتا رہے۔ وقولوا لھم قولا معروفا سے چند نصیحانہ فقرے مراد نہیں۔ بلکہ مراد یہ کہ ان کو نیکیوں کی طرف توجہ دلاتے رہو کہ اسراف مال کا انجام اچھا نہیں کیونکہ جس قوم کا مال تباہ ہوجاتا ہے وہ گرجاتی ہے۔ اور سطح زمین پر اس کی ہستی نیستی کے برابر ہوجاتی ہے۔ اور اس کو ہمیشہ دوسروں کا غلام بن کر رہنا پڑتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ علمی اور عملی طور پر ان کی تربیت میں سعی اور کوشش کی جانی چاہیئے۔

ترقی اموال کے ذرائع مالی ترقی کے ذرائع میں سے بہترین ذریعہ تجارت ہے۔ اور قرآن کریم سے صاف

ظاہر ہے کہ مالی لین دین میں صرف ربا اور قمار کی صورت ممنوع ہے۔ باقی وہ تمام طریقے جو پہلے سے رائج ہیں یا اَب زمانہ حال میں شیوع پذیر ہو رہے ہیں۔ وہ سب کے سب تجارت کے مفہوم میں داخل ہیں جو لوگ تجارت کے بعض انواع کو ربا یا قمار کے مفہوم میں داخل کر لیتے ہیں اُنھوں نے فی الحقیقت ربا اور قمار کے مفہوم کو کماحقہ نہیں سمجھا ہے۔

(۱) ربا فی الحقیقت قرض پر منافع لینے کا نام ہے۔

(۲) قمار کھیل میں کسی خاص شرط پر غالب فریق کا مغلوب فریق سے کسی چیز کے مستحق ہو جانے کا نام ہے۔

(۳) بیمہ کمپنی کے قواعد کے پڑھنے سے صاف نظر آئے گا کہ بیمہ کے وہ معاہدات جو کمپنی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ ربا یا قمار کے مفہوم کے ماتحت نہیں آسکتے۔

یہ بھی مسلم امر ہے کہ مذہب اسلام وسیع تجارت کا حامی ہے اور جس قدر خدا اسلامی دنیا کی الہامی کتاب (قرآن شریف) نے تجارت پر دیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی الہامی کتابوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا اور وسیع تجارت صرف بنکوں اور کمپنیوں کے قیام ہی سے ہوسکتی ہے تو معلوم ہوا کہ وسعت تجارت کے لئے بنکوں اور کمپنیوں کا قیام ایک ضروری جزو لانیفک ہے۔

قرآن کریم کی آیات متعلقہ تجارت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند پاک کا مبارک منشا یہی ہے کہ تمہاری تجارت قومی رنگ میں ہونی چاہیئے۔ شخصی تجارت نہایت محدود ہوتی ہے اور محدود ہونے کے باعث سے فائدہ بھی کم ہوتا ہے۔ اور نہ شخصی تجارت سے قوم دولتمند ہوسکتی ہے قومی دولتمندی کا راز صرف قومی تجارت (بنکوں اور کمپنیوں) میں مضمر ہے۔ اسی راز کو مد نظر رکھتے ہوئے خداوند کریم جل علیٰ شانہ نے قرآن کریم میں جہاں جہاں تجارت کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں پر تمام جمع کے صیغے استعمال فرما کر تمام قوم کو مخاطب کیا ہے ایک جگہ بھی واحد مفرد صیغے کا استعمال نہیں۔

بیمہ کمپنیوں سے معاملات کا جواز بیمہ کمپنیوں کے پراسپکٹس کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ تمام وہ معاہدات جو بیمہ کمپنیوں نے مرتب کیے ہیں وہ سب کے سب معاملہ بالدین کے ماتحت آجاتے ہیں اور معاملہ بالدین کے تمام شعبے نص قرآنی (یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ) سے ثابت ہیں اور شرعاً تمام معمول بہا ہیں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ قرآن کریم کے مفہوم کو محدود کر کے بعض طریقوں کو ناجائز قرار دے۔ جیسا کہ بعض فقہا نے کیا ہے۔ اور جو شخص اس کا مرتکب ہوگا اس کا یہ فعل نسخ کے مترادف سمجھا جائے گا۔

علمائے اسلام کی غلطی ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنا روپیہ بنکوں یا بیمہ کمپنیوں کی تحویل میں دیتے ہیں

ان کا مدعا اس فعل سے بنکوں اور کمپنیوں کو قرض دینا یا ان سے جوا کھیلنا نہیں ہوتا اور جو منافعہ بنکوں یا کمپنیوں کی طرف سے ان کو ملتا ہے وہ اس وجہ سے کہ سود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مسلمان لوگ اس کو نہیں لیتے۔ یا ان معاہدات سے ابتداءً اجتناب کرتے ہیں لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ ہاں ان کی غلطی نہیں بلکہ علمائے ملت کی غلطی ہے کہ ابتک انھوں نے اس مسئلہ پر غور نہیں کیا یا غور کیا تو اس کو کسی صحیح اصل کے ماتحت نہیں لاسکے اور قوم کو ہمیشہ کے لئے دنیاوی برکات سے محروم رکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قوم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف نام رکھنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔

بیمہ شرکت فی التجارت ہے حقیقت یہ ہے کہ جو معاہدات بیمہ کمپنیوں کے ساتھ ہوتے ہیں وہ تمام شرکت فی التجارت کے قریب میں آجاتے ہیں خواہ معاہدہ کنندہ مقررہ اصل راس المال یکمشت دیں یا اقساط پر بہرحال کل روپیہ یا جزادا کرنے کے بعد وہ شخص فی الحقیقت کمپنی کے ساتھ شریک فی التجارت ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ خود عامل نہیں اس لیئے وہ شرط لگاتا ہے کہ بصورت نقصان میں (معاہدہ کنندہ) نقصان کا ذمہ دار نہ ہونگا۔ راس المال ہمارا محفوظ رہے گا۔ اس لیئے منافعہ بھی بہت کم اولاً مقرر اور منقح کرلیتا ہوں یعنی بجائے پندرہ فی صدی کے صرف پانچ فی صدی میں لونگا باقی نفع و نقصان تمہارا ہوگا۔ خدارا بتایا جائے کہ اس معاہدہ میں شرعاً کیا نقص ہے۔ اگر یہ معاہدہ نادرست ہے تو پھر ہم کو بتایا جائے کہ قرآن کریم نے ان لوگوں کے لیئے جو خود تجارت کے حساب کتاب کو سمجھنے سے قاصر ہیں کیا راہ بتائی ہے۔ کیا یہ کہ وہ لوگ تجارت نہ کریں اور اپنے اموال کو نہ بڑھائیں۔

الغرض ہمیں ان الفاظ "بیمہ زندگی۔ بیمہ شادی۔ بیمہ تعلیم۔ بیمہ جائداد" کا تتبع نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں ان حقائق پر غور کرنا چاہیئے جو ان الفاظ کے اندر مخفی ہیں اور جن کو خود کمپنیوں کے واضعین نے ہمارے سامنے رکھدیا ہے۔

مذکورہ بالا تشریح کے بعد میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو اسلامی اقتصادیات سے واقف ہو اور قوم کے اقتصادی پستی کے متعلق اس کے دل میں درد ہو۔ وہ ضرور میری اس رائے کو بنظر استحسان دیکھے گا۔ لہذا بواقعات بالا مجھے کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی جو مجھے بیمہ زندگی۔ بیمہ تعلیم بیمہ شادی کے جواز کے حق میں حکم دینے سے روکے۔ ہاں بیمہ جائداد کا مسئلہ کسی قدر مزید وضاحت طلب ہے سو اس کے متعلق عرض ہے۔

جائداد کا بیمہ بھی جائز ہے جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ انسانی زندگی مجموعہ حوادث ہے مفاجاۃ و زمانہ لیف شدنی ہیں۔ اور بالکل صاف ظاہر ہے کہ انسان جس قدر کسی کام میں وسعت اختیار کرتا جاتا ہے

اتنی ہی اس کی ذمہ داری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جائدادوں کی تباہی فی الحقیقت قوم کی تباہی ہے۔ اور انکی حفاظت فی الواقعہ قوم کی حفاظت ہے۔ بالفرض اگر ایک کثیر الاموال شخص کی جائداد کسی ناگہانی آفت سے تباہ ہو جائے تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ صرف شخصی نقصان ہے بلکہ اس کو بھی قومی نقصان سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ قوم مجموعہ افراد کا نام ہے اور قوم بمنزلہ ایک جسم کے ہے۔ اور یہ تباہی رسیدہ شخص اس کا ایک عضو ہے اور ایسے مصیبت زدہ شخص کی اعانت تمام بنی نوع انسان کا عقلاً اور شرعاً اہم ترین فرض ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے نقصانات کے متحمل قوم کے چند افراد نہیں بلکہ قوم ہی ہو سکتی ہے۔ اندریں حالات اگر قوم حسب صوابدید ایسے ناگہانی نقصانات کے تدارک کے لیئے ایک کمپنی بنام "کمپنی اعانت مصیبت زدگان" بنائے اور اس کی تقویت اور بقا کے لیئے مناسب قوانین وضع کرے اور اس کے ممبران دائمی یا میعادی کی اعانت پر حسب لحاظ جائداد مناسب بلکہ مناسب سے بھی کم چندہ عائد کریں۔ تا خدانخواستہ اگر تا فی الحال ان ممبران میں سے کسی کو ناگہانی نقصان پہنچ جائے۔ تو اس قومی سرمایہ سے اس کی مناسب امداد کیجائیگی۔

کیا قوم کے اس فعل (قیام کمپنی) پر از روئے اصول دین کوئی اعتراض ہو سکتا ہے؟ اور کیا وہ اعانت جو قومی سرمایہ سے اس مصیبت زدہ کو دی جاتی ہے۔ جوئے کے مفہوم کے ذیل میں آسکتی ہے؟ کوئی عاقل بھی اس کا جواب اثبات میں نہیں دے سکیگا۔ چونکہ مسلمانوں میں قومی حیات کا احساس نہیں۔ اس لیئے انھوں نے ایسی کمپنیاں "بیمہ زندگی۔ بیمہ شادی۔ بیمہ تعلیم۔ بیمہ حفاظت جائداد" کے قیام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اندریں حالات اگر کوئی شخص اپنے فوائد کو مدنظر رکھکر غیر اقوام کی کسی کمپنی کے ساتھ معاہدہ کرے تو میرے خیال میں وہ کسی شرعی الزام کے ماتحت نہیں آسکتا۔ بلکہ انسان کا فطری فرض ہے کہ وہ ان خاص حالات (ربا۔ قمار۔ سرقہ) کے ماسوا باقی ہر طرح اپنی مالی حالت کی درستی کے لیئے جدوجہد کرتا رہے۔ کہ شرعاً و عقلاً وہ اس پر مامور ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا شرعاً و عقلاً مجرم ٹھہرایا جائے گا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حفاظت اموال پر بہت زور دیا ہے لیکن حفاظت کے تفصیلی طریقوں کو ہماری عقلوں پر چھوڑا ہے کیونکہ یہ انسان کا فطری فعل ہے جیسے حالات ہوں ویسا ہی وہ حفاظت کی ذمہ داریوں کو انجام دے۔

اللہ بس باقی ہوس (پیام صلح)

استفسار

کوئی صاحب اگر واقف ہوں تو مکھن بنانے کے متعلق مفید معلومات اور اس کے تجارتی اصول سے دفتر سود مند کو مطلع فرمائیں۔ (مینیجر)

ہندوستانی اہل تجارت کیلئے ایک مفید ہدایت

ہندوستان میں مقابلتاً ایسے کارخانہ جوکہ اپنا کاروبار مشترک سرمایہ سے چلا رہے ہیں بہ نسبت ان کارخانوں کے کم ہیں جوکہ تنہا کام کر رہے ہیں اس کی اصل وجہ معلوم کرنا کوئی دشوار امر نہیں ہے۔ اول تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے اہل تجارت بہ استثنا متعدد روشن خیال تجار صاحبان کے ایک دوسرے کا اعتبار اور بھروسہ نہیں کرتے اور اس بے اعتباری کا یہ بُرا نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ کمپنیاں قایم کرنے کے خیالات میں ایک دوسرے کی تائید نہیں کرسکتے۔ علاوہ بریں بہت سے کارخانہ جوکہ ملک میں قایم ہوئے ان ہی وجوہات سے ناکام رہے۔ برخلاف اس کے غیر ممالک کے اہل تجارت اپنے ہم پیشہ لوگوں کا اور اپنے ملازمان کا تھوڑا بہت اعتبار ضرور کرتے ہیں اور اس طرح پر اُن کا روزگار بڑے اعلےٰ پیمانہ پر پہونچ جاتا ہے۔

چند مثالیں اُن ہندوستانی کارخانوں کی موجود ہیں جن کے مالک اور افسر اپنے ماتحتوں کی طرف سے شکوک اور متنفر رہتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اُن کا کارخانہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرسکتا اور آخرالامر اُنکا اس قسم کا برتاؤ اور طرز عمل اُن کے لئے باعث حزن و ملال ثابت ہوتا ہے۔

تجارت اور نیز دوسرے دُنیوی معاملات میں اعتبار سے اعتبار پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اگر ہم دوسرے کا اعتبار کرینگے دوسرا بھی ہمارا اعتبار کریگا۔ ایک کارخانہ کا ملازم ایک جگہ سے برخاست ہوگیا ہے وہ ادھر اُدھر روزگار کی تلاش میں پھرتا ہے مگر اُس کو کہیں روزگار نہیں ملتا اُس کو تجارت کے کام سے صرف ہی قدر واقفیت ہوتی ہے جیسے کہ ایک موٹر لاری کو اُس سامان کا علم ہوتا ہے جس کو کہ وہ لاد کر لیجاتی ہے۔ آخر کو وہ اپنے اُن دوست اور پڑوسیوں سے مشورہ کرتا ہے جو کہ امیر اور دولتمند ہوتے ہیں جن کو سوائے گھر پر پڑا رہنے کھانے اور سونے کے اور کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا اور اُن کو یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام دن خاموشی سے اپنے مکان پر گزار دیں اور اُن کو بہت زیادہ ضرورت ایسی جگہ کی ہوتی ہے جہاں کہ وہ اپنا وقت اِدھر اُدھر گپ شپ میں صرف کرسکیں مالدار اور نادار لوگ جب اتفاق کر لیتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کارخانہ اور کمپنیاں قایم ہوجاتی ہیں۔ امیر آدمی صرف نمود و نمایش کے شائق ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ۔ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اُن کا وجود دُنیا میں بیکار نہ ثابت ہو اور کچھ نہ کچھ روزگار کرتے ہیں۔ وہ ایک مکان کرایہ پر لے لیتے ہیں اور اُس میں میز کرسی اور بنچیں بچھا دیتے ہیں اور وہ ایک کلارک مقرر کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح پر تجارت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ وہ لوگ جو کہ خوب مالدار ہوجاتے ہیں اُن کو اصلی دلچسپی تجارت سے

نہیں ہستی اور اگر کبھی مالدار حصہ داران کا تقاضہ ہوا تو دو ایک آرڈروں کی تعمیل کر دی ورنہ وہ بیٹھی ہیں اُن کا روزگار کوئی ڈھنگ کا روزگار نہیں ہوتا اس حالت میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہو کہ اس قسم کی تجارت کچھ تھوڑے عرصہ تک اپنی بھڑک دکھا کر ختم ہو جاے۔ بعض اوقات تجارت کے ناکام ہونے کی یہ وجہ بھی ہوتی ہو کہ جو لوگ تجارت میں شریک ہوتے ہیں اُن کو تجارت کی ضروری تعلیم نہیں ہوتی اور اس نقص کی وجہ سے تجارت کا کام کما حقہ انجام کو نہیں پہونچتا اور جو کمی بیشی بازاری صرافہ اور دیگر اشیاء کے قیمت میں ہو جاتی ہو اُس کا سمجھنا اُن کی سمجھ سے باہر ہو جاتا ہو اور یہ اُن کے واسطے بہت مشکل مسئلہ ہو جاتا ہو بعض اوقات تجارت کی ناکامی کی یہ بھی وجہ ہوتی ہو کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جاتا ہو اور اس زیادتی خرچ میں وقت اور موقعہ کے لحاظ سے کمی نہیں کیجاتی۔ اور فریقین تجارت کو تجارتی تعلیم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے ایسے مسائل کے حل کرنے کے اصول معلوم کرنا ایک دشوار امر ہو جاتا ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ بہت بڑا نقصان پہونچتا ہو اور تجارت ختم ہو جاتی ہو۔ ہم اس کی ایک اور مثال پیش کرتے ہیں فرض کیجیے کہ دو آدمی ایک تجارت میں شریک ہیں اُن میں سے ایک آدمی تو اپنا روپیہ لگاتا ہو اور دوسرا اپنی دماغی محنت سے کام لیتا ہو۔ اصل چیز یہ مابعد الذکر شخص ہو جو کہ تجارت کی نگرانی کرکے کاروبار کو چلاتا ہو۔ روپیہ لگانے والا خیال کرتا ہو کہ کارخانہ میں جو کچھ ہوں میں ہی ہوں اور دوسرے شخص کو برائے نام سمجھتا ہو۔ وہ یہ چاہتا ہو کہ کارخانہ میں جو کچھ بھی ہو وہ اُسی کی مرضی کے موافق ہو۔ یہ بات بعض اوقات تو مناسب اور بعض اوقات نامناسب ثابت ہوتی ہو۔ کام کرنے والا شریک یہ چاہتا ہو کہ ہر معاملہ میں میری رائے سے کام کیا جاوے۔ اور یہ خیال کرتا ہو کہ میرے بغیر کارخانہ کا کوئی کام بھی انجام کو نہیں پہونچ سکتا۔ اس طرح بہت سے تفرقات پڑ جاتے ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی رائے اور خیال کو مقدم سمجھ کر اُس کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہو۔ اور تھوڑے دنوں میں ایک دوسرے سے مشکوک ہو جاتا ہو اور بے اعتباری پیدا ہو جاتی ہو۔ بالآخر تجارت بالکل ختم ہو جاتی ہو۔ بدقسمتی سے اس قسم کے منحوس نزاعات میں فریقین اس بات کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں کہ ہر ایک حصہ دار اور ہر ایک شریک کو تجارت کے ٹھیک ٹھیک طریقہ سے چلانے میں یکساں اہمیت اور برابری کا حق حاصل ہوتا ہو دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا اُن کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ تجارت کے معاملہ میں باہمی کوشش بہت بڑی اہمیت رکھتی ہو۔ بلا باہمی کوشش اور اتفاق کے کوئی کام ٹھیک طور پر انجام کو نہیں پہونچ سکتا گویا کہ باہمی کوشش ایک حیثیت سے تجارت اور دیگر دنیوی معاملات کی کلید ترقی ہوتی ہو جو ہندوستانی لوگ کہ نا اہل ہیں تجارت کر رہے ہیں اُن کو اس قسم کی

رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اُن کے روزگار میں ترقی ہو۔ تجارت کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے اس میں بہت کچھ غور و خوض فکر و توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ اہل تجارت بننا چاہتے ہیں اُنکو بہت سی خوبیاں حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ تجارت اور نیز دیگر پیشوں میں تعلیم تجربہ۔ سمجھ۔ محنت مشقت ایمانداری اور قابلیت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تجارت کے معاملات سے پورا پورا علم و واقفیت بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کسی شخص کو تجارت میں ابتدائی تعلیم حاصل کیئے بغیر قدم نہیں رکھنا چاہیئے۔ اس لیئے تجارت میں بطور امیدوار کام کرنے کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ فی زمانہ تجارت کی وہ حالت نہیں رہی ہے جو کہ اب سے دس سال قبل تھی اس میں اب بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہے۔ اور تجارت اب بہت پیچیدہ معاملہ ہو گیا ہے۔ اگر تجارت اس قدر آسان ہوتی جیسا کہ بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں تو اب تک تمام دُنیا میں ہر جگہ مال ہی مال بھرا ہوتا۔

رفتہ رفتہ دُنیا زیادہ کفایت پذیر ہوتی جاتی ہے۔ اور ہر ایک ملک خاص اپنے یہاں کی ساختہ پرداختہ اشیاء کے استعمال کی کوشش کر رہا ہے ایک بہت بڑے مصنف کا قول ہے کہ اہل تجارت میں علی العموم دو خاصیتیں بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہونی چاہئیں ایک تو سچائی سے کام کرے دوسرے کام کو ادھورا نہ کرے بلکہ اُس کے متعلق پورا پورا فیصلہ کر کے اُس کو انجام تک پہنچا دے۔ فن تجارت کے یہ معنی ہیں کہ دوسرے لوگوں میں اس فن کے مادّہ کا پتہ لگایا جاوے اور پھر اُس مادّہ کو ٹھیک طور سے کام میں لایا جائے اگر زندگی میں ہر معاملہ میں کامیابی نہیں ہو سکتی تو ہر معاملہ میں ناکامی بھی نہیں ہو سکتی۔ کامیابی ہمیشہ ایمانداری محنت اور جانفشانی سے کام کرنے کے نتیجہ کو کہتے ہیں۔ ہر ایک تجارت پیشہ آدمی کو یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ نیکی کا بدلہ انعام ہے اور بُرائی کا عوض سزا ہے۔ محنت سے اُس کا معاوضہ ملتا ہے اور سستی اور کاہلی۔ ادبار و مصیبت کا سبب ہوتی ہے۔

(ماخوذ از بزنس اینڈ ٹائمز)

ابھی موقع ہے

یہ افسوس تو فضول ہے کہ اکثر خریداران سودمند نے باوجود دعا ہمدردی مطبوعہ کارڈ پہونچنے پر بھی توسیع اشاعت میں بہت کم حصہ لیا اور سوا اُن حضرات کے جن کا شکریہ سودمند اپنی اشاعتوں میں ادا کر رہا ہے بقیہ خریداران نے کم توجہ نہیں فرمائی لیکن یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ابھی موقع ہے اور بقیہ خریداران سودمند اپنی ہمدردی کے ثبوت میں توسیع اشاعت کی ہمدردانہ کوشش سے سودمند کو ممنون منت بنا سکتے ہیں۔ لہذا توجہ کریں اور ممنون فرمائیں۔

(مینیجر)

صابن سازی کے متعلق ایک سبق

(خاص سودمند کے لیے)

ضروری ہدایات۔ ۱۔پیشتر اس کے کہ آپ بغرض تجارت کافی تعداد میں صابن بنائیں پہلے تھوڑی تعداد میں بنا کر خوب مشق کر لیجیے کہ زیادہ تعداد میں بنانے میں غلطی نہ ہو۔جب خوب کافی مشق ہو جائے تو جتنا جی چاہے بنائیے۔

۲۔صابن بنانے سے پیشتر اُس کا جملہ ضروری سامان مہیا کرنا ضروری ہے۔اگر شوقیہ صرف اپنی خانگی ضرورت کے واسطے تیار کرنا ہو تو شہر کے دوکانداروں سے آپ چیزیں لے سکتے ہیں اور اگر تجارت کی غرض سے صابن تیار کرنا ہو تو بڑے شہر مثل کلکتہ کان پور بمبئی وغیرہ کی بڑی دوکانوں سے تھوک کے حساب سے خریدیئے کیونکہ اس صورت میں سامان بہت ارزاں ملے گا اور خاطر خواہ نفع ہوگا ورنہ سوائے نقصان اور دل شکنی کے اور کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔

صابون کے واسطے ضروری سامان حسب ذیل ہیں۔

سوڈا کاسٹک ضروری ڈگری کا۔ ناریل سرسوں۔ انڈی کا تیل۔ کھریا مٹی آٹا مختلف قسم کے رنگ مختلف قسم کی خوشبوجات۔ عمدہ قسم کے سانچے اگر پیتل کے سانچے مہیا کیئے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا ٹین کے کنستر۔ کڑھائیاں یا اگر سرمایہ اجازت دے تو چینی کے ظروف۔

صابن سازی کا جملہ سامان کانپور میں۔ ایل بی ورما اینڈ کو مشنری فیکٹری چھپرہ محال کانپور سے ملے گا۔ کلکتہ میں۔ دی کلکتہ کیمیکل کمپنی لمیٹیڈ کلکتہ سے ملے گا جہاں نرخ ارزاں ملے اور محصول میں کفایت ہو منگوایا جائے۔ سامان سب عمدہ قسم کا ہونا چاہیئے ایک آلہ بای ہائیڈرومیٹر بھی ہونا چاہیئے جس سے سوڈا کاسٹک کی حرارت کا اندازہ ہو سکے۔ شوقیہ صابن تیار کرنے میں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی مگر بڑے پیمانہ پر تیار کرنے میں ضرور اس کی ضرورت ہے۔

۳۔ واضح ہو کہ صابن میں ملانے کے رنگ الگ ہوتے ہیں جو حل کر کے یا گلیسرین میں ملا کر صابن کا قوام چولھے سے اُتار کر اور سرد ہونے پر اُس میں ملا دیئے جاتے ہیں۔ معمولی خانگی ضرورت کے واسطے آپ معمولی بازاری کچا رنگ استعمال کر سکتے ہیں۔

۴۔ صابن میں زیادہ تر انگریزی خوشبوئیں ملائی جاتی ہیں مگر عطر خس یا حنائے مشکی اصلی بھی ملایا

جا سکتا ہے۔ یہ اپنی پسند پر ہے۔

۵۔ واضح ہو کہ سوڈا کاسٹک مختلف طاقت یا ڈگری کا ہوتا ہے جس نسخہ میں جس ڈگری کی ہدایت ہو وہی استعمال کیجیے ورنہ نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلے گا۔

۶ سوڈا صاف اور بورادہ کی طرح ہونا چاہیئے۔ جس سوڈے میں ڈلیاں ہوتی ہیں وہ اچھا نہیں ہوتا۔ نمی میں رکھنے کی وجہ سے ڈلیاں بن جاتی ہیں اور ایسا سوڈا اچھا نہیں ہوتا۔

۔ جس برتن میں صابن جمانا ہو اس میں پہلے روغن مل دینا چاہیئے تاکہ جمنے کے بعد صابن آسانی سے نکل سکے۔

۸۔ سوڈا کاسٹک ہدایت کے بموجب آپ پانی ملا کر تیار کرتے ہیں جو صابن تیار ہونے پر ملایا جاتا ہے اس پانی ملے ہوئے سوڈا کاسٹک کو لائی کہتے ہیں۔ بعض شوقین اصحاب کو اس اصطلاح کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اس لئے اس کو بھی صاف کر دیا گیا۔

۹۔ صابن تیار کرنے میں سب سے زیادہ خیال آنچ کی تیزی اور کمی کا ہے۔ جب صابن تیار کرنے کی غرض سے برتن چولھے پر رکھا جائے تو آنچ اوسط پر رہے نہ بہت تیز ہو نہ بہت دھیمی ورنہ یا تو لائی ملاتے وقت سب چیز کڑھائی میں سے ابل کر چولھے میں گر پڑے گی یا صابن عمدہ نہ ہوگا۔

۱۰۔ مختلف کنوؤں کا پانی ایک نہیں ہوتا کسی کا میٹھا ہوتا ہے کسی کا کھاری۔ یاد رہے کہ کھاری پانی سے صابن نہیں بنتا ہمیشہ میٹھا پانی استعمال ہونا چاہیئے۔

آئندہ ایشو میں ہم مختلف نسخہ جات لکھینگے جن کے ذریعہ سے مندرجہ بالا ہدایات پر عمل کرنے سے عمدہ سے عمدہ صابن آپ تیار کر سکیں گے۔ (سید قطب الدین از شاہجہانپور)

حضرات ذیل سعی توسیع اشاعت کا دلی شکریہ قبول فرمائیں

عالیجناب مولوی انیس احمد صاحب زبیری تحصیل مسافرخانہ ضلع سلطان پور

عالیجناب میر غازی خاں صاحب لاہور۔ سندھ

عالیجناب مولوی فضل اللہ صاحب بی اے حیدر آباد دکن

عالیجناب مولوی عبدالوہاب صاحب اسسٹنٹ میسور

کفایت شعاری

کفایت کا تعلق کسی نہج طمع و بیجا سود و ہوس یا خود غرضی سے نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ ان نفرت انگیز عادات کا بالکل ضد ہے۔ اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ جز رسی آزادی حاصل کرنے کو کی جاوے۔ کفایت کا تقاضہ یہ ہے کہ روپیہ کو کام میں لانا چاہیئے نہ کہ اُس کا بیجا استعمال اور یہ کہ روپیہ دیانت داری سے پیدا کیا جاوے اور کفایت سے اُس کو استعمال کرنا چاہیئے

سیمول جانسن کا قول ہے کہ دولت اور بہبود کا بہترین منبع کفایت شعاری ہے۔ وہ اس کو دختر رزاق خواہ پرہیزگاری اور مادر آزادی کہتا تھا وہ کہتا تھا کہ افلاس، نیکوکاری کے اس قدر ذرائع دور کر دیتا ہے اور بدی کے مقابلہ کرنے میں اس قدر کمزوری پیدا کر دیتا ہے کہ ہر طرح سے اُس سے بچنا چاہیئے یہ ارادہ مصمم کر لو کہ ہم مفلس نہ ہونگے اور جو کچھ تمہارے پاس ہو اُس کو کم خرچ کرو۔ جز رسی صرف امن و اطمینان کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ سخاوت کا ہے۔ جو آدمی کہ دوسروں کی امداد خود چاہتا ہے وہ اوروں کی مدد نہیں کر سکتا۔ ہم کو کافی حاصل کر لینا چاہیئے قبل اس کے کہ ہم بچائیں۔

کفایت کی ہر ایک کوشش میں ایک رتبہ ہے۔ اس پر عمل کرنا ہی ترقی کرنا ہے۔ وہ نفس کشی تعلق ہے اور چال چلن کو قوت بخشتی ہے۔ اُس سے ایک باقاعدہ دماغ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ پرہیزگاری کی پرورش کرتی ہے۔ یہ دور اندیشی پر منحصر ہے۔ یہ دانائی کو سب سے اعلیٰ خاصیت بنا دیتی ہے۔ یہ نیکی کو عیش پرستی پر حکمران کر دیتی ہے۔ تمام باتوں کے علاوہ یہ آسودگی حاصل کراتی ہے اور فکر کو دور کر دیتی ہے اور بہت سی تردداد اور پریشانیوں کو دفع کرتی ہے جو کہ دوسری برعکس حالت میں ہم پر آ پڑتی ہیں۔

بعض لوگ یہ کہینگے کہ "ایسا ہونا ممکن نہیں" لیکن ہر شخص کچھ نہ کچھ کر سکتا ہے۔ یہ الفاظ کہ "یہ ممکن نہیں" آدمیوں اور قوموں کی تباہی ہے۔ حقیقت میں الفاظ "نہیں ہو سکتا" سے بڑھ کر اور کوئی مایوس کن لفظ نہیں ہو سکتے۔

ایک مثال لیجیئے۔ بیر شراب کا ایک گلاس یومیہ پینتالیس شلنگ فی سال کی برابر ہے۔ اس سرمایہ سے ایک آدمی کی زندگی کا بیمہ ہو سکتا ہے جس سے کہ اس کی موت کے بعد ایک سو تیس پونڈ مل سکتے ہیں یا اگر کسی سیونگ بینک میں جمع کر دیا جاوے تو بیس سال میں سو پونڈ ہو جاوینگے لیکن بہت آدمی، آدھی درجن گلاس بیر شراب کے یومیہ پی لیتے ہیں۔ اگر اتنی شراب نہ پی جاوے تو وہ اس عرصہ میں

چھ سو پونڈ ہو جاوینگے۔ جو آدمی کہ شراب میں یومیہ نو پنس صرف کر دیتا ہے تو وہ پچاس برس میں تقریباً دو ہزار پونڈ برباد کر دیتا ہے۔

یہ بالکل صاف ہے کہ جو لوگ روزمرہ بلا تدبیر بے اصول بلا دوراندیشی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور تمام اپنی آمدنی آئندہ کے واسطے بغیر کچھ بھی بچائے ہوئے صرف کر دیتے ہیں تو وہ پیشتر ہی سے لازمی مصائب کی تیاری کر رہے ہیں۔ موجودہ وقت کے لیئے مہیا کر لینا آئندہ کی قربانی کا یقینی ذریعہ ہے ایسے لوگ کیا اُمید رکھ سکتے ہیں جن کا قول یہ ہے کہ "ہمیں کھانا پینا چاہیئے کیونکہ کل تو ہم مر جاوینگے۔"

یہ تمام طریقہ بالکل مایوسی کا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم پورے طور سے ایسا نہیں ہے۔ کام کرنے والے آدمیوں کی بڑی آمدنیاں اُس کے شروع کرنے کا ایک خاص مقصد ہیں تعلیم کی درجہ بدرجہ اشاعت اُن کو اُن کے آرام سے بسر کرنے کے ذرائع استعمال کرنے میں مدد دے گی نہ کہ غلط استعمال میں جزرسی کفایت شعاری اور کم خرچی کے استعمال کا زیادہ بڑھا ہوا علم اُن کو اپنی زندگیاں زیادہ سنجیدگی نیکی اور دینداری سے بسر کرنے میں مدد دے گا۔

یہ بات کہ آدمی کو اپنے اور اپنے اہل و عیال کی پرورش بلا دوسروں کی امداد کے کرنا چاہیئے اُسکی سمجھ اور خودداری پر منحصر ہے۔ ہر وہ آدمی جو دراصل آدمی ہے اور جو اپنی مدد خود کرتا ہے اُس کو اپنی عزت کرنا چاہیئے وہ اپنی چھوٹی سی دنیا کا مرکز ہے۔ اُس کی ذاتی محنتیں، خواہشات، تجربہ، اُمیدیں اور خوف اُس کے لیئے کس قدر اہم ہوتے ہیں اگرچہ وہ دوسروں کے واسطے کوئی نتیجہ نہیں رکھتے۔ ان جملہ باتوں کا اثر اُس کی خوشی۔ روزانہ کی زندگی اور اُس کے تمام وجود پر بحیثیت ایک انسان کے ہوتا ہے۔ لہذا وہ تمام اپنے متعلقہ معاملات کا احساس کیئے اور اُن میں دلچسپی اور زیادہ دلچسپی لیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اَب پہلا شخص جبکہ اُس نے ترقی کر لی ہو تو وہ اُن لوگوں کی حالت سنبھالنے کے زیادہ قابل ہوتا ہے جو اُس سے ملتے ہیں وہ زیادہ قوت رکھتا ہے۔ اُس کا دائرۂ نظر وسیع ہو جاتا ہے وہ دوسروں کی حالت کے نقائص کو زیادہ صفائی سے دیکھتا ہے جن کا کہ علاج ہونا چاہیئے۔ وہ اُن کے اُٹھانے میں زیادہ مستعد ہاتھ اُن کے مدد کے واسطے پیش کر سکتا ہے۔ اُس نے خود اپنا فرض ادا کر لیا ہے اور زیادہ اختیار کے ساتھ دوسروں کو اس بات کی ضرورت کے لیئے مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اپنے فرائض خود انجام دیں وہ آدمی کس طرح قوم کو ترقی دے سکتا ہے جو اپنے آپ عیش پرستی کے گاڑی میں چل رہا ہے وہ سنجیدگی اور صفائی کیونکر سکھا سکتا ہے جبکہ وہ خود ہی شراب میں نجس ہو۔ اُس کے پڑوسیوں کا جواب یہ ہوتا ہے کہ "اے طبیب تو اپنا علاج کر"

جز رسی پر عمل کرنے کے طریقے بہت سادہ ہیں۔ آمدنی سے کم خرچ کرو یہ سب سے پہلا طریقہ ہے ایک جز آئندہ کے واسطے بچانا چاہیئے وہ آدمی احمق ہے جو آمدنی سے زیادہ خرچ کرتا ہے دیوانی کا قانون بچا بچا یا صرف کر دینے والے آدمی کے متعلق جو بمنزلہ پاگل کے ہوتا ہے یہ ہے کہ اکثر اُس کے ذاتی معاملات کا انتظام بھی اس کی بجاے اس قانون کو کرنا پڑتا ہے۔

دوسرا طریقہ نقد روپیہ ادا کرنے کا ہے اور کبھی کسی وجہ سے قرض کا بار نہیں لینا چاہیئے۔ جو شخص کہ قرض لیتا ہے وہ دغا دیئے جانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی حد تک مقروض ہو جاتا ہے تو وہ خود بے ایمان ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اپنا بار ادا کر دینے والا آدمی اپنے آپ کو امیر بناتا ہے۔

اور طریقہ ہے کہ موہوم مقادات کا منصوبہ گانٹھ کر ان کے حاصل ہونے سے قبل کبھی اُن کو صرف نہیں کر دینا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ کبھی فائدہ نہ ہو اس صورت میں تم نے اپنے اوپر قرض کا ایک بار کر لیا ہے جس سے کہ تم کبھی نجات نہیں پا سکتے۔ وہ تمہارے کندھوں پر مثل اُس بڈھے آدمی کے بیٹھ جائے گا جیسا کہ قصہ سندباد میں ہے۔

اور طریقہ جز رسی کا یہ ہے کہ اپنی کل آمدنی اور کل خرچ کا حساب رکھو ایک قرض دینے والا آدمی پہلے ہی سے جان لے گا کہ اُس کو کس بات کی ضرورت ہے اور اُس کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ذرائع مہیا ہو جائینگے اِس طرح پر اُس کا خانگی خرچ بالکل ٹل جائے گا اور اُس کا خرچ اُس کی آمدنی کے اندر رہے گا۔

شیخ عمر آدم

صورتِ فلاح

تعاونوا علی البر والتقوی واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

ہندوستانیوں کی پستی عموماً اور مسلمانوں کی مفلسی خصوصاً اظہر من الشمس ہونے کی وجہ سے ایک امر مسلمہ ہے جس میں شک وشبہ کی مطلق گنجایش نہیں اور نہ قیل وقال کی چنداں حاجت ہے مگر تمام طبقات میں سب سے زیادہ تباہ حال اس امن پسند اور بے آزار فرقہ کا ہے جو صحیح معنوں میں ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے آج نہیں بلکہ نسلاً بعد نسل زمانہ قدیم سے نہ صرف خزانہ سلطنت اس کے پسینہ کی کمائی سے معمور ہے۔ ملکی حفاظت کا دارومدار بھی اسی بے کس وبے بس گروہ کی اولاد پر ہے فوجی ملازمت جیسی اہم اور نازک خدمت کا بار لینا گویا جان ہتیلی پر رکھ کر موت کے منہ میں زیرہ جمانا ہے وکیل و بیرسٹر انھیں کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں اہلکاران عدالت دن دہاڑے انھیں کھسوٹتے ہیں۔ امیروں رئیسوں کا ٹھاٹ انھیں کے دم سے قایم ہے شہروں کی رونق انھیں کی بدولت ہے جو پاٹڑ بیلتا ہے اور سب کو سُکھ پہونچانا اپنا فرض جانتا ہے۔ اس کی محنت کے ثمرات کا فائدہ نعمت انسان تو انسان حیوان کے لیئے ایک حد تک وقف عام کا حکم رکھتا ہے پھر تمام سیاسی الجھنوں اور ملکی خرخشوں سے بالکل دور رہتا ہے۔ الحاصل یہ سب کا خدمت گزار ہے اور سب اسی کے سہارے جیتے ہیں مگر سب کے تیروں کا آماجگاہ رہتا ہے اور موے پر سو دُرّے طبعی اور قدرتی آفات ارضی وسماوی بھی سب سے اول اور سب سے بڑھ کر غریب کسان پر ہی حملہ کرتے ہیں۔ پس سب سے زیادہ زبوں حال، اور واجب الرحم غالباً تمام دُنیا میں یہی درماندہ طبقہ ہے مگر۔

الغرض کو دردے کیا غرض یہی وجہ ہے کہ آج گنوار کسان کا لفظ ہی ذلیل وخوار کے ہم معنی ہوگیا ہے چہ تواں کرد کہ مردماں آنند۔ ابناء وطن برادران یوسف سے بڑھ کر ستمگر ہو رہے ہیں جوان کے دکھ درد کا تو کچھ احساس پایا جاتا ہے ان پر دیا کرنے کا تذکرہ تو کبھی سُننے میں آتا ہے مگر غریب کسان محسن کسان کی طرف سے سب کی آنکھیں بند ہیں بایں ہمہ قدرتی مصائب اور انسانی نوائب کا علاج اگر دشوار بلکہ محال نظر آتا ہے تو مغموم ومایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ فلاح کا دروازہ بالکل اور ہر طرف سے بند نہیں ہے بہت سی کمزوریاں اور خرابیاں ایسی موجود ہیں جو خاص اپنی جہالت اور غفلت کا نتیجہ ہیں اگر تھوڑی سی بھی محنت وہمت کا احساس ہو تو حصول فلاح کے لیئے ایک وسیع میدان موجود ہے۔

سب سے مشکل یہ ہے کہ خال خال خوشحال افراد جو اپنے مال میں مست نظر آتے ہیں تو غریب بھی کھال میں مست ان سے بھی کہیں بڑھکر ہیں۔ بایں ہمہ کوئی ذی عقل ایسا نہیں ہے جو اپنی بہبودی کا متمنی نہ ہو

اور حصول مقصد میں عاجلانہ کارروائی نہ کرتا ہو لیکن بہت کم ہیں جو حقیقی فلاح کے صحیح اصول سے واقف ہوں اور ان سے بھی کمتر تعداد ان افراد کی ہے جو کہ ہر مقصود کے حصول کے لئے صحیح وسائل اختیار کرتے ہوں۔

عوام کالانعام عالی شان مکان نفیس لباس خوش خوراکی اور ظاہری ساز و سامان ہی کو خوشحال ہونے کا نشان سمجھتے ہیں۔ خواہ یہ سب کچھ ٹھاٹھ قرض ہی کے طفیل ہو اور اگر کسی کو ذلیل خوشامد یا ستم آفریں رشوت کی بدولت بعض دنی الطبع ادنی حکام کے حضور میں کچھ جھوٹا سچا رسوخ حاصل ہو گیا تو جاہل دیہاتیوں کی نظر میں وہ نفس پرور ستمگر ہی زیادہ تر سب سے بڑا اور معزز سمجھا جاتا ہے۔

کاش چشم بصیرت وا ہوتی اور انھیں پتہ چلتا کہ تقریباً ہر مقام پر ایسی مثالیں موجود ہیں جن کہ بزرگ ظاہری رسوخ اور نام و نمود کی وجہ سے کچھ ہی عرصہ قبل بہت کچھ معزز و محترم سمجھے جاتے تھے لیکن آج وہ قرض و اسراف کے باعث احتیاج و افلاس کی بدولت سب کی نظروں میں ذلیل ہو رہے ہیں

نفس پرستوں سے میرا خطاب نہیں ہے مگر وہ بھی اتنا ضرور یاد رکھیں کہ جن لذائذ نفسانی پر تم آج مر رہے ہو یہ عارضی و فانی ہیں۔ یہ مزہ محض چند روزہ ہے۔ عنقریب رفتار زمانہ کا سیلاب تمہارے عیش و آسایش کے بظاہر مستحکم قلعہ کی دیوار کو آناً فاناً میں گرا دیگا۔

میرے مخاطب صرف وہ ذی عقل عالی خیال افراد ہیں جن میں کچھ بھی مذہبی حاسہ یا اخلاقی جذبہ اور حقیقی اصلاح و ترقی کے ولولہ کا حقیر ترین شمہ بھی موجود ہے۔ ذرا بصیرت کی آنکھ کھولو اور عقل کو کام میں لاؤ جس نظر فریب امارت پر تم پھول رہے ہو یہ ہرگز پائدار اور مطمئن حالت نہیں ہے تمھیں غرور ہے کہ تم رئیس سمجھے جاتے ہو دنیا میں رذیل و ذلیل تمھیں دو وقتہ سلام کرتے ہیں تمھیں فخر ہے کہ دوسروں کو زک دینے اور زیر کرنے سے ہی ہمارا بول بالا ہے۔ مگر کیا اس ظالمانہ خود غرضی اور عیارانہ پالیسی کا آخری نتیجہ صرف یہی نہیں ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ تم دوسروں کو رذیل و ذلیل نظروں سے دیکھتے ہو اور ہمیشہ انھیں غلام بنائے رکھنے کے متمنی ہو۔ ان میں بھی کینہ و حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اندر ہی اندر بغض و عداوت کی آگ سلگتی رہتی ہے اور جب کبھی موقعہ ہوتا ہے تو زیر دست زبردست بن جاتے ہیں۔ اور کل تمہاری باری تھی آج ہماری باری ہے۔ اب زبردست خود یا ان کی اولاد پس جاتی ہے یعنی بزرگوں کا ظلم و ستم اولاد کے سامنے آتا اور خوب مزہ چکھاتا ہے۔ غرض زیر و زبر کا تماشہ بلکہ عہد جاہلیت کا نقشہ کم و بیش ہر جگہ نظر آتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان کی بہترین قابلیتیں ناکارہ کشمکش میں ضائع ہو کر بالکل پژمردہ بلکہ مردہ ہو جاتی ہیں اور خدائی نعمتیں بھی عدم استعمال سے بہت کچھ ضائع جاتی ہیں۔

گھروں کی جو اندرونی کیفیت ہو وہ صورت بیں حالش مپرس کی مصداق ہو۔ بالفرض تم کو کچھ مادی عیش و آسایش میسر ہو تو ذرا اپنے خاندان اور اپنے اعزا و اقربا کی حالت تو بتاؤ کیا تمہاری حقیقت اندھوں میں کانے راجہ سے کچھ زیادہ وقیع ہو۔ سچ ہو جہاں کوئی درخت نہیں ہوتا وہاں ارنڈ ہی سب سے بڑا روکھ ہوتا ہو۔

مجھے یہ دیکھ کر تعجب و تاسف بلکہ رنج و صدمہ ہوتا ہو کہ ذی عقل حامی دین و پابند مذہب بھی صرف چند مراسم کی ادائگی کا نام مذہب سمجھتے ہیں۔ اگر چند وقتوں کی ٹکر مار لی رمضان میں روزے رکھ لیے تو جنید وقت و شبلی زماں ہوگئے رسمی خیرخیرات میں کچھ حصہ لیا تو جنت کا ٹھیکہ مل گیا اگر حج کر آئے تو گویا عرش بریں پر پہونچ گئے۔ ظاہری شریعت کا انکار ممکن نہیں اور تمام احکام دین کی پابندی بہرحال واجب لیکن محض ٹڈیاں چھوڑنا یا نری ہڈیوں پر لڑنا جھگڑنا تو دینداری سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ کوئی نیا اجتہاد نہیں ہو بلکہ تمام علمائے ربانی کا بالاتفاق اس پر اتفاق ہو کہ خلوص و اخلاص کے بغیر ہر عبادت ہیچ محض ہو اور خلوص و اخلاص اسی وقت پیدا ہو سکتا ہو جب کہ منشاء الٰہی کے ماتحت عبادت غایت کو مدنظر رکھا جائے۔ اس نقطۂ نظر کی روشنی میں ہم دینداروں سے بوثوق کہہ سکتے ہیں۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی   کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ اس امر کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں کہ تقلید آبائی ہوا نفس اور نخوت یا جہالت سے صرف ظاہری مراسم کی پابندی کو مذہب قرار دینا اور موجودہ حالت پرستی یادوں ہی سے قانع ہونا یا صرف اپنے قدح کی خیر منانا اور کمزوروں کو زیادہ کمزور کرنا بلکہ دائمی غلامی کے چکر میں گرفتار رکھنے کی فکر و تدبیر میں سرگرم رہنا یہ وطیرہ عقل صحیح کے خلاف اور مذہب حقہ کے بالکل متضاد ہو۔

تمام علم و حکمت اور دین و شریعت کا خلاصہ یہی ہو کہ انسان خدائی نعمتوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائے اور فائدہ اٹھانے میں ابنائے جنس کو فراموش نہ کر جائے بلکہ اپنی ترقی کے ساتھ بنی نوع کی مستقل بہبودی میں بھی حتی الوسع سرگرم کوشش کرے سچ کہا ہو مولنا حالی نے

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں   کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

مگر اس کے برعکس ہم دنیا میں کیا دیکھتے ہیں کہ قومیں قوموں کو ایک ملک دوسرے ملک کو ایک حکومت دوسری سلطنت کو ہر وقت زک دینے اور زیر رکھنے کی فکر میں سرگرم نظر آتی ہے۔ ہندوستان میں تو چند سال سے فتنہ و فساد کا نام ہی دین و دھرم رکھ لیا گیا ہو اور یہ مہلک وبا دیہاتوں میں بھی پہنچنی شروع ہو گئی ہو۔

غضب ہو خدا کا اسلام جو دنیا میں صلح و امن قایم کرنے کے لیے آیا تاکہ ترقی کا دروازہ سب کے لیے

کھولدے اور اس کا فیض عام ہر کس و ناکس تک پہنچ جائے وہ خود فتنہ و فساد کا اکھاڑہ نظر آتا ہے اختلاف وانتشار کا مہیب نظارہ جو اہل اسلام میں پایا جاتا ہے وہ درد آشنا اہل بینش کے رُلانے کے لیے کافی ہے۔ ہادی الامم کی امت کی موجودہ پستی و نکبت بزبان حال تنبیہ کر رہی ہے۔

سنبھلو وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا　　بھیل اور گونڈ جیسے گمنام و بے نشاں ہیں
غفلتیں مباداب روز بد دکھائیں　　دُھندلے سے کچھ نشاں ہیں رہ کر مٹ جائیں

کامل ترقی کے لیئے نہایت ضروری ہے کہ باہم متفق ہو کر حصول مقصد میں اجتماعی کوشش سے کام لیا جائے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اتفاق و اتحاد پر بے حد زور دیا ہے محض ترغیب و تربیت پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ مختلف وسائل و تدابیر سے عملاً اتفاق کی روح پھونکنے کی بے انتہا کوشش کی گئی ہے تاکہ دُنیا کی معلم اور خادم ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح لوہا لاٹ مضبوط ہو۔ ایک جزو دوسرے کو اس کے قیام میں مدد پہنچائے اور تمام باطل پرستیوں اور بُرائیوں کے لیئے اس کا مضبوط قلعہ حصار حصین ہو۔ تمام انسانی کمالات بالخصوص علم و اخلاق میں اس کا زریں کارنامہ دُنیا کی علی ہدایت کے لیئے بہترین نمونہ ہو لیکن آج نکبت کے تحت الثری اور تنزل کے اسفل السافلین میں گر کر ہم تبلیغ کے مدعی بنتے ہیں۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کو نظرانداز کر کے لما تقولون مالا تفعلون کی ذلت کو فراموش کیئے ہوئے ہیں۔

علم و اخلاق کے میدان میں نمایاں فتوحات کا حوصلہ تو اولو العزم ارباب ہمم کا کام ہے سب سے مقدم اقتصادی بہبودی کی فکر ضروری ہے جو ہر قسم کی ترقی کی ابتدائی اور صحیح بنیاد ہے اور کم و بیش ہر شخص اس کا محتاج ہے۔ اپنے اپنے تنگ و محدود دائرہ میں کسی نہ کسی طریق سے ہر شخص کچھ نہ کچھ کوشش ضرور کرتا ہے لیکن اجتماعی رنگ میں اگر دیانت و ہمت سے کام لیا جائے تو نہ صرف تالیف محنت میں سہولت ہو بلکہ اخراجات میں کفایت اور روز افزوں تنازعات میں بہت کچھ تخفیف ہونا یقینی ہے۔ جدید اصول اور وسیع پیمانہ پر زراعت کرنا اور ترقی دادہ اصولوں کو اپنا دستور العمل بنانا غریب کاشتکاروں کے امکان سے بہت کچھ باہر ہے مگر امداد باہمی سے بتدریج کثیر سرمایہ جمع ہو سکتا ہے ترقی زراعت و فروغ تجارت میں کھپ سکتا ہے ظالموں کے خون آشام آہنی پنجہ سے رہائی کا یہی ایک ذریعہ ہے تعلیم جو انسانیت کا زیور اور جس کا حاصل کرنا ہر ایک انسان کا ضروری فرض ہے اس نعمت عظمےٰ سے غریب کاشتکار بالکل ہی محروم ہے۔ اسی وسیلہ سے اس کے وسائل بھی بآسانی مہیا ہو سکتے ہیں۔ قصہ مختصر اگر حقیقی اور پائدار بہبودی کے مستقل اور یقینی وسائل کی آرزو ہے تو بجز اتفاق ممکن نہیں

نظام کائنات نظام عالم، نظام جسم، نظام تمدن کے بہترین ادارات سب بزبان حال اسی امر کی بآواز بلند تلقین کر رہے ہیں۔

دو دل یک شود بشکند کوہ را — پراگندگی آرد انبوہ را

آرے باتفاق جہاں می تواں گرفت

الحاصل اگر محنت دولت اور حکمت کے معجون مرکب یعنی امداد باہمی کی اجتماعی کوشش سے کما حقہ کام لیا جائے تو کسی قوم کی کوئی تمدنی مشکل لاینحل نہیں رہ سکتی مبارک ہیں وہ جو اس نکتہ کو سمجھیں یا دکھیں اور کام میں لائیں وما علینا الا البلاغ۔ "مسلم"

دنیا کے ممالک میں بینکوں کی تعداد اور ان کی دولت

دنیائے جدید کی تجارت کا انحصار تمام تر بینک کے کاروبار پر ہے اس کام میں امریکہ کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے جس کے بینکوں اور ان کی شاخوں کی مجموعی تعداد تیس ہزار تک پہنچی ہوئی ہے۔ انگلستان ایک چھوٹا سا جزیرہ اپنے حدود کے اندر ساڑھے تین ہزار بینک رکھتا ہے۔ آسٹریلیا کے بینک اپنی شاخوں سمیت ڈھائی ہزار تک پہنچے ہوئے ہیں ان کے مقابلہ میں ہندوستان کے تمام بینکوں اور ان کی شاخوں کی مجموعی تعداد پانچسو ہے پھر ہندوستان کے بینکوں کا کل سرمایہ اگر اس کے افراد پر تقسیم کیا جائے تو مشکل سے دس روپیہ فی کس پڑیں گے۔ مگر امریکہ کے بینکوں کا سرمایہ ۴۰ پونڈ فی کس اور کنیڈا کے بینکوں کا سرمایہ ۲۰ پونڈ فی کس کے حساب سے تقسیم ہو سکتا ہے۔

دنیا کی بڑی بڑی قوموں کی دولت جس کا اندازہ ان کے بینکوں سے ہوتا ہے حسب ذیل ہے۔

امریکہ	........۳۸۰ ڈالر	کنیڈا	........۲۲۵ ڈالر
برطانیہ	........۱۲۲ ڈالر	اٹلی	........۲۲ ڈالر
چین	........۶ ڈالر	برازیل	........۱۶ ڈالر
جرمنی	........۵۰ ڈالر	افغانستان	........۱۵ ڈالر
جاپان	........۲۳۵ ڈالر	آسٹریلیا	........۱۳۱ ڈالر
فرانس	........۴۲۵ ڈالر		
روس	........۲۵ ڈالر		

خلاصہ خطوط

جناب منیجر صاحب سلامت

یہاں پر دی مسلم کوآپریٹو سوسائٹی ہبلی ایجاد کر کے ۲۵۰۰ روپیہ جمع کر کے کرناٹک سنٹرل بنک میں جمع کرا کر رسید لکھ کر رجسٹر کو روانہ کی ہو رجسٹر ڈکراتے ہی آپ کو خلاصہ لکھ کر بھیجا ہوں آپ کا رسالہ بہت فائدہ مند ہو لوگ بہت پسند کرتے ہیں ہبلی کو دو رسالہ آتے ہیں ایک محمد دین صاحب حسنی منگاتے ہیں اور ایک میں آپکے رسالہ کا ہی طفیل ہو کہ سوسائٹی قائم ہوئی۔ حسین ہبلی

جناب محترم۔ مدیر سود مند۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

سود مند ضرور جاری رہنا چاہیئے آپ اپنے کام میں بفضلہ بہت تجربہ رکھتے ہیں مسلمانوں کو آج سب سے زیادہ سود مند جیسے رسالہ کی ضرورت ہو کیونکہ مالی اصلاح سب اصلاحوں سے مقدم ہو۔

آپ کا خادم ایک سود مند

مکرم بندہ جناب سید طفیل احمد صاحب خدا آپ کو تا قیامت سلامت و خوش رکھے۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ عرض ہو کہ آپکا وجود مسلمانوں کے لیئے باعث برکت ہو۔ اُمید ہو کہ اگر آپ نے اسی طرح جدّوجہد جاری رکھی تو انشا اللہ تعالےٰ بہت جلد مسلمانوں کی حالت بدل جاوے گی۔ آفریں و صد شاباش ہو آپ کی مردانگی پر اور آپ کے حوصلہ پر۔ آپ ہی ہیں کہ علما کے تیر و تفنگ کے سامنے سینہ سپر کیئے کھڑے ہیں خداوند کریم آپ کو اس دُنیا میں بھی محفوظ و مصؤن رکھے۔ اور آخرت میں بھی فردوس عطا کرے میں نہیں بلکہ سارا جہان جو کہ سود مند کا پڑھنے والا ہو آپ کا تہ دل سے مشکور و ممنون ہو۔ میں زندگی کا بیمہ کرانے کو تیار ہوں۔ پراسپکٹس رجب علی کلکتہ اور رنیشل کمپنی سے منگوا چکا ہوں۔ کونسی کمپنی قابل اعتبار ہو جہاں بیمہ کراؤں۔ موضع نوکھر میں ہر کہ و مہ ہر جاہ ہر گھر ہر در اور ہر مسجد میں سود کا چرچا ہو کوئی کہتا ہو کہ جو یہ کہہ رہا ہو کہ سود جائز ہو۔ وہ بہت برا کر رہا ہو۔ کوئی کہتا ہو کہ اور باتیں تو سب اچھی کہتے ہو مگر سُود کی بات بُری کہتے ہو۔ کوئی میرے اوپر فتوے منگوانے کی فکر میں ہے خیر بندہ کو ان باتوں کی پرواہ نہیں۔ اس گاؤں کے ارد گرد بھی بس کفایت شعاری پر ہی تبادلہ خیالات پر کچھ دیتا رہتا ہوں چنانچہ ایک شخص جو کہ گزشتہ دنوں میری تحریک پر رسالہ سود مند کا خریدار ہوا تھا۔ اب میں خود بھی اسی کے رسائل دیکھ لیا کرتا ہوں۔ یہ خریداری کے بعد باقی رسائل مثلاً جواز سود مسلمانوں کی اصلاح

مسلمانوں کا مستقبل۔ بچوں کا شادی تعلیمی بیمہ وغیرہ منگواتے ہیں۔ وہ بھی سود کے معتقد ہوگئے ہیں۔ پہلے سود کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔ ایک صاحب کو رسالہ سودمند کا نفرنس نمبر صرف ایک ہی پرچہ پڑھنے کو دیا تھا۔ وہ بھی سود سے متفق ہوگئے۔ باقی رسائل جواز سود و مالی اصلاح وغیرہ کسی دوسرے دوست کے پاس دیکھے

یہاں کے مسلمان پیشہ ور نیک چلن ضرور ہیں مگر کفایت شعاری کا پتہ اس وقت چلے جبکہ مہاجنوں کے قرض سے بری ہوں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ فصل پکنے پر کھانے کے لئے بھی زمینداروں کے پاس قرضخواہ کچھ چھوڑنا نہیں چاہتے۔

یہاں نہ تو مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں ہیں اور نہ ہی امداد باہمی کے بنک ہیں میں چاہتا ہوں کہ ایسا ہو جائے اور کوشش کر رہا ہوں (محمد حسین قریشی از نوکھر)

مکرمی۔ تسلیم

گزارش ہے کہ آپ لوگوں کی عدم توجہی کی مطلق پرواہ کرتے ہوئے اپنے مقدس کام میں لگے رہیں اور اگر آپنے ایک عاشق صادق کے اصول کے ماتحت کام کیا تو تمام دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود بھی آپ ضرور کامیاب ہوں گے جس طرح محبت یا عشق میں انسان اپنے آپ کو فراموش کرکے ہر لحظہ وصال محبوب کے لئے تدابیر میں مشغول رہتا ہے اور جبتک وہ کامیاب نہ ہوجاوے سیماب وار بیقرار رہتا ہے۔ اس عشق کی تقلید ہمکو اپنی دنیاوی یا کاروباری کامیابیوں کے لئے بھی کرنی لازمی ہے۔ میں نے تمام عزیزوں کی انتہائی مخالفت کے باوجود اپنی شاندار ملازمت کو ترک کرکے کاروبار اختیار کیا۔ اور وہ وہ نقصان و تکالیف مجھکو برداشت کرنی پڑیں کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔ مگر میں نے ان تمام مخالفتوں و خسارات و تکالیف کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنے ضمیر کے ساتھ عہد کرلیا کہ بس ابتو کامیابی یا اس کے حصول کے جدوجہد میں جان دیدینے کے سوا اور کچھ نہیں کرونگا۔

۴ سال کی مخالفت کے بعد اس ہفتہ میرے تین عزیزوں کے خطوط آئے ہیں جن میں وہ کاروباری امداد و رہنمائی کے لئے بندہ سے مستدعی ہوئے ہیں۔ گویا میں کامیاب ہوگیا اور میرا مقصد حاصل ہوگیا میں تو یہی چاہتا تھا کہ ملازمت کا خیال چھوڑ کر تجارت میں میرے عزیز حصہ لیویں۔ ان میں ایک صاحب بیرسٹر بھی ہیں۔ قوم کے اصلاح آسان و سہل نہیں ہے۔ یا تو اس کا بیڑا ہی نہ اُٹھائے اور جب کہ آپ اُٹھا چکے ہیں تو پھر مردانہ وار سر کے ساتھ نباہیں۔ مسلمانوں کی سب تحریکیں عدم استقلال کی وجہ سے

ناکام ہوتی رہی ہیں آپ کی مخلصانہ جدوجہد ضرور بار آور ہوگی۔　　خادم

ممتاز علی خاں از برلن۔

جناب من تسلیم۔

بندہ نے محض دو ماہ کے مطالعہ سود مند سے نہایت ہی فائدہ اٹھایا جس کا مفصل احوال بعدہ تحریر خدمت ہوگا ہیں بالعموم آپ کا اور خصوصاً شیخ نبی بخش کا جو میرے محب وطن ہیں تہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے میرے نام سود مند جاری کیا اور کرایا ہے کیونکہ میرا مبلغ چالیس روپیہ ماہوار خرچ تھا تو سود مند کے مطالعہ سے دس روپیہ ماہوار کو بچانے پر آگیا ہوں۔　　(غلام احمد از کنہ ضلع جہلم)

ریویوز

رسالہ مخزن لاہور اس رسالہ کا نام اور اس کی شہرت تو آپ بھول نہیں سکتے اور اس کی ادبی عزتوں کے نقش تو آپ کے دل سے مٹ نہیں سکتے البتہ یہ ممکن ہے کہ اب کچھ مدت سے آپ نے اس کو نہ دیکھا ہو اور آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ اب مولنٰا ابوالاثر حفیظ جالندری نے اپنی قابلیت اور حسن اثر سے اس کے دیکھنے والوں کو وہ مصرعہ بھلا دیا ہے ع

یہ جس کی پیری ہے اس کا شباب کیا ہوگا

اور اس کی موجودہ شان کو دیکھنے والے اب یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ؎

تری اٹھان ترقی کرے قیامت کی　　ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

مخزن کے جاذب نظر اور دلنشین مضامین پڑھتے ہیں کہ اس پر ٹوٹ ٹوٹ کر شباب آتا ہے اس تعارف کے ساتھ ہی ہم اپنے خلوص کے بھروسے پر اپنے دوست مولنٰا حفیظ سے یہ ضرور کہینگے کہ مخزن کے خوشنما شاندار اور نتیجہ خیز مضامین میں ایک مضمون بھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جس کا حاصل اس سے بہتر یا کم سے کم اس کی برابر کا نہو اور ناظرین سے یہ عرض کرینگے کہ سالگرہ نمبر اپریل میں ملتا ہے اس کو منگا کر ضرور دیکھئے خریداری کا فیصلہ اس کی وہ خوبیاں کرینگی جو قدر کی ضامن ہیں۔ سالانہ چندہ صرف للعہ ہے

رسالہ ہنر مند لاہور ملک عبدالقیوم صاحب بی اے علیگ بیرسٹر ایٹ لا سابق ایڈیٹر مسلم آؤٹ لک لندن کی ادارت میں ماہوار شایع ہوتا ہے جو زراعتی تجارتی صنعتی و حرفتی ترقیوں کے

مسلمانوں کو فائدہ پہونچانے کا حامی ہی۔ ہنرمند کا اپریل نمبر اس وقت ہمارے سامنے ہی جس کے ۱۴ مضمونوں میں ایک فائدہ بخش صنعت۔ جہالت اور بے ہنری۔ ناقابل فراموش باتیں۔ قوم کی ماؤں سے خطاب۔ دولت پیدا کرنے کے عملی وسائل۔ ہنرمند ڈائرکٹری (جس میں تجارتی معلومات کا سلسلہ ہی) کے عنوانات سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہنرمند کیا چاہتا ہی اس رسالہ میں حسب ضرورت بات کا اثر ڈالنے اور اس کو سمجھانے کے لیئے تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ اس انتظام اور ایسے مبارک مقصد کی قدر۔ قومی درد رکھنے والوں کا فرض ہونا چاہیئے جس کی عملی صورت خریداری اور توسیع اشاعت ہی۔ سالانہ چندہ للعہ ہمیں اُمید ہی کہ یہ رسالہ سودمند کا قوت بازو ثابت ہوگا۔

قیمت فی پرچہ ۴ر دفتر ہنرمند۔ جوبلی کابل مل لاہور سے منگوائیے۔

گھڑیوں کی مرمت

ہم نے ہر قسم کی گھڑیوں کی مرمت کا انتظام اپنی نگرانی میں کیا ہے جو صاحب اپنی گھڑیاں قابل اطمینان طور پر درست کرانا چاہیں وہ گھڑی بھیجکر اجرت دریافت فرمائیں۔

المشتہر نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں۔ یو۔ پی

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپیہ کی تین گھڑیاں۔ صرف دس روپے میں

بیوی کے لیئے ۔ آپ کے لیئے ۔ آپکے کمرہ کے لیئے

قابل دید گولڈن رسٹ واچ	ریگولیٹر پاکٹ واچ	مشہور عالم ٹائم پیس جرمن میڈ

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائینگی یہ رعایت فقط مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہیں گی ایسے ہم تعمیل کے ذمہ دار نہوں گے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہو کہ اسٹاک ختم ہوجائے اور آپکی منشا پوری نہ ہوسکے۔

نوٹ:۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدنے کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ ان سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجاتی ہے اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی ان کو ادا کرنا ہوگا۔

پتہ ملنے کا:۔ امریکن واچ ہوس اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی نمبر ۲ مقام دہلی

دِی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دیکر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنیٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لیئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرے سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے۔

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ روپیہ** کا کل سرمایہ بے ضرر ہے کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کیجاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا **اُردو پراسپکٹس** جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۰ ڈلہوزی اسکوئر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۳۰ ر دسمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا کہ

"بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے۔ ہر مرد و عورت اور بچہ کا ہر مکان اور سواری کے جہاز و کشتی کا بیمہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اور درانحالیکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ ہسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے پسماندگان کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لیئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

غمزدہ بیوہ کی تکلیف اور صدمہ کی قدر اگر شادی شدہ عورت محسوس کرے تو

ہر عورت اپنے شوہر کو بیمہ کیلئے مجبور کرے

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

صدر دفتر نمبر ۶ ڈلہوزی اسکوئر

دیکھیے ہندوستان کے مدبر اور تجربہ کار حضرات زندگی کے بیمہ کے لیئے کیا فرماتے ہیں۔

سر پرشوتم داس ٹھاکر داس ہندوستان کے مشہور تاجر اور ماہر اقتصادیات فرماتے ہیں۔

"زندگی کے بیمہ کو اب تمام دنیا نے ایک مد فاضل نہیں بلکہ ضرورت شدید تسلیم کر لیا ہے"

آنریبل مسٹر کے وی رنگا سوامی آئنگر فرماتے ہیں۔

"اگر اہل ہند مصیبت ہٹانا چاہتے ہیں تو اُنھیں زیادہ تعداد میں بیمہ کرانا چاہیئے"

پروفیسر کے وی مدھاوا ایم اے میسور یونیورسٹی کے محکمہ ریاضی و اقتصادیات کے افسر اعلےٰ فرماتے ہیں۔

"زندگی کا بیمہ نہ صرف لوگوں کو انفرادی طور پر محفوظ کرتا ہے بلکہ وہ ایک غیر محسوس خیرات ہے ایک جماعتی خدمت ہے اور نہ صرف یہ بلکہ کم خوش قسمت اور مختصر الوقت خاندانوں کے لیئے ایک بڑی سخاوت ہے"

ہمالیہ بیمہ کمپنی تمام ہندوستان میں کیوں مقبول عام اور ہر دلعزیز ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ

کمپنی کی طرف سے زر منعوبہ (کلیم) بغیر کسی تاخیر اور پس و پیش کے ادا کیا جاتا ہے جس کے متعلق بہت سے خطوط تعریفی ہندوستان کے ہر گوشہ سے کمپنی کو مل چکے ہیں

جس کے لیئے

ہمارا پراسپکٹس ملاحظہ فرمایئے

سود مند لٹریچر

مسلمانوں کے لیئے ان کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہ ہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک دردمند قوم نے خاص طور پر شایع کرایا ہے ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سود خواروں کے پنجہ سے نجات دلانے بنک کا لین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔ ان کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رکھی گئی ہے۔ تاکہ لوگ خرید کر تقسیم بھی کر سکیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث۔ یعنی خطبہ صدارت جو مولوی اکرام عالم صاحب وکیل بی اے نے سود مند کانفرنس منعقدہ فرخ آباد ۱۹۲۶ء میں پڑھا تھا قیمت ۲ر

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۸ر

کشف الغطا عن وجہ الربوا۔ مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو اسحٰق حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کر کے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہے ایک کالم میں عربی ایک میں اُردو ترجمہ قیمت ۴ر

رسالہ جواز سود مع فتاویٰ۔ جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علماء کے فتووں کا مجموعہ ۱ر

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح مولنا سید طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہے جس میں مسلمانوں کو اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں قیمت ۱ر

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیئے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیمہ کرانے کے کیا قواعد ہیں۔ قیمت ۱ر

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان مصنفہ سید طفیل احمد صاحب ایم ایل سی علیگڈھی محنت و جانفشانی سے لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو از بس ضروری ہے قیمت ۵ر

مسئلہ سود کے متعلق فتوے اور سود مند کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز سود مند کانفرنس دہلی منعقدہ ۱۹۲۳ء میں جو تجاویز منظور ہوئی تھیں ان کا مجموعہ مع اُن فتووں کے جو مسئلہ سود کے متعلق ابتک دیئے گئے ہیں قیمت ۱ر

کل کتابوں کا محصول ذمہ خریدار ہیگا

ملنے کا پتہ۔ نظامی پریس و بک ایجنسی بدایوں۔ یو۔ پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد احمد الدین ایف آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود بہت کم ہو یا کوجو تباہ کن اور حرام ہے مٹا دے۔

(۳) فضول اور تباہ کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

قواعد و ضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

(۲) سودمند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے۔ اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے اس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی۔

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجی جائے یا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی۔

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی۔پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی۔پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کر لیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی۔پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بمد کمیشن جاری رہیگا۔ مستقبل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے۔

المشتہر:— منیجر سودمند بدایوں

۱۹۲۵

سُود مند بدایوں

نمبر ۵	مئی ۱۹۲۶ء	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد ۳		قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

اس کو ضرور پڑھیئے

جو حضرات جون سے خریدار ہیں ان کا سالانہ چندہ مئی ۱۹۲۶ء میں ختم ہو گیا اگلا چندہ بذریعہ منی آرڈر مرحمت فرمائیں ورنہ دی پی ارسال خدمت ہوگا۔ (منیجر سود مند)

کفایت شعاری

یہ کیا ہی جو تذلیل و خواری نہیں ۔ کہ فکر کفایت شعاری نہیں
جہاں میں نہیں جو کفایت شعار ۔ نہیں اُن کا دنیا میں کوئی وقار
اولوالعزم چیونٹی سے سیکھو سبق ۔ نہیں ورنہ جینے کا کچھ تم کو حق
مطیع خدا ہی کفایت شعار ۔ ہی "لا تسرفو" حکم پروردگار
جنھیں صرف بیجا کی عادت پڑی ۔ نہ پاس اُن کے کوڑی رہیگی کبھی
زمانہ میں ہونگے وہ خانہ خراب ۔ ہر اک اُن کو دے گا ٹکا سا جواب
وہ پیسہ بچینگے پھر خود کہاں سے کہاں ۔ کرائینگی کیا کیا نہ مجبوریاں
ہی اسراف بیجا پہ ناحق اکڑ ۔ یہ عادت ہی دُنیا کے عیبوں کی جڑ
نکالو نہ چادر سے باہر قدم ۔ کہ تنگی سے کھل جائے سارا بھرم
شمار آمد و خرچ کا گر نہیں ۔ تو خود زندگی موت ہی بالیقیں
نہ ہو نام بدنامیوں میں گزٹ ۔ ہر اک مد کا تیار کرلو بجٹ
کرو جب جہاں میں کوئی کام کاج ۔ بنو تم نہ عالم میں مصرف مزاج
گھڑی شادی و غم کی آئے اگر ۔ رہے حکم "لا تسرفو" پر نظر
بُرے وقت کے واسطے کچھ بچاؤ ۔ کہ ایام زحمت میں راحت اُٹھاؤ
کفایت شعاری سے رتبہ بڑھے ۔ رہو جب نہ تم نام باقی رہے
خریدو کوئی بے ضرورت نہ چیز ۔ کہ اسراف ہی اک مرض اے عزیز
نہ دریائے آتش تلاطم میں آئے ۔ کہ آدھی کو چھوڑو تو ساری بھی جائے
تکلف میں تکلیف ہی صرف ہی ۔ سدا سادگی خوبیٔ ظرف ہی
کبھی بھول کر لو نہ قرضے کا نام ۔ بناتا ہی آزاد کو یہ غلام
تمہیں فرض قرضے سے اغماض ہی ۔ یہ قرضہ محبت کی مقراض ہی
کفایت شعاری ہے وہ فرض عین ۔ کہ جس کے بجز غیر ممکن ہی چین
نہ دو آبرو اپنی لیکر اُدھار ۔ نہ ہرگز ہو منت کش سود خوار
نہ تعلیم و حکمت نہ ہی تخت و تاج ۔ کفایت شعاری ضروری ہی آج
اگر چاہتے ہو عروج و کمال ۔ تو بس اس نصیحت کا رکھو خیال

مُسلمانوں کی اقتصادی حالت

(یہ وہ تقریر ہے جو آنریری ایڈیٹر سود مت نے مسلم کلب لکھنؤ میں ۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء کو کی)

سود کی تاریخ حضرات۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت کا چونکہ مسئلہ سود سے بڑا تعلق ہے اس لیئے ضرورت ہے کہ اول میں مختصر طور پر مسئلہ سود کی تاریخ آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ دنیا کے ابتدائی دور میں سود سے انسان کو چونکہ بہت نقصانات پہونچے اس لیئے ہر مذہب و ملت میں اُس کا لین دین ممنوع اور معیوب تھا۔

مگر اُسی کے ساتھ جب مختلف ممالک کے درمیان وسیع پیمانہ پر تجارت اور تجارتی مقابلوں میں کثیر روپیہ کی ضرورت ہونے لگی تو صنعت و حرفت اور کاروباری ترقی کے لیئے سود ناگزیر ہوگیا۔

حالانکہ ۱۲۴۱ء میں یورپ کے پادریوں نے ایک گشتی خط کے ذریعہ سے سود کی داد ستد کی قطعاً ممانعت کر دی تھی مگر چونکہ دنیا کا کاروبار بلا سود کے چلنا دشوار ہوگیا اس لیئے پادریوں کی ایک جماعت نے ایسی انجمنیں قایم کیں جو چندہ سے روپیہ جمع کر کے کاریگروں کو بلا سودی روپیہ دیتی تھیں۔ مگر جب ان کا روپیہ مارا جانے لگا تو انھوں نے خفیف خرچہ وصول لگانا شروع کر دیا۔ جس نے آگے چلکر معین خرچہ تجارتی سود کی شکل اختیار کر لی اور یہ معین خرچہ بالعموم نو فیصدی سالانہ یا بارہ آنہ سیکڑہ ماہوار سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ بالآخر ۱۵۴۵ء میں جان مرٹن شہر کنٹربری کے لارڈ بشپ نے یہ قانون پاس کر دیا کہ قرض دینے والوں کو دس فی صدی سے زیادہ نہ دلانا چاہیئے اس کے بعد انگلستان کی گورنمنٹ نے ۱۶۲۴ء میں شرح سود گھٹا کر آٹھ فیصدی کر دی۔ ۱۶۶۰ء میں چھ فی صدی۔ پھر پانچ فی صدی اور انجام کار ۱۸۵۴ء میں تعین شرح سود کا قانون بالکل منسوخ کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں روپیہ کے بکثرت کاروبار اور اُس کے صنعت و حرفت میں لگنے سے خود بخود شرح سود گھٹتی گئی۔ اور اُس میں ملک کے قانون نے امداد کی۔

مگر جب یہ ہی قانون ۱۸۵۵ء میں ہندوستان میں نافذ ہوا۔ تو اُس نے یہاں کی حالت دگرگوں کر دی جس کی تفصیل بعد میں عرض کیجائے گی۔ اِس تفصیل سے قبل میں دکھانا چاہتا ہوں کہ زمانہ سابق میں ہندوستان کی مالی حالت کیا تھی۔

زمانہ سابق میں ہندوستان کی حالت مسٹر ولسن نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں لوہے کی صنعت نامعلوم زمانہ سے تھی۔ اسی طرح ہندوستان میں اعلےٰ درجہ کی جہاز سازی کا فن تھا۔ یہاں کی پارچہ بافی کا تو تمام

دُنیا میں غلغلہ تھا۔ حتی کہ مصر میں ہزاروں برس کی پُرانی لاشیں ہندوستان کی ململ میں ملبوس پائی جاتی تھیں۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے ہندوستان ایک صنعتی ملک تھا چنانچہ ۱۷۹۴ء میں یعنی اُس وقت سے کل ایک سو چونتیس سال قبل انگلستان سے ہندوستان میں کل ایک سو چھپن پونڈ یعنی دو من سے کچھ کم کپڑا آیا تھا۔ اور اُس وقت سے کل اُنتیس سال بعد یعنی ۱۸۲۳ء میں ہنری سینٹ جارج ٹکر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈائرکٹر نے بیان کیا کہ ہندوستان ایک صنعتی ملک سے ایک زرعی ملک بنا دیا گیا۔ برخلاف اس کے جان رچرڈ گرین نے صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ انگلستان کی صنعت خاص طور پر زراعت تھی۔ غرضیکہ تھوڑے عرصہ میں ان دونوں ملکوں کی حالت منقلب ہوگئی اور اب دونوں ملکوں کی جو نسبتی حالت ہے اُس کا اندازہ ذیل کے اعداد سے ہوسکے گا۔

پیشہ	انگلستان		ہندوستان
صنعت و کان کنی	۵۷ء۷ فی صدی	} ۷۱ فی صدی	۱۱ فی صدی
تجارت	۱۳ء۳ فی صدی		۷ فی صدی
زراعت	۱۱ء۵		۷۱ فی صدی

یعنی انگلستان جو کسی زمانہ میں ایک زرعی ملک تھا۔ اب وہاں صرف ساڑھے گیارہ فیصدی زراعت رہ گئی۔ جو ہندوستان کی صنعتی آبادی کے مساوی ہے۔ اور وہاں کی صنعت و تجارت ترقی کر کے اکہتر فی صدی تک پہونچ گئی۔ جو ہندوستان کی موجودہ زرعی آبادی کے مساوی ہے۔ گویا ہندوستان اور انگلستان کے باہمی تعلق سے انگلستان تحت الثریٰ سے آسمان پر جا پہونچا۔ اور ہندوستان آسمان سے اتر کر تحت الثریٰ میں اُتر گیا۔

ہندوستان کی زرعی حالت

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اب وہ زرعی ملک بھی باقی رہا ہے کہ نہیں۔ زمانہ قدیم سے ہندوستان کی بعض پیداواریں لاجواب سمجھی جاتی تھیں مثلاً نیل نیشکر۔ روئی۔ گندم وغیرہ آپ سب صاحب واقف ہیں کہ یورپ کے مصنوعی رنگوں نے یہاں کے نیل کو ختم کر دیا۔ یہاں کی روئی سے نہایت نازک کپڑا نہیں بنا جاتا۔ یہاں کی روئی کا ریشہ زیادہ سے زیادہ ۵/۸ انچ لانبا ہوتا ہے۔ درانحالیکہ دیگر ممالک کی روئی کا ریشہ ۱½ انچ تک کا لانبا ہوتا ہے۔ یہاں باوجودیکہ سب سے زیادہ نیشکر پیدا ہوتا ہے مگر سفید دانہ دار شکر دیگر ممالک سے نہایت ارزاں تیار ہو کر بکثرت

اس ملک میں آتی ہے۔ اسی طرح میں نے حال میں مولوی عبدالقیوم صاحب وارڈن زراعتی کالج کانپور کے ایک لیکچر میں پڑھا کہ یورپ میں فی بگیہ یہاں کے مقابلہ میں چار گونہ پیداوار ہوتی ہے حتّٰی کہ مسٹر ہنری اسمتھ ماہر دودھ نے بیان کیا کہ لندن میں بمقابلہ ہندوستان کے بڑے شہروں کے زیادہ ارزاں دودھ فروخت ہوتا ہے اور یہ حالت یہاں علاوہ سیاسی امور کے جن کے تذکرہ کا یہاں موقع نہیں۔ ایک حد تک سرمایہ کی قلت اور شرح سود کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

شرح سود کی زیادتی کی وجہ

اب سوال یہ ہے کہ یہاں کی شرح سود زیادہ کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان میں زمانہ قدیم سے دام دوپٹ کا قانون رائج تھا۔ جس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ اصل روپیہ کے مساوی سود واجب الوصول ہو سکتا تھا۔ مگر ۱۸۵۵ء کے قانون سود نے اس رواج کو درہم برہم کر دیا۔ ایک طرف تو قرضہ میں زمینداری مکفول ہونے اور نیلام ہونے کی اجازت ہوئی دوسری طرف شرح سود آزاد ہو گئی مسلمان اپنے مذہب کی رو سے سود نہ لیسکتے تھے۔ مگر قانون کی رو سے گراں شرح سود دینے پر مجبور ہوئے۔ قانون کی اس تبدیلی سے مسلمانوں کے لئے گویا ۱۸۵۷ء سے دو سال قبل غدر شروع ہو گیا۔ جس نے فی الواقع ہندوستان کے مسلمانوں کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا۔

مسلمانوں کی کروڑوں روپیہ کی زمینداریوں کے نیلام سے اب جو اُن کی حالت ہو گئی ہے وہ سب پر عیاں ہے اور بمصداق عیاں را چہ بیاں اُس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ ہر تیس سال بعد بندوبست ہوتے ہیں اُنکی رپورٹیں اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ رپورٹیں ملنی مشکل ہوں تو ہر مہینہ کی بیس تاریخ کو کچہری میں جا کر دیکھ لیجئے کہ کس قوم کی جائدادیں نیلام ہوا کرتی ہیں۔ بہرحال ہندوستان میں بدقسمتی سے اب مسلمان اور مفلس مرادف الفاظ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اٹھارہویں صدی کے آخر میں کپتان الگزنڈر ہملٹن نے لکھا ہے کہ تنہا ایک مسلمان تاجر عبدالغفار کا سرمایہ ایسٹ انڈیا کے سرمایہ کے برابر تھا

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اس ملک میں شرح سود کی زیادتی کی بڑی وجہ تو سیاسی ہے۔ یعنی یہ کہ سلطنت تجارت پیشہ ہے وہ کثیر سرمایہ دار ہے۔ اُسے اپنے ملک کی صنعت و حرفت زیادہ عزیز ہے۔ مگر میں سیاسی حصہ کو اپنی جگہ پر چھوڑتا ہوں۔ میں صرف اُس حصہ سے بحث کرنا چاہتا ہوں جو خاص مسلمانوں کے طرز عمل سے مخصوص ہے۔ وہ یہ ہے کہ جبکہ روپیہ کے کاروبار میں مسلمانوں کا صرف اس قدر حصہ ہے کہ جس صورت میں سے بن پڑے قرضہ لیکر اُسے صرف کر ڈالیں اور خود صنعت و تجارت اور کاروبار میں روپیہ نہ لگا

تو اس کا نتیجہ بجز ملک کی شرح سود میں اضافہ ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔
ایک مہاجن جب صنعت و حرفت میں روپیہ لگاتا ہے تو اُسے دس بارہ فی صدی سے زیادہ نہیں ملتا مگر جب ایک مسرف مسلمان کو قرض دیتا ہے اور اُسے چوبیس اور چھبیس فی صدی سالانہ یا سائی مل جاتا ہے تو اُسے کیا ضرورت ہے کہ اپنا روپیہ کم شرح سود پر لگائے۔ کاش اگر مسلمان بھی جو کچھ روپیہ انھیں ملے۔ بازاروں منڈیوں کارخانوں میں پہنچانے لگیں تو قدرتی طور پر ملک کی شرح سود گھٹے گی۔ اور شرح سود گھٹنے سے تجارت وصنعت کو ترقی ہو گی۔ پس مسلمان روپیہ کا کاروبار کرنے سے نہ صرف اپنی قوم کو ہلاکت سے بچائیں گے بلکہ اپنے ملک کی ترقی میں ممد و معاون ہونگے۔

ہندوستان کی موجودہ اقتصادی حالت

اب میں اختصار کے ساتھ ہندوستان کی مالی حالت کا خاکہ کھینچتا ہوں جو کسی زمانہ میں اپنی دولت کی وجہ سے تمام دنیا کی قوموں کے لئے مقناطیس بنا ہوا تھا۔ سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب نے گزشتہ صنعتی و تجارتی کانگریس منعقدہ مدراس میں اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا کہ قبل از جنگ عظیم ہندوستان میں کپڑے کا خرچ فی کس بقدر اٹھارہ گز کے تھا۔ اور بعد از جنگ گھٹ کر صرف دس گز رہ گیا جس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کی قوت خرید روز بروز گھٹ رہی ہے۔ اسی طرح سر ابراہیم موصوف نے مختلف ممالک کے باشندوں کی آمدنی کا تخمینہ حسب ذیل کیا ہے۔
امریکہ فی کس ۲۰۰۰ روپیہ سالانہ۔ انگلستان فی کس ۱۰۰۰ سالانہ۔ کنیڈا اور آسٹریلیا ۵۵۰۔ ہندوستان صرف ۳۰ روپیہ۔ مگر بعض اس تعداد کو ۳۰ سے بڑھا کر ۹۰ روپیہ بتاتے ہیں۔

افلاس سے نکلنے کی تدابیر

غرضیکہ اول تو اہل ہند جن میں دیگر اقوام کے سرمایہ دار شامل ہیں۔ دیگر ممالک کی نسبت سے حد درجہ مفلس ہیں اور برادران وطن کے مقابلہ میں جو مسلمانوں کی حالت پہونچ گئی ہے۔ وہ تو قابل بیان ہی نہیں۔ اس حالت سے نکلنے کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول سرمایہ داری جو مسلمان کے امکان سے باہر ہے۔ دوسری صورت انجمنہائے امداد باہمی کی ترویج ہے۔ جس کے ذریعہ سے دیہات کے باشندے بتدریج ترقی کر رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بعض آبادیوں نے ان انجمنوں کے ذریعہ سے اس قدر ترقی کی ہے کہ مشترک سرمایہ سے اپنی سڑکیں اپنی روشنی اپنے اسکول اور اپنی دکانیں بنائی ہیں مگر افسوس کہ بعض مسلمان انجمنہائے امداد باہمی کی شرکت کو بھی ناجائز سمجھکر اُن سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے اصحاب سمجھ لیں کہ ایک طرف تو مسلمان جب شہروں میں کوئی نیا گنج بنتا ہے یا نئی سڑک نکالی جاتی ہے تو وہاں سے اُجاڑے جاتے ہیں

اور اگر وہاں سے اجڑ کر وہ دیہات میں گئے اور دیہات میں بھی وہ انجمنہائے امداد باہمی سے بچے تو اُن کا ٹھکانا کہاں باقی رہے گا۔ اور وہ کہاں جا کر بسینگے۔

حضرات! یہ ایک دردناک داستان ہو کہ اکثر مقامات میں جب مسلمانوں کی زمینداریاں فروخت ہوتی ہیں تو اُس میں مسلمانوں کے قبرستان بھی نیلام ہو جاتے ہیں اور جدید زمینیں بوجہ افلاس کے وہ خرید نہیں سکتے جس کی وجہ سے بعض مقامات میں اُنھیں اپنے مردے دفن کرنے مشکل ہو گئے ہیں پرانے مردے قدیم قبرستانوں سے اُکھاڑے جانے کے قصے تو سنا ہی کرتے تھے۔ مگر اب وہ وقت آ رہا ہو کہ ہمارے مرنے والوں کے لیئے خدانخواستہ جگہ ملنی مشکل ہو گی۔

اب سوال یہ ہو کہ اگر مسلمان افلاس دور کرنے سے اسی طرح غافل رہے تو اُن کے مُردوں کا کیا انجام ہوا کرے گا۔ کیا خدانخواستہ اُنھیں دیگر اقوام کی طرح اپنے مُردوں کو فنا کرنے کا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا خدا وہ دن نہ لائے مگر نظام عالم یہ ہو کہ محض دعا سے کام نہیں چل سکتا۔ جب تک کہ اُس کے ساتھ کچھ عمل نہ ہو اور عمل جس کی ضرورت ہو وہ یہ ہو کہ

(۱) مسلمان مثل دیگر اقوام کے روپیہ کا کاروبار کریں۔ دیگر اقوام کے لوگوں کو ہر شرح سود پر آزادی کے ساتھ روپیہ دیں اور مسلمان بھائیوں کو صرف تجارتی اور صنعتی اغراض کے لئے کم شرح سود پر روپیہ دیکر اُن کی امداد کریں۔

(۲) انجمنہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی دوکانیں اور کوٹھیاں قایم کریں۔

(۳) اپنا پس انداز روپیہ بجائے زیور میں منتقل کرنے یا زمین میں مدفون کرنے کے ملک کے بنکوں میں معین منافعہ پر رکھیں۔

(۴) اپنے بچوں کا حساب ڈاکخانہ میں کھلوائیں اور اُن کے ہاتھ سے اُن میں روپیہ جمع کرائیں۔

(۵) اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائیں تاکہ تعلیم کے وقت خواہ وہ خود زندہ ہوں یا نہ ہوں۔ اُن کے بچوں کی تعلیم جاری رہ سکے۔

امداد باہمی

یہ ایک ماہوار رسالہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی ادارت میں قادیان سے شایع ہوا ہو۔ اس میں امداد باہمی۔ زراعت۔ صنعت و حرفت پارچہ بافی دیہاتی ترقی قرضداری سے نجات پانے کے ذرایع کے متعلق عمدہ مضامین۔ ۳۲ صفحات پر درج ہیں لکھائی چھپائی عمدہ ہو قیمت ۱۲ سالانہ ہو۔ (ایڈیٹر)

بری رسموں کا اثر مذہب کی اچھائی پر

میرے معزز اور عزیز قریبو اور دیگر مسلمانو!

تم نے کبھی اس بات کا بھی خیال کیا ہے کہ ہندو مہاجن سیٹھ اور بنیئے تو تمہیں رسموں میں پھنسا ہوا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ خوش وہ بھی ہیں خوش تم بھی ہو۔ وہ تو اس لیئے خوش ہیں کہ تم ان کی پرانی رسمیں ادا کر کے "ہندو" معلوم ہو رہے ہو۔ اُن کے قومی تمدن کی فتح ہو رہی ہے۔ مجلسی زندگی میں ان کی معاشرت تم پر حاوی ہو رہی ہے۔ نیز اس لیئے کہ تم رسمیں اختیار کر کے تباہ و برباد ہو گئے۔ مزید قرض مانگو گے۔ اور تمہارا مفلس و قلاش ہونا ان کے لیئے بیٹھی بٹھائی نعمت ہے۔ جب تم غریب ہو کر قرض کے ضرورتمند نہ ہوں ان کا پیشہ کس طرح چلے؟ ہاں وہ اس لیئے خوش ہیں۔ مگر تم آہ مسلمانی کا دم بھرنے والے تم اور عاقل و دانا کہلانے کے شوق میں تم اس لیئے خوش ہو رہے ہو کہ چند دن کی واہ واہ ہے اور پھر اس کے بعد حال تباہ ہے۔ افسوس تم دُنیا میں وہ لاثانی اور نرالی طبیعت کے ملاح ہو جو اپنی کشتی کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر ہنس رہا ہو۔ اس شخص کی مانند ہو جس کا مکان شعلوں اور انگاروں کی نذر ہو رہا ہو اور اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو۔

ہاں خوب دھیان لگا کر سُن لو کہ مکمل مسلمان وہ نہیں ہے کہ ایمان تو لائے رسول دو عالم پر اور تمدن و معاشرت میں اغیار کا مقلد و تابع ہو۔

معزز دوستو۔ کیا تمہارے جگر میں ٹیسیں نہیں اُٹھتیں۔ کیا تم اس کیفیت کو محسوس نہیں کر سکتے اور اس درد اور تڑپ سے لطف اندوز بھی نہیں ہو سکتے جو اس وقت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں جھنجوڑ جھنجوڑ کر تمھیں جگاؤں اور بتاؤں کہ تمہاری جان اور تمہارا مال خدا نے خرید لیا ہے۔

تم نے کبھی نہ سوچا کہ خدا نے تو تم سے جان و مال خرید لیئے ہیں۔ اب تمھیں ہرگز زیب نہیں دیتا کہ سُنت محمدیہ کے خلاف رسومات و بدعات میں پھنس کر خدا کا دیا ہوا مال لُٹاؤ۔ ان ٹانگوں سے چل کر ان مجالس میں جاؤ جہاں رسموں کی دیوی کی پرستش کی جاتی ہے۔ ان ہاتھوں سے رسمیں ادا کرو جو اس نے تمھیں سپرد کیئے گئے ہیں کہ ان سے وہی کام کریں جس کی خدا نے تمھیں اجازت دی ہے۔ اور اس مال میں سے رسول مقبول صلعم کی سنت مطہرہ کے خلاف خرچ کرنا تمہاری مسلمانی کے شایان شان نہیں ہے جو تمھیں خدا نے اس لیئے نہیں دیا۔ کہ تم جدھر جاؤ اُڑا دو۔ اور تم سے کوئی حساب نہ لیا جائے گا۔

کاش! تم نے سمجھ لیا ہوتا کہ "مسلمان" کسے کہتے ہیں اور جان گئے ہوتے کہ مسلمان اس لئے نہیں
پیدا کیا جاتا کہ وہ مذہب کی پروا نہ کرکے اغیار و اپنی خواہشات کی پیروی میں رسمیں بنائے اور اس
تمدن و معاشرت کو پسند نہ کرے جو مذہب نے اُسے بخشا ہے۔ یاد رکھو مسلمانی صرف اس میں نہیں ہے کہ
تم کلمہ پڑھ لو یا نماز ادا کر چھوڑو۔ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہو یا مسلمان کہلاؤ۔ کوئی قوم، کوئی ملت
کوئی جماعت قائم نہیں رہ سکتی۔ نہ اپنا وقار تک قائم رکھ سکتی ہے جب تک وہ اپنے تمدن و معاشرت
کو برقرار نہ رکھ سکے۔ اسلام تو مذہب ہی ایسا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو دنیا و دین کی تمام باتیں تفصیل سے
بتادی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص صحیح معنوں میں مسلمان بن جانا چاہے تو اسے اغیار کے در پر جبیں سائی و
گدائی کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ تمہاری کتاب میں تفصیل لکل شئی موجود ہے اور پھر اگر تم اغیار کی سوسائٹی
کی تقلید کرنے لگ جاؤ تو کس قدر قہر اور اندھیر ہے۔ ؎

مسلماں ہو کے تم غیروں کے در پر جبہ سا کیوں ہو
قیامت ہے کہ بستانِ تلاشِ بو بیاباں میں

مسلمانو۔ تمہاری قومیت و ملیت کا امتیاز تمہاری اسلامی معاشرت سے ہے۔ یہ نہایت اہم ہے کہ تم
شادی و موت وغیرہ تقاریب کے موقع پر بھی بات بات میں اور قدم قدم پر "مسلمان" نظر آؤ۔ رسومات
کو معمولی سمجھ کر نہ ادا کر جاؤ۔ ان میں سے اکثر تمہیں جاہل، نادان، وحشی اور اکثر تمہیں ہندو ثابت کر رہی
ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں جب ہم وہ رسمیں نہیں دیکھتے جو تم ہندوؤں کی تہذیب کے دلدادہ
ہندی مسلمانوں میں نظر آتی ہیں تو حیرت و استعجاب کے عالم میں غرق ہو کر شرم و ندامت سے سر
جھکا لینا پڑتا ہے اور صاف طور پر عالم اسلام کے سامنے تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ ہندی مسلمان عموماً علم و
تہذیب، اسلامی معاشرت اور تمدن سے کوسوں دور ہیں۔ عاری ہیں اور کورے ہیں۔ کیا یہ رسمیں
تمہیں مسلمانانِ عالم کی صف سے علٰحدہ نہیں کرتیں۔

آہ! تم رسموں کو چھوڑتے ہوئے طعنوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ اگر یہ فضول رسمیں ادا نہ کرو۔ تو تم
سیکڑوں مصیبتوں سے صاف بچ سکتے ہو۔ جن میں سے ایک بھی طعنوں کی وقتی مصیبت سے کہیں زیادہ
سخت ہے۔ قرض و افلاس کی مصیبت برداشت کر سکتے ہو مگر طعنے نہیں سن سکتے، کہ یہ ناک نہیں رہتی
اللہ اکبر ناک تب ہی رہے گی جب اس میں نکیل ڈال کر مہاجن تمہیں جیلخانے بھجوا دے گا؟ آہ! وہ لوگ
کون تھے جو شرع شریف پر عمل پیرا ہوتے تھے اور اگر کوئی دنیوی رسم ادا نہ کرنے پر طعنہ زن ہوتا تھا تو بمصداق
آیۃ شریفہ لومۃ لائم کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ آج ہمارے بھائی طعنوں سے ڈرتے ہیں اور خدا سے

نہیں ڈرتے۔ اور وہ مسلمان ایسے تھے کہ طعنے تو کیا چیز ہیں بڑے بڑے مصائب برداشت کر لیتے تھے۔

کاش تم سمجھتے کہ جو شخص "مسلمان" بن گیا وہ اپنی خواہشوں اور راحتوں کو خدا کی راہ میں آنے والی مصیبتوں پر نثار کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے پھولوں کی سیج چھوڑ کر تپتے میدان میں ننگے پاؤں سفر اختیار کر لیا جس میں کانٹے فوج کی برچھیوں کی طرح کھڑے ہوں۔ اس نے طعنوں اور بدنامیوں کو عزت سمجھ لیا۔ اس نے کبھی آرام و راحت کا خیال تک نہ کیا۔ وہ کبھی نیند بھر کر نہ سویا۔ سونے چاندی کے انبار اس کے قدم چومنے لگے۔ مگر اس نے پھر بھی پیوندوں والے کرتے پہنے اور ٹاٹ کے بچھونے ہی استعمال کیے۔ اس کو حکومت اور دولت بھی مل گئی۔ مگر وہ قرآن مجید لکھ کر اور ٹوپیاں ہی بنا بنا کر بسر اوقات کرتا رہا۔

ہاں یہ مسلمان ہی کا کام ہوگا کہ وہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کے گھوڑے پر سوار اِنَّ مع العسر یسرا کی ڈھال ہاتھ میں لیے اور کلمۃ اللہ ھی العلیا کا جھنڈا اٹھائے اس پر خطر راستے میں مردانہ وار بڑھتا چلا جائے گا فضول و قبیح رسومات و بدعات کو مٹاتا چلا جائے گا۔ پس کیا تمہاری مسلمانی تمہیں میرا ہم آہنگ نہیں کر سکتی؟ ماخوذ از اصلاح

بیمہ کمپنیوں کی کانفرنس

گزشتہ ماہ بمبئی میں بیمہ کمپنیوں کے منتظمین کی ایک کامیاب کانفرنس منعقد ہوئی ہے۔ اور وہاں صدر موصوف نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس کام کا صرف ۱۵ فی صدی ملکی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ غیر ملکی لوگوں کا اعتماد بہت زیادہ ہے در اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے مفاد کو بخوبی طور سے خود سمجھیں اور دوسرے پر اعتماد کرنا چھوڑ دیں۔ اس وصف کے پیدا ہو جانے سے ہم اپنی تجارتی اور صنعتی ترقی و مفاد کو بخوبی ذہن نشین کریں گے تو ہمیں یقین ہو جائے گا کہ تجارتی سرمایہ کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ ہم اس کے متعلق تمام خدشات کا خاتمہ کر دیں۔
مقام مسرت ہے کہ ہندوستان کی بیمہ کمپنیوں نے اپنے کام کو ایک نظام کے ماتحت لانے کی کوشش کی ہے ہمارا خیال ہے کہ اگر مرکزی کانفرنس کے ساتھ صوبجاتی کانفرنس بھی ہو اور تمام پیشہ وروں کو ایک مقام پر اکٹھا کر کے بیمہ کی برکات سے آگاہ کیا جائے تو بہترین مفاد حاصل ہونے کی توقع ہے عہد حاضر میں بیمہ اور بینکنگ تجارت کا جزو لاینفک ہیں اور ہمیں ان سے ہرگز غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ (ہنر مند)

شکر بنانے کی صنعت میں انقلاب
بے روزگاروں کے لئے نفع آور پیشہ

(خاص سود مند کے لئے)

چینی یعنی شکر کی صنعت میں انقلاب عظیم واقع ہوا چاہتا ہے مگر روشن خیال گروہ کو اس کی مطلق خبر نہیں ہے اس اختراع کا کہ جس سے ہماری اقتصادی معاشرت پر انقلاب خیز اثر رونما ہوا چاہتا ہے۔ ابھی عوام سے خیر مقدم نہیں ہوا ہے کہ جس سے مغرب میں اس سے کمتر درجہ کی دریافتوں کا ہوتا ہے۔ مگر یہ ہندوستان ہے کہ جس کی عام حالت سترھویں صدی کے مغربی یورپ یعنی فرانس اور انگلستان سے مشابہ ہے۔

جناب خان بہادر سید محمد ہادی صاحب ڈائرکٹر زراعت بھوپال سابق ڈپٹی ڈائرکٹر صیغہ زراعت یو پی نہایت بے نفس۔ مغربی عظمت و کرامت سے آراستہ کہ جو ناموں اور موجدوں کا خاصہ ممتاز ہے نہایت آسان اور سود مند طریقہ سے اعلا درجہ کی چینی بنانے کے انوکھے طریقے کے مخترع ہیں۔ جو موصوف کی پندرہ سولہ سال کی انتھک کوششوں اور تجربوں کا مبارک اور انقلاب برپا کرنے والا انجام ہے۔ یہ بیش بہا اختراع عین وقت مناسب پر عمل میں آئی ہے۔ اگر اس کی قدر ہوئی اور کوئی معقول وجہ نہیں۔ کہ اسے قبولیت عام کا امتیاز نصیب نہ ہو۔ تو بلا شبہ زراعت کے ایک نہایت ضروری شعبہ میں صنعت شکر کی کایا بالکل ہی پلٹ جائے گی۔ اور یہ اُمید لگانا فضول نہ ہوگا کہ اگلے دس سال کے عرصہ میں ہم غیر ممالک سے پندرہ کروڑ روپیہ سال کی دانہ دار چینی درآمد کرنے کی بجائے اپنی ضرورت پورا کرکے غیر ملکوں کی ضرورت پورا کرنے کے قابل ہو جائینگے۔

وسط اپریل میں راقم الحروف خان بہادر موصوف کے مسلسل اصرار پر بھوپال گیا۔ اور سب باتیں اپنی آنکھوں سے دلچسپی اور انتقادہ سے مشاہدہ کرکے بیحد مسرور ہوا۔ بھوپال کے فارم میں تیس ایکڑ کے قریب ہندوستان کے بہترین گنے کا بیج بویا گیا ہے اس میں جاوا اور مارشس کے گنوں کے اقسام بھی شامل ہیں۔ سفید کھانڈ تیار کرنے کا عمل بھی دیکھا۔ یہ سنٹری فیوگل مشین ننھے سے انجن سے چلتی ہے کہ جس کی قیمت انجن سمیت گیارہ سو روپیہ ہے۔ میرے سامنے پچاس پونڈ راب مشین کے اندر ڈالی گئی اور بارہ منٹ میں سفید چینی نکل آئی کہ جس کا وزن تیئیس پونڈ تھا۔ شیرہ جو نکلا۔ اس کی پھر راب بنائی گئی۔ اس قسم کی چالیس پونڈ راب میں سے بارہ پونڈ چینی نکلی کہ درجہ دوم کی کہلاتی ہے۔ اسے پکا کر پھر راب بنائی۔ اور بچا

چینی نکالی جاتی ہے۔ اس طریقہ میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سو من گنے سے نو من چینی نکلتی ہے۔ اور کھانچی کے پرانے طریقہ سے فقط چار من کھانڈ آتی ہے۔ اور خرچ اور وقت بہت تھوڑا لگتا ہے۔ ہادی صاحب کے طریقہ کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے چینی سفیدی میں غیر ملکی کے برابر ہے۔ مگر مٹھاس میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ خان بہادر صاحب نے اسکے پکانے کی جو بھٹی اختراع کی ہے وہ بھی قابل قدر ہے۔ اس میں ایندھن تھوڑا جلتا اور وقت مقررہ میں اس کی مقدار بہت زیادہ پکتی ہے۔ اس وجہ سے عام طریقہ سے یہ بدرجہا مفید ہے۔ جس راب سے شیرہ نکالا گیا میرے حسب فرمایش اس کا گڑ بنایا گیا۔ جو رنگت اور ذائقہ میں پنجاب اور یو پی کے بہترین گڑ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ علاوہ ازیں ہلکے اور موٹے دانہ کی چینی (قند) سفید دودھ ایسی مصری بورہ وغیرہ بھی تیار ہوتا ہے۔

شائد یہ سوال پیدا ہو کہ چینی (شکر) صاف کرنے کے لئے کس چیز سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق یہی کہنا کافی ہے۔ کہ اسکو پکانے کے وقت بھنڈی یا فالسہ یا سیمل کے لعاب سے صاف کرتے ہیں۔ اور شیرہ علٰحدہ کرتے وقت قلعی یا رانگہ کے مرکب سے کام لیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں ڈالی جاتی کہ جو ہندو مسلمانوں کے نزدیک مذموم اور حرام ہے۔

روزگار کی نئی صورت

لوگ روزگار کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں چینی یعنی شکر بنانے کا ہنر بہت نفع آور ہے اس کے لئے سرمایہ بہت تھوڑا لگتا ہے۔ چند برس ہوئے۔ ہندوستان میں چینی بنانے کے وسائل پر غور کرنے کو جو کمیٹی مقرر ہوئی تھی اس نے ساٹھ لاکھ روپے کے سرمایہ سے ایک پورا کارخانہ کھولے جانے کی تجویز کی تھی۔ مگر خان بہادر ممدوح کے دریافت کردہ طریقہ کے لئے ڈیڑھ ہزار کے قریب روپیہ صرف کر کے چینی بنتی ہے۔ اس صورت میں آپ کو راب کسانوں کی ایکھ سے تیار کرانا پڑے گا۔ اگر اپنی زمین لیکر کام چلانا ہو تو تھوڑا سا روپیہ اور درکار ہوگا۔ بھرتپور کی زمین گنے کے لئے خصوصیت سے موزوں ہے۔ اور بہت ارزاں ہے۔ دربار سے نقد روپیہ فی بیگہ کے حساب سے اور زمینداروں سے زمین کی خوبی کے لحاظ سے کم و بیش قیمت پر بیع ہو سکتی ہے۔ وسائل آبپاشی کنوئیں اور بند ہیں۔ مزدور اور نوکر سستے ہیں۔ آپ سو بیگھ یا زیادہ آراضی خرید کے کام شروع کر سکتے ہیں سنٹری فیوگل مشین سے ہر گاؤں میں چینی بن سکتی ہے۔ اگر آپ کے دل میں شوق ہو تو بھوپال جاکر سب باتیں ملاحظہ فرمائیے۔ خان بہادر ہادی صاحب اخلاق مجسم ہر ایک بات بتلانے کو تیار ہیں۔ رازداری وہاں نابود ہے۔ بھوپال کے آدمی بمبئی بنگال اور پنجاب کے سرکاری فارموں میں ہادی صاحب کے طریقہ سے چینی بنانے کی ترکیب سکھا رہے ہیں۔ اگر آپ کو

ضرورت ہو تو وہاں سے کاریگر منگاکر کام لے سکتے ہیں۔

ہادی صاحب کے طریقہ سے چینی بنانے کا کام نہایت آسان ہے۔ کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔ آپ چند گھنٹے میں یہ ترکیب سیکھ سکتے ہیں۔ اس کی راب بنانا بھی چنداں مشکل کام نہیں۔ آپ ایک ہی دن میں یہ ہنر بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہادی صاحب کی مساعی حسنہ سے اہل زراعت کی ایک بھاری مشکل حل ہو گئی ہے۔ ہمارے آس پاس ایکھ سے سوڈیڑھ سو روپیہ فی بیگہ آمدنی ہوتی ہے مگر ہادی صاحب کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے سے یہ آمدنی دگنی اور تگنی ہو جاتی ہے اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب اس طریقہ کا عام رواج ہوگا تو زمینداروں کو کیسا بھاری منافع ہوگا۔

نیاز مند ٹھاکر جے۔ آر۔ رائے
جرنلسٹ زمیندار۔ بیانہ۔ بھرتپور

منافعہ میں مزدوروں کا حصہ

متمدن ممالک میں اس امر کا تجربہ مفید ثابت ہو رہا ہے کہ بڑے کارخانوں میں مزدوروں کو منافعہ میں حصہ دیا جائے۔ چنانچہ ٹاٹا آئرن ورکس یعنی لوہے کے کارخانہ واقع میسور میں اس ماہ سے کارخانے کے نفع میں مزدوروں کو حصہ ملنا شروع ہوگیا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہر مزدور کے ماہواری کام کی مقدار پر یہ نفع لگایا جائے گا۔ اور کم تنخواہ والوں کے حصہ میں بمقابلہ زیادہ تنخواہ والوں کے زیادہ حصہ رکھا جائے گا۔ اُمید ہے کہ اس تجربہ میں کارخانہ اور تجارت کو زیادہ ترقی ہوگی۔ (ایڈیٹر)

بمبئی میں بٹن سازی

محکمہ صنعت و حرفت بمبئی کی رپورٹ مجریہ ۲۶-۱۹۲۵ء مظہر ہے کہ داپوری ورکشاپ پونہ میں بٹن سازی کا جو کام رائج کیا گیا۔ اور جہاں سینگ۔ ہڈی اور دیگر خشک اشیاء سے بٹن بنائے گئے کچھ عرصہ ہوا یہ مشین صوبجات متحدہ کے محکمہ صنعت و حرفت کے حوالے کی گئی تھی۔ جنھوں نے اب اطلاع دی ہے کہ یہ مشین گورکھپور میں لگادی گئی ہے اور وہاں اس کو تجارتی لائن پر چلا کر کامیابی حاصل کی گئی ہے۔ یہ صنعت ڈھاکہ آسام میں خاص طور پر مروج ہے۔ ہماری رائے میں بدایوں کے کارخانے بھی اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

(ہنرمند)

اقتصادیات و اخلاقیات کا تعلق

(از جناب صاحب بہادر ایم۔ ایل ڈارلنگ آئی سی ایس رجسٹرار انجمنہائے امداد باہمی پنجاب)

مترجمہ:۔ محمد بشیر احمد خاں۔ ایم۔ اے۔ آر۔ اے۔ ایس سکریٹری پنجاب کوآپریٹو یونین لاہور

(اوائل جنوری میں تمام ہندوستان کی اقتصادی کانفرنس لکھنؤ میں زیر صدارت ایم۔ ایل ڈارلنگ صاحب بہادر آئی سی ایس رجسٹرار انجمن ہائے امداد باہمی پنجاب منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں آپنے جو بلیغ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا تھا۔ آپ کی اجازت سے اس کا ترجمہ قارئین "کوآپریشن" کے فائدے کے لیئے درج کیا جاتا ہے۔ خیالات اچھوتے۔ عمیق اور غور طلب ہیں۔ بشیر)

موضوع جس پر کہ میں آج آپ کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں ایسا ہے جس کا گاہے گاہے ان لوگوں کو ضرور خیال آتا ہوگا۔ جو کہ صرف مادی ترقی ہی کے خواہاں نہیں بلکہ اصلی معنوں میں ترقی چاہتے ہیں۔ یہ موضوع اقتصادیات و اخلاقیات کا تعلق ہے چونکہ یہ کانفرنس زیادہ تر دیہاتی مسائل کے متعلق ہے اور چونکہ میرا اپنا تجربہ صرف پنجاب ہی میں حاصل کیا ہوا ہے اس لیئے میں اس مضمون میں اُس صوبہ کی دیہاتی زندگی کو خاص طور پر معرض بحث میں لاؤنگا۔ مجھے اخلاقیات کی بجائے مذہب رکھنے کی خواہش تو ہوئی لیکن گو میں کبھی کبھی حد فاصل جو دونوں میں ہے۔ اس کو عبور تو ضرور کر جاؤنگا۔ لیکن میرا مطلب اخلاقیات سے ہے۔ نہ کہ مذہب سے۔ بلاشبہ یہ بتلانا آسان نہیں کہ ایک کہاں شروع ہوتا ہے اور دوسرا کہاں ختم ہوتا ہے؟ لیکن اکثر آدمیوں کے خیال میں وہ دو جدا جدا چیزیں ہیں "چوری نہ کرو" اخلاقیات کی عمدہ مثال ہے۔ اور عیسوی اصول "اپنے پڑوسی سے اپنے ہی جیسی محبت کرو" مذہب کی مثال ہے پہلی مثال ایک اصول اخلاق بیان کرتی ہے جس پر عمل پیرا ہونے کی سوسائٹی کے ہر ایک شریف انسان سے توقع رکھی جاتی ہے اور دوسری ایک مطمع نظر پیش کرتی ہے۔ جس کو سوسائٹی کے اکثر افراد بھلا دنیا آرام دہ خیال کرتے ہیں۔ عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقیات معلم ہے اور مذہب ولی۔ مذہب میں آدمی کا تعلق خدا سے ہے اور اخلاقیات میں آدمی کا تعلق آدمی سے ہے۔

اقتصادیات و اخلاقیات کا فرق زیادہ واضح ہے۔ اگر اخلاقیات میں آدمی کا تعلق آدمی سے ہے تو اقتصادیات میں آدمی کا تعلق قدرت سے ہے۔ سر جوسیا سٹمپ نے اقتصادیات کی تعریف "آدمی کے روزی کمانے کے ڈھنگ کا مطالعہ" کی ہے۔ اس لحاظ سے اس کا تعلق زیادہ تر واقعات سے ہے۔ اور

اخلاقیات زیادہ تر خدا سے متعلق ہو۔ کچھ لوگ اِس بات کا انکار کریں گے کہ دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں کہ ایک سائنس ہے اور دوسرا ضابطہ اور کہ مطالعہ کے لیئے ان کو علحدہ علحدہ رکھنا چاہیئے۔ جہانتک واقعات کی تحقیقات کا تعلق ہو یہ بیشک صحیح ہو۔ اور یہ بات آئندہ بحث میں بھول نہ جانی چاہیئے لیکن جیسا کہ سمپ صاحب رقمطراز ہیں کہ واقعات کی قطعی تحقیقات خود ہی کوئی مفید نہیں۔ بلکہ ان کو اس عملی تحقیق کی بنا کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے۔ جس میں کہ اخلاقیات کو مناسب اہمیت دیجائے۔ یہ الفاظ "مناسب اہمیت" مضمون کا لب لباب ہیں۔ چونکہ کئی اقتصادی نسلوں نے اِس کا مفہوم مختلف معنوں میں لیا ہو۔ اس لیئے گزشتہ زمانہ پر ایک لمحہ کے لیئے سرسری نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہو۔ تاکہ موجودہ حالات کو اصلی رنگ میں دیکھ سکیں۔ ٹاونی کہتا ہو "قرون وسطےٰ" کے ماہر اقتصادیات کا یہ بنیادی اُصول تھا کہ ایک اخلاقی طاقت ہو جس کے تابع اقتصادی مصلحت ہونی چاہیئے۔ اور اس اقتصادی جدوجہد کے لیئے جس کا کوئی اخلاقی انجام نہ ہو۔ کوئی جگہ نہیں ہو۔ اُن ایام میں اخلاقیات ہر سو حکمران تھی۔ اور آزادانہ انسانی پر کئی ایک پابندیاں عائد کرتی تھی۔ مثلاً کثرت سود خواری کی ممانعت اور جائز قیمت و مناسب اُجرت کے اصول وغیرہ سولھویں صدی کی تجارتی ترقی نے اس کی فوقیت کو برقرار نہ رہنے دیا۔ اور سترھویں صدی کے اخیر میں اخلاقیات اقتصادیات سے اپنا کوئی حکم نہ منوا سکتی تھی۔ تاہم اخلاقیات کی حکومت کے کچھ تار باقی تھے۔ مناسب اجرت کا اصول اٹھارھویں صدی میں بھی رائج رہا اور آدم سمتھ نے اِس بات پر زور دیتے ہوئے کہ انسان کو اپنے حصول مفاد میں اپنے طریقے استعمال کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ یہ اور زیادتی بھی کر دی کہ وہ قانون انصاف کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اُنیسویں صدی کے سخت مقابلہ میں یہ اہم اصول فراموش کر دیا گیا اور آئین غیر مداخلت و اصول رسد و طلب کے نام پر اقتصادیات و اخلاقیات ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو گئیں۔ بیسویں صدی میں التا اُل شروع ہو گیا۔ جو کہ بہر انتہا کے بعد لازمی ہو اور نکلسن۔ اشلے و ٹونبائی جیسے مصنفین بھی شک کرنے لگے کہ آیا یہ علحدگی ان دونوں میں سے کسی کے لیئے مفید بھی ہو۔ اس جنگ نے جو کہ اخلاقیات کو اقتصادیات وسیاسیات سے علحدہ کرنے کے باعث پیدا ہوئی۔ معاملہ کو اور بھی زیادہ اہمیت دے دی۔ اور اب جیسا کہ ٹاونی صاحب لکھتے ہیں مذہبی و دنیاوی کاروبار کے حلقہ اثر تبدیل ہو رہے ہیں۔ اور ان کی حدیں پھر حرکت میں ہیں۔ قرون وسطےٰ کے عقیدوں میں سے بھی چند ایک ایسے اصول جو کہ اُنیسویں صدی میں نہایت حقارت سے رد کیئے جا چکے تھے۔ از سر نو رائج ہو گئے ہیں۔ حامیان انجمن اتحاد مزدوران نے مناسب اُجرت کے اصول کو لے لیا ہو۔ مد باہمی جائز قیمت کے مسلک کی تائید میں

منہمک ہے۔ اور صرف ۱۰ ماہ ہوئے کہ انگلستان میں سود کو اندازہ کے اندر رکھنے کے لئے قانون پاس ہوا ہے۔ اگرچہ بعض لحاظ سے رجحان پھر قرون وسطےٰ کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن در اصل ایسا نہیں۔ قرون وسطےٰ میں اقتصادی کوشش پر اخلاقیات کی نسبت رسم و رواج کا زیادہ اثر رہا ہے۔ اس رسم و رواج کا اہم جزو ضرورت تھی کیونکہ اس کی بنیاد ان آدمیوں کے مجبوری میل جول پر تھی۔ جو کم و بیش مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ مذہب و اخلاقیات نے محض ظاہری جامہ پہنا دیا۔ رسم و رواج کی جگہ مصلحت وقت نے لے لی۔ جس کی بنیاد حکومت ان آدمیوں کے بے روک ٹوک مقابلہ پر مبنی ہے جن کو اب علیحدگی مجبور نہیں کرتی کہ وہ اکٹھے رہیں اور مل جُلکر کام کریں۔ بلکہ ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے فائدے کے لئے اپنی راہ چلے۔ ہماری اقتصادی زندگی کا دار و مدار اس قاعدے پر ہے۔ لیکن جو اسے خطرناک تصور کرتے ہیں۔ وہ پھر ایک دفعہ اقتصادیات کو اخلاقیات کا ماتحت ٹھیرانا چاہیں گے۔ لیکن قرون وسطےٰ کے پُرانے ضابطہ کے ماتحت نہیں جس کو ضرورت و رواج نے وجود دیا۔ بلکہ اس اخلاقی سلسلہ کے ماتحت ٹھیرائیں گے جس کی بنیاد اُن آدمیوں کے ارادی میل جول پر رکھی گئی ہے۔ جو ذاتی و مشترکہ فائدے کے لئے آزادانہ کام کر رہے ہیں۔ اور جس کا بہترین اور سب سے زیادہ عملی مظاہرہ عالمگیر تحریک امداد باہمی ہے۔

ہندوستان میں بھی اخلاقیات و اقتصادیات کے درمیان حدود تبدیل ہو رہی ہیں۔ لیکن مخالف سمت میں۔ یعنی اقتصادیات کے حق میں صدیوں اقتصادی زندگی پر رسومات کا غلبہ رہا ہے اگرچہ وہ دراصل مذہبی نہیں۔ لیکن پھر بھی بہت عرصہ گذرنے کے سبب زیادہ تر مذہبی قبولیت حاصل کر چکی ہیں آجکل کے دیہاتی باشندوں کی ذہنیت قرون وسطےٰ کے آدمیوں سے ملتی جلتی ہے اور وہ غالباً دو اہم مفروضات کو مان لینگے جو کہ قرون وسطےٰ کے مصنف عام طور پر مانتے تھے پہلے یہ کہ اقتصادی مفاد نجات کے جو کہ زندگی کا اصلی مقصد ہے۔ تابع ہونے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ اقتصادی عمل اخلاقی قواعد کا ضرور پابند ہونا چاہئے اخلاقیات کے معنی اس صورت میں رسم و رواج کے مترادف ہوں گے جس کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ اس سے ایک ایسا رجحان واضح ہوتا ہے جس سے اقتصادی حالات مذہب اخلاقیات اور رسم و رواج میں ملکر سب ایک ہو جاتے ہیں۔ پنجاب کے ایک حصہ میں جہاں ایک خاص مذہبی جماعت نے کسانوں کو اپنے خیالات سے متاثر کر لیا تھا۔ میں نے گاؤں کے نمبردار سے دریافت کیا کہ آیا اس کا اثر اچھا ہوا ہے۔ یا بُرا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ صاحب بہت بُرا ہوا ہے۔ اور جب میں نے پھر سوال کیا کہ کس لحاظ سے۔ اس امید پر کہ شاید چال چلن کی خرابی کے بارے میں کچھ سُنوں۔ وہ بڑی متانت سے بولا۔ کہ اب چالیسویں کا رواج جاتا رہا۔ مجھ نئے خیالات کے آدمی کو یہ

جواب عجیب معلوم ہوا۔ لیکن کسان کے لیئے یہ بالکل واضح تھا۔

کسان چونکہ زندگی ایسی زندگی بسر کرتا ہے جس کو ہابز "تنہا۔ مفلس۔ گندی۔ وحشیانہ اور مختصر" بیان کرتا ہے۔ اس لیئے ضرورت کی وجہ سے مجبوراً اسے اولاً اور آخراً فکرِ معاش کرنی پڑتی ہے۔ اور وہ اس قدر بے علم بے خبر و بے بس ہے۔ کہ اسے مجبوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ معاش کا انحصار سوائے مشیت ایزدی کے کسی اور چیز پر نہیں۔ لیکن گزشتہ ۰ ۳ سالوں میں حالات میں ایک بڑی بھاری تبدیلی ہوگئی ہے اور رسم رواج کے ظاہری و باطنی زوال کے آثار نمودار ہوگئے ہیں جا بجا ریل سڑک اور موٹر نے صوبوں کی علحدگی کو توڑ دیا ہے۔ اور نہر تالاب۔ کنوؤں نے پہلی غربت و بدامنی کو دور کر دیا ہے اور زندگی کا اعلیٰ معیار ظاہر ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی گاؤں کا مرکز جاذبہ مقدس رواج کی بنا سے انسان کی خود ساختہ اقتصادیات کی محرکی بنیادوں کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ یہ تحریک گو ابھی بہت نہیں پھیلی۔ لیکن کم از کم پنجاب میں بالکل نمایاں ہوگئی ہے۔ میری خواہش تھی کہ اس کی خوب تشریح کروں۔ لیکن وقت اجازت نہیں دیتا کیونکہ موجودہ حالات پر روشنی ڈالنے کے بعد میں مستقبل کی بابت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

صاف طور پر سمجھنے کے لیئے میں ہندوؤں مسلمانوں اور سکھوں کا ذکر علحدہ علحدہ کرونگا۔ پہلے مسلمانوں کو لیجیئے۔ قرآن مجید کے کافی حصہ کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اسلام لازمی طور پر اخلاقی ضابطہ ہے۔ اور یہ سادہ خصلت لوگوں کے لیئے بنایا گیا ہے۔ جن کا گزارہ زیادہ تر چراگاہوں پر تھوڑی سی تجارت اور بہت ہی کم زراعت پر ہے۔ جن کو دشمن کے حملہ کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا تھا۔ اس لیئے اس کے عقائد نہایت ہی سادہ ہیں۔ اور ایسے صاف اور واضح ہیں۔ جیسے کہ صحرائے عرب کی حدیں جہاں اسلام پیدا ہوا۔ ایک نیک مسلمان کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ یقین کرے کہ خدا ایک ہے محمد اُس کے رسول ہیں اور دن میں پانچ دفعہ نماز ادا کرے۔ رمضان میں روزے رکھے۔ زکوٰۃ دے۔ یعنی ہر سال اپنی منقولہ جائداد میں سے ڈھائی فی صدی خیرات کرے۔ اور اگر مقدور ہو تو مکہ شریف حج کو جائے۔ یہ پانچ فرائض نہایت ضروری ہیں اور ایک چھٹا فرض ہے جو ان سے شاید کچھ ہی کم لازمی ہو۔ یعنی کہ نہ وہ ربو لے اور نہ دے اور موجودہ مطلب کے لیئے یہ نہایت دلچسپ ہے کیونکہ اس سے اسلام میں اخلاقیات و اقتصادیات کا قریبی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب نے ربوا کا ترجمہ سود کیا ہے اور اس موضوع پر سب سے زیادہ ضروری آیت کا ترجمہ لوگ یوں کرتے ہیں "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ مگر اس شخص کا سا کھڑا ہونا جس کو شیطان نے اپنی چپیٹ سے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔ یہ اُن کے اس کہنے کی سزا ہے کہ جیسا معاملہ بیع ویسا معاملہ سود

حالانکہ بیع کو تو اللہ نے حلال کیا ہے۔ اور سود کو حرام" اور اس کے ساتھ ہی ہم دوسری آیت کا بھی ذکر کر دیتے ہیں "مسلمانوں سود نہ کھاؤ کہ اصل میں مل مل کر دوگنا چوگنا ہوتا چلا جائے"۔ حال ہی تک ان آیتوں کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ سود در سود ہی حرام نہیں بلکہ ہر طرح ہی کا سود حرام ہے۔ اس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں جو کہ مورخین کو متحیر کرے۔ کیونکہ یورپ میں صرف تین سو سال ہی سے سود لینے کو گناہ عظیم تصور نہیں کیا جاتا۔ اس خیال کی بنیاد زمانہ قدیم میں ہے۔ حضرت موسیٰ نے جو دنیا کی سب سے بڑی سا ہو کار قوم کے پیغمبر ہیں۔ سود لینے کی اجازت صرف غیر یہودی کو ہی دی تھی۔ افلاطون و ارسطو نے سود لینے کو بطور قبیح قرار دیا ہے۔ کیٹو سے جو کہ ایک برا رومن فلسفی ہے۔ جب سوال کیا کہ سود کی بابت اس کا کیا خیال ہے تو اس نے سائل کو جواب دیا کہ جیسا کہ تمہارا قتل کی بابت ہے۔ اصول عیسائیت نے ہر ایک شخص کے لیئے جو کہ یہودی نہ ہو۔ سود کا لینا قطعی طور پر منع کیا ہے۔ اور یہ ممانعت اصلاح مذہب تک پورے زور سے جاری رہی۔ اور جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا۔ اسکی وسیع تجارتی ترقی سے جو کہ نئی دُنیا کے دریافت ہونے اور ہندوستان و مشرق اقصیٰ کی تجارتی راہیں کھلنے سے ہوئی۔ مطابقت زیادہ ناممکن ہوتی گئی۔ اور سترھویں صدی کے اخیر میں اخلاقی و اقتصادی طاقتوں کے مابین ایک سخت و دراز معرکہ ہوا۔ جس میں اخلاقیات نے ہار مان لی اور اپنے ضابطہ میں ترمیم کر لی۔ اور بغیر کسی روک ٹوک کے سود لینے کی اجازت دے دی۔ لیکن دوسری طرف اسلام بہت کچھ اب بھی وہاں ہے جہاں ۱۳ سو سال پہلے تھا۔ اور جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ اس کا نتیجہ اس کی ترقی کے لیئے تباہ کن ثابت ہوا ہے۔ "پیغمبر عربی کی زندگی"، کے مصنف (ڈینیٹ و سلیمان بن ابراہیم) اسے زوال اسلام کے تین بڑے اسباب میں سے ایک شمار کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ساکھ ہر ایک بڑے کام کے لیئے ضروری ہے۔ اور جب کہ بینکر Bankers دنیا کے اصلی مالک بن گئے ہیں۔ اسلام اس آیت کے مضمون پر مبالغہ آمیز سختی سے عمل پیرا ہونے سے فوراً ملی و سیاسی تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ قابل دید دلچسپ بات یہ ہے کہ تعصب کے قلعہ پر موجودہ طاقتیں بڑی تیزی سے حملہ آور ہو رہی ہیں اور قلعہ والوں کی مختلف رائیں ہیں ایک جماعت ہر حالت میں قلعہ پر قابض رہنے پر تلی ہوئی ہے۔ اس کی مثال ایک مولوی کا وہ جواب ہے جو اس نے انجمن امداد باہمی کے ایک ممبر کو جس نے اسے خیرات پیش کی تھی۔ دیا کہ وہ کسی ایسے شخص سے کوئی چیز نہیں لے گا جس کا تعلق ایک ایسی جماعت سے ہو۔ جو سود لینے کی اجازت دیتی ہو۔ دوسری جماعت سود اور ربوا میں فرق کرنے کے حق میں ہے اور سود کو جائز اور ربوا کو حرام قرار دیتی ہے۔ اس بات کا فیصلہ کہ

آیا ایک مسلمان شرفا اس انجمن امداد باہمی کا ممبر بن سکتا ہی جو کہ سود لیتی ہو اور دیتی نہیں۔ ایک زبردست مسلمان عالم نے انجمن امداد باہمی کے حق میں دیا ہی (دیکھو رپورٹ انجمنہائے امداد باہمی بابت ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۲-۱۳) اس فیصلہ نے محاصرہ کرنے والی طاقتوں کو قلعہ کے دروازہ تک پہنچا دیا ہی اور اب قلعہ کی حالت نازک ہی۔ اور ایسا دکھائی دیتا ہی کہ اب کوئی دن کی بات ہی کہ محصور پسپا ہو جائیں دیوار پر سپاہی جیب میں پیسے لئے ہوئے غنیم سے صلح کی گفتگو کر رہا ہی اور بہت سے قلعہ والوں کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ درحقیقت پنجابی مسلمانوں نے ایک عام ساہوکار کی طرح سود لینا شروع کر دیا ہی۔ چنیوٹ اور شرقپور کے خوجے مدت سے اس کے لئے مشہور ہیں اور ہندو ساہوکاروں سے بھی زیادہ سختی سے وصولی کرتے ہیں خوجوں کے متعلق یہ عذر پیش کیا جا سکتا ہی کہ وہ پہلے ہندو تھے اور ہمیشہ تاجر رہے ہیں لیکن صرف خوجے ہی سود نہیں لیتے پٹھان ساہوکار لنکا تک جا پہونچا ہی اور تقریباً تمام پنجاب میں مسلمان کسان اپنے فالتو روپے کو سود پر قرضہ دیتا ہی۔ پہلے اطمینان ضمیر کے لئے معاوضہ کسی دوسری صورت مثل خدمت یا قسم میں وصول کرتا ہی لیکن جب ایک دفعہ وہ روپیہ قرضہ دینا شروع کر دیتا ہی تو پھر جلد یا بدیر سود نقدی میں وصول کرنے میں زیادہ سہولیت پاتا ہی۔ زندگی کا بلند معیار جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہی برقرار رکھنا مشکل ہی اور زمیندار کو کسی کاروبار میں کاشتکاری سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ اس کام کے لئے زبردست رغبت پاتا ہی۔ اور مجبوراً اخلاقی اصول نے اقتصادی فائدے کو جگہ دے دی ہی۔ (کوآپریشن لاہور)

شیشہ کی مصنوعات

ضلع متراہ کی ایک کمپنی مستحق تحسین ہی کہ اس نے اپنے اہتمام سے ہندوستان کے صناع شیشہ کی ایک کانفرنس کا انتظام کیا۔ اور نہ صرف اپنی مصنوعات کی نمایش سے دوسروں کو مستفید کیا بلکہ اس صنعت کی ترقی پر عملی تدابیر پر غور کیا۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ انھیں مزید مراعات دیں تاکہ وہ بیش از بیش ترقی دکھا سکیں۔ محاصل کے متعلق خاص طور سے مطالبہ کیا گیا ہی کہ وہ کم کر دیا جائے تاکہ ملکی مصنوعات کو غیر ملکی مصنوعات پر فوقیت حاصل ہو سکے۔ یہ نظریہ نہایت مبارک ہی اور ہم اس کی تہہ دل سے تائید کرتے ہیں۔

(ناظر ہند)

ریاستہائے بلقان
سلطنت ٹرکی سے کس طرح نکل گئیں؟

ابھی کچھ عرصہ ہوا ریاستہائے بلقان سلطنت ٹرکی کے تحت میں تھیں اور عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ترکوں کی کمزوری اور عیسائی سلطنتوں کی سازشوں سے وہ سلطنتِ ٹرکی کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ مگر ان سازشوں کی ابتدا جس طرح سے ہوئی وہ سننے کے قابل ہے اس لیئے ناظرین کی خدمت میں ہم اُسے پیش کرتے ہیں۔

ہماری یاد میں ہندوستان میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو روپیہ بھیجنے کا ذریعہ بجز رجسٹری شدہ لفافہ یا پارسل کے اور کوئی نہ تھا جس شخص کو نوٹ مل جاتے تھے وہ موجودہ طریقے کے مطابق انھیں لفافے میں بند کرکے اُن کی رجسٹری کرا دیتا تھا۔ مگر اُس زمانہ میں نوٹ اس قدر افراط سے نہ ملتے تھے۔ اس لیئے بعض وقت مجبوراً ایک ڈبہ میں روپیہ بند کرکے اُسے بطور پارسل کے بھیجا جاتا تھا جس میں بہت صرف ہوتا تھا اس کے بعد منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجا جاری ہوا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اُس وقت علمائے کرام نے منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجا اس بنا پر ناجائز قرار دیا تھا کہ روپیہ بجنسہ نہیں پہونچتا ہے اور اس لیئے منی آرڈر کی فیس بمنزلہ سود کے ہے۔ مجھ سے اور ایک عالم سے اس بارہ میں خوب خوب بحثیں ہوتی تھیں اور وہ ہرگز اس امر کو تسلیم نہ کرتے تھے کہ جو فیس منی آرڈر کے بارے میں لی جاتی ہے وہ روپیہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہونچانے کا معاوضہ یا کرایہ ہے۔ مگر چونکہ یہاں عربی مدارس کا انحصار چندوں پر ہے جو باہر سے آتے ہیں اور منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ کے آنے میں سہولت ہونے لگی۔ اس لیئے یہ مسئلہ ہندوستان میں جلد طے ہوگیا۔ اور مثل تجارتی سود کے تعویق میں نہ پڑا رہا۔

البتہ ریاست ہائے ترکی میں جہاں عربی مدارس اوقاف یا سلطنت کے خرچ چلتے تھے علمائے کرام نے منی آرڈر کے ذریعہ سے روپیہ بھیجنے کو ناجائز قرار دیا جس کی وجہ سے سلطنت کے ڈاکخانہ میں اس کا رواج نہ ہوسکا۔ مگر ریاستہائے بلقان میں جن میں عیسائی رعایا کے علاوہ دیگر سلطنتوں کے لوگ بکثرت کاروبار کرتے تھے۔ اُن لوگوں کو منی آرڈر کے جاری نہ ہونے سے تکلیف محسوس ہوئی۔ اور اُنھوں نے اول تو سلطنت پر زور دیا کہ ڈاکخانوں میں اُس کا اجرا کیا جائے۔ مگر جب علمائے کرام سے اس کا فتوےٰ نہ مل سکا۔ تو اُن لوگوں نے سلطنت سے علیحدہ اپنے ڈاکخانہ قایم کرکے اُس میں منی آرڈر کا سلسلہ شروع کردیا۔ مگر ملک میں غیر ملکوں کے ڈاکخانے قایم ہونے سے سلطنت کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا۔ ہر سلطنت میں مشتبہ خطوط کی

بڑی دیکھ بھال اور جانچ ہوتی ہے اور جب کسی قسم کی تحریر بہ کثرت شایع ہوتی ہے تو خفیہ محکموں کے لوگ اُسے کھول کر بڑی بڑی سازشوں کا پتہ لگاتے ہیں۔ جنگ عظیم کے زمانہ میں خود ہندوستان ہی برٹش فوج کی بغاوت کی ایک زبردست سازش محض ڈاکخانہ کے ذریعہ سے پکڑی گئی تھی۔ غرض کہ غیر ممالک کے ڈاکخانے قایم ہونے سے ترکی میں کام بالکل بے قابو ہوگیا۔ اور انجام کار نتیجہ وہ ہوا جو سب کو معلوم ہے یعنی یہ کہ ریاستہائے بلقان مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے ہندوستان کے علمائے کرام کو سبق لینا چاہیئے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ بہت سے علمائے کرام تجارتی سود کو جائز سمجھتے ہیں اور غیر مسلموں سے سود لینے کے فتوے بھی موجود ہیں۔ گزشتہ چند سال سے ندوۃ العلما اور جمعیت العلما کے سالانہ جلسوں کے خطبجات صدارت میں تجارتی سود کے مسئلہ کو حل کرنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح کی تدابیر سوچنے کے لیئے کمیٹیاں قایم کی جاتی ہیں مگر کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب علمائے کرام کو کس چیز کا انتظار ہے جس قدر وقت گزر رہا ہے مسلمان افلاس سے ہلاک اور برباد ہو رہے ہیں۔ کاش ہمارے پیشوا ہمت کرکے کھڑے ہوجائیں اور ملک میں انجمنہائے امداد باہمی قائم کرنے اور تجارتی اغراض کے لیئے روپیہ کا کاروبار کرنے کا وعظ شروع کردیں کیونکہ یہی صورت اس ملک میں مسلمانوں کا قومی وجود قایم رکھنے کی ہے۔ (ایڈیٹر)

بیمار پھلدار درخت

جب درخت بیمار نظر آئیں تو ان پر بورڈو مکسچر چھڑکنا چاہیئے۔ اس کے لیئے ۵ پونڈ کو پر سلفیٹ لیکر ۵ گیلن پانی میں حل کرنا چاہیئے۔ اور پھر اس کی مقدار ۵۰ گیلن تک کردینی چاہیئے۔ اور بجھا ہوا چونہ ۵ پونڈ لیکر ۵ گیلن پانی میں حل کرلینا چاہیئے اور باہم ملا لینا چاہیئے۔ یہ مکسچر یا مجموعہ تندرست درختوں پر چھڑکنا بھی مفید ہے۔ کیونکہ یہ کسی بیماری کو نزدیک نہیں آنے دیتا۔ اور درخت کی طاقت کو قایم رکھتا ہے جب درخت کی چھال پھٹے تو فوراً اس لیئی کو اوپر لگا دینا چاہیئے۔ اور درخت کے گرد ایک دو فٹ سے مٹی چڑھا دینی چاہیئے۔ تاکہ تنہ نمی سے امن میں رہے۔

جن درختوں کی شاخیں سوکھ گئی ہوں ان کو موسم بہار کے شروع ہونے سے پیشتر اس مقام سے تیز چاقو کے ساتھ کاٹ دینا چاہیئے۔ جہاں ٹہنی کا خشک حصہ ہری یا تازہ ٹہنی کے ساتھ باہم پیوستہ ہوتا ہے۔ کاشتکار ہند

دار کے دریچے

کلکتہ میں چورنگی پر جو دہائٹ وے لیڈ ملا کی دوکان ہے اس میں ایک شریف مسلمان ترکی ٹوپی پہنے اور ڈھیلی ڈھالی شیروانی زیب تن کیئے ایک بنڈل ہاتھ میں لیئے دروازہ کے پاس کھڑے سڑک پر گھبرائی ہوئی نظریں ڈال رہے ہیں۔ اپریل کا مہینہ تھا اور وہ زمانہ جب ہر جاہل ہندو مسلمان خواہ نخواہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا موقع کا متلاشی خونخوار جانوروں کی طرح گھات میں لگا رہتا تھا۔ سڑکیں ویران تھیں اور کاروبار بند لوگ گھروں کے اندر بیٹھے ہوتے یا کوٹھوں پر سے جھانکتے اور پتھر مارتے دکھائی دیتے تھے
عجیب ہڑبونگ تھا کل تک جن سے بھائی چارہ تھا جو ہمسایہ سے زائد عزیزوں کی طرح ایک دوسرے کے درد دکھ میں شریک رہتے تھے۔ آج وہی تلواروں اور چھروں پر سان رکھوا رہے تھے اور مذہب کی آڑ میں وہ سب کچھ کرنے کے لیئے تیار تھے۔ جو بہایم بھی نہیں کرتے اس لیئے کہ اگر خونخوار جانور کسی کو مارتا ہے تو شکار کے لیئے اور اپنا پیٹ بھرنے کے واسطے ان انسان صورت جانوروں کے پاس تو وہ عذر لنگ بھی نہ تھا! اور اس پر بھی باہمی نفرت اور بغض وحسد کی ایک ایک موج بیسیوں کو موت کے گھاٹ اتار رہی تھی۔ آج کا ہنگامہ خاص طور پر بڑا تھا شیخ سعید معلوم کن دقتوں سے دہائٹ وے کی دوکان تک پہونچے تھے۔ اور اب ضرورت کی سب چیزیں خرید چکنے پر اسی فکر میں تھے کہ اپنے قیامگاہ پر کسی طرح بخیریت پہونچ جائیں کہ دفعتاً ایک کرایہ کا موٹر آتا ہوا دکھائی دیا۔ شیخ صاحب نے ہاتھ اٹھا دیا اور موٹر ان کے قریب آکر رک گیا۔ ابھی باطمینان اس میں بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک شخص نے جو اندر ہی بیٹھا ہوا تھا ان کے منہ میں رومال ٹھونس دیا اور ان کی گردن پر چھرا رکھ کر بولا اگر تمھارے منہ سے ذرا بھی آواز نکلی تو یہ چھرا تمہاری گردن کے پار ہوگا اور سکھ ڈرائیور سے بولا "وکٹوریہ میموریل!"
موٹر کی رفتار شیخ جی کے دل کی حرکت کی طرح رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وکٹوریہ میموریل کے قریب کا میدان آگیا موٹر انھیں صاحب کے اشارہ سے شاہراہ سے علحدہ میدان میں موڑ دیا گیا۔ شیخ صاحب نے اتنی دیر میں کنکھیوں سے ڈرتے ڈرتے کئی مرتبہ اپنے صیاد کو دیکھا۔ یہ ایک چھریرے بدن کا کم عمر شخص تھا اور ان کی طرح پردیسی معلوم ہوتا تھا اس لیئے کہ اس کی وضع اور چہرے کی ساخت بنگالی نہ تھی۔ اور کھدر کا کرتا اور سر پہ بڑی سی چوٹیا دونوں بتا رہے تھے کہ یہ صوبہ متحدہ کا باشندہ ہے۔
اس وقت پانچ بج چکے تھے اور میموریل کے سپید مینار سے پر آفتاب کی سنہری کرنیں خوبصورت

نقاب ڈالے ہوئے تھیں جیسے کوئی ماہرو زرد ریشمی ڈوپٹے کے آنچل کا گھونگھٹ نکال لے! مینار کے نیچے کی عمارت پہ سیاہی پھیل چکی تھی۔ سبزے کا رنگ کاہی سے بھی زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ شیخ صاحب ان باتوں کو نہ دیکھ سکے آنکھوں میں تو اس چہرے کی چمک بسی ہوئی تھی جوان کی شہ رگ سے ملا ہوا تھا اور ان کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔

موٹر رکتے ہی انھوں نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا اور اس کے بعد بولے "بھیا تم مجھے یقین مار ڈالو۔ لیکن خدا کے واسطے میرے دو سوالوں کو پورا کر دو۔"

بابو صاحب بولے "اچھا جلدی سے کہو۔ لیکن پورا کرنا نہ کرنا ہمارے اختیار میں ہو!"

سعید نے کہا "بھیا پہلے تو مجھے یہ بتلا دو کہ تمھارا جیسا پڑھا لکھا آدمی میرے خون کا کیوں پیاسا ہو گیا! ہم نے تمھارا یا کسی اور ہندو کا کیا بگاڑا ہی؟"

بابو جی بولے "آجکل تو یہی کافی ہی کہ تم مسلمان ہو! لیکن نہیں میں تمھیں اپنی داستان بھی سناؤں گا میں الہ آباد کا رہنے والا ہوں۔ مجھے یہاں آئے ہوئے صرف ایک ہفتہ ہوا ہی۔ جب میں یہاں آیا تھا تو میرے ساتھ میرا بیٹا... ہائے رام!.... میرا بیٹا سندر کرشن! نہیں میں تجھے کچھ نہ بتاؤں گا۔ مسلمان کتے ہوتے ہیں کتے! ان میں نام کو بھی دیا نہیں ہوتی! بس اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ!" یہ کہہ کر وہ لال لال دیدے نکالے دانت، پیستا سعید کی طرف بڑھا مگر وہ چپکا اسی طرح کھڑا انھیں دیکھا کیا۔ اور آہستگی اور نرمی سے بولا "

بابو جی میں بھاگا نہیں جاتا۔ آپ مجھے ضرور مار ڈالیں۔ لیکن صرف اتنی انسانیت سے کام لیجیے کہ مجھے اپنی دکھ بھری کہانی سنا دیجیے میں بھی اس منحوس شہر میں پردیسی ہی ہوں کم از کم ہم ایک دوسرے کی حالت تو سن لیں!"

بابو جی نے بڑے جبر سے کام لیا اور اپنے جوش انتقام کو روک کر بولے!

"آج تین دن سے ہم لوگ گھر سے باہر نہیں نکلے تھے اور میری بہو جس کی گود میں چھ مہینے کا بچہ ہی اس کے منہ میں ایک دانہ بھی اڑ کر نہ پہونچا تھا آج صبح رام سے بچہ اور بیوی کی حالت نہ دیکھی گئی اور گھر سے کچھ کھانے پینے کا سامان لینے نکلا ہی تھا کہ دو مسلمانوں نے اسے دیکھ لیا۔ اور پاگل کتوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑے وہ غریب یہ پکارتا ہی رہا کہ "میں پردیسی ہوں۔ تمھارے جھگڑوں سے مجھے کوئی مطلب نہیں!" لیکن انھوں نے لاٹھیاں برسا دیں اور میری آنکھوں کے سامنے ہائے انھیں بے نور آنکھوں کے سامنے میرے لخت جگر کے سر سے بھیجا بہہ گیا! اور میں کھڑا ہاتھ ہی ملتا رہ گیا۔ اب اس ظلم و ستم کے بعد تم کیسے امید رکھتے ہو کہ

ہیں حتی المقدور کسی مسلمان کو زندہ چھوڑو نگا؟

میں نے کرشن کی تڑپتی ہوئی لاش پر قسم کھائی ہے کہ جبتک میں زندہ رہونگا ہر مسلمان کے خون کا پیاسا رہونگا۔ اب تم تیار ہو جاؤ۔ اب دیر نہیں ہوسکتی؟

شیخ سعید نے بہت ہی گڑگڑا کر کہا "بابا بس ایک اور سوال پورا کر دینے کا وعدہ کرو اور اس کے بعد چھرا بھونک دو! میں نہایت خوشی سے تیار ہوں مجھے زندگی کچھ زیادہ پیاری نہیں میں تو موت کو رحمت سمجھونگا۔

بابو جی جھڑک کر بولے "باتیں نہ بناؤ! تم مسلمانوں کو چکنی چپڑی باتیں کرنا خوب آتی ہیں۔ اپنا مطلب کہو"

سعید نے کہا بابا تم سے صرف اتنی تمنا ہے کہ مجھے مارنے کے بعد جب تم یہاں مجھے بے گور و کفن چھوڑ جانا تو ذرا تکلیف کر کے ذکریا اسٹریٹ کے مسلم ہوٹل میں ۲۰ کے کمرے تک چلے جانا وہاں تم کو دو لاشیں ملیں گی۔ ایک میرے نوجوان بیٹے کی اور دوسری میری سال بھر کی بیاہی بیٹی کی! ہوٹل والے کو یہ میرا بٹوہ دیدینا وہ اُن کے دفن کفن کا سامان کر دے گا۔ لیکن بھائیو! وہیں میرے لخت دل کے پہلو میں کا تین دن کا نونہال سسکتا ملے گا اُسے یہ "ملنس فوڈ" پیٹ بھر کے کھلا دینا اُس کے بعد اُسی چھرے سے جس سے ابھی مجھے ذبح کرنے والے ہو اس کو بھی مار ڈالنا"!

بابو صاحب گھبرا کر زمین پر بیٹھ گئے اور سر ٹیک کر بولے "بھگوان تین دن کا بچہ اور چھرا"!

سعید نے جوش سے کہا۔ ہاں، ہاں چھرا! وہ جی کر کیا کرے گا؟ پرسوں جب وہ منحوس پیدا ہوا تو اس کا باپ مارا گیا اور یہی صدمہ اس کی قبل از وقت پیدائش کا باعث ہوا! کل شام تک اس کی ماں بیہوش رہی میرا جوان بیٹا بہن کی نازک حالت دیکھ کر ڈاکٹر کو بلانے ہوٹل سے نکلا ابھی دروازے کے باہر ایک ہی قدم نکالا تھا کہ ایک ہندو "کالی! کالی!" کہتا دوڑتا ہوا آیا اور اس کے پیٹ میں اس زور سے چھرا مارا کہ میرے حمید کی آنتیں نکل پڑیں اور وہیں دروازہ پر گر کر تڑپنے لگا! جب تک میں دوڑوں دوڑوں اس ظالم نے پورا چھرا کلیجہ میں اُتار دیا اور بھاگ گیا۔

خیر خدا کا شکر ہے۔ اس حادثے کے ایک گھنٹہ بعد ہی اس کی بہن نے بھی مجھ ضعیف کو داغ جدائی دیا اور جنت کو سدھاری! ہائے سچ ہے انا للہ و انا الیہ راجعون" آج اس کے بچے کی پیدائش کا تیسرا دن ہے اور مجھ سے اس کی حالت نہ دیکھی گئی۔ جب سے پیدا ہوا ایک گھونٹ دودھ بھی پیٹ میں نہیں پڑا۔ اس لیئے دوا ٹُٹ وے کی دُکان پر آیا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میں خود بھی اب چند ہی منٹ کا مہمان ہوں میرا بھرا پُرا گھر اس تین دن کے اندر اس طرح لُٹ گیا ہے کہ سوائے اس بچے کے اب ایک متنفس بھی باقی نہیں

بس اسے بھی مار ڈالو۔ ممکن ہو کہ میری بچی اس کی ماں اس کے لیئے کڑھے۔ بس بس میں اور کچھ نہ کہوں گا لو یہ ریوالور! میں اگر جان لینا چاہتا تو تمہارا کام کبھی کا تمام کر دیتا لیکن میں تو خود ہی جان دینا چاہتا ہوں تم میرے لیئے فرشتہ رحمت بن کر آ گئے۔ لو اب میں قبلہ رو لیٹا جاتا ہوں۔ میرے پردیسی ہندو بھائی! ہاتھ ذرا سبک اور تیز چلے! تاکہ اس مصیبت بھری خون کی پیاسی دنیا سے مجھے جلد چھٹکارا مل جائے!" یہ کہتے کہتے شیخ سعید زمین پر لیٹ گئے۔

بابو جی اُٹھ کر کھڑے ہوئے انھوں نے شیخ سعید کو دیکھا وہ آنکھ بند کیئے لیٹے تھے اور کلمہ طیبہ زبان پر جاری تھا۔ بابو جی نے پھر اس سکھ ڈرائیور کو دیکھا جو ان کا شریک تھا وہ ان کی طرف سے منہ پھیرے سر جھکائے کھڑا تھا لیکن اس کے شانے ہل رہے تھے اور جسم کانپ رہا تھا۔ انھوں نے پھر اس تیز چھرے کو دیکھا جو ان کے ہاتھ میں تھا۔ پھر ایک بار اس آسمان کی طرف جس میں جگنو کی طرح چمکتے ستارے اپنی نورانی آنکھوں سے ان کے دلی ہیجان کو دیکھ رہے تھے اور پھر اس ریوالور کو دیکھا جو سعید نے ان کے پاؤں کے پاس پھینک دیا تھا۔ ایک مرتبہ کانپ کر انھوں نے ایک چیخ ماری اور چھرے کو زور سے گھما کر بہت دور پھینک دیا! شیخ سعید کے اوپر ہاتھ پھیلا کر گر پڑے اور "میرا بھائی! میرا بھائی" کہکر لپٹ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد موٹر لوٹا۔ اور ذکریا اسٹریٹ کے موڑ پر رکا اتنی دیر میں دونوں کے تعلقات میں اتنا فرق ہو گیا تھا کہ ایک دوسرے کو "سعید" اور "جسونت" کہکر پکارنے لگے تھے اور ایک دوسرے کو تسکین دینے کی کوشش کر رہے تھے! موٹر رکنے پر سعید تنہا ہوٹل تک گئے اور وہاں سے ایک پھول سا بچہ کلیجہ سے لگائے ہوئے لائے۔ اور پھر موٹر چلا اور مارواڑیوں کے محلے سے ہوتا ہوا جہاں اس وقت بھی دونوں فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ٹولیوں میں ٹہلتے دکھائی دیتے تھے) اس محلے میں پہونچا جہاں خالص بنگالی رہتے تھے۔

سعید اور جسونت رائے موٹر سے اُترے آخر الذکر نے ڈرائیور کو چند نوٹ دیئے اور وہ سلام کر کے ادھر روانہ ہوا۔ ادھر انھوں نے آگے بڑھ کر ایک مکان کا دروازہ جس میں باہر سے قفل پڑا تھا کھولنا چاہا پانچ بنگالی نوجوان فوراً دوڑ پڑے اور اپنے ڈنڈے بلند کر کے بولے تم کون ہو اور تمھارے ساتھ یہ مسلمان کون ہے؟

جسونت رائے نے کہا ماشا ہم اسی مکان میں رہتے ہیں اور یہ بھی ہماری طرح پردیسی ہیں اور تمہاری سرن اور تمہاری پناہ چاہتے ہیں!"

ان میں سے ایک بولا "تم بردیسیوں ہی نے تو ہمارا شہر میں دنگا فساد کیا۔ ہم کبھی نہیں لڑا۔ اب تم فساد کرکے ہمارا شہر جلا چاہتا ہے۔"

بابو صاحب متانت سے بولے "اچھا بابا تم ہی سچ کہتے ہوگے۔ اب یہ بتاؤ کہ میں اپنے اس گھر میں جاؤں یا نہیں؟"

دوسرے نے کہا "تم جاسکتے ہو لیکن یہ مسلمان ۔۔ !"

تیسرا بولا اسے مار کر یہیں ڈالدو!"

چوتھے اور پانچویں نے کہا "ہاں ہاں یہی ٹھیک ہے! مارو! مارو!"

ڈنڈے اُٹھ گئے لیکن ابھی وار نہ ہونے پایا تھا۔ کہ جسونت رائے شیخ سعید کے آگے آکر کھڑے ہوگئے اور جیب سے سعید والا ریوالور نکال کر بولے "ماننا ٹھہرو! اس مسلمان کو میں تم سے پہلے مار ڈالتا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ یہ مجھ سے بھی زیادہ مظلوم ہے۔ اس لئے میں نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ اب اگر تم انھیں مار کر مجھے جھوٹا بناؤگے تو یہ سمجھ لو کہ میں اپنی جان دیدوں گا! دیکھو یہ ریوالور دیکھو اس کی ایک گولی ایک سکنڈ سے کم وقت میں میرے سینے کے پار ہوگی! اور پھر تم لوگوں پر ایک ہندو کی جان لینے کا پاپ ہوگا!"

ان بنگالیوں میں سے ایک نوجوان نے جو بظاہر ان کا لیڈر معلوم ہوتا تھا سب کو ڈانٹ کر ہٹادیا اور پھر ہاتھ جوڑکر بابوجی کو سلام کرکے بولا۔ ماشا ہم کسی ہندو کو اس کے اچھے کاموں میں نہیں روک سکتے جب تم نے اُسے اپنی پناہ دی ہے تو ہم اس سے نہ بولیں گے جاؤ اور چین سے اپنا کام کرو۔ اور اس مسلمان کو بھی پناہ دو" اور وہاں سے چلا گیا۔

شیخ سعید جسونت رائے کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک غمگین نوجوان عورت ایک مسہری پر نڈھال پڑی ہے اور ایک چھوٹا سا بچہ ایک قریب کے پالنے میں لیٹا ہمک ہمک کر کھیل رہا ہے وہ عورت ان کو دیکھ کر جلدی سے اُٹھ بیٹھی اور اپنے سامنے ایک بڑا۔ سا گھونگھٹ نکال لیا۔ جسونت رائے نے شیخ سعید سے ان کا نواسہ لیکر اپنی بہو کی گود میں دیدیا اور بولے:

بہو ایک مسلمان نے تیری مانگ کا سیندور صندل چھینا اور تیری چوڑیاں ٹھنڈی کر دیں! دوسرے نے تیرے جلتے ہوئے دل پر پھایا رکھا اور اپنے لخت دل سے تیری بھری گود اور بھر دی! لے بیٹیا دوسرا بچہ ہے جس کے دو دو بچے ہوں اس کو شوہر کا غم کیوں ہو؟"

چھ مہینے کی جان جو ماں کو پہچانتی تھی جب اُس نے دوسرے کو اپنی جگہ لیتے دیکھا تو ماں کی طرف

ہاتھ پھیلا پھیلا کر رونے لگا۔ عورت نے اُسے بھی گود میں سمیٹ لیا۔ تین دن کے بھوکے بچے کی فطرت نے اسے گود میں پہونچتے ہی دودھ ڈھونڈھنے پر مجبور کیا۔ محبت کی دیوی نے ممتا سے مجبور ہو کر ایک طرف اس کی تسکین کی اور دوسری جانب اپنے بچے کی بھی۔ زانوؤں پر دو پھول تھے اور دونوں پہلوؤں سے لپٹے ہوئے اور ایک محبت کی نوری چادر تھی جو انھیں چھپائے تھی اور ایک عجیب طرح کی چمک تھی جو اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

جسونت نے سعید سے کہا دیکھو یہ بھارت ماتا کی گود میں دو بچے ہیں ایک ہندو اور ایک مسلمان!

سعید نے کہا " ہاں ایک گود میں پہلے سے تھا اور ایک تازہ وارد ہے لیکن دونوں سینے سے چپکے ہیں اور دونوں اسی کے خون کا بنا ہوا دودھ پی رہے ہیں۔"

دیوی چپکے سے بولی " یہ میری داہنی اور بائیں آنکھیں ہیں۔ جب ان میں سے ایک پھوٹی تو میں کانی ٹھیری اور جب دونوں تو بالکل اندھی!"

سعید نے اس دیوی کو بڑی تعظیم سے سلام کیا اور بولے " اچھا رخصت! زندہ بچے کو ماں کی گود ملی اسے آپ کو سونپا۔ اب دو مردہ بچوں کو آغوش لحد میں دینا ہے اور اُنھیں خاک کو سونپنا ہے!"

اندر ماتہ

پھلوں کو محفوظ رکھنے والوں کے لئے

پنجاب گورنمنٹ (وزارت زراعت) نے پنجاب زراعتی کالج لائل پور کے ساتھ ایک مختصر سا تعلیمی نصاب ملحق کرنے کی منظوری دی ہے۔ جس میں پھلوں اور ترکاریوں کو اصلی حالت میں محفوظ رکھنے کا فن سکھایا جائے گا۔ اس نصاب میں مندرجہ ذیل نوعیت کے مضامین شامل ہوں گے۔

مثلاً پھلوں کو شیرہ میں رکھنا۔ مربہ تیار کرنا۔ جیلی (پھلوں کی مٹھائی) رس اور مربٹو وغیرہ بنانا اور پھلوں اور سبزیوں کو بوتلوں اور ڈبوں میں محفوظ رکھنا۔ اس نصاب کی میعاد دو ہفتہ ہوگی اور یکم جولائی ۱۹۲۸ء سے شروع ہوگی اس میں داخل ہونے والوں کے لئے کم از کم تعلیمی معیار میٹریکولیشن ہونا چاہئے۔ پچاس تقریباً ۱۵ اشخاص لیئے جائیں گے۔ اور ان کی اقامت کا انتظام یا تو کالج ہوسٹل میں یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی سرائے میں کیا جائے گا۔ کوئی فیس نہیں لیجائے گی۔ ڈپٹی کمشنر صاحبان پرنسپل پنجاب ایگریکلچرل کالج لائل پور کے پاس ان امیدواروں کی سفارش کرینگے۔ جو اس نصاب سے مستفید ہونے کے لئے خواہشمند ہوں گے۔

ایک سود خوار کی نفرت انگیز چالاکی

مہاراجہ کشمیر نے جو قانون بنام تحفظ زمینداران سمت ۱۹۸۳ بکرمی کے وسط میں نافذ فرمایا وہ زمیندار رعایا کو سود در سود کے جال سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت برمحل اور مناسب قانون تھا اس قانون میں چند دفعات ایسی بھی ہیں جن کی رو سے زراعت پیشہ مقروض سمت ۱۹۷۰ یعنی ۱۰ سال پیچھے کے حسابات کی حساب فہمی کا دعوے بخلاف قرضخواہ عدالت میں کر کے ساہوکار سے حساب کرا سکتا ہے۔ اور اصل پر بارہ فی صدی سود جو ڈیوڑھ سے زیادہ نہ بڑھ جائے جو کچھ اس پر مزید ادا کر چکا ہے وہ بحق مقروض واپس بھی مل سکتا ہے اس قانون کے نافذ ہوتے ہی جیسا کہ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ ریاست کے ہزارہا زمینداروں نے اپنے اپنے قرضخواہ ساہوکاروں کے خلاف عدالتوں میں حساب فہمی کے دعوے دائر کر دیئے۔ اس قانون کے نفاذ سے پہلے کی یہ حالت تھی کہ چار سال کے اندر دس روپیہ کا ایک سو روپیہ سود در سود اور ریکھ وغیرہ سے بنایا جانا ممکنات سے تھا۔ اور سود در سود کی ان بڑی بڑی عظیم رقومات پر معہ خرچہ دیوانی عدالتیں یکمشت ڈگریاں دے رہی تھیں۔ جدید قانون کے اجراء پر حساب فہمی کے جو دعوے زمینداروں نے ساہوکاروں کے خلاف کیئے باوجود اس قدر سود در سود کی رقومات ہونے کے عدالتوں سے بچارے بھولے بھالے کاشتکاروں کو بہت کم واپسی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے بعض عدالتوں سے ساہوکاروں کو اتنی بڑی رقموں کی ڈگریاں عطا ہوئیں کہ ساہوکار مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اور زمیندار روتا ہے۔ شور کرتا ہے۔ اسکا علاج اپیل ہے لیکن قانوناً اپیل کے لئے معہ فی صدی کے حساب سے ہزار کی ڈگری کے خلاف ساڑھے باون (۵۲½) صرف کورٹ فیس علاوہ اخراجات دیگر کے لگتے ہیں۔ اب اپیل کرے تو کیسے۔ سادہ لوح زمیندار کے ذمے تنقیح ہے کہ تم نے کیا ادا کیا وہ دونوں ہاتھ باندھے الا۔ بلا لکھوا لاہے۔ شہادت لاتا ہے۔ مگر وہ ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ جاہلوں کو تاریخ ادائیگی یا وقت کا کب خیال رہتا ہے۔ اُدھر مدمقابل دولتمند لکھا پڑھا اور اس کا وکیل جانباز موجود۔ بسا اوقات بعض عدالتوں کا مزاج بھی اسی طرف مائل قبل دعوے جو ساہوکار زمیندار کو ہزار کا ہزار چھوڑتا تھا بلکہ کچھ گرہ سے بھی دیتا تھا۔ جب "فہمید" کا اخیری ڈراپ سین اُٹھتا ہے تو زمیندار پر دو ہزار کی بجائے بارہ سو معہ خرچہ کی ڈگری ہو جاتی ہے۔ ایسی خلاف توقعات بڑی بڑی ڈگریات کی حقیقت اور ریاست جموں و کشمیر کے ناتواں مقروض بھولے کاشتکاروں کی ناکامیوں کے راز کو ایک بہت عادل و نکتہ رس ضمیر اور حقیقت آشنا جج لالہ سکھدیال صاحب اننت بی اے سب جج میرپور کے ایک حال کے فیصلہ

دعوے فہمید حساب غیر و لد فیض علی مدعی بنام سنت رام وسندر داس مہاجن ساہوکاران مدعا علیہم شمل ۱۹۲۰ء نے ہویدا کردیا ہے۔ جج بہادر مذکور حساب فہمی کرتے ہوئے طریق حساب اور حیثیت حساب پر تبصرہ فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "ہم نے مدعا علیہم حسابات کو بڑی احتیاط سے دیکھا ہے اور ہم بہت غور کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مدعا علیہم ساہوکاران کے حسابات ناقابل اعتبار ہیں۔ تعجب ہے کہ جو نقول حسابات مدعا علیہم نے عدالت منصفی بھمبر میں پیش کیں وہ اصل حسابات بہی کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی ہیں اصل حسابات کے الفاظ اور عبارت کچھ اور ہے اور نقول کی کچھ اور۔ باوجود اس کے نقول پر مقابلہ شدہ تحریر ہے۔ اور کسی محرر کے دستخط ہیں۔ جو پڑھے نہیں جاتے۔

یہ اقتباس ریاست کشمیر کی عدالت ذمہ دار کے صرف ایک فیصلہ سے لیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر ساہوکار لوگ اپنے حسابات میں فرضی رقومات بذمہ مقروض ایزاد کر سکتے ہیں۔ اور حسابات کی نقول فرضی جعلی۔ عدالتوں میں دے رہے ہیں جو بہی سے مطابقت نہیں رکھتیں اور بسا اوقات عدالتوں سے ایسی فرضی رقموں کی ڈگریاں لی جارہی ہیں۔ کیا عجب ہے کہ قابل ججوں کی بالغ نظری ایسے انکشافات سے حکومت کو اس ضرورت کا احساس کرادے جس سے ان مہلک بے ضابطگیوں کا باضابطہ مکمل انسداد ہو جائے۔ (ماخوذ از کشمیری)

ابلیس کا خطبۂ صدارت

جو پنجاہ سالہ جوبلی کے موقعہ پر آل انڈیا شیاطین کانفرنس میں بمقام دہلی پڑھا گیا۔ یہ کتاب علاوہ ٹائٹل کے ۱۶۸ صفحے کی ہے جس کا سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ہے اس میں غدر ۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۲۳ء تک وہ خاص خاص تاریخی حالات درج ہیں جو مسلمانوں کو شیطان اور اس کی ذریت کے بہکانے سے ہندوستان میں پیش آئے اور مسلمانوں کو نقصان پہونچا یا۔ ان واقعات کو پڑھنے اور اس پر غور کرنے سے مولف کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ آپ کتاب پڑھ کر گزشتہ واقعات پر افسوس کریں بلکہ اُن واقعات سے سبق لیکر آئندہ کو احتیاط کریں اور نقصانات سے بچیں۔ اس پر طرہ یہ کہ ہنس ہنس کر واقعات پڑھیے اور نتیجہ نکالیے کیا اس کے دلچسپ مطالعہ اور دلنشین مفہوم سے فائدہ اُٹھانے کے لئے آپ صرف ۸ر علاوہ محصولڈاک یا ۱ر معہ محصولڈاک صرف نہیں کرسکتے۔ اگر آپ ایسا کرسکتے ہیں تو منیجر سود مند بدایوں کو قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج دیجئے اور یا کتاب مذکور بصیغہ وی پی منگوا لیجئے۔ (منیجر)

گھڑیوں کی مرمت
ہم نے ہر قسم کی گھڑیوں کی مرمت کا انتظام اپنی نگرانی میں کیا ہے جو صاحب اپنی گھڑیاں قابل اطمینان طور پر
درست کرانا چاہیں وہ گھڑی بھیجکر اجرت دریافت فرمائیں
المشتہر نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں۔ یو۔ پی
حیرت انگیز رعایت
پندرہ روپے کی تین گھڑیاں۔ صرف دس روپے میں
آپ کے لیئے
آپ کے کمرہ کیلیئے
بیوی کے لیئے
ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ
مشہور عالم ٹی ٹائم پیس ٹیبل
قابل دید گولڈن رسٹ واچ
گل سلور کیس خوبصورت مضبوط ٹائم نہایت صحیح بتلانے والی قیمت صرف پانچ روپیہ آٹھ آنہ محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۸
دیکھنے میں خوبصورت چال کا اچھا پرزوں کا مضبوط ٹائم کا سچا بیحد سستا۔ قیمت دو روپیہ محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۹
نئے نئے ڈیزائن کی خوشنما کیسں پائدار ٹائم بتانیکی سچی قیمت مع اسٹراپ پانچ روپیہ آٹھ آنہ محصولڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۸
یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپیہ میں بھیجی جائینگی۔ یہ رعایت فقط مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جبتک گھڑیاں اسٹاک میں رہیں گی اس کے بعد ہم تعمیل کے ذمہ دار نہیں آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہو کہ اسٹاک ختم ہوجا ئے اور آپکی فرمائش کی تعمیل نہوسکے
نوٹ: ایک یا دو گھڑی کے خریدار کیلیئے کوئی رعایت نہیں ہے اُن سے پوری قیمت مندرجہ بالا لیجائیگی اور محصولڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی انکو ادا کرنا ہوگا۔
ملنے کا پتہ امریکن واچ ہوس۔ اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی مقام دہلی

درازی عمر کا راز
صرف زندگی کا بیمہ کرانے سے معلوم ہوسکتا ہے
کیونکہ

بیمہ ایک ایسا کام ہے جو دولت کمانا کفایت شعاری سکھلاتا ہے تاکہ انسان کو دنیا میں
خوش باش رکھتا ہے

چنانچہ

انسانی عمروں کی درازی کا راز انسان کی خوشحالی پر منحصر ہے اگر

آپ دنیا میں رہ کر آرام سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی ایک پوسٹ کارڈ

نیشنل انڈین لائف انشورنس کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

کو بیمہ کے پراسپکٹس کی بابت لکھ بھجوائیے اور اپنا بیمہ کرا لیجیے۔

یہ کمپنی اپنی خاص خصوصیات کے باعث ۱۹۰۶ء سے نہایت کامیابی کے ساتھ غریبوں کی حمایت و قومی سرمایہ کی حفاظت اور کفایت شعاری کا سبق ملک و قوم کو دے رہی ہے یہ خالص ہندوستانی کمپنی ہے جس کو اولوالعزم ہندوستانی ہستیوں کی سرپرستی اور ڈائرکٹری کا فخر حاصل ہے اور اس کے قواعد و ضوابط آسان ہیں

مندرجہ خصوصیات کے باعث اس کمپنی میں

زندگی و تعلیم کا بیمہ کرانا

ملکی سرمایہ کو اپنے ہی ملک کے لیے مفید بنانا ہے۔

سہولیت کے لیے درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

(۱) ہیڈ آفس 6 و 7 کلائیو سٹریٹ کلکتہ۔ اور یا
(۲) انسپکٹر آف ایجنسی راولپنڈی آفس بالمقابل کیلیانوری مسجد راولپنڈی اور یا
(۳) کمپنی کی دیگر شاخوں سے اور کمپنی کے مقامی ایجنٹوں سے

ڈاکٹر عبدالغفار عالی ایجنٹ غربی بازار خورجہ گنج غربی

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دیکر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہونچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو ۲ لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرہ سے بالکل بری و قابل اطمینان ہے

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ** روپیہ کا کل سرمایہ بے ضرر ہے کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا اُردو **سیکلپٹس** ہماپ جس میں مختصر تاریخ بیمہ معہ نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۸ ڈلہوزی اسکوائر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۷ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے

"بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے۔ ہر مرد و عورت اور بچہ کا ہر مکان اور سواری کیجہاز و کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اور دنیا کا لیکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اُس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور رہوتے ہیں۔ اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے پسماندگان کے لئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کیلئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

سود مند لٹریچر

مسلمانوں کے لیئے ان کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہی۔ یہ ہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک دردمند قوم نے خاص طور پر شایع کرایا ہی ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سودخواروں کے پنجہ سے نجات دلانے۔ بنک کا لین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں۔
اِن کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رکھی گئی ہی تاکہ لوگ خرید کر تقسیم بھی کرسکیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث ۔ یعنی خطبہ صدارت جو مولوی اکرم عالم صاحب وکیل بی اے نے سود مند کانفرنس منعقدہ فرخ آباد ۱۹۲۰ء میں پڑھا تھا قیمت ۲/

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل ۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۸/

کشف الغطاء عن وجہ الربوا مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو اسحٰق حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کرکے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہی ایک کالم میں عربی ایک میں اردو ترجمہ قیمت ۴/

رسالہ جواز سود مع فتاوے جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علماء کے فتووں کا مجموعہ قیمت ۱/

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح ۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہی جس میں مسلمانوں کو اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں قیمت ۱/

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیئے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہی کہ بیمہ کرانے کے کیا قواعد ہیں قیمت ۱/

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان ۔ مصنفہ سید طفیل احمد صاحب ایم ایل سی علیگ بڑی محنت و جانفشانی سے لکھا گیا ہی اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو از بس ضروری ہی قیمت ۵/

مسئلہ سود کے متعلق فتوے اور سود مند کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز سود مند کانفرنس دہلی واقع ۱۹۲۰ء میں جو تجاویز منظور ہوئی تھیں ان کا مجموعہ مع اُن فتووں کے جو مسئلہ سود کے متعلق ابتک دیئے گئے ہیں۔ ۱/

کل کتابوں کا محصول بذمہ خریدار رہیگا

ملنے کا پتہ نظامی پریس ایجنسی بدایوں ۔ یوپی

سودمندی میں
اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اٹھائیے

✽ شرح اجرت اشتہار ✽

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھہ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۲ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ ۸ آنہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر ۶ آنے				

کیا یہہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے **آپ** سستی گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اٹھا چکے ہیں **آپ** پچھلے سال ایسی چاندی کی قیمتی گھڑی گما چکے ہیں **آپ** اپنے کام پر روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہونچتے **تو** فوراً ہماری اصلی ریلوے ریگولیٹر جیبی گھڑی جس پر کارخانہ کی اصلی مہر کھدی ہوتی ہے اور ڈائل پر انجن کی تصویر بنی ہے منگا لیجئے اس کارخانہ کی گھڑیوں کی پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں ٹائم بالکل سچا اور دس برس کی گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا اور ملازمین سے صرف ۳ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -
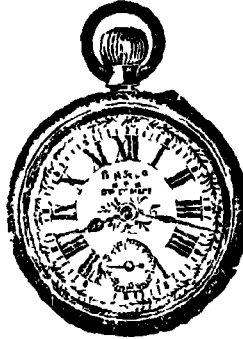
آج ہی آرڈر بھیجدیجئیے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ — نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو - پی

سوسید فاؤنٹن پن

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنواکر منگوائے گئے ہیں - قلم کی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہاسال تک خراب نہیں ہوتی

دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپیشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ اس کی نب کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سیلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ خریدئے برسوں کی فراغت - قیمت چھ روپیہ قسم اول دوسرے سیلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ [illegible]) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے -

ملنے کا پتہ- **نظام الدین حسین اینڈ سنز بدایوں یو.پی**

نظامی پریس بدایوں

لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی صحت اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہے اردو انگریزی ہندی کی سادہ اور رنگین چھپائی عمدہ وقت پر اور کفایت ہوتی ہے - نمونہ چھپائی طلب کیجئے - ہر قسم کی اُردو کتابیں بھی ملتی ہیں فہرست کتب مفت منگائیے -

اصلی نمک سلیمانی جس میں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں یہ نظامی نمک سلیمانی بدہضمی پیٹ کا درد قولنج سینہ جلنا کھٹی ڈکاریں کا آنا - جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اس قدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھانے سے درد کم ہوجاتا ہے اور دوسری چٹکی کھانے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے - ہر گھر میں ایک شیشی اصلی نظامی نمک سلیمانی ہر وقت موجود رہنا چاہئے -

المشتہر —— منیجر کارخانہ نمک سلیمانی بدایوں یو.پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد احمد الدین ایف آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

سود بہبود اور اصلاح قوم ہی مجھکو پسند ٭ قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ جون سنہ ۱۹۳۱ء

راہ گیر: یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں؟
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر: پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی انسداد کرنے اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر **سید طفیل احمد منگلوری مینگ۔ ایم ایل سی**
اسسٹنٹ ایڈیٹر **محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن**

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳؍)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و تباہی کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام سبیل سود گھٹ کر ہوا کو جو بربادکن اور حرام ہے مٹادے۔

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

قواعد و ضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ چھ آنہ لیا جاتا ہے۔

(۲) سودمند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے۔ اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئیے اُس کے بعد پرچہ کی قیمت لی جاوے گی۔

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجی جائے یا پرچہ نمونہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئیے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹری نمبر اے ۱۳۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی۔

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے۔

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایکسال تک بلا قیمت جاری رہیگا۔ مستقبل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے۔

المشتہر:—منیجر سودمند بدایوں

۱۲۲۵

نمبر ۶ جلد ۳	جون ۱۹۲۸ء	چندہ سالانہ دو روپیہ قیمت فی پرچہ تین آنہ

فہرست مضامین

دنیا میں سرمایہ داری کی حکومت ہے

مزدور کی ہاؤ ہو پہونچی۔ جب مغرب کے ایوانوں میں
تو ایک ہلچل سی ہوئی پیدا سب اصلاحی دیوانوں میں
قانون مرتب ہونے لگے۔ آزادی کا دربار ہوا
تدبیر کے گارے چونے سے تہذیب کا گھر تیار ہوا
لیکن سرمایہ سے ابتک آزادی کا دم ناک میں ہے
یعنی جمہور کے پردے میں انسان انسان کی تاک میں ہے
دنیا کی عزت ہے پیسہ۔ یہ رونق ہے بازاروں کی
ہے پیسہ پاس تو چاندی ہے۔ چاندی سرمایہ داروں کی
ہر روز یہاں اک فاقہ ہے ہر رات وہاں دیوالی ہے
گو شہر میں لاکھ چراغاں ہو۔ مزدوروں کی دنیا کالی ہے
افلاس کا پودا محنت کی کالی راتوں میں پلتا ہے
مزدوروں کی امیدوں کا دن سورج سے پہلے ڈھلتا ہے
تقدیر پر آخر صبر کیا بدبخت افلاس کے ماروں نے
دنیا کو مل کر لوٹ لیا کس نے ؟ سرمایہ داروں نے
پوچھا فرہاد سے حاصل کیا مزدور کو اپنے پسینے سے
بولا مزدور کو لازم ہے۔ سر پھوڑے اپنا تیشے سے
کیا علم ابھارے گا تجھ کو قسمت کا اگر تو ہیٹا ہے
مزدور کا بیٹا کچھ بھی ہو پھر بھی مزدور کا بیٹا ہے

(کشمیری)

موجودہ دہریت کی رو

کچھ عرصہ سے ہندوستان میں دہریت کی تحریک نمودار ہو رہی ہے جس کی وجہ سے بہی خواہان اسلام متردد ہیں ان میں سے بعض تو اس تحریک کو غصہ، نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور بعض سمجھتے ہیں کہ چند روز بعد یہ خود بخود ٹھنڈی پڑ کر دب جائے گی۔ مگر اس قسم کی توقعات قائم کرنے سے قبل ہمارے نزدیک اس امر کی ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو غائر نظر سے دیکھا جائے۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ یہ تحریک یورپ کی مادیت کا نتیجہ ہے اور اُسی طرف سے یہ آ رہی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انگلستان اور دیگر یورپین ممالک میں مذہب عیسوی ابتک سلطنت کا مسلمہ مذہب ہے۔ شہنشاہ انگلستان کے لیئے شرط یہ ہے کہ وہ پروٹسٹنٹ عقیدہ رکھتا ہو۔ اگر آج رومن کیتھولک ہو جائے تو اُسے تخت سے ہٹنا پڑے گا برخلاف اس کے سلطنت ٹرکی نے مذہب کے اس جوئے کو اپنے کندھوں سے اُتار پھینکا آج اُس جمہوری سلطنت کا صدر ایک یہودی یا عیسائی یا مجوسی منتخب ہو سکتا ہے۔ اب سے بیس سال قبل جب امیر حبیب اللہ خاں صاحب علیگڈھ کالج میں تشریف لائے تو علمار کرام کی ایک جماعت اُن کی خدمت میں خاص طور پر اس غرض سے پیش کی گئی کہ وہ علیگڈھ کو مذہبیت کا مرکز سمجھ کر خوش ہوں گے۔ مگر تجربہ اس کے خلاف ہوا اور انھوں نے فرمایا کہ علمار کو دیکھنے میں یہاں نہیں آیا۔ انھیں تو میں خود کابل میں چھوڑ کر آرہا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ علمار کرام سے یہ بے اعتنائی خاصکر اسلامی ممالک میں کیوں برتی جا رہی تھی جس کا رفتہ رفتہ یہ نتیجہ ہوا کہ ترکوں نے مذہب کو سلطنت سے علحدہ کر کے اُسے ایک ذاتی چیز قرار دے دیا اُس کا جواب صاف یہ ہے کہ علمار کرام نے قرآن شریف کی جگہ ایک ہزار برس کے پُرانے فقہ کو اپنے مذہب کا مبدا قرار دے لیا اور اُس سے سر مو تجاوز کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ خرید و فروخت اور کاروبار کے طریقے جو فقہ کی کتابوں میں لکھی ہیں اُن کی جگہ بینکنگ، بیمہ، اکونٹ دنیا کے بازاروں میں قایم ہو گئے۔ مگر علمار کرام ابتک مصر ہیں کہ مسلمان انھیں پُرانے طریقوں کے مطابق جن کا اب دُنیا میں وجود نہیں ہے اکاروبار کریں انجام یہ ہوا کہ وہ مسلمان جن کی نسبت حدیث شریف میں آیا تھا کہ تم تجارت اختیار کرو۔ کیونکہ اس میں معاش کا ۹/۱۰ حصہ ہے۔ کاروبار سے خارج ہو گئے۔ مسلمان تاجر اور زمیندار، کاریگر اور کاشتکار سب کے سب غیر مسلم سرمایہ داروں کا سودی روپیہ استعمال کر کے اُن کے مستقل غلام بنے ہوئے ہیں جن سے رہائی دلانا صرف علمار کرام کا حصہ تھا۔ ذاتی طور پر میں حضرات علمار کرام کا نہایت ممنون ہوں کہ اُن میں سے

چوٹی کے اصحاب نے تجارتی سود کے مسئلہ میں میری مخالفت نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی اشاعت و تبلیغ ہو گئی اور اکثر مقامات میں اب اس پر عملدرآمد ہو رہا ہے مسلمانوں کی مذہبی اور دنیوی جماعتوں کے خطبہ جات صدارت میں اور جلسوں میں اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ مگر قابل شکایت جو امر ہے وہ یہ ہے کہ ان متنازعہ فیہ امور میں علمائے کرام کی جانب سے عوام الناس کی رہبری اور رہنمائی نہیں کی جاتی۔ جس کی وجہ سے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اور علماء کے ہاتھوں سے نکلے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ حال میں صغر سنی کی شادی کے مسودہ قانون کے متعلق بعض اسلامی بلکہ علمائے کرام کے زیر اثر اخبارات میں جو مخالفانہ بحث چھڑی ہوئی ہے اس کی نسبت مولوی محمد یعقوب صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ خواہ مخواہ ہر چیز کو کھینچ تان کر مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کاش اگر محض دنیوی اعتبار سے اس قانون کو مضر ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو چنداں مضائقہ نہ تھا مگر ایسے امور میں مذہب اسلام کو سامنے لانا اس کی توہین کرنا ہے۔

ہندو ہو یا مسلمان۔ ان میں سے کوئی بھی سمجھدار شخص ایسا نہیں جو بچپن کی شادی کو پسندیدہ نظر سے دیکھتا ہو تاہم محض قانونی پابندی کے اندیشہ سے اس مسودہ کی مخالفت کیجاتی ہے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں میں نو سال کی شادی کی نظیر موجود ہے تو اس عمر میں شادی کرنے سے روکنا ان کے مذہب میں مداخلت کرنا ہے مگر یہ مداخلت تو ڈیڑھ سو سال سے ہو رہی ہے جبکہ قانون تعزیرات ہند پاس ہوا۔ جس کی رو سے بارہ سال سے کم عمر عورت سے ہمبستری کرنا اگرچہ وہ اپنی زوجہ کیوں نہ ہو فوجداری کا جرم ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اصلاح رسوم قانون کے ذریعہ سے نہیں بلکہ پند و نصیحت سے ہونی چاہیئے۔ اس کی نسبت انگلستان کے ماہر سیاسیات مسٹر کرٹس (انگریز) نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ

"میں نے اکثر لوگوں (یعنی انگریزوں) کو کہتے سنا ہے کہ ہندوستان کو سیاسی حقوق مانگنے سے قبل اصلاح رسوم و معاشرت کرنی چاہیئے۔ اگر وہ اپنے ملک انگلستان کو دیکھیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں کونسی اہم اصلاحات رسوم بلا امداد قانون کے ہوئیں۔ عورتوں اور بچوں سے کارخانوں اور کانوں میں کام لینے، بیاہی عورتوں کے حقوق، فروخت شراب اور دیگر اہم مسائل میں سے کوئی ایسا نہیں جو قانون کے ذریعہ سے نافذ نہ ہوا ہو"

"برخلاف اس کے گورنمنٹ نے ہندوستانین کی اصلاح معاشرت کے متعلق قوانین پاس کرنے میں رکاوٹیں پیدا کی ہیں اور ۱۹۱۱ء میں مسٹر باسو کے مسودہ قانون ازدواج کو پاس نہ ہونے دیا" (مسٹر کرٹس کا

قول ختم ہوا)

پچاس سال سے زیادہ ہوئے جب سے کہ علمار کرام شادیوں اور غمیوں میں اسراف روکنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ابتک کوئی وعظ و نصیحت کارگر نہ ہوئی اور مسلمانوں کے افلاس میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہو۔ البتہ جو لوگ انجمن بناکر اُسے کو اپریٹیو سوسائٹی کے تحت لے آتے ہیں تو خلاف ورزی کرنے والے ممبر پر پنچایت جو جرمانہ کر دیتی ہو۔ اگر وہ خوشی سے ادا نہ ہو تو عدالت سے وصول کیا جا سکتا ہو۔ اور اس قانونی تعزیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ ممبران سوسائٹی جبریہ کفایت شعار بن جاتے ہیں۔

ہندوؤں کا تمدن بہت قابل اصلاح تھا مگر اب وہ طلاق، نکاح وغیرہ کے متعلق مسلسل توانین پاس کرکے اپنی اصلاح کر رہے ہیں۔ خود ترکوں نے بھی شادی سے قبل زوجین کا طبی معائنہ لازمی کر دیا جس کے تصور سے بھی ہندوستان کے مسلمان بدحواس ہو جاتے ہیں۔ مگر اس سے کون انکار کرسکتا ہو کہ قومی صحت اور نشو و نما پر اس کا اثر کس قدر عمدہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اس ترقی اور قومی کشمکش کے زمانہ میں اگر ہندوستان کے مسلمان اسی طرح رسمی مذہب کو سامنے لاتے رہیں گے تو اندیشہ یہ ہو کہ یا تو وہ دوسری قوموں سے جسمانی اور دماغی نشو و نما میں پیچھے رہ جائیں گے ورنہ مثل اسلامی ممالک کے اپنے موجودہ مذہبی مراسم کے ہیولے کو پاش پاش کرنے کے موجب ہوں گے جس میں اب بھی بے شمار خوبیاں موجود ہیں۔

خدا کا شکر ہو کہ ہندوستان میں دس بارہ سال سے روشن خیال علما کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی ہو جو سیاسیات میں مسلمانوں کی صحیح طور پر رہنمائی کر رہی ہو اور جو مسلمانوں کی شکر گزاری کی مستحق ہو۔ اُسی جماعت کی خدمت میں یہ ادب عرض ہو کہ وہ ساتھ کے ساتھ مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی اصلاح کو اپنے ہاتھوں میں لیکر مسلمانوں کو گمراہی سے بچائیں۔ زمانہ ہائے ماسبق میں فلسفیوں یا خوشحال لوگوں کی محدود جماعتوں میں دہریت کی تحریک کبھی کبھی نمودار ہو کر ٹھنڈی پڑ جایا کرتی تھی مگر موجودہ تحریک دراصل اُن غربا کی طرف سے ہو۔ جو سلطنت سرمایہ داروں اور محدود خیال کے دینداروں کے دست تظلم کے سیکڑوں برس سے شکار ہو رہے تھے۔ یہ تحریک ہرگز رُکنے والی نہیں ممکن ہو کہ عارضی طور پر ملتوی ہو جائے۔ مگر پھر اُبھرے گی۔ بڑھے گی پھیلے گی۔ اور کروڑوں غربار کو اس قابل بنائے گی کہ وہ بھی دنیا کی اُن نعمتوں کی لذت اٹھائیں جو اب تک صرف خوشحال لوگوں کا پیدائشی حق سمجھی جاتی تھیں۔ اب غربار کو ایسی نصیحتوں سے تسلی نہ ہو سکے گی کہ یہ دنیا محض اُن کے مصیبت اُٹھانے اور چند مخصوص لوگوں کے گلچھرے اُڑانے کے لئے ہو۔ غربا اب سمجھ گئے ہیں کہ انھیں رسمی مذہب کے

پھندے میں پھانس کر آپس میں لڑانے اور انھیں غلامی میں رکھنے کے لیئے سلطنت اور سرمایہ دار کروڑوں روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ اس قسم کے خیالات و جذبات میں جو رکاوٹیں پیدا ہوئیں اُنھیں دور کرنے کو سلطنت ٹرکی مجبور ہوئی کہ رسمی مذہب کو سلطنت سے علیٰحدہ کر کے حقیقی مذہب کو ایک شخصی اور ذاتی امر قرار دے اور جبکہ علمار کرام زمانہ کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہیں تو اب مذہب کی حفاظت کی یہی صورت ہے کہ اوسے سیاسیات سے علیحدہ رکھا جائے۔ چنانچہ ۱۱ رمئی کے ہمدم میں تحریر ہے کہ جمہوریہ ترکی میں اب ہزاروں عیسائی مسلمان ہو رہے ہیں۔ بہر حال دیگر ممالک میں ان جدید تجربوں کے خواہ کچھ بھی نتائج کیوں نہ ہوں ہمارے ملک میں ابھی موقعہ ہے کہ ہمارے علمار کرام میں سے کچھ اصحاب زمانہ حال کی ضروریات اور مذہب میں تطبیق کی صورتیں نکال کر اسلام کو اس زمانہ کی دہریت کی رو سے محفوظ کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ اس حالت کی ذمہ داری خود اُن پر ہوگی نہ عوام کالانعام پر۔ (ایڈیٹر)

ایک نئی ایجاد

ولایت کی تازہ ڈاک سے ایک ایسی مشین کی ایجاد کی خبر موصول ہوئی ہے جو دنیائے تجارت کے لیئے موجب برکت خیال کی جاتی ہے یعنی جو نہایت صفائی اور تیزی سے بوتلوں کو اپنے آپ بھرتی انھیں سربمہر کرتی اور ان پر لیبل چپکا دیتی ہے۔

یہ نئی مشین ایک گھنٹہ میں کوئی سات ہزار بوتلیں بھر کر انھیں حسب تفصیل بالا مکمل کر دیتی ہے پھر یہ بھی قید نہیں کہ کسی خاص قسم کا عرق یا شربت ہی بھرا جائے بلکہ طرح طرح کے پتلے یا گاڑھے شربت عرقیات اچٹنیاں، اور رائتے بھی بھرے جاسکتے ہیں۔ بوتل جہاں تک چاہیئے خود بخود بھرجاتی ہے۔ علیٰ ہذا ایسی بوتلیں جن میں بال آجائے۔ یا کسی اور طرح ناکارہ ہو جائیں۔ اپنے آپ مشین چھوڑتی جاتی ہے۔

اس مشین کا سب سے زیادہ حیرت انگیز حصہ غالباً وہ ہے۔ جہاں لیبل چپکائے جاتے ہیں یعنی مشین خود بخود لیبل اُٹھا لیتی ہے۔ اُسے گیلا کرتی ہے اور بوتل یا ڈبہ پر باحتیاط چپکاتی صاف کرتی اور بالآخر خشک کر دیتی ہے۔ بوتلیں خاص قسم کے ڈھکنوں سے سربمہر کی جاتی ہیں جو وقت ضرورت بآسانی ہاتھ سے کھولے جاسکتے ہیں۔

ہندوستان کا رائج الوقت سکہ

ملک ہند میں جو سکہ رائج الوقت ہے اُسے ماہران اقتصادیات ٹوکن منی (Token money) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اِس قسم کے سکہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی جو قیمت رائج ہے وہ اس کی اصلی قیمت سے ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔ اس قسم کا سکہ صرف ممالک محروسہ میں رائج ہو سکتا ہے کیونکہ آزاد قومیں کبھی اس گندم نما جو فروشی کو روا نہیں رکھ سکتیں۔ محکوم قومیں مجبوراً اسی سکہ پر قانع رہتی ہیں۔ یہ تو چاندی کا سکہ ہے اگر ان بدنصیبوں کے ملک میں مٹی کا بھی سکہ رائج کیا جائے تو مجبوراً ان کو اس کو بھی منظور کرنا پڑے گا۔ آخر کر ہی کیا سکتے ہیں۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر۔ آزاد اور محکوم قوموں میں یہی فرق ہے۔ دیکھیں کب تک مادر ہند کی گردن میں محکومیت کا لعنتی طوق پڑا رہے گا۔

مضمون ہذا میں اس بات پر غور کیا جائے گا کہ اس مروجہ سکہ کی بدولت سرکار کو کتنا فائدہ ہوتا ہے اور ہندوستانیوں کو کتنا نقصان ہوتا ہے سرکار کو جلد از جلد اس موازنہ پر اپنی توجہ مبذول کرنا چاہیئے۔

بڑے بڑے سرکاری افسروں کی تنخواہ پاونڈ کے حساب سے سالانہ مقرر کی گئی ہے لیکن انھیں روپیہ کے حساب سے تنخواہ تقسیم کی جاتی ہے جس میں ۴۰ فی صدی کا نفع رہتا ہے یعنی وہ تقریباً ڈیوڑھی تنخواہ پاتے ہیں۔ ولایتی سکوں کے حساب سے جو حکومت پر قرضہ ہے اس کا سود ہندوستانی سکہ میں دیا جاتا ہے یعنی ۴۰ فی صدی سود زیادہ دینا پڑتا ہے۔ ہندوستان سے تقریباً ایک ارب روپیہ سے زیادہ قیمت کی چیزیں غیر ممالک کو روانہ کی جاتی ہیں ان پر جو ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اس میں بھی ۴۰ فی صدی کا نقصان ہوتا ہے۔ مرکزی حکومت ۴۰ فی صدی رقم فارن اکسچینج یا غیر ممالک سے سکوں کے تبادلہ میں وصول کر لیتی ہے۔

ولایت سے جو مال آتا ہے اس کے بدلے میں ہمارا کھوٹا روپیہ ۴۰ فی صدی بٹہ کاٹ کر لیا جاتا ہے یعنی وہ تو اپنے مال کا پورا روپیہ لیتے ہیں اور ہمارے روپیوں کو پورا روپیہ نہیں مانتے۔ مبادلہ کی شرح کاٹ کر لیتے ہیں پیداوار کرنے والوں کو اس سے جو نقصان عظیم پہونچتا ہے وہ ناقابل بیان ہے کسان کو اپنی آمدنی پر ۴۰ فی صدی زائد ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے یہی حالت انکم ٹیکس کی بھی ہے۔ جو شخص ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی پر ٹیکس ادا کرتا ہے لیکن اصل آمدنی صرف ۶۰ ہزار ہے ۴۰ ہزار روپیہ پر اس کو بیکار ٹیکس

ادا کرنا پڑتا ہے۔

۱۹۰۱ء کے ماہ مارچ میں مسٹر گوکھلے مرحوم نے اس مسئلہ پر ایک پُر زور تقریر کی تھی اور یہ بات ثابت کردی تھی کہ ملک ہند میں آمدنی و خرچ سے جو بچت دکھائی جاتی ہے وہ بالکل جھوٹی ہے اور اسکا سبب یہ ہے کہ سرکاری روپیہ کی قیمت محض نقلی ہے۔

جنگ عظیم کے بعد یہ سوال اور زیادہ خوفناک ہوگیا ہے۔ کئی سال سے ہر سال سرکاری بجٹ میں گھاٹا ہی گھاٹا نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھاٹا کبھی کم نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں سرکار کیوں اپنی ساکھ پر ملک ہند کی سہ۔ارب کی پونجی لوہے اور کاغذوں کے ڈھیر میں تبدیل کر رہی ہے۔

جن اصحاب کو تاریخ سے ذوق ہے اُن پر یہ بات اچھی طرح سے روشن ہے کہ ہندوستان کی رعایا پر کھوٹا سکہ چلانے سے مختلف زمانوں میں کیا اثر پڑا تھا۔

محمد بن تغلق نے جس وقت وہ نئی دلی کے آباد کرنے کی دُھن میں تھا کھوٹا سکہ چلایا تھا اس میں اُس کو بڑی ناکامیابی ہوئی آخر میں اس کو اپنا سکہ واپس لینا پڑا اور اس کے بدلے میں سونا دینا پڑا۔

آج کل مغل بادشاہوں کی حکومت باقی نہیں رہی لیکن اُس زمانہ کی مہروں کی اتنی ہی قدر ہے جیسا کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں تھی کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں انگریزوں کی حکومت رہتے ہوئے بھی اس ملک کے سکے کی قیمت دوسرے ملکوں میں اتنی ہی مل سکتی ہے جتنی کہ یہاں خیال کی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہمارا روزمرہ کا تجربہ بتلاتا ہے کہ ہم چاہے جتنے اپنے روپیہ کے کھرے پن پر اپنے منہ میاں مٹھو بن لیں مگر مبادلہ یا ایکسچینج اصلی حال کا انکشاف اچھی طرح کر دیتا ہے۔

اصل اصل ہے اور نقل نقل ہے بھلا غیر قومیں ہماری فرضی قیمت کو کیسے قبول کر سکتی ہیں۔

اب یہ بات تو ظاہر ہوگئی کہ ہندوستان کو اس ٹوکن منی یعنی ایسے سکہ کی بدولت جس کی اصلی قیمت کچھ اور ہے اور نقلی کچھ اور ہو کتنا نقصان ہوتا ہے۔ یہ نقصان محض اس لیئے ہے کہ ہمارے سکہ کی قیمت فرضی ہے۔

دوسری بات جو ہمارے سکہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا روپیہ نقرئی ہے۔ دُنیا کی ہر ایک مہذب قوم میں سکہ کا گولڈ اسٹینڈرڈ یعنی طلائی معیار مقرر ہے۔ مگر اس ملک کے سکہ کا معیار گولڈ ایکسچینج سٹینڈرڈ یعنی طلائی مبادلہ کا معیار ہے۔ اس سے بھی ہم کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ مہذب قوموں نے اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ سکہ بنانے کے لیئے سونا چاندی سے زیادہ موزوں ہے اور اس کی قیمت میں تغیر و تبدل بھی کم ہوتا ہے۔ اسی بنا پر طلائی سکہ کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ ہندوستان لیگ بین الاقوامی کا ممبر تو خیال کیا جاتا ہے مگر اس کا سکہ چاندی کا ہے مگر وہ بھی کھوٹا۔ یعنی اصلی قیمت کچھ اور اور فرضی قیمت کچھ اور ہے

ہمارا سکہ چاندی کا ہونے کی وجہ سے ہم کو بہت نقصانات بھگتنا پڑتے ہیں اول تو ظاہر ہے کہ چاندی سونے کے مقابلہ میں دُنیا میں زیادہ موجود ہے اس لیئے وہ اقتصادی اصولوں کی بنا پر سونے کے مقابلہ میں ارزاں ہے اس لیئے ہمارا سکہ بھی دیگر قوموں کے سکوں کے مقابلہ میں ارزاں ہے۔ لہذا ہم کو مبادلہ میں زیادہ رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔

دوم یہ ہے کہ جس وقت ہم کو روپیہ یہاں سے بذریعہ جہاز روانہ کرنا پڑتا ہے اس وقت ہمارے نقرئی سکوں کا پارسل دیگر ممالک کے طلائی سکوں کے پارسل کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہوتا ہے اس لیئے ہم کو جہاز کا محصول غیر ممالک کے مقابلہ میں زیادہ ادا کرنا پڑتا ہے اس وجہ سے بھی ہمیں خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے۔

سکہ کے متعلق ان مسائل کو حل کرنے کی غرض سے مختلف کمیٹیاں مقرر کی گئیں جن میں Babington Smith Committee خاص طور پر قابل الذکر ہے۔ ان جملہ کمیٹیوں نے ہمیشہ گولڈ اسٹینڈرڈ یعنی طلائی معیار کی سفارش کی ہے۔ مگر ہنوز روز اول ہی ہے۔ گورنمنٹ ہند کو بہت جلد اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے۔ اور ہندوستان کی رعایا کو جو ایکسچنج یا مبادلہ میں اپنے فرضی نقرئی روپیہ کی بدولت کروروں روپیہ کا خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے اس کی تلافی کرنا چاہیئے۔ (ماخوذ)

پھلوں کو محفوظ رکھنے والوں کے لیئے

پنجاب گورنمنٹ (وزارت زراعت) نے پنجاب زراعتی کالج لائل پور کے ساتھ ایک مختصر سا تعلیمی نصاب ملحق کرنے کی منظوری دی ہے جس میں پھلوں اور ترکاریوں کو اصلی حالت میں محفوظ رکھنے کا فن سکھایا جائے گا۔ اس نصاب میں مندرجہ ذیل نوعیت کے مضامین شایع ہوں گے۔

مثلاً پھلوں کو شیرہ میں رکھنا۔ مرتبہ تیار کرنا جیلی (پھلوں کی مٹھائی) رس اور مار ملیڈ وغیرہ بنانا اور پھلوں اور سبزیوں کو بوتلوں اور ڈبوں میں محفوظ رکھنا۔ اس نصاب کی میعاد دو سال ہوگی۔ اور یکم جولائی ۱۹۲۳ء سے شروع ہوگی۔ اس میں داخل ہونے والوں کے لیئے کم از کم تعلیمی معیار میٹریکولیشن ہونا چاہیئے اس میں قریباً ۱۵ اشخاص لیئے جائیں گے اور ان کی اقامت کا انتظام یا تو کالج ہوسٹل میں یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی سرائے میں کیا جائے گا۔ کوئی فیس نہیں لیجائے گی۔ ڈپٹی کمشنر صاحبان پرنسپل پنجاب ایگریکلچرل کالج لائل پور کے پاس ان اُمیدواروں کی سفارش کریں گے۔ جو اس نصاب سے مستفید ہونے کے لیئے خواہشمند ہوں گے۔ (کاشتکار ہند)

مسلمانوں کے لیئے قومی خطرہ اور اس سے بچنے کی تدابیر

سودمند مسلمانوں کو جس مصیبت سے نجات دلانے کے لیئے عالم وجود میں آیا ہے خدا کا شکر ہے کہ اب اس کا احساس مسلمانوں کی ہر جماعت میں پیدا ہو گیا ہے۔ حال میں پیغام صلح نے جو احمدی جماعت کا سرگرم ارگن ہے اپنے ادنا جیہ اسی مقصد کے پورا کرنیکے لیئے لکھا ہے جو سودمند کا مشن ہے چونکہ ہم محترم ہمعصر کے اس مضمون کو تمام قوم کے لیئے مفید سمجھتے ہیں اس لیئے اس کو معزز ناظرین سودمند کے سامنے پیش کرتے ہیں وہو ہذا۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور "وطن پرست" لیڈر مسٹر تلک نے بستر مرگ پر ایک ہندو کو یہ پیغام دیا تھا کہ:-

"گاندھی جی سے کہہ دینا کہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہندوستان کی سب جائدادیں ہندوؤں کے قبضہ میں آجائیں۔ پھر ایک حکومت کا مسئلہ رہ جائے گا۔ مقدم بات یہ ہے کہ ملکیت ہندو قوم کی ہو جاوے۔"

مسٹر تلک کی یہ وصیت مہاتما گاندھی تک پہونچی ہو یا نہ پہونچی ہو۔ اور مہاتما گاندھی نے ہندو قوم کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہو یا نہ کی ہو۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ہندو قوم نہایت سرگرمی اور استقلال سے مسٹر تلک کی اس وصیت پر عمل کر رہی ہے۔ ملک کے ہر حصہ میں تجارت۔ قرض اور سود کا ایک وسیع جال بچھا ہوا ہے۔ جس میں سادہ لوح مسلمان شکار کیئے جا رہے ہیں۔ قرض و سود کی لپیٹ میں آکر ان کی جائدادیں نہایت سرعت کے ساتھ ہندو مہاجنوں کے ہاں منتقل ہو رہی ہیں۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ایک لوٹ مچی ہوئی ہے۔ بدبخت مسلمان ہزاروں لاکھوں روپیہ کی جائدادیں ہر سال ان دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ پنجاب کے مسلمانوں کے ذمہ کس قدر قرضہ ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف سود کھاتہ کی رقم سترہ کروڑ روپیہ سالانہ بنتی ہے۔ مہاجنی مظالم کا سب سے زیادہ تختہ مشق بننے والے مسلمان زمیندار ہیں

پنجاب میں اکثر زمیندار مسلمان ہیں۔ اس صوبہ کے زمینداروں کے ذمے نوے کروڑ روپیہ قرضہ ہے۔

جس پر انھیں بارہ کروڑ روپیہ سالانہ سود ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ قرض و سود صرف وہ ہے جو تمسکات وغیرہ کی صورت میں ہے کھلے قرض کا حساب ہی نہیں۔ خدا جانے وہ کتنے کروڑ ہوگا۔

سندھ میں نوے فی صدی مسلمان مقروض ہیں۔ ان کی ۴۰ فی صدی زمین قرض و سود کی بدولت ہندو مہاجنوں کے قبضہ میں جا چکی ہیں۔ ۴۰ فی صدی رہن ہے اور جو باقی ۲۰ فی صدی ہیں۔ ان کی بھی خیر نظر نہیں آتی۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ نہری نو آبادیوں میں مسلمانوں کی حالت اچھی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو نہری نو آبادیوں میں جانے اور وہاں کے حالات کی تحقیقات کرنے کا موقعہ ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ہندو مہاجنوں نے وہاں بھی ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور قرض و سود کے فریب کا دام بچھا کر ان کی جائدادیں ہضم کرنے کے درپے ہیں۔ اور اگر ان کے بچاؤ کی کوئی موثر تدبیر نہ کی گئی تو وہ دن دور نہیں جب وہاں بھی وہی حالت پیدا ہو جائے۔ جو پنجاب کے دیگر حصص میں ہے غرض یہ کہ ملک کے ہر حصہ میں مسلمان مفلوک الحال ہو رہے ہیں۔ اور ان کی جائدادوں پر بنیوں کی حریص نگاہیں ڈٹی ہوئی ہیں مسلمانوں کے سامنے یہ ایک عظیم الشان قومی خطرہ ہے۔ جس سے بچنے کے لیئے انھیں انفرادی اور اجتماعی دونوں رنگ میں جہد و جہد کرنی چاہیئے۔ اس خطرے سے بچنے کی تدابیر جن پر ہر مسلمان فرداً فرداً عمل کر سکتا ہے۔ یہ ہیں:-

(۱) سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرنے کے عادی بنو اور کسی معاملہ میں بھی اسراف سے کام نہ لو۔

(۲) آمدنی اور خرچ کا پورا پورا حساب رکھو۔ اور کبھی آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرو۔ بلکہ اخراجات کو جہانتک ہوسکے کم کرکے کچھ نہ کچھ بچانے کی کوشش کرو۔ تاکہ وہ بچا ہوا روپیہ مصیبت کے وقت تمہارے کام آئے۔ اور تمہیں کسی مہاجن سے سودی قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔

(۳) زیورات۔ قیمتی کپڑوں اور غیر ضروری چیزوں پر روپیہ برباد کرنے سے پرہیز کرو۔ آجکل فیشن کی رو میں اکثر لوگوں نے اپنی ضروریات بہت بڑھا رکھی ہیں اور ان پر بے دریغ روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ اس ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خرچ آمدنی سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی ناگہانی ضرورت پڑ جائے۔ یا کوئی مصیبت آ جائے تو مہاجنوں کے آگے ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں۔

(۴) بچا ہوا روپیہ کبھی گھر میں نہ رکھو۔ بلکہ قومی بنکوں میں جمع کرو اگر روپیہ گھر میں پڑا ہو۔ تو اکثر خرچ ہو جاتا ہے۔ بنک میں ایک تو روپیہ خرچ ہونے سے محفوظ رہے گا۔ دوسرے قوم کے دوسرے افراد اس سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

(۵) بیکار زندگی بسر کرنا گناہ سمجھو۔ خوب کمانا۔ کھانا اور کھلانا اور بچانا زندگی کا اصول بناؤ۔

(۶) اپنے بچوں کو بچپن ہی سے کفایت شعار بنانے کی کوشش کرو۔ اور قرض کی خرابیوں سے آگاہ
دو۔ تاکہ بڑے ہو کر وہ آرام چین سے زندگی بسر کر سکیں۔

(۷) شادی غمی کی تمام مسرفانہ رسوم ترک کر دو۔ کیونکہ اکثر اوقات انھیں کی بدولت زیر بارِ قرض
نا پڑتا ہے۔ ان کے لیئے قرض مت لو کیونکہ ان سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ عارضی ہوتی ہے۔ اور قرض سے
غم پیدا ہوتا ہے وہ بہت دیرپا ہوتا ہے اور بسا اوقات عمر بھر پیچھا نہیں چھوڑتا۔

(۸) اگر تجارت یا کسی دوسرے مفید کام کے لیئے قرض لینے کی ضرورت پڑے تو کسی کواپریٹو سوسائٹی
ممبر بنجاؤ اور وہاں سے قرض لو۔ ساہوکاروں سے کبھی قرض نہ لو۔ کیونکہ ان کی گراں شرح سود مقروض
جائداد ہضم کر جاتی ہے۔

(۹) مسلمانوں کی مفلسی کے بڑے سبب دو ہیں۔ ایک یہ کہ وہ غیر مسلم ساہوکاروں سے گراں
ح سود پر سودی قرض لیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی ضروریات زندگی مسلمان تاجروں سے نہیں
غیروں سے خریدتے ہیں۔ اگر وہ ان دو باتوں سے توبہ کر کے عہد کر لیں کہ آئندہ

(۱) وہ سودی قرض ساہوکاروں سے نہیں لیں گے۔

(۲) اپنی تمام ضروریات مسلمان تاجروں سے خرید کرینگے۔ تو وہ ان تمام مصیبتوں سے رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو افلاس کی وجہ سے ان پر مسلط ہیں۔

(۱۰) ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کی مالی اصلاح کرے اور قرض و سود سے بچانے کیلیئے
شش کرے۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے مفلس اور مقروض ہونے کا ایک بڑا سبب شادی غمی کی
سرفانہ رسوم کی پابندی ہے۔ اگر وہ ان رسوم کو ترک کر دیں۔ تو ان کی مالی حالت بہت حد تک درست
سکتی ہے۔ تمام اصلاحی اور تبلیغی انجمنوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے لائحہ عمل میں اصلاح رسوم کے کام کو نمایاں
ثیت دیں۔ اکثر تبلیغی انجمنیں اس ضروری امر کو اپنے احاطہ عمل سے خارج سمجھتی ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں
افلاس تبلیغ و اشاعت اسلام کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ کا موجب ہے اس افلاس کے باعث
تبلیغ اسلام کے لیئے وہ روپیہ دے سکتے ہیں۔ اور نہ ان کی موجودہ اقتصادی حالت غیر مسلموں کے
اسلام کی طرف کشش کا موجب ہوتی ہے۔ اگر مسلمان مسرفانہ رسوم کو ترک کر کے اپنی مالی حالت
اصلاح کر لیں۔ تو نہ صرف وہ تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیئے کافی روپیہ دے سکیں گے۔ بلکہ ان کی
ی حالت بہت سے لوگوں کے لیئے ہدایت کا باعث ہوگی۔ موجودہ حالت بالکل اس کے برعکس ہے

تبلیغی انجمن قلت سرمایہ کا رونا رو رہی ہے اور مسلمان اپنے زبوں حال کا ماتم کر رہے ہیں۔ ان حالات کی موجودگی تبلیغی انجمنوں کو یہ مشورہ دینا بالکل حق بجانب ہوگا۔ کہ آئندہ وہ رسوم کی طرف خاص توجہ دیں اور اپنے مبلغین و واعظین کو اس امر کی ہدایت کریں کہ وہ اس معاملہ میں انتہائی جدوجہد سے کام لیں۔

خلاصہ خطوط

مکرم مولانا سید طفیل احمد صاحب۔ السلام علیکم۔ سود مند کا وی پی وصول کر لیا۔ سود مند لٹریچر کی تمام کتب بذریعہ وی پی ارسال فرمائیں۔ آپ جو خدمت اسلام اور مسلمانوں کی کر رہے ہیں اس سے گجرات وکاٹھیاواڑ کے مسلمان ناواقف ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپکا تمام لٹریچر گجراتی میں شایع ہو جاوے۔ مجھے جلد ۳ کا ۳ ملا ہے۔ چوتھی جلد کے ایک اور دو نمبر بھیجو اکر میرا سال نئے سال سے شمار کیا جائے۔ کیا سود مند کی پچھلی جلدیں مل سکتی ہیں؟ اگر مل سکتی ہیں تو کس قیمت پر۔ وہ تحریر فرمایئے۔

گجرات وکاٹھیاواڑ کے مسلمان تجارت وزراعت کے باعث اور بنگال کے مسلمانوں سے اچھی حالت میں ہیں لیکن فضول رسم ورواجات کے باعث برباد ہو رہے ہیں اگر ان کو سنبھالا نہ گیا تو تباہی یقینی ہے سود خواروں کے پھندے میں ان کی املاک جا رہی ہیں ہر سال ہزارہا مکانات و دیگر ملکیت رہن و بیع ہو رہی ہے۔

نیاز مند

نظام الدین قریشی ایڈیٹر و مالک اخبار دین احمد آباد

جناب مہتمم صاحب

کارڈ ہذا خدمت والا میں بھیجکر خواستگار اپریل کے رسالہ سود مند کا ہوں کہ جس کے اعلیٰ مضامین دیکھنے کو شوق بدستور مجبور کر رہا ہے۔ کیونکہ اس طرز کے خاص مضامین اور اخبارات یا رسالوں میں نہیں ہوتے ہیں خدا کرے کہ کوئی معمولی سبب اس وقت تک کی دیر کا ہو

والسلام

احمد اللہ خاں

ازمقام مراد آباد

عیّاشی میں کمائی

ایک مہاجن کا لڑکا خراب صحبت میں بیٹھنے لگا۔ مہاجن نے اُسے ہر چند سمجھایا مگر وہ باز نہ آیا۔ بالآخر تنگ آکر باپ نے اُسے گھر سے نکال دیا اور اُس سے قطع تعلق کر دیا۔ اب تو وہ شب و روز طوائفوں میں گشت لگاتا اور چکلہ میں پڑا رہتا تھا۔ کوئی کھیل تماشہ، کوئی ناچ کی محفل، کوئی تھیٹر یا جلسہ اُس سے نہ چھوٹتا تھا۔ بالآخر وہ ناپاک امراض میں مبتلا ہوا۔ اُس کی صحت خراب ہو گئی اور زندگی سے مایوس ہو کر اُس نے اپنے بوڑھے باپ کو کہلا بھیجا کہ اُس کے قصور معاف کر کے اپنے آخری دیدار سے مشرف کریں باپ سے بھی یہ خبر سُن کر نہ رہا گیا اور محبت پدری کے جوش میں آکر اُس کے پاس چکلہ میں جہاں وہ رہتا تھا جا پہونچا۔ وہاں جا کر دیکھتا کیا ہے کہ اُس کا پیارا مگر آوارہ بیٹا لب دم ہے اور اُس میں بات کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔ بمشکل تمام اُس نے رومال میں لپٹے ہوئے کچھ کاغذات اپنے باپ کو دیئے اور بہت زور لگا کر کچھ کہنا چاہا پر سنائی نہ دیتا تھا۔ باپ نے اُس کے منہ سے کان لگا کر سُننا چاہا تو یہ الفاظ بمشکل تمام سمجھ میں آئے "ابا جان۔ میرا قصور معاف کیجئے اور ان کاغذات کو اپنے قبضہ میں لیجئے" باپ جب اُس رومال کو کھولتا ہے تو اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ وہ دیکھتا ہے کہ سیکڑوں ہزاروں روپیہ کی دستاویزات کسبیوں، طبلچیوں، بھانڈوں، نقالوں، اور ایکٹروں حتّٰی کہ تھیٹروں کے منیجروں کی اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھکر باپ کے تمام خیالات بیٹے کی طرف سے دور ہو گئے اور اُس نے فرطِ محبت میں اُس کے لبوں پر بوسہ دیا تھا کہ بیٹے کی روح پرواز کر گئی۔

ناظرین اس واقعہ سے اندازہ فرمائیں گے کہ ابتدائی تربیت کا انسان کے عادات پر کس قدر پائیدار اور مستقل اثر قائم ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے بچوں کو اخلاق و آداب، نشست و برخاست، بات چیت کے طریقے بتاتے ہیں مگر اُسی کے ساتھ کھانے پینے اور چاٹ کے لیئے پیسے دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کفایت شعاری اور ضبط نفس کے عادات سے معرا ہوتے ہیں۔ بڑے ہو کر وہ ہزار ہا روپیہ کمائیں تب بھی دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔ کبھی ایسے دوستوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو مہینے کے آخر میں کچھ قرض دیدیا کریں اور اگر کوئی تقریب یا حادثہ پیش آجائے تو واقعی مہاجن کی تلاش کی ضرورت پیش آتی ہے۔ برخلاف اس کے مہاجن کا لڑکا جو شروع سے پیسہ بچا کر اُسے بڑھانے کا عادی ہوتا ہے وہ خواہ کتنا ہی کیوں نہ بگڑ جائے مگر روپیہ پیسے کے اعتبار سے کسی کا دست نگر نہیں ہو سکتا۔ اب مسلمان بچوں کے لیئے تجویز کریں کہ زمانہ حال میں کس قسم کی تربیت زیادہ مفید ہو سکتی ہے

(ایڈیٹر)

مسلمانوں کے ایک قومی جلسہ کا دعوت نامہ

اس زمانہ میں ہندوؤں کے قومی جلسوں کی خصوصیت یہ ہے کہ مہمانوں کے لیئے صرف قیام کا انتظام کیا جاتا ہے اور قیام کے لیئے بھی صرف سائبان کا جہاں دھوپ اور بارش سے حفاظت رہے۔ چارپائیوں کا انتظام نہیں کیا جاتا۔ کھانے کے لیئے دوکانیں لگی ہوتی ہیں۔ جس کا جس چیز کو جی چاہے خرید کر کھائے ستقبال میں صرف سواریاں فراہم کردی جاتی ہیں کرایہ مہمانوں کو دینا پڑتا ہے۔ اس سے جلسہ منعقد کرنے والوں کا کام نہایت ہلکا ہو جاتا ہے۔ اور تمامتر توجہ جلسہ کو کامیاب بنانے میں صرف ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے مسلمانوں کے جلسوں میں میزبانوں کی تمامتر توجہ اور قوت مہمانوں کی خاطرداری میں صرف ہو جاتی ہے اور جس مقام کے لوگ ایکبار کسی کانفرنس کو مدعو کردیتے ہیں اُن کے حسابات برسوں تک مکمل نہیں ہوتے قرضوں کی ادائگی مدتوں تک نہیں ہوتی اور پھر وہ بھول کر جلسے منعقد کرنے کا نام تک نہیں لیتے۔ اسی کے ساتھ اب جلسوں میں شریک ہونے والوں کے عادات بھی ایسے بگڑ گئے ہیں کہ جب تک انھیں لذیذ مگر مفت کھانے ملنے کی اُمید نہیں ہوتی تو وہ گھر سے قدم اُٹھانا گوارا نہیں کرتے اس لیئے اُنھیں ترغیب دینے کے لیئے خاص قسم کے دعوتی خطوط لکھنے پڑتے ہیں۔ ذیل میں ہم ایک دعوتی خط کی نقل کرتے ہیں جو ایک جلسہ کے انعقاد کے لیئے جاری ہوا تھا۔

نقل دعوت نامہ

جناب کو معلوم ہوگا کہ بتاریخ ... ایک جلسہ ممبران ..... کا ہونے والا ہے یہ نہایت اہم جلسہ ہے اور اُمید قوی ہے کہ نہایت کامیاب ہوگا۔ اَب وقت آگیا ہے کہ جو جو شکایات کہ ہماری قوم کو محسوس ہوئی ہیں ان کے دور کرنے کی فوراً کوشش کی جائے انتظام اعلیٰ طور پر کھانا وغیرہ کا کرلیا گیا ہے اور مہمانوں کے قیام کا بھی معقول بندوبست ہوگیا ہے " کانفرنس صرف آپ ہی کی وجہ سے کامیاب ہوسکتی ہے۔ جناب اپنے ضلع کے تمام ممبران سے تحریک کیجیئے اور جتنے ممبر کہ آسکتے ہیں ان کو روانہ کیجیئے۔ جناب کے تشریف لانے کی ازحد ضرورت ہے اگر جناب نے اس میں مدد نہ کی تو کامیابی بالکل نہ ہوگی وقت بہت کم ہے اس لیئے آپ خود سب سے ملیئے اور ساتھ لائیے پنجاب و بنگال سے بھی بہت سے صاحبان تشریف لارہے ہیں۔ طعام کا انتظام نواب ..... صاحب نے کیا ہے۔

تھوڑی پونجی سے تجارت

(از محمد احید الدین صاحب۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے)

اکثر لوگ تھوڑی پونجی سے تجارت کرنے کی سیکڑوں تدابیر سوچتے رہتے ہیں عام لوگوں کو تھوڑی پونجی سے تجارت کرنے میں بہت کم کامیابی ہوتی ہی کیونکہ ہر تجارت میں پہلے کچھ نہ کچھ تجربہ۔ اور معلومات درکار ہی جو خیر سے نوے فی صدی ایسی تجارت کرنے والوں کو میسر نہیں آتی۔ اس لیئے جہاں انھیں پہلی دفعہ تھوڑا سا بھی نقصان ہوا اور وہ ہمت ہار کر بیٹھ رہے۔ جو لوگ اس قسم کی تجارت کرنے کے ضرورتمند یا شایق ہوں ان کے لیئے سب سے بہتر راستہ یہ ہی کہ وہ پہلے کوئی چھوٹی موٹی صنعت سیکھ لیں پھر اس پر تھوڑا روپیہ لگا کر کام کریں اس میں علاوہ تجارتی نفع کے ان کو اپنی محنت کا معاوضہ بھی ملے گا۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی صنعتیں سیکڑوں ہیں جن کی روزانہ ضرورت پڑتی ہی۔ مثلاً جلد سازی۔ نواڑ بننا ٹوپی سینا۔ موزہ بننا۔ کرسی بننا۔ فرنیچر پر پالش کرنا۔ سائن بورڈ تیار کرنا۔ مونڈھے تیار کرنا۔ فوٹوگرافی صابن سازی بڑھئی اور لوہار کا کام۔ چھاپنے کا کام۔ رنگسازی وغیرہ وغیرہ۔ مگر ضرورت یہ ہی کہ پہلے ان کاموں کو سیکھ کر خوب مہارت حاصل کر لی جائے۔ پھر تھوڑا سا روپیہ لگا کر اس کام کو کسی موزوں جگہ پر شروع کر دیا جائے اس قسم کی تجارت میں گھٹی ہونے کا اندیشہ کم رہتا ہی۔ اس کے خلاف جو لوگ دوسرے لوگوں سے تیار شدہ مال لاکر فروخت کرتے ہیں ان کو گھٹی کا اندیشہ زیادہ رہتا ہی۔ کیونکہ اول تو شروع شروع میں ان کو مال زیادہ مہنگا ملتا ہی پھر ان کو اس کے فروخت کرنے کا ڈھب نہیں آتا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ وہ تھوڑی سی پونجی ایکبار کی گھٹی میں ختم ہو جاتی ہی۔ اب سوال یہ ہی کہ اس قسم کے کام کس طرح سیکھے جائیں۔ سب سے بہتر ترکیب تو یہ ہی کہ کسی ایسے صنعت و حرفت کے مدرسہ میں داخل ہو جانا چاہیئے جہاں وہ کام جو آپ سیکھنا چاہتے ہیں سکھایا جاتا ہی۔ دوسری ترکیب یہ ہی کہ جو شخص اس کام کو کرتا ہو اس سے اس کام کو سیکھا جائے لکھے پڑھے آدمی کو کتابوں کے ذریعہ سے بھی مدد مل سکتی ہی۔ اکثر کتب فروشوں سے مختلف صنعت و حرفت کی کتابیں مل سکتی ہیں۔ انگریزی میں تو قریب قریب ہر صنعت پر اچھی اچھی کتابیں ملتی ہیں اور وہ بڑی حد تک کارآمد بھی ہوتی ہیں مگر افسوس ہی کہ اُردو زبان میں اول تو صنعت و حرفت پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں اور جو لکھی بھی گئی ہیں وہ بالکل اشتہاری ہیں اور صرف اس غرض سے لکھی گئی ہیں کہ روپیہ پیدا کیا جائے مگر پھر بھی بعض بعض کتابیں اُردو میں مستند اور کارآمد شایع ہوئی ہیں مثلاً فوٹوگرافی

چھپائی۔ موٹر چلانے بجلی کے کام کی جو کتابیں اب میری نظر سے گزری ہیں بہت بہتر ہیں۔ اُردو کتابوں کی ایک ایسی مکمل فہرست کی ضرورت ہے جس میں تمام ان کتابوں کے نام اور پتہ درج ہو جو اب تک کسی نہ کسی صنعت کے متعلق شایع ہو چکی ہیں اس فہرست میں نام کتاب نام مصنف۔ مضمون قیمت اور ملنے کا پتہ ہونا چاہیئے۔ اس فہرست کے تیار ہو جانے پر ان لوگوں کو جو اس قسم کی تجارت کرنا چاہیں گے بڑی آسانی ہو جائے گی۔ دوسری کتابوں کے اچھے بُرے ہونے کا بھی پتا چلایا جا سکے گا۔ مگر یہ کام کسی ایک آدمی کا نہیں میری رائے میں اگر ناظرین سودمند اس کام کو اپنے ذمہ لے لیں اور جن لوگوں کو اس قسم کی کتابوں کے پتا اور نام معلوم ہوں وہ دفتر سودمند کے نام معہ ضروری معلومات کے دفتر سودمند میں بھیجدیں تو بہت جلد ایک مکمل فہرست تیار ہو سکے گی۔ جلد بندی اور چھپائی کا کام جو صاحب شروع کرنا چاہیں ان کو ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانے میں خود کافی مدد دے سکتا ہوں۔ بلکہ اگر کوئی صاحب چاہیں تو وہ میرے پریس میں تشریف لا کر اس کام کو باقاعدہ سیکھ سکتے ہیں۔

ارنڈی کا تیل صاف کرنا

ارنڈی کا تیل صاف کرنے کے لیئے سو حصہ تیل میں ایک حصہ الکوحل ۹۵٪ اور ایک حصہ تیزاب گندھک میں ملا دو اور ۹۵ ڈگری فارن ہیٹ حرارت پر رکھو۔ اس کو ۲۴ گھنٹے تک پڑا رہنے دو۔ اور پھر تہ نشین مادہ کو چھوڑ کر نتھار لو۔ پھر اس کو گرم پانی میں آدھ گھنٹے تک ڈال کر دھو ڈالو۔ اور ۲۴ گھنٹے اور پڑا رہنے دو۔ اس کے بعد تیل کو علٰحدہ کر دیا جائے۔

کام کی باتیں

المونیم اور ٹین پر داغ پڑ جائیں تو نمک مل دیں داغ دور ہو جائیں گے۔

کپڑے کو تھوڑے سے روغن سے تر کر لیا جائے تو اس سے نہایت عمدگی سے پیتل کے برتن صاف ہو سکینگے

پیرافن اور نمک کے مرکب کو تر کر کے جست پر جہاں کہیں چھڑکیں گے وہ صاف ہو جائے گا۔

روغن تارپین میں پرانے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھگو دیا جائے تو اسے کامیابی سے ان جگہوں میں رکھا جا سکتا ہے جہاں چوہوں کا خطرہ ہو۔

جس پانی میں انڈے اُبالے جائیں اگر اس میں ایک چمچہ بھر پسا ہوا نمک ڈالدیا جائے تو انڈے چھیلنے میں بڑی آسانی ہوگی

زمینداروں کے مقروض ہونے کے اسباب اور قرض سے نجات پانے کی تدابیر

زراعتی کمیشن کے رو برو شہادت ہوئی مندرجہ بالا سوال پر صوبۂ بمبئی کے کواپریٹو بنک کے مینجنگ ڈائرکٹر نے زراعت پیشہ لوگوں کے مقروض و مفلوک الحال ہونے کے حسب ذیل اسباب بیان کیئے

(۱) چھوٹے چھوٹے کاشتکار اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں رکھتے۔

(۲) کاشتکار اور مزدوری کے خرچ میں اضافہ۔

(۳) زراعت پیشہ اشخاص کو یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ قرض لیکر مزید زمینیں خریدیں اور زراعتی آمدنی سے جو کچھ بچت ہو اس کو مزید زمینوں کی خریداری پر صرف کریں۔

(۴) بارش کی کمی اور بے قاعدگی۔

(۵) آبادی میں زیادتی کے ساتھ وسائل آمدنی میں کمی۔

(۶) اجناس اور چارہ کی پیداوار میں رفتہ رفتہ تنزل۔

(۷) زراعتی پیداوار کے لیئے بازار کی قیمتوں کا اندازہ نہ لگانا۔

(۸) تعلیم کی کمی اور اس کی وجہ سے اخراجات میں کفایت شعاری کو ملحوظ نہ رکھنا۔

(۹) آپ کی رائے میں ان تمام خرابیوں کا علاج یہ ہے کہ دیہی قرضہ اور بہم رسانی اور فروخت اجناس کے انتظام میں یگانگت پیدا کی جائے تاؤنی پیشوں کو از سر نو زندہ کیا جاوے۔ زمین کی درستی اور ترقی کا انتظام کیا جائے۔ زمانہ حال کے زراعتی طریقوں کا نفاذ کیا جائے۔ رسم و رواج کی اصلاح کی جائے معمولی شرح سود پر طویل مدت کے لیئے قرض دیا جائے اور اس غرض کے لیئے سرکار کی طرف سے مالی امداد دی جائے۔ زمین رہن رکھنے والے بنک جاری کیئے جائیں جو زمین کی درستی و ترقی نیز پرانے قرضہ کی واپسی کے لیئے قرض دیں تاکہ زراعت پیشہ اشخاص اپنی محدود آمدنی سے قرض ادا کر سکیں۔ زراعت پیشہ آبادی کے مقروض و مفلس و قلاش ہونے کے اور اسباب بھی ہیں۔ جن پر غور کرنا لازم ہے یہ لوگ حقہ نوشی کے عادی ہوتے ہیں مگر کیا مجال کہ تمباکو کی کاشت کریں۔

سردی سب کو محسوس ہوتی ہے۔ مگر کپاس بمشکل دس فیصدی کاشت کرتے ہیں۔ مصالحہ سب کھاتے ہیں

مگر گراں سے گراں خرید کرتے ہیں۔

ترکاری کے لئے بھی وہ دوسروں کے محتاج رہتے ہیں۔ اگر زمین کا کچھ جزو ترکاری تمباکو اور مصالحہ کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو ہرگز کوئی پیسہ بازار کو نہ جائے۔ اور اس قسم کی تمام ضرورتیں وہ خود پیدا کرنے لگ جائیں جیسا کہ پہلے دستور تھا۔

تجربہ کار بزرگ کی نصائح ایک تجربہ کار بزرگ نے اِن باتوں کو سامنے رکھ کر حسب ذیل نصیحتیں زراعت پیشہ اشخاص کو کی ہیں جن پر عمل کرنے سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

(۱) ہر کاشتکار کم از کم دو گائیں ضرور رکھے۔ اور بیکار ناکارہ زمین میں درخت لگوائے۔

(۲) دو بیگہ زمین میں ہر قسم کی موسمی ترکاری اور مصالحہ ضرور بوئے نشیبی زمین میں دھان بوئے جا سکتے ہیں۔

(۳) نہر پر قانع نہ ہو۔ چاہی آبپاشی کی فکر میں سرگرم رہے۔

(۴) ہر کھیت میں منڈھ ضرور ہو۔ اور حتی الوسع حسب موقع بارش کے پانی کو ضائع نہ جانے دیا جائے

(۵) گوبر جلانے کے کام میں نہ آئے بلکہ اس سے کھاد کا کام لیا جائے اور کھاد رکھنے کا بہتر و مفید طریقہ عمل میں لایا جائے۔

(۶) جتائی کافی اور بروقت ہو۔

(۷) تخم اچھے سے اچھے تلاش کرے بلکہ حتی الوسع اپنے گھر محفوظ رکھے۔

(۸) فتنہ و فساد اور نزاعات سے خود بچے اور دوسروں کو بچائے۔

(۹) قرض سے بچے اور کفایت شعاری کا پورا خیال رکھے۔

(۱۰) اشیاء ضروری کی خرید میں اناج نہ لٹائے نقد خریدے اور ہر جنس اکٹھی خریدے۔

اگر فی الواقع توجہ کی جائے تو کسی زراعت پیشہ کو اپنی ضرورت کی چیزیں بجز نمک وغیرہ کے خریدنے کے لئے بازار نہیں جانا پڑتا مگر افسوس ہے کہ ان باتوں کو خلاف شان سمجھا جاتا ہے پہلے زمیندار اسی لئے خوشحال تھے کہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں آپ مہیا کرتے تھے اور اب دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔

ان امور کے علاوہ اگر ذیل کی باتوں کا بھی خیال رکھا جائے تو افلاس نزدیک بھی نہ آسکے گا (۱) بچوں کی تعلیم مقدم سمجھیں ان کو سادگی اور کفایت شعاری سکھائیں (۲) مستورات کو قیمتی لباس ٹانکے دار زیورات سے نفرت دلائیں (۳) کسی تقریب پر نمائش کے لئے اپنے مذہب کے احکام کے خلاف خرچ نہ کریں (۴) صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کریں۔ (امداد باہمی)

ہندوستان کی اقتصادی حالت پر سر ابراہیم رحمت اللہ کے خیالات

ہندوستانی صنعتی اور تجارتی کانگریس کا خطبہ صدارت

نمبر ۱

گذشتہ کرسمس میں جہاں تعلیمی اور سیاسی انجمنوں کے اجلاس مدراس میں منعقد ہوئے انھیں کے ساتھ تمام ہندوستان کی صنعتی اور تجارتی انجمن کا جلسہ بھی ہوا جس کے صدر ہندوستان کے قابل اور نامور سپوت سر ابراہیم رحمت اللہ تھے آپ نے اس موقع پر جو خطبۂ صدارت زبان انگریزی میں ارشاد فرمایا انھیں گوناگوں تجارتی اور کاروباری مسائل کو نہایت قابلیت اور خوبی سے حل کیا گیا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا اردو ترجمہ ناظرین سود مند کے ہاتھوں تک پہونچایا جائے چنانچہ ہم اس کی پہلی قسط آج ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس خطبۂ صدارت کو تمہیدی صفحہ ملک میں ایوان ہائے تجارت کے قیام کی ضرورت اور اقتصادی معاملات میں صوبہ وار رقابت کے نقصانات کا ذکر کرنے کے بعد برطانیہ کے صنعتی ترقی کی تاریخ سے شروع کیا گیا ہے فرماتے ہیں:-

برطانیہ اور صنعتی ترقی اس موقع پر برطانیہ کی صنعتی ترقی کی تاریخ بیان کرنے کی ضرورت ہے جبکہ کلوں کے ذریعہ سے صنعت و حرفت میں کام لینا ضروری قرار پاگیا تو صنعت و حرفت کے میدان میں زبردست انقلاب رونما ہوا۔ اُس وقت یورپ میں نپولین کی جنگ برپا تھی جو تخمیناً ۲۰ سال تک جاری رہی۔ اس جنگ و جدال کا بلاواسطہ کوئی اثر برطانیہ کی سرگرمیوں پر اُس کی جغرافی حالت کی وجہ سے نہیں پڑا۔ برطانیہ کی کسی سرزمین پر کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے ابتدا ہی میں برطانیہ کی صنعت و حرفت کی خود بخود حفاظت ہوگئی اور یہ بلاواسطہ حفاظت برطانیہ کی صنعتی ترقی میں بہت ممد و معاون ثابت ہوئی۔ دیگر مہذب ممالک کی تاریخ سے بھی صنعت و حرفت کی ترقی اور ملکی مالی فلاح کے لیے حفاظتی پالسی کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ ان واقعات سے برطانیہ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا بلکہ اس نے اپنی صنعت و حرفت کو ترقی دی اپنے یہاں کے کاریگروں کی تربیت کی اور یورپ کے دیگر ممالک کی ضروریات کا سامان اپنے یہاں تیار کرکے اُن ممالک کو بہم پہونچایا۔ چنانچہ نپولین کی

جنگ کے اختتام پر برطانیہ نے یورپ کے بازاروں میں اپنے حریف صناعوں کے مقابلہ میں بہت کچھ ترقی حاصل کرلی تھی اُس نے بڑی دوراندیشی سے کام لیکر اس کو محسوس کرلیا تھا کہ یورپ کے دیگر ممالک کو مشینری سے مال تیار کرنے اور باقی دُنیا میں برائے فروخت روانہ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ہے اس لیے اُس نے اپنے بچاؤ کے لیئے تدبیریں کیں۔ اول اپنی سلطنت کو وسعت دی جس کے نتیجہ میں اُس کو جدید بازار مل گئے دوسرے اپنی مصنوعات کے اوصاف کو ترقی دی اور اپنے حاصل کیئے ہوئے تجربہ اور تربیت یافتہ کاریگروں سے جو اس کے یہاں موجود تھے پورے طور پر فائدہ اُٹھایا۔ یورپ کے دیگر ممالک کی صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ برطانیہ نے اپنے یہاں کے سامان کے اوصاف کو ترقی دی اور اپنے مال کے اعلےٰ معیار کو قایم رکھا جس کی بدولت اُس کو ساری دُنیا میں اعلےٰ قسم کے مال کی نکاسی کا بازار میسر آگیا۔ یہ طریقۂ عمل گزشتہ جنگ عظیم تک مسلسل جاری رہا۔ جرمنی نے صنعت و حرفت میں بیحد ترقی کرلی تھی اور اپنے مال کی نکاسی کے لیئے اُس کو بازاروں کی ضرورت لاحق ہوگئی تھی۔ آبادی کی افزائش اور اپنی مصنوعات کی نکاسی کے لیئے جدید بازاروں کی تلاش نے یورپ کے سربرآوردہ ممالک میں سخت مقابلہ کر رکھا تھا اور غالبًا یہی خاص سبب گزشتہ جنگ عظیم کا تھا جس میں کہ تقریبًا سارا یورپ شریک ہوگیا۔ اس سے میری غرض یہ نہیں ہی کہ میں جنگ عظیم کے سیاسی پہلو پر اپنی رائے ظاہر کروں لیکن میں یہ ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ جنگ کے باعث اقتصادی اثرات کیا کیا ہوئے ساری دنیا کی تجارت سرد پڑ گئی اور اعلےٰ طبقہ کے لوگوں کو اس کا اثر بہت زیادہ محسوس ہوا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ کی تجارت میں جو اعلےٰ درجہ کا سامان تیار کرنے والا تھا بہت کمی واقع ہوگئی اس سے برطانوی مصنوعات کو شدید نقصانات پہونچے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ میں بیکاروں کی تعداد میں بیحد اضافہ ہوگیا۔ برطانیہ کی اقتصادی حالت کے تنزل کا سبب یہ ہوا کہ اُس کے مال کے خریدار زیادہ تر مرفہ الحال لوگ تھے اُس کے مال کی نکاسی چھوٹے پیمانہ پر ہوتی رہی کیونکہ سلطنت برطانیہ کے اندر جو بازار تھے وہ اُس کے قابو میں رہے۔ اگرچہ اُن میں خریداری کی قوت بہت ناکافی تھی۔

مالی پالسی اور ہندوستان

ایک وسیع سلطنت میں اپنی زبردست سیاسی طاقت رکھنے کے باعث برطانیہ کو اپنے سامان کی نکاسی کے لیئے بازاروں کے معاملہ میں جو فضیلت حاصل ہی اُس کا میں تذکرہ کرچکا ہوں۔ جہاں تک کہ برطانیہ کی نوآبادیات کا تعلق ہی وہ اپنے مالیہ میں خود مختار ہیں اور اپنے مفاد کے لیئے مالی پالسی خود مرتب کرتی ہی۔ برطانیہ کو نوآبادیات سے صرف اس قدر فائدہ پہونچا ہی کہ وہ وقتاً فوقتاً برطانی مصنوعات کی خرید کو ترجیح دیتی ہیں۔ لیکن

سلطنت کے دیگر حصوں بالخصوص ہندوستان کے متعلق جن کا تقرر برطانیہ سے وابستہ ہو ان کے لیئے برطانیہ ہی مالی پالسی تیار کرتا ہی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ اپنی سیاسی حکومت کی وجہ سے برطانیہ نے جو مالی پالسی ہندوستان کے لیئے تیار کی ہو کیا اُس سے برطانیہ ہی کو نفع پہونچتا ہو میری نہایت شد و مد کے ساتھ یہ رائے ہو کہ اگر برطانیہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کے وسائل آمدنی کو ترقی دیتا جس کی مردم شماری ۳۳ کروڑ ہو تو برطانیہ دیگر بازاروں کی حاجت سے مستغنی ہو جاتا جو فارغ البال ہندوستان برطانیہ کے اعلےٰ درجہ کے سامان کے لیئے ایسا زبردست بازار ہوتا کہ اس کی مانگ کو وہ پورا بھی نہ کر سکتی۔ گورنمنٹ برطانیہ نے جو مالی پالسی ہندوستان میں اختیار کر رکھی ہو اُس کا معکوس اثر خود برطانیہ پر پڑتا ہی۔ مغربی سلطنت میں برطانیہ کی مصنوعات کا زبردست خریدار ہندوستان ہی لیکن اس میں اعلےٰ درجہ کا سامان خریدنے کی قابلیت پیدا کرنے کے امکانات سے برطانیہ نے عمداً چشم پوشی کی ہو اور اس کے باعث وہ خسارہ میں ہو۔

تبادلہ کی شرح کو اپنے قابو میں کر کے بے روزگاری عارضی طور پر رفع ہو سکتی ہو لیکن یہ ایسی کارروائی ہو جس سے نہ صرف ہندوستان کو بلکہ برطانیہ کو نفع ہونا بھی بہت مشکوک ہی۔ بظاہر ارزاں شرح پر عرصہ دراز تک خریدار پانا ممکن نہیں ہی جبکہ اس سے عوام کی اقتصادی بنا پر زبردست اثر پڑتا ہی۔

مقدس امانت | آپ سب کو معلوم ہو کہ اہل ہند کی فلاح کی خاطر برطانیہ اس ملک کو "مقدس امانت" قرار دیکر اس پر اپنا قبضہ کیئے ہوئے ہی۔ لیکن لارڈ رانلڈ شے سابق گورنر بنگال نے اپنی ایک تازہ تقریر میں اس دعوے سے روگردانی کی ہو جس میں آپنے ارشاد کیا کہ "جو صرف چند تاجروں کی ایک جماعت سنہ ۱۶۰۰ء میں منفعت بخش تجارت کے خیال سے مشرق کو گئی اُس کے ممبران کو یہ گمان تک نہ تھا کہ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کی بنا ڈال رہے ہیں۔ میرا خیال ہو کہ انگریزوں کے کیرکٹر نے نہ کہ اُن کی فوجی قوت نے اہل ہند کو فتح کیا۔ اتفاقات زمانہ نے مساعدت کی جس کو میں مشیت ایزدی کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ برطانیہ نے جب ہندوستان میں قدم رکھا اُس وقت باہمی خانہ جنگیوں سے ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور وہاں کے حکمران ملک میں امن قایم کرنے کے لائق نہ رہے تھے۔ اس لئے برطانیہ کو انگریزوں کی قابلیت کے اظہار کے لیئے ایک صاف میدان مل گیا اور اس کا نتیجہ یہ برامد ہوا کہ بتدریج ہندوستان میں موجودہ نظام سلطنت قایم ہو گیا۔

رفتہ رفتہ برطانی مدبرین اور اُن کے مشیروں نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں ہمارا جانا

محض سیاح کے طور پر نہیں بلکہ ایک مشن کی حیثیت سے ہی اور ہم ہندوستان میں اُس کی دولت لوٹنے نہیں آئے بلکہ ہم نے ہندوستان پر اپنا قبضہ اُس کو ایک مقدس امانت سمجھ کر کیا ہی۔ اپنی بدنصیبی سے اہل ہند کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی ہی اس لیئے برطانیہ عظمےٰ کا یہ فرض ہی کہ وہ اہل ہند کی اعانت کرے تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں۔

ٹرسٹیان کا ادائے فرض منصبی

اس دعوے کو پیش نظر رکھ کر اب یہ دیکھنے کی ضرورت ہی کہ ان ٹرسٹیان نے گزشتہ ۱۵۰ سال میں اپنے فرض کو کسی حد تک انجام دیا ہی جبکہ اس ملک کا انتظام کلیتاً اُن کے اختیار میں رہا ہی۔ کسی موقعوں پر برطانیہ کے ذمہ دار اصحاب نے ہندوستان کی دولت کو لوٹنے کے الزام کی تردید کی ہی اور ہندوستان پر اپنے قبضہ کو اہل ہند کی مقدس امانت کے نام سے موسوم کیا ہی۔ اگر برطانیہ بے لوث ٹرسٹی ہوتا اور اس کی دلی تمنا اہل ہند کی فلاح کے لیئے ہوتی تو اُس کو بہت زبردست فائدہ حاصل ہو گیا ہوتا۔ اگر اس طرز امانت داری کا یہ نتیجہ برامد ہوا ہوتا کہ ہندوستان مرفہ الحال اور مطمئن بن جاتا تو اہل ہند برطانیہ سے ہندوستان کے تعلق کو نعمت ایزدی مان لیتے۔ اب سوال یہ ہی کہ آیا برطانیہ بے لوث ٹرسٹی ثابت ہوا ہی اور آیا ہندوستان سے اُس کے طویل تعلق نے اقتصادی حالت میں اہل ہند کو مرفہ الحال اور مطمئن بنا دیا ہی۔ اس کا جواب گورنمنٹ آف انڈیا کے فنانس ممبر کی ایک تقریر سے مل سکتا ہی جو آپ نے ایک سوال کے جواب میں مجلس مقننہ میں ۱۹۱۶ء میں فرمائی تھی اس جواب میں زراعت کی آمدنی شامل نہیں ہی۔

سر ولیم میئر نے ارشاد فرمایا تھا کہ "سب سے آخری اعداد ۱۹۱۵-۱۶ء کے فراہم ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہی کہ امسال ۲۴۴۰۳۹۳ اشخاص اور کارخانوں وغیرہ نے انکم ٹیکس ادا کیا جن کی سالانہ آمدنی پانچ ہزار اور (۹۹۹۹) کے درمیان تھی۔ ۱۰ ہزار اور (۲۴۹۹۹) کے درمیان اور ۲۵ ہزار سے زیادہ آمدنی رکھنے والے لوگوں کی علحدہ علحدہ تعداد معلوم نہیں کیونکہ سال حال سے پیشتر انکم ٹیکس کے لیئے آمدنی کے درجے مقرر نہیں ہوئے تھے۔ آمدنی کے مطبوعہ فارم اب تبدیل کر دیئے گئے ہیں تاکہ آئندہ سے آمدنی کے یہ مدارج معلوم ہو سکیں لیکن آنریبل ممبر جو اعداد و شمار معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ موجودہ مالی سال کے کچھ عرصہ بعد مل سکیں گے جبکہ جدید فارم استعمال ہونے لگیں گے۔ بہرحال میں اس قدر بتا دیتا ہوں کہ ۱۹۱۵-۱۶ء میں ۱۰ ہزار سے ۹۹۹۹ تک کی آمدنی کے ۱۱۳۰۸ اشخاص اور کارخانوں وغیرہ نے اور ۳۰ ہزار سے زیادہ کی آمدنی کے ۳۰۳۶ اشخاص اور کارخانوں وغیرہ نے انکم ٹیکس ادا کیا۔

ہندوستان کی حقیقی اقتصادی حالت کے متعلق اس جواب سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ برطانیہ یہ محسوس کرنے میں ناکام رہا کہ مرفہ الحال ہندوستان کی قوت خریداری ساری دنیا کے لئے باعث رشک ہوگی
(باقی آیندہ)

قرض سے جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہے

مقروض کے لئے سچ بولنا وبال جان ہوتا ہے اور سچ بول سکتا ہے۔ مقروض کو ایک شخص سے جس قدر روپیہ مل سکتا ہے لے لیتا ہے اگر کوئی قرض کی بابت اس سے پوچھے تو جواب میں شرمسار ہونے کے واسطے ایسی دلپذیر اور پرتاثیر تقریر کرتا ہے کہ اپنے آپ کو قرض سے بالکل بری کر دکھاتا ہے ایک تو یہ جھوٹ۔ دوسرا قرض خواہ سے اقرار کرتا ہے کہ فلاں تاریخ سود اور فلاں تاریخ اصل ادا کرونگا لیکن تاریخ مقررہ پر وہ رقم ادا نہیں کرسکتا۔ ہر وقت جھوٹے بہانے بناتا رہتا ہے۔ جب لوگوں کو یہ حال معلوم ہوجاتا ہے تو جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ مقروض اپنے اعتبار کا خود سدراہ ہوتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ جھوٹ قرض کی پیٹھ پر سوار ہوتا ہے۔

ملیریا سے بچنے کی تدابیر

تندرست اشخاص کو چاہیئے کہ وہ پلنگ پر مسہری یا مچھردانی لگا کر سوئیں اور اگست تا نومبر روزانہ ایک دو گرین یا ہفتہ میں ایک دو بار پانچ گرین کونین کا استعمال کرنا چاہیئے۔ یا (فیلوز سیرپ) تھوڑی مقدار میں ۳۰ پونڈ قدرے پانی میں ملاکر صبح وشام درمیان غذا پیا کریں۔ سردی اور تکان سے بچیں۔ ہاضمہ درست رکھیں قبض نہ ہونے دیں۔ اور تمام ایسے اسباب سے جن سے کہ اُن کی صحت میں کسی قسم کا خلل واقع ہو۔ اپنے آپ کو بچائیں۔ تاکہ وہ باسانی ملیریا کا شکار نہ بنیں۔ مقام یا ایام ملیریا میں پانی کی صفائی بھی نہایت لازمی ہے۔ ایسے وقت میں چائے یا قہوہ کا پینا بھی مفید ہوتا ہے۔ اور غذا میں بجائے سرخ مرچ کے سیاہ مرچ کا استعمال بہتر ہوتا ہے۔

صنعت و حرفت سے مسلمانوں کی شرمناک غفلت

مسلمان نوجوانوں کی کن پیشوں میں زیادہ ضرورت ہے

(از جناب سید شریف احمد صاحب چشتی بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس امرتسر)

حمایت اسلامؔ نے جو لاہور کا ہفتہ وار اخبار ہے اور مولوی عبداللہ صاحب منہاس کی ادارت میں شایع ہوتا ہے۔ عید اضحےٰ کے موقع پر ایک خاص ایشو نکالا ہے۔ اس خاص نمبر میں ہمعصر نے جہاں اور ادبی، علمی، تاریخی مضامین شایع کیئے ہیں اسی کے ساتھ مسلمانوں کی اس اہم ضرورت کو جس پر انکی موت و زیست کا دار مدار ہے فراموش نہیں کیا ہے جس کا پتہ اس کے مندرجہ ذیل مضمون سے چلتا ہے جس کو ہم ناظرین سود مند کے فائدے اور دلچسپی کے لیئے ذیل میں درج کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ حمایت اسلام آئندہ بھی اس مبحث کو جاری رکھے گا اور مسلمانوں کی توجہ کو اس طرف مائل کرنے میں سود مند کا ہاتھ بٹاتا رہے گا (اڈیٹر)

"امتدادِ زمانہ کے ساتھ مسلمانوں کو صنعت و حرفت اور تجارت سے وحشت ہوتی جارہی ہے ان پر یورپین تمدن نے یہ اُلٹا اثر ڈالا ہے کہ وہ ایسی باتوں کو عار سمجھنے لگے ہیں۔ جن میں ہاتھ یا پاؤں ہلانے کی ضرورت ہو۔ حالانکہ یورپین تمدن پر نظر غائر ڈالی جائے تو واضح ہو جائے گا کہ تمدن کے دلدادگان میں جہاں بے شمار بُرائیاں ہیں وہاں یہ ایک خوبی بھی موجود ہے کہ وہ کسی ادنےٰ سے ادنےٰ کام کو بھی عار نہیں جانتے اور ہر کام کو خواہ وہ بظاہر کتنا ہی معمولی اور حقیر ہو دل لگا کر کرتے ہیں۔ ایک جاروب کش جو سارا دن سڑکوں پر جھاڑو دیتا ہے یا ایک کفش دوز جو دوسروں کے لیئے جوتے بناتا ہے۔ ایک معمار یا بڑھئی جو اینٹ یا لکڑی کو جوڑ کر اپنے ہمجنسوں کے لیئے گھر تیار کرتا ہے۔ یا ایک خوانچہ فروش جو گھر گھر پھر کر کھانے کی اشیا مہیا کرتا ہے کیوں حقیر سمجھا جائے۔ ہر پیشہ ور نہ صرف اپنے لیئے بلکہ اپنے تمام ہمجنسوں کے لیئے کسی نہ کسی صورت میں مفید ہوتا ہے۔ اور یہ عجب تماشہ ہے کہ جو لوگ ہماری آسایش کا سامان مہیا کرتے ہیں ہم انھیں کو حقیر جانتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہوا ہے کہ ہمارے نوجوان جو تھوڑی بہت بھی سکول تعلیم حاصل کر لیتے ہیں اپنے ہی پیشہ اور آباؤ اجداد کو حقیر خیال کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ نہ تو یورپین تمدن ہی جس کی تقلید کے وہ عویدار ہیں اور نہ مذہب اسلام ہے جس کو شاید وہ ایک فرسودہ تہذیب خیال

کہتے ہیں۔ اس قسم کی نامعقولیت کی اجازت دیتا ہے۔

انبیاء صحابہ اور علماء کا طرز عمل

اسلام نے ہمیشہ صنعت و حرفت اور تجارتی کاروبار کی سرپرستی کی ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے معمولی پیشہ وروں کو دین کے امام اور مسلمانوں کے رہنما اور سردار بنا دیا۔ اگر صنعت و حرفت و تجارت میں کوئی خرابی ہوتی تو اسلام ان پیشہ وروں کو ابھار کر کبھی بلند سطح پر نہ لاتا۔ اور نہ انھیں علمی و عملی دنیا میں کوس لمن الملک بجانے کی اجازت دیتا۔

ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلعم نے دولتمندوں کو بکریاں پالنے اور غریبوں کو مرغیاں پالنے کا (جو آج کل بھی ایک بہت مہذب فن سمجھا جاتا ہے) حکم دیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ اسلام کے پیرو کسی حال میں بدحالی اور پریشانی کی زندگی بسر نہ کریں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ تمام انبیاءؑ اور صحابہؓ اور علما کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عثمانؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ بزاز تھے۔ حضرت عمرؓ آڑھتی اور تاجر تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نیزہ کی بھالیں بنایا کرتے تھے۔ ولید بن مغیرہ ابوالعاص آہنگر تھے ابوسفیان بن حرب روغن سیاہ کی سوداگری کرتے تھے۔ نضر بن حارث عود اور دستی چھڑیاں بیچتے تھے۔ عاص بن وائل بیطار تھے۔ عثمان بن طلحہ درزی تھے۔ قیس بن مخرمہ مالک بن دینار وراق تھے۔ اسی طرح بہت سے بزرگ اسلام کے دور اول میں اکثر اپنے ہاتھ سے معاش پیدا کرتے تھے۔ اور جلیل القدر مسلمانان سلف میں ایسے لوگوں کی ایک تعداد موجود تھی جو ہر وقت صنعت و حرفت کی ترقی میں کوشاں رہتی تھی۔ نواب سید علی حسن خاں صاحب اپنی ایک مشہور تالیف میں فرماتے ہیں کہ "اکثر اگلے سلاطین اور شاہزادے اپنے ذاتی مصارف اپنی محنت سے اور کسی خاص پیشے کے ذریعہ پورے کیا کرتے تھے"

سلاطین ہند اور صنعت و حرفت

سلاطین ہند نے بھی ہمیشہ صنعت و حرفت کی سرپرستی کی بلکہ خود اپنے ہاتھ سے صنعت کاری کے اعلیٰ نمونے بنائے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "اس زمانے کی اقتضا کے مطابق بیسیوں دستکاری کے کام اور صنعتی کاروبار سلاطین اسلام نے جاری کر رکھے تھے۔ ان میں بیشتر حصہ مسلمان صناعوں اور کاریگروں کا تھا"

بابو بنکم چندر لاہری اپنی مشہور تصنیف "شہنشاہ اکبر" میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ اکبر نے صنعت و حرفت کو خوب ترقی دی تھی۔ دریاں بنانے کے لئے سرکاری کارخانے قائم کئے۔ توپوں اور بندوقوں کے کارخانے

بنائے۔ ریشم اور پشمینے کی ساخت کو عروج پر پہونچایا سیکڑوں سرکاری کارخانوں میں بہت چیزیں سرکاری خرچ پر تیار ہوتی تھیں۔"

مہاشہ سکھ سمپتی رائے بھنڈاری "بھارت ورش" صفحہ ۵۰ میں لکھتا ہے کہ "شاہجہاں نے بھی ہندوستان کی صنعت وحرفت کی اچھی حوصلہ افزائی کی۔ اس کے زمانے میں نہایت مہین ململ بنتی تھیں۔ ایک مرتبہ (حضرت) اورنگ زیب عالمگیر (رحمۃ اللہ علیہ) کی بیٹی روشن آرا بیگم ڈھاکہ کی بُنی ہوئی ململ کی تین پٹ کی ساڑھی پہنے ہوئے جب اپنے والد کے سامنے آئی تو اس کا بدن جوں کا توں نظر آتا تھا (حضرت) اورنگزیب اس پر بہت خفا ہوئے" اگرچہ یہ واقعہ مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے تاہم اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے حضرت اورنگ زیب کے عہد حکومت میں کس قدر باریک اور نفیس ململیں تیار ہوتی تھیں۔

مشہور مورخ ہیمی لکھتا ہے "۱۸۳۰ء تک روئی کے کپڑے کسی خاص صوبے میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں بنتے تھے۔ بنگال عمدہ اور نفیس ململوں کے لیئے مشہور تھا۔ ساحل کارومنڈل کا ملک عمدہ چھینٹوں کے لیئے مشہور تھا۔ سورت کی مضبوط اور پائدار کپڑے کے لیئے خاص شہرت تھی مچھلی پٹم میں اچھے رومال بنتے تھے۔ دریائے کرشنا کے کنارے کے علاقہ میں اعلےٰ درجہ کے رنگ تیار ہوتے تھے ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا یورپ اور ایشیا کے بازاروں میں بکثرت بکتا تھا۔"

ڈینل ڈفو نے ۱۷۰۸ء کے اخبارات انگلستان میں لکھا کہ :۔

"ہندوستانی چھینٹیں اور چھپے ہوئے کپڑے پہلے فرش وغیرہ بنوانے کے کام آتے تھے۔ مگر اب ہمارے ملک کی شریف زادیاں تک انھیں پہننے لگی ہیں۔ اوروں کا تو ذکر ہی کیا۔ خود ملکۂ انگلستان بھی چائنا سلک اور ہندوستان کی چھینٹیں پہننا پسند کرتی ہیں۔ اس وقت چاروں طرف ہندوستانی کپڑا نظر آرہا ہے۔"

قدیم عمارات کی داستان

اسلامی ہندوستان کی عمارات ہندوستانی مسلمانوں کے کمال صنعت کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ روضہ تاج گنج ایک ایسی عمارت ہے جس کی برابری آج تک کوئی نہیں کرسکا۔ یہ عمارت مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں سیکڑوں مسجدیں۔ قلعے، پل شاہی عمارات۔ مقبرے وغیرہ ہیں۔ جنکی صناعی اور پختگی ہر شخص سے خراج تحسین وصول کر رہی ہیں۔ قطب منار کی سر بفلک عمارت کو دیکھکر زمانہ بھر کے انجنیر حیران ہوتے ہیں۔ کہ اس کو کن کاریگر ہاتھوں نے بنایا تھا فن عمارت کا وہ سازوسامان اس وقت کہاں موجود تھا۔ جو آج کل میسر ہے لیکن پھر بھی اسلامی عہد کی یادگاریں پختگی، خوبصورتی صفائی

اور خوشنمائی کے لیئے موجودہ عمارتوں پر بدرجہا فوقیت رکھتی ہیں اور وہ ایک داستان سنا رہی ہیں جسکو سن کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم انہی مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ جو صنعت کاری میں اس قدر کمالات دکھایا کرتے تھے۔ اور کیا ہمارا ان کے کارناموں پر فخر کرنا بجا ہے جب ہم خود صنعت و حرفت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

ہمارا موجودہ طرزِ عمل

افسوس ہم نے اپنی شاعت اعمال سے یہ سب کچھ بھلا دیا اور موجودہ طرزِ تعلیم نے ہمیں اور بھی نکما بنا دیا۔ یہ تعلیم کلرکوں، معلموں، وکیلوں اور منشیوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر رہی ہے جس کو صنعت و حرفت سے قطعی نفرت ہے۔ کیا مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ وہ اس روش کو قایم رکھ کر ترقی کر سکیں گے۔ ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک وہ اپنے نوجوانوں کو آزاد پیشوں کی طرف راغب نہیں کریں گے نہ افلاس دور ہو سکے گا اور نہ ہم سر برآوردہ قوموں کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل ہوں گے۔ ملازمت میں مسلمانوں کی حالت پہلے ہی ناگفتہ بہ ہے۔ دستکاری و صناعت کی طرف سے غفلت انھیں اور بھی گرادے گی۔ اس لیئے ہمارے نوجوانوں کو معمولی کلرکی ادنیٰ ملازمت کا خیال ترک کر کے آزاد پیشوں کے حصول کی طرف دوڑنا چاہیئے کہ اسی میں قوم کے سود و بہبود کا راز مضمر ہے۔

سودمند اور ضروری پیشے

اس سلسلہ میں "حمایت اسلام" کے ذریعہ مسلمان نوجوانوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ کون کونسے آزاد پیشے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی کمی ہے اور جن کی طرف ہم کو سب سے زیادہ توجہ کرنی چاہیئے:۔

(۱) **تجارت کے شعبے**:۔ اکونٹنگ۔ آڈیٹنگ۔ بنکنگ۔ بہی کھاتہ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں۔ بیمہ کمپنیاں زمیندارہ بنک۔ کوآپریٹو سوسائٹیاں وغیرہ۔

(۲) **زراعت**:۔ اس شعبہ میں مسلمانوں کی آلات و طریق جدید کی طرف سے غفلت و لاپرواہی کی کوئی انتہا نہیں۔ زمیندار مسلمانوں کو جو قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اپنے نوجوانوں کو زراعتی تعلیم کی طرف راغب کرنا چاہیئے۔ مگر افسوس تو اس امر کا ہے کہ اچھے اچھے زمیندار جو نہری زمین کے بہت سے مربعوں کے مالک بھی ہیں اپنے بیٹوں کو زراعتی تعلیم نہیں دلاتے اور معمولی انٹرنس اور ایف اے کی تعلیم دلا کر انہیں تیس چالیس روپیہ ماہوار کی کلرکی کی ادنیٰ ملازمت قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

(۳) **صنعت و حرفت**:۔ اگر ہمارے نوجوان تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان معمولی معمولی صنعتوں کی طرف توجہ کریں تو آج ہماری قوم ہمسایہ اقوام کے دوش بدوش چلنے کے قابل ہو سکتی ہے۔ مثلاً صابن

لفافے۔ سیاہی۔ رنگ۔ قلم۔ دوات۔ پنسل۔ کھلونے۔ سوئی چھتریاں۔ رومال۔ تیل۔ بٹن۔ بوٹ پالش۔ دستوں کا منجن۔ لالٹین۔ چاقو۔ چھری۔ کانٹے۔ چینی کے برتن۔ شیشے کے برتن۔ برتنوں پر انیمل چڑھانا۔ دیا سلائی۔ بوٹ کپڑا بننا۔ سائنٹیفک رنگریزی۔ سکولوں کا سامان سٹیشنری۔ کلربکس وغیرہ۔

(۵) طبابت:۔ ایلوپیتھی۔ ہومیوپیتھی۔ الکٹروپیتھی۔ کرد موپیتھی۔ علاج شمسی۔ علاج المار طب یونانی۔ ویدک۔ دندان سازی چشمہ سازی وغیرہ۔

شعبہ معلومات کی ضرورت

مسلمان نوجوانوں کو ایسے آزاد پیشوں کی طرف راغب کرنے کے لیئے نہایت ضروری ہو کہ ایک شعبہ معلومات قایم کیا جائے جو مختلف آزاد پیشوں کی فہرست سال بسال تیار کرے۔ اور نیز اس امر کی نسبت اطلاعات بہم پہنچائے کہ لایق لیکن بے خبر نوجوان مسلمانوں کی کھپت کن کن پیشوں میں کس طرح ہو سکتی ہو۔ ایک وظایف فنڈ قایم کیا جائے۔ جو قرض حسنہ کے طور پر ایسی تعلیم کے لیئے وظائف دے۔ جو نوجوان ایسی تعلیم حاصل کرلیں ان کو آغاز کار کے لیئے بعض اوقات تھوڑے بہت سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ ایسے حالات میں صاحبان ثروت کو ان کا ہاتھ مناسب ضمانت پر بٹانا چاہیئے۔ یا اس معاملہ کے لیئے کوئی خاص جماعت بن جانی چاہیئے۔ یا کوئی موجودہ جماعت بالخصوص انجمن حمایت اسلام یا پنجاب پراونشل مسلم تعلیمی کانفرنس اس کو اپنے ہاتھ میں لے۔ دولت کا یہ بہترین مصرف ہوگا۔ اس سلسلہ میں میں تمام انجمنہائے اسلامی اور نیز علمائے کرام اور بزرگان قوم سے درخواست کرتا ہوں کہ ان امور کے متعلق خطبات جمعہ اور دیگر مواعظ حسنہ کے مواقع پر عام اعلان فرمایا کریں کہ یہ اعلائے کلمۃ الحق کی بہترین صورت اور قوم اور مذہب کی سچی خدمت ہو۔

چمکدار روغن

کاربونیٹ لایم } فاسفیٹ لایم }	۱۰۰ حصے	بجھا ہوا چونہ	۱۰۰ حصے
		نمک شورہ	۲۵ حصے

اور ان تمام مرکب کا ۲۵ سے ۳۰ فی صدی گندھک۔ آخر میں بیریم اور گندھک کا مرکب ملاکر ۲ یا ۲ فی صدی چمکدار مرکب ملادیا جائے اور پھر یک جان کرکے استعمال کیا جاوے نہایت مفید اور پائدار چمکدار روغن ہوگا

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

(ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہی)

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دیکر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہونچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرے سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہی،

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ روپیہ** کا سرمایہ بے ضرر ہی کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا اردو پراسپکٹس جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگاکر ملاحظہ فرمایئے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد حبیب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۸ ڈلہوزی اسکوائر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۸ ہر دسمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہی

"بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہی۔ ہر مرد و عورت اور بچہ کا ہر مکان اور سواری کے جہاز و کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہی جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہی اور در اصل بیمہ ہمارے ہی مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہی جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہی کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے پسماندگان کے لئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

سُود مند لٹریچر

مسلمانوں کے لیئے ان کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک درمند قوم نے خاص طور پر شایع کرایا ہے ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سود خواروں کے پنجہ سے نجات دلانے۔ بنک کا لین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں ان کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رہ گئی ہے اسلیئے لوگ خرید کر تقسیم بھی کر سکتے ہیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث۔ یعنی خطبۂ صدارت جو مولوی اکرام عالم صاحب وکیل بی اے نے سود مند کانفرنس منعقدہ فرخ آباد ۱۹۲۵ء میں پڑھا تھا قیمت ۲ر

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۸ر

کشف الغطاء عن وجہ الربوا۔ مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو اسحٰق حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کر کے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہے ایک کالم میں عربی ایک میں اُردو ترجمہ قیمت ۴ر

رسالہ جواز سود مع فتاوے۔ جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علماء کے فتووں کا مجموعہ قیمت ار

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہے جس میں مسلمانوں کو اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں قیمت ار

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ۔ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیئے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیمہ کرانے کے کیا قواعد ہیں قیمت ار

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان۔ مصنفہ سید طفیل احمد صاحب ایم ایل سی علیگ بڑی محنت و جانفشانی سے لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو از بس ضروری ہے قیمت ۵ر

مسئلہ سود کے متعلق فتوے اور سود مند کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز۔ سود مند کانفرنس بلی واقع سنہ ۱۹۲۶ء میں جو تجاویز منظور ہوئی تھیں ان کا مجموعہ مع اُن فتووں کے جو مسئلہ سود کے متعلق اب تک دیئے گئے ہیں قیمت ار

کل کتابوں کا محصول بذمہ خریدار رہے گا **ملنے کا پتہ نظامی پریس بُک ایجنسی بدایوں یوپی**

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ محمد احمد الدین ایف آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

[illegible]

[illegible] ۱۹۲

راہ گیر۔ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں؟
سودمند۔ کوئی دفتر رجسٹری، کوئی عدالت دیوانی، کوئی کلکٹری کے نیلام، کوئی دیوانی کے جیل میں، اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند۔ تجارتی سود کی زیادہ سند کرلے اور کو آپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہوجائے

آنریری ایڈیٹر **سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی**
اسسٹنٹ ایڈیٹر **محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن**

چندہ سالانہ دو روپیہ (۲ع) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اسکیمہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام سود بہت کم ہو، سود کو جو بربادی دین اور حرام ہے مٹادے۔

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

(۲) سودمند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے۔ اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئیے اُس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی۔

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجی جائے یا پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئیے ورنہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ وار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا [illegible] نمبر اے ۱۳۲۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائیگی۔

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے۔

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک مفت بھیجنا جاری رکھا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے۔

المشتہر:— مہتمم سودمند بدایوں

۱۲۲۵۷

سُودمند بدایوں

نمبر ۱	جولائی ۱۹۲۸ء	چندہ سالانہ دو روپیہ ۲
جلد ۴		قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

کاہلی اور حلم

کاہل تھا اک غلام جنابِ امیرؑ کا　　حضرت پکارتے رہے اس نے نہ لی خبر

آئے خود اُٹھ کے آپ کہ دیکھیں کہاں ہے وہ　　دیکھا اُسے تو چین سے لیٹا ہے فرش پر

پوچھا یہ آپ نے کہ صدا کیا سنی نہ تھی　　کیا بات ہے کہ ناشنوائی ہے اس قدر

بولا ضرور میں نے سنی آپ کی صدا　　اُٹھنا مگر گراں تھا بچھونے کو چھوڑ کر

پوچھا یہ کیوں؟ کہا کہ ہیں حضرت بہت حلیم　　کھٹکا عتاب کا ہے نہ مجھ کو سزا کا ڈر

آزاد کر کے اُس کو یہ فرمایا آپ نے　　اب جا کے اپنی عمر کرو چین سے بسر

لوگوں نے عرض کی کہ یہ کیا بات ہے جناب　　بدلے سزا کے اس پہ ہوئی رحم کی نظر

فرمایا آپ نے کہ یہ سمجھا مجھے حلیم　　اُمیدوارِ حلم کو پہنچاؤں کیا ضرر

اب ایک دوسرے کو کسی کا نہیں ہے غم

آزاد وہ اُدھر ہے تو آزاد میں اِدھر

شوق قدوائی مرحوم

توسیع اشاعت کا شکریہ

گزشتہ ماہ جون میں جرمن سے ایک ہمدرد قوم نے جن کا نام نامی مسٹر عبد الحمید ہے
چودہ روپیہ نقد دفتر سودمند کو اس غرض سے بھیجے ہیں کہ سات اصحاب کے نام سودمند جاری کیا جائے
منجملہ ان سات اصحاب کے چھ نام خود معطی صاحب نے تجویز کر دیئے ہیں۔ ایک نام کے تجویز کرنے کی اجازت
منیجر کو دی ہے اور یہ شرط لگائی ہے کہ یہ رسالہ سال بھر کے لیئے ایسے مسلمان نوجوان کے نام جاری کیا جائے جو
اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد کاروباری یا صنعتی زندگی اختیار کرے۔ جس کے لیئے ہم نے مشتہر اعلان دیدیا ہے
درخواستیں آنے پر فیصلہ کیا جاسکے گا

سودمند کی توسیع اشاعت میں اس خلوص اور فیاضی کے ساتھ مدد دینے پر ہم جناب
عبد الحمید صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور آپ کا خط جس سے ان کے دلی خلوص کا پتہ چلتا ہے ذیل
میں درج کرتے ہیں اُمید کہ اور خریداران سودمند بھی اسی طرح ہمت افزائی فرمائیں گے۔ (سب ایڈیٹر)

اخویم اڈیٹر صاحب سودمند بدایوں۔ السلام علیکم

آپ کے رسالہ سودمند کے مطالعہ نے مجھے نہایت ہی محظوظ کیا۔ بہ الفاظ دیگر میرے ہی خیالات
کا ایک عملی نقشہ ہے۔ میری دلی دُعا ہے کہ خدا آپ کو اس قومی کار خیر میں عظیم الشان کامیابی عطا کرے
آمین۔ مبلغ چودہ روپیہ کا ایک چک ارسال خدمت ہے۔ منسلکہ چھ پتے بھی ارسال ہیں۔ ان پتوں پر
رسالہ فوراً جاری کر دیں۔ انشاء اللہ واپسی ہند پر بدایوں حاضر ہو کر بھی نیاز حاصل کرونگا۔ بخدا
میں آپ کے اس کام سے اس قدر خوش ہوں کہ الفاظ میں اظہار نہیں کر سکتا۔ والسلام

خاکسار

عبد الحمید مالک فرم۔ ایس۔ ایم۔ این۔ اینڈ برادرس مقیم جرمنی
معرفت ڈاکٹر بھائی صاحب برلن

شیشہ کے برتنوں کی دراڑ جوڑنا

باریک کپڑے پر انڈے کی سفیدی لگادیں پھر کپڑے کو برتن پر چپکا دیں اور اوپر سے بجھا ہوا چونہ اچھی طرح لگادیں
جب شگاف مل جائے تو کپڑے کو احتیاط سے اُتار لیں۔

سود مند کے ذریعہ سے ایک عملی کام کی تحریک

سود مند جون ۱۹۲۵ء میں عالم وجود میں آیا جس وقت سود مند کا پہلا پرچہ نکالا گیا تھا تو اس کے بانی کا یہ ارادہ تھا کہ ایک مدت معینہ تک یعنی صرف ایک سال تک اس کو جاری رکھیں گے اور اس مدت میں سود مند کے اجراء سے وہ یہ کام لینگے کہ مسلمانوں کو تجارتی سود کی اہمیت بتا کر ان کو اس بات پر آمادہ کریں کہ مسلمان اپنا روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگانے میں تامل نہ کریں۔ لیکن ایک ایسی قوم سے کہ جو خواب غفلت میں سرشار ہو تجارت اور کاروبار کے لحاظ سے اس پر جمود کی حالت چھائی ہوئی ہو یہ توقع کرنا کہ ایک سال کی مدت سود مند کے مقاصد کو عملی جامہ پہنا دے گی صحیح نہ تھا اس لیئے سود مند برابر جاری رہا اور خدا کے فضل سے آج اس نے اپنی زندگی کے تین سال پورے کر لیئے اس وقت اس کے خریدار ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک موجود ہیں۔ ہندوستان کے علاوہ جو مسلمان تجارت اور کاروبار کے ذریعہ سے دوسرے ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں وہ بھی ہزار ہا میل کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے اس کے مطالعہ کے مشتاق رہتے ہیں۔ اگر اس کی اشاعت میں ذرا سا بھی توقف ہو جائے یا ڈاک کی بے ترتیبی کی وجہ سے ان کو کسی مہینہ کا پرچہ نہ ملے تو بے قرار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ قوم کی عام بے حسی کا اثر سود مند کی اشاعت پر بھی نمایاں ہے۔ جس قدر اشاعت سود مند جیسے پرچہ کی جو اپنی وضع کا سب سے پہلا پرچہ ہے اور جو مسلمانوں کو کاروباری بنانیکے لیے ایک نقیب کا کام کر رہا ہے جتنی ہونا چاہیئے تھی ابتک نہیں ہے۔ لیکن سود مند کے خریداروں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس پرچے کو اپنا ہمدرد اور دلسوز سمجھتے ہیں۔ حال میں اس کے ایک فدائی اور جاں نثار معاون خانصاحب ڈاکٹر ممتاز علی خاں صاحب جو برلن (جرمنی) میں تجارتی سلسلہ کی وجہ سے مقیم ہیں یہ تجویز پیش کی ہے کہ سود مند مسلمانوں میں تجارت اور کاروبار زر جاری کرنے کا آئے دن جو وعظ کہتا رہتا ہے اب اس کو ایک قدم آگے بڑھانا چاہیئے اور نمونہ کے طور پر کوئی عملی کام کر کے دکھانا چاہیئے۔ ڈاکٹر صاحب نے جو اسکیم اس بارہ میں بھیجی ہے اس کو ہم بجنسہ انھیں کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں اور ناظرین سود مند سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس پر غور کریں اور اپنی رائے سے ہمیں جلد اطلاع دیں تاکہ ہم یہ اندازہ کر سکیں کہ خریداران سود مند میں سے کتنے اصحاب اس کام میں عملی شرکت کے لیئے تیار ہیں۔ (نیاز مند سب اڈیٹر) ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"سود مند کی قابل قدر خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اس کے مقدس مقاصد کے حصول و تکمیل کی غرض سے ضروری ہے کہ نہایت جلد "سود مند کوآپریٹو بنک" جاری کیا جاوے۔ اس بنک کے اجرا کے ساتھ ہی بدایوں میں سود مند کوآپریٹو سٹور کے نام سے تھوک کی دکان کھول دی جاوے جس سے بدایوں اور اس کے قرب و جوار کے خوردہ فروشوں کی تمام ضروریات کو نہایت ارزاں نرخ پر بہم پہونچایا جاسکے۔

اس بنک و سٹورز کے منتظم و کارکن نہایت احتیاط سے انتخاب کیئے جاویں اور وہ نہ فقط ہر طرح سے اس کے اہل و قابل ہوں بلکہ اول درجہ کے محنتی۔ متدین اور قومی درد سے سرشار ہوں۔ اور وہ اپنے فرائض کو اس خوبی سے انجام دیویں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سود مند کی تقلید سے ہندوستان کے ہر دور افتادہ گوشہ میں اس قسم کے دنا سر قایم ہوجائیں۔ بدیہی ہے کہ تھوک فروشی کے بغیر تجارت خوردہ فروشی ہرگز نہیں چل سکتی۔ ساتھ ہی نااہل و نااہل لوگوں کو منتظم بنا کر بدبخت مسلمانوں کا روپیہ برباد نہ کیا جاوے ورنہ سود مند کے مقاصد کو سخت نقصان ہوگا۔ مقامی ضروریات کا بغور مطالعہ کرکے ہندوستان کے تھوک فروشوں کی بجائے براہ راست باہر کے کارخانوں سے مال منگایا جاوے اور ایک نہایت قلیل منافعہ مقرر کرکے دیگر تھوک فروشوں کے مقابلہ پر ارزاں تر مال خوردہ فروشوں کو دیا جاوے۔ تاکہ سال بھر میں نہایت کثرت سے مال فروخت ہوسکے اور مقامی دکانداروں میں سے کوئی بھی باہر سے مال نہ منگانے پاوے۔ چونکہ تجارت کا بیشتر حصہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو فقط معمولی تعلیم رکھتے ہیں اس لیئے ارزاں فروشی کے فوائد کو عام فہم بنانے کے لیئے مثال کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ حمید مجید دو آدمی ایک ایک ہزار کے سرمایہ سے ایک ہی وقت میں کام شروع کرتے ہیں حمید فقط پانچ فی صدی منافعہ لگاکر ہر ماہ ایک ہزار کا مال بیچتا ہے۔ مجید دس روپیہ سیکڑہ منافعہ لگاکر تین ماہ میں ایک ہزار کا مال بیچتا ہے۔ سال بھر میں حمید ۱۲ مرتبہ اپنا مال نکال کر ۶۰۰ روپیہ کماتا ہے اور اس کی دکان پر مال بھی ہر وقت تازہ ملتا ہے۔ جھاڑ پونچھ صفائی کا بھی خرچ نہیں پڑتا۔ برعکس مجید سال میں ۴ مرتبہ مال نکالکر فقط ۴ صد روپیہ کماتا ہے۔ حمید کے گاہکوں کی تعداد بڑھتی جاوے گی اور وہ ایک دن کروڑپتی بن جاوے گا لیکن مجید کو ناکام رہنا پڑے گا۔ بنک و سٹور کی نگرانی میں تجارتی اصول و قوانین کی نہایت سختی سے پابندی ہونی چاہیئے۔ سٹور کے ملازمین کو تنخواہ کے علاوہ خالص منافعہ میں سے ایک خاص حصہ دیا جانا مقرر کیا جاوے تاکہ وہ مال کی بکری میں زیادہ دلچسپی لے۔ ہر ایک ملازم کو علحدہ علحدہ کام سپرد ہوں اور ان کی پڑتال ہوتی رہے سال کے بعد یہ رقم بحصہ رسدی ان کے نام پر سیونگ بنک میں جمع کردی جایا کرے۔ یا کمپنی کے سرمایہ میں شامل کرکے اس کا فائدہ ان کو دیا جایا کرے تاکہ وہ نوکر ہی نہیں بلکہ حصہ دار بھی ہوں۔ اور کام کو اچھی طرح انجام دیویں۔

ملک میں بے شمار انجمنیں ہیں جو غریب مسلمانوں کا روپیہ بٹور رہی ہیں کہیں خلافت فنڈ ہے کہیں انگورا فنڈ کہیں یورپ وغیرہ میں تبلیغ واشاعت اسلام۔ یا جرمنی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ ہے کہیں یورپ یا ہندوستان میں نئی مساجد کے بنانے کے چندے ہیں۔ اسی قسم کے ہزاروں چندوں میں ہمارا روپیہ برباد ہو رہا ہے۔ ان انجمنوں کے مقاصد خواہ کیسے ہی نیک اور ان کے کارکن کتنے ہی امین ہی کیوں نہ ہوں۔ جب تک ہماری علمی اخلاقی مالی حالت درست نہ ہو یہ سب باتیں بیکار ہیں۔ افلاس نہایت برا ہے۔ نادار انسان کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ یہی حال نادار قوم کا ہے۔ ہمارا افلاس انتہا کو پہونچ چکا ہے اس لیے لازم ہے کہ باقی سب تحریکوں کو چھوڑ کر تن من دھن سے اپنی مالی حالت یا ایمان کو درست کریں اس کے بعد دیگرا مور خود بخود انجام پاتے رہیں گے۔ ورنہ ان مساجد کو کوئی نمازی و قرآن خواں نہیں ملے گا۔ انسانی اخلاقی دین ہر پہلو سے اپنی عیال و اطفال متعلقین کی فلاح و بہبود ہمارا اولین فرض ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اپنے گھر کو درست کرے۔ بچوں کی تعلیم اچھی خوراک لباس وغیرہ کے ساتھ ہی ان کی جان و تعلیم کے بیمہ وغیرہ کے فرائض کو جبتک کما حقہ ادا نہ کر لیوے ایک پھوٹی کوڑی کسی دیگر چندہ میں نہ دیوے۔

جو شخص اپنی ضروریات زندگی کے لیے دوسروں پر بار ہو اس کا کوئی حق زندہ رہنے کا نہیں۔ ایسے مفت خوروں کو بشرطیکہ وہ کام کے قابل ہوں گھروں سے نکال دینا چاہیے۔ ورنہ یہ گھن تم کو بھی کھا جاوے گا۔ اور کفایت شعاری کی قیمت ہمارے لیے چنداں مفید ثابت نہ ہوگی۔

پس جبکہ ہماری افلاس و ذلت و نکبت کی انتہا نہیں رہی تو ہم کو چاہیے کہ باہم ملکر اس ذلت کو دور کریں۔ انجمن ہائے امداد باہمی ہی ہم کو اس سے نجات دلا سکتی ہیں۔ ان میں سرمایہ بھی محفوظ رہیگا اور ہم میں باہم مل کر کام کرنے کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔ اس باہمی اعتماد کی برکت سے بعد ازاں بڑے بڑے کارخانے بآسانی قایم کیے جا سکتے ہیں۔ لہذا ہم کو چاہیے کہ باقی سب کاموں کو چھوڑ کر ان انجمنوں یا تھوک فروشی کی دکانوں سے اپنی مالی حالت سدھاریں۔ تاکہ اپنے اولاد کے لیے مفید قومی مدارس۔ کارخانہ وغیرہ جاری کر سکیں۔

سود مند بنک یا سٹورز کے لیے چاہیے کہ مبلغ دس روپیہ کے حصص مقرر کیے جاویں تاکہ ہر ایک کو شرکت و شمولیت کا موقع مل سکے۔ اور ہر ایک خریدار کم از کم دس حصہ (جو دس سال میں قابل ادا ہوں) ضرور خرید کرے۔ صاحب استطاعت اصحاب نہ فقط حصص ہی زیادہ مقدار میں خرید فرماویں بلکہ کچھ امانتی روپیہ بھی بنک موصوف میں جمع کرا کے مشکور فرماویں تاکہ کام فوراً شروع کیا جا سکے زیادہ سے زیادہ ۳ ماہ کے اندر یہ بنک قایم و جاری ہو جانا چاہیے۔ آپ کا یہ ناچیز خادم بحیثیت خریدار سود مند

کم از کم بیس حصوں کی خریداری کا ذمہ لیتا ہے اور اس تحریک کے عملی جامہ پہننے کے ساتھ فوراً ترسیل زر کا وعدہ کرتا ہے۔

مجھ کو امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ میرے قابل احترام بزرگان و احباب اپنی غیرت و حمیت کو کام میں لاکر گم شدہ قومی عظمت و وقار اور غصب شدہ املاک کی بحالی و قیام کی خاطر اس تحریک کی کامیابی کا سہرا پہنا کر قومی کشتی کو ڈوبنے سے نجات دلا کر اللہ تعالےٰ اور مفلس مسلمانوں کے نزدیک ماجور و مشکور فرماویں گے۔ والسلام خاکسار ممتاز از برلن (جرمنی)

چینی کے برتن جوڑنا

گھونگے یا سیپی کو باریک پیس کر چھان کر انڈے کی سفیدی میں ملائیں کہ گاڑھا ہو جائے۔ پھر برتن کے ہر دو کناروں پر لگا کر ہوشیاری سے دونوں کناروں کو ملا کر آگ کے قریب رکھدیں کہ برتن گرم ہو جائے پھر فوراً اس میں گرم پانی ڈالدیں کچھ دیر کے بعد پونچھ کر خشک کرلیں اور دراڑ پر جو مصالحہ لگا رہ گیا ہے اس کو چاقو سے علحدہ کر دیں۔

دیگر سریش۔ انڈے کی سفیدی۔ سفیدا۔ تینوں کو ہموزن لیکر خوب ملالیں۔ پھر احتیاط سے دونوں ٹکڑوں پر لگا کر جوڑ دیں۔

دیگر چونہ کو خوب باریک پیسکر، چھان کر باریک ململ میں باندھ لیں اور ٹوٹے ہوئے کناروں پر انڈے کی سفیدی لگا کر پوٹلی میں بندھا ہوا چونا جو کپڑے سے تھوڑا تھوڑا چھنے گا فوراً سفیدی پر ڈالدیں اور پھر فوراً ہی دونوں کو ملا کر مضبوط تاگے سے باندھ دیں خشک ہونے پر جوڑ مضبوط ہو جائے گا۔

دیگر بے بجھے ہوئے چونہ کو سرمہ سا پیس کر انڈے کی سفیدی میں ملا کر ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں پر لگا دیں اور دونوں کو خوب ملا کر دھوپ میں سکھالیں۔

شیشہ کے برتن جوڑنا

ابزن گلاس۔ اسپرٹ آف وائن۔ پانی تینوں کو لیکر لیئی سا پکا لیں۔ سب چیزیں خوب مل جائیں تو ٹکڑوں پر لگا کر اچھی طرح جوڑ دیں۔

روپیہ جمع کرنے والی گھڑیاں

امریکہ کے ایک بینک نے ایک دیوار گیر گھڑی ایجاد کی ہو جس میں اگر روزانہ دو سکّے نہ ڈالے جایئں تو بند ہو جاتی ہو۔ بینک والے یہ گھڑیاں اپنے ہاں روپیہ جمع کرنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور جب یہ بالکل بھر جاتی ہیں تو بینک میں بیجا کر خالی کر دی جاتی ہیں اور اپنا کام دوبارہ شروع کر دیتی ہیں غالبًا روپیہ جمع کرنے والے کو ایک وقت میں دو گھڑیاں دی جاتی ہیں تاکہ وقت دیکھنے اور روپیہ جمع کرنے کے دونوں کام ایک ساتھ جاری رہیں اور دونوں میں سے کا ہرج نہ ہو۔ جب ایک گھڑی خالی ہونے کے لیئے بینک میں بھیجی جاے تو دوسری گھڑی سے وقت دیکھنا اور اُس میں روپیہ جمع کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا جاے۔ اس گھڑی کی ایک خصوصیت یہ بھی رکھی گئی ہو کہ اس کی کنجی صرف بینک میں رہتی ہو اگر مالک گھڑی کے پاس بھی کنجی رہتی تو اُسے جمع شدہ روپیہ نکال لینے کی ترغیب ہوتی۔ اب وہ مجبور ہو کہ کھلنے اور روپیہ جمع ہونے کے لیے گھڑی کو بینک میں بھیجے۔ اسی کے ساتھ غالبًا یہ گھڑیاں روپیہ جمع کرنے والوں کو بینک کی طرف سے قلیل قیمت پر دیجاتی ہوں گی تاکہ لوگوں کو اُس بینک میں روپیہ جمع کرنے کی ترغیب ہو۔ اور سب سے بڑی خصوصیت اس گھڑی کی یہ ہو کہ اُس میں روپیہ اور وقت کو ایک جگہ جمع کر دیا ہو۔

ہمارے ملک میں منٹ اور گھنٹے کس شمار میں ہیں۔ دنوں ہفتوں اور مہینوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ غفلت۔ کاہلی اور گپ بازی میں اُڑا دیئے جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے ایک وہ لوگ ہیں جو ہر ہر لحظہ جمع کرنے کی فکر میں ہیں۔ اور جمع کرنے کے لیئے پیدا کرنا ضروری ہو۔ گویا اس قسم کی گھڑی رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے ہر حصہ میں اس قدر روپیہ پیدا کیا جاے جو ضروریات روزمرہ سے بچکر گھڑی کو چلاتا رہے۔ کاش ہمارے ملک اور بالخصوص ہماری قوم میں بھی اس قسم کے خیالات اور معمولات قایم ہو کر ہمیں سرسبز و شاداب کریں۔ (اڈیٹر)

اعلان ایک صاحب کے عطیہ سے سود مند سال بھر کے لیئے ایسے مسلمان نوجوان کے نام جاری کیا جانا منظور ہو جو اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد کاروباری اور صنعتی زندگی اختیار کرے۔ امتحانات ہائی اسکول ایف اے۔ اور بی اے کے نتایج شایع ہو چکے ہیں اور ان امتحانات میں ہزاروں نوجوان پاس ہوئے ہیں ان میں جو صاحب بجا نوکری تلاش کرنیکے تجارت یا صنعت کا پیشہ اختیار کریں انکو سود مند ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے سب سے پہلی درخواست ایسے شخص کی کم

ہندوستان کی اقتصادی حالت پر سر ابراہیم رحمت اللہ کے خیالات

ہندوستانی صنعتی اور تجارتی کانگریس کا خطبہ صدارت

نمبر ۲

ایسٹ انڈیا کمپنی اور تاج برطانیہ جس کسی کو پبلک لائف اور اپنے ملک سے دلچسپی رہی ہے وہ اس معاملہ میں صرف یہی رائے قایم کرسکتا ہے کہ برطانیہ نے شروع سے اس وقت تک اپنے یہاں کے صناعوں کے لیئے ہندوستان کو اپنا بازار بنا رکھا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیئے برطانیہ نے اپنی سیاسی قوت استعمال کی ہے۔ ہم کو بتایا گیا ہے کہ تاجروں کی جو مختصر جماعت ہندوستان میں آئی تھی اُس کی غرض صرف زیادہ نفع اُٹھانے کی تھی اُنھوں نے جو سیاسی طاقت حاصل کرلی تھی اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس مقصد کے حصول کے لیئے استعمال کیا۔ یہ بالکل بجا اور درست ہے کہ تاج برطانیہ نے ہندوستان کی عنان حکومت براہ راست اپنے ہاتھ میں ۱۸۵۸ء میں لے لی۔ جو اختیارات کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اعلیٰ منتظمان کو حاصل تھے وہ اصولاً تو برطانی پارلیمنٹ کو منتقل ہوگئے۔

لیکن عملاً ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کا قایم مقام وزیر ہند بشمول کونسل ہوگیا یہ بورڈ اب وزیر ہند بشمول کونسل کے نام سے موسوم ہے اور ہندوستان کی مالی پالیسی اور برٹش افسران اسی کے ماتحت ہیں جو ہندوستان کا نظم و نسق کرتے ہیں اور ان کو وزیر ہند کے احکام کی تعمیل کرنا ہوتی ہے۔ حسب ذیل تازہ واقعہ سے حقیقی حالت نمایاں ہوتی ہے یعنی یہ کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے فنانس ممبر سر بیسل بلیکٹ جن کی فنانشل قابلیت مشہور ہے انگلستان نفس نفیس جانے کے لیئے مجبور ہوئے تاکہ زرو بنک کے قیام کے متعلق اپنی رائے بورڈ کے روبرو پیش کریں۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے بہت سے تار دیئے لیکن ہندوستان میں رزو بنک قایم ہونے کے لیئے وہ اس بورڈ کو آمادہ نہ کرسکی۔ جو مشکلات کہ لندن کے جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے ڈائرکٹران کو اپنی سمندر پار کی فیکٹریوں کے متعلق پیش آتی ہیں وہی دشواریاں ہندوستان کو اس موقعہ پر پیش آئیں۔ سمندر پار کی

فیکٹریوں کا منیجر انگلستان میں طلب کیا جاتا ہے تاکہ وہ بورڈ اور حصہ داروں کا جو اکثر برطانی باشندے ہوتے ہیں یہ اطمینان کردے کہ جس پالیسی کی سفارش کی گئی ہے وہ کمپنی کے حق میں نہایت سودمند ہے کیا اس سے زیادہ کوئی اور ثبوت اس امکا ہو سکتا ہے کہ مقدس امانت کا دعوے محض دنیا کو دکھانے کے واسطے ہے اور انگریز ساہوکاروں اور کاریگروں کے مفاد کا لحاظ اس پالیسی کے تیار کرنے میں بہت زیادہ رکھا جاتا ہے جو اس ملک میں اختیار کی جاتی ہے برطانیہ پر کثرت آرا سے حکومت ہوتی ہے اور کثرت رائے کے وسیلہ سے ساہوکاروں اور کاریگروں کو زبردست قوت حاصل ہے اور اس کثرت رائے سے جو گورنمنٹ برسر اقتدار ہوتی ہے وہ اس قوت کے سامنے سرنگوں ہونے کے سوائے کچھ نہیں کرسکتی۔ مسٹر بالڈون سابق وزیر اعظم نے آزاد تجارت کی پالیسی میں قدرے ترمیم کرنے کا تہیہ کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کنسرویٹو پارٹی کو عام انتخاب کے موقعہ پر شکست حاصل ہوئی۔ اس حالت میں جو پالیسی اختیار کی گئی وہ دفع الوقتی کی پالیسی تھی اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ آئندہ اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ نکل ہی آئے گا لیکن وہ عمداً اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں کہ ہمیشہ سودمند نتیجہ برآمد ہوگا۔ ہندوستان کو معلوم ہوگیا ہے کہ مقدس امانت کے متعلق اس اسپرٹ میں ادائے فرض کیا جاتا ہے جو چارلس ڈکنس نے سرجوزف ٹوبی کا حسب ذیل مشہور کیرکٹر تحریر کرنے میں استعمال کی ہے۔

ذمہ داری کا احساس | سرجوزف نے ٹوبی کی طرف بغور دیکھ کر ارشاد کیا کہ تمہارے سارے کام کا میں ذمہ دار ہوں کس بات کے متعلق تم کو سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت نہیں تمہارے واسطے میں خود سوچ لونگا میں جانتا ہوں کہ تمہارے حق میں کونسی شے مفید ہے میں تمہارا دائمی باپ ہوں۔ قادر ذوالجلال کا یہی منشا ہے۔ تمہاری آفرینش سے خداوند تعالے کی یہ غرض نہیں کہ تم وحشیانہ طور پر اناب شناب کھانے پینے سے حظ حاصل کرو بلکہ یہ مدعا ہے کہ تم محنت کرنے کے اغراض کو محسوس کرو۔ جاؤ اور صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاؤ۔ کفایت شعاری سے زندگی بسر کرو۔ مؤدب بنو۔ نفس کشی سے کام لو۔ اپنے گھر والوں کی اچھی طرح پرورش کرو۔ اپنے مکان کا کرایہ ٹھیک وقت پر اس طرح ادا کرو جس طرح کہ گھڑی پابندی کے ساتھ ٹھیک وقت پر گھنٹہ بجاتی ہے۔ اپنے معاملات میں مستعد رہو۔ میں نے تمہارے روبرو ایک عمدہ مثال پیش کردی ہے تم کو میرا رازدار سکریٹری مسٹر فش ہر وقت کیش بکس لئے ہوئے ملیگا) اور تم مجھ پر اعتماد کرو کہ میں تمہارا دوست اور باپ ہوں"

مسٹر جوزف نے فرمایا "اس کے سوائے میں اور کیا کرسکتا ہوں۔ میں ایک غریب کے دوست اور باپ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا ہوں اور میں ہر موقعہ پر اس کو ایک اعلےٰ درجہ کا سبق دیکر

اُس کے دماغ کی تربیت کرتا ہوں چونکہ اس قسم کے لوگوں کو اس تعلیم کی ضرورت ہو یعنی وہ کلیتاً میرے دست نگر ہیں۔ اُن کو کسی کام کی خود کوئی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ اگر چالاک اور مطلبی لوگ اُن سے اس کے خلاف کچھ بیان کریں اور وہ بے صبر اور غیر مطمئن ہو جائیں اور پھر وہ عدول حکمی اور ناشکرگزاری کے جرم کا ارتکاب کریں تب بھی میں اُنکا دوست اور باپ رہونگا۔ کیونکہ منشاء الہی ایسا ہی ہو اور فطرتاً ایسا ہی ہونا چاہیئے۔"

تجارتی پالسی میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا برطانیہ اس اسپرٹ میں ہندوستان سے اس بات کا متوقع ہو؟ ہمارے ملک کے ٹرسٹیان کو صرف اس قدر فکر رہتی ہو کہ ہندوستان کے نظم و نسق کے لیئے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو وہ ہم سے وصول کرلیں اور اپنی کثیر المقدار مصنوعات کو ہندوستان کے ہاتھ فروخت کردیں اس ملک کے اقتصادی وسائل کی ترقی کی طرف برطانیہ نے کبھی توجہ ہی نہیں کی ہو۔ برطانیہ کو ہمیشہ صرف اسی کی فکر لاحق رہتی ہو کہ اپنے یہاں کے تیار کردہ فراوان سامان کو فوراً ہندوستان کے ہاتھ فروخت کردے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ "مقدس امانت" کے متعلق اس نے اپنا ادائے فرض صرف آزاد تجارت کی پالسی رائج کرنے کو سمجھا ہی جس کو قبول نہ کرنے سے نہ صرف دیگر مہذب ممالک نے بلکہ خود اُس کی نو آبادیات نے بھی انکار کردیا ہی اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ سمجھ سوچ کر یہ پالسی قرار دی گئی ہو کیونکہ مدبرین برطانیہ اگر اس مسئلہ پر ادنیٰ سی توجہ بھی کرتے تو اُن کو صاف طور پر معلوم ہو جاتا کہ ہندوستان کے لیئے اس پالسی کا قرار دینا خود برطانیہ کے اقتصادی مفاد کے حق میں کس قدر مضرت رساں ہو۔ برطانیہ کی موجودہ سیاسی حالات سے واقع ہوتا ہو کہ کاریگروں کے مفاد کا اُس پر نہایت زبردست اثر ہو اور وہ اپنا مقصد صرف اس قدر سمجھتے ہیں کہ اپنے یہاں کے تیار شدہ مال کو ہندوستان کے ہاتھ فروخت کردیں اور اس کا انجام خود بخود دیکھ نہ کچھ ہو رہے گا۔ اس تنگ نظری کی پالسی نے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں خود برطانیہ کے حق میں اُلٹا اثر کیا ہو اور گزشتہ ۳ سال سے وہاں کے بہترین دماغ بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں مصروف ہیں جس کو خود برطانیہ نے اس وسیع ملک کی اقتصادی ترقی کی طرف سے بے پرواہی کرکے پیدا کیا ہو۔ صرف تدبیر ہی سے انجام کو پیش نظر رکھ کر ایسی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جن سے کہ مستقبل میں فلاح کی توقعات یقینی ہوجائیں۔ اب سوال یہ ہو کہ جو تجربہ حاصل ہوا ہی کیا وہ صحیح طریقہ پر کام میں لایا جائے گا۔

اگر اس آخری درجہ پر بھی ہندوستان میں صحیح پالسی اختیار کی جائے تو ہندوستان کی اقتصادی

حالت اس قدر ترقی کرجائے گی کہ پھر برطانیہ اپنے مال کی نکاسی کے لیے کسی دوسرے ملک کا حاجتمند نہ رہے گا۔

ہندوستان کی سمندر پار تجارت اور جاپان

اس بیان میں کچھ مبالغہ نہیں جیساکہ جاپان کی بیرونی تجارت کی ترقی کا جو ایک ایشیائی ملک ہی ہندوستان کی بیرونی تجارت سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہی سنہ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی اشیاء درآمد کی تعداد ۱۵۰ کروڑ تھی اور سنہ ۱۹۲۳-۲۴ء میں ہندوستان میں باہر سے ۳۵۲ کروڑ کا مال آیا۔ اس لیے ۱۰ سال میں ہندوستان کی اشیاء درآمد میں ۱۳۳ فی صدی بیشی ہوئی۔ جاپان میں ۱۹۱۵ء میں باہر سے ۵۳ کروڑ ۲۰ لاکھ من کا اور سنہ ۱۹۲۵ء میں ۲۵۷ کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن کا مال آیا یعنی ۵۰۰ فی صدی بیشی ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۵-۱۶ء میں ہندوستان سے ۱۹۹ کروڑ کا مال اور سنہ ۱۹۲۳-۲۴ء میں ۴۰۰ کروڑ کا مال باہر گیا یعنی ۱۰۰ فی صدی بیشی ہوئی۔ جاپان نے سنہ ۱۹۱۵ء میں ۷۰ کروڑ ۸۰ لاکھ من کا اور سنہ ۱۹۲۶ء میں ۲۳۰ کروڑ ۵۰ لاکھ من کا مال باہر روانہ کیا یعنی ۳۰۰ فی صدی بیشی ہوئی۔ ان اعداد وشمار سے معلوم ہوا کہ جاپان نے ۱۰ سال کے مختصر عرصہ میں اپنی بیرونی تجارت کو اس قدر ترقی دی اور ہندوستان صرف معمولی بیشی پر مطمئن رہا۔

اب ان اعداد کو روپیہ کی شکل میں تبدیل کرنے سے یوں سمجھئے کہ جاپان کی درآمد کی تعداد ۶۴ کروڑ تھی اور سنہ ۱۹۲۵ء میں ۳۲۱ کروڑ ہوگئی یعنی ہندوستان کی درآمد کے قریب پہونچ گئی۔ جاپان کی آبادی ہندوستان کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے اور ایک مختصر سی مدت میں اس کی درآمد ہندوستان کی درآمد کے برابر ہوگئی۔

سنہ ۱۹۱۵ء میں جاپان کی اشیاء برآمد کی تعداد ۸۰ کروڑ اور ہندوستان کی ۱۹۹ کروڑ تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کی اشیاء برآمد ۴۰۰ کروڑ اور جاپان کی ۲۰۰ کروڑ کی ہوگئیں جیسی پالیسی کہ جاپان نے اپنی تجارت کی ترقی کے لیے اختیار کی ہے اگر اسی پالیسی پر ہندوستان میں بھی عمل کیا جاتا پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان کی تجارت کو اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم ازکم اس قدر ترقی ضرور حاصل ہو جاتی میسر نہیں ہیں۔ جاپان کو ہندوستان جیسے قدرتی وسائل میسر نہیں لیکن جو تجارتی پالیسی جاپان نے اختیار کی ہے اگر گورنمنٹ ہند بھی اس پر عمل کرے تو ہندوستان میں تجارت کی ترقی کے بہت زیادہ امکانات موجود ہیں۔ (باقی آئندہ)

سرمایہ

(مسٹر ایم ایم صدیقی تاجر (جنگل) کنارہ کے قلم سے)

مفلسی بداخلاقی کی جڑ ہی

سچ ہی کہ جب کسی قوم کی بدبختی کے دن آتے ہیں تو ہمیشہ اُلٹی سوجھا کرتی ہی اسی طرح ہمارے واعظین کرام کی بھی حالت ہی۔ دُنیا کے حالات ہمیں بتاتے ہیں کہ مفلسی بداخلاقی کا جزو اعظم ہی۔ ہمارے بانی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کا قول فیصل بھی یہی ہی کہ الفقر سواد الوجہ فی الدارین (مفلسی دونوں جہان میں مُنہ کالا کرتی ہی) مگر ہمارے واعظین کرام ہر وقت یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ مال ہی تمام دُنیا کی بُرائیوں کا سرچشمہ ہی۔

جنوبی ہند کے ہر حصہ سے بندہ بخوبی واقف ہی کہ یہاں جو قوم نہایت مفلس ہی وہ سخت بداخلاق اور غیر مہذب ہی چونکہ ان کے نام تحریر کرنے سے ان قوموں کی تحقیر ہوگی اس لیئے تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔ دُنیا کے حالات پر چشم بصیرت ڈالو تو فوراً معلوم ہو جاوے گا کہ افلاس ہی اکثر قوم کو بُرے اخلاق پر مائل کرتا ہی۔

بیواؤں کی پریشانی اور اس کا سدّباب

چونکہ ہمارے غریب اور بعض وقت متوسط درجہ کے بھائیوں کو اپنی کمائی کا کچھ حصہ پس انداز کرنا نہیں آتا اور جب وہ رحلت کر جاتے ہیں تو اکثر ان کی بیبیاں مزدوری یا گداگری کرتے نظر آتی ہیں اور بچے تعلیم حاصل کرنے سے رہجاتے ہیں اور یہ مانی ہوئی بات ہی کہ ان دونوں قسم کے پیشہ ور مستورات کی اخلاقی حالت عموماً اچھی نہیں ہوتی۔

آئندہ ایسی پریشانی کا سدّباب اس طریقہ سے ہوسکتا ہی کہ ہمارے نوجوان بھائیوں کو اپنی جان کا بیمہ کرانا چاہیئے۔ جس سے ان کی بیبیاں پریشانی سے بچیں اور لڑکوں کو تعلیم سے نہ چھڑانے پائیں۔

آج کل بیمہ کمپنیاں خصوصاً بمبئی لایف ایشورنس کمپنی نے فیملی اپنشن پالیسی کی بیمہ کا تختہ تیار کیا ہی۔ جو شخص یہ پالیسی خریدے اور اس کا پریمیم جو سہ ماہی پندرہ سے بیس روپیہ مقررہ میعاد تک ادا کرنے سے کمپنی بیس سال تک اس کے ورثا کو سالانہ ایک سو روپیہ پنشن دیا کرتی ہی اسی طرح اگر سالانہ دو سو روپیہ (ماہوار سولہ روپیہ) حاصل کرنا چاہے تو سہ ماہی تیس پانچنتیس روپیہ تک قسط ادا کرنا پڑتا ہی۔

یوروپ کی عورتیں جب شادی کرنا چاہتی ہیں تو پہلے درخواست کرنے والے مرد کی صحت کی جانچ کر لینے کے بعد یہ دریافت کرتی ہیں کہ اس کا روپیہ بینک میں کتنا جمع ہے اور لیف انشورنس کتنے ہزار پونڈ کا کیا گیا ہے تاکہ خدانخواستہ مرد کے مرنے کے بعد اس کو اپنی روٹی کے لیے پریشانی نہ ہو۔
ہندوستانی عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے مردوں و لڑکوں کو جان کا بیمہ کرنے کی ترغیب دیں

ہندوستان کی مفلسی کا سبب: تو واضح ہے کہ مزدوری پیشہ قوم تونگر نہیں بن سکتی۔ ان بیچاروں کی مزدوری ان کی روٹی اور کپڑے خریدنے کے لیئے ناکافی ہوتی ہے پھر تونگر ہو تو کیسے ہو کچھ لوگ صنعت و حرفت کو دولت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر جو لوگ علم اکنامک (پولیٹیکل اکانومی) سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ صنعت و حرفت تجارت وغیرہ کی جان کچھ اور چیز ہے جس کے بغیر تجارت و صنعت ایک جسم بے جان ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جو تجارت کی روح ہے؟ وہ "سرمایہ" ہے۔
افسوس ہے کہ ہندوستان کے لیڈروں میں علم الاقتصاد (پولیٹیکل اکانومی) کے ماہرین بہت کم ہیں۔

ہندوستان کے ملوں کی ناکامی کے اسباب: اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ہندوستان کی ملوں میں جو کپڑا تیار کیا جاتا ہے وہ جاپان وغیرہ کے کپڑوں سے گراں ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ملیں (مشین انجن وغیرہ) جتنی بڑی ہونگی ان میں تیار شدہ مال کی قیمت اُتنی ہی ارزاں ہوگی۔ یعنی روزانہ ایک ہزار گز کپڑا تیار کرنے کی مشین میں اگر فی گز دو آنہ لاگت ہو تو چار ہزار گز کپڑا تیار کرنے کی مشین میں اگر وہی کپڑا تیار کیا جاوے تو اس کی لاگت فی گز ڈیڑھ آنہ ہوگی۔

موخرالذکر کارخانہ اپنے کپڑے کو اگر دو آنہ فی گز کے حساب سے فروخت کرے تو اس کو بارہ فی صدی منافع ہوگا اول الذکر کارخانہ بھی اگر اسی قیمت کے حساب سے بیچے تو گھاٹے میں رہے۔
چونکہ ہندوستان کی ملیں بہ نسبت یورپ کی ملوں کے چھوٹی ہوتی ہیں اس لیئے ہندوستان کی ملوں میں تیار شدہ کپڑے پر زیادہ لاگت آتی ہے اس لیئے یہ ملیں یورپ اور جاپان کی ملوں کا مقابلہ (کمپیٹیشن) نہیں کر سکتیں اس لیئے اکثر گھاٹے میں رہتے ہیں۔
ہندوستان والوں کو یورپ والوں کے مانند بڑی ملیں رکھنے کے لیئے اتنا سرمایہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ہندوستانیوں میں سرمایہ جمع کرنے کی مہارت نہیں ہوتی۔

بتیس کروڑ آبادی میں پانچ کروڑ سے زیادہ غریب لوگ ہیں ساڑھے سات کروڑ مسلمان بینکوں سوسائٹیوں اور بیمہ کمپنیوں کے سرمایہ جمع کرنے کو برا سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہی کہ جو برادران وطن (ہندو) سرمایہ دار ہیں ان کا پیسہ مسلمان سود بہ قرض لیتے ہیں اور تجارتی کارخانوں کے حصوں کی صورت میں جمع ہونے کے بجائے مسلمانوں کی فضول خرچیوں کے کام آتا ہی اور بعد میں ان لوگوں کے جائدادیں نیلام ہو کر سودی قرضہ میں یہ بھی برباد ہوتے ہیں اور ملکی ترقی بھی رکتی ہی۔

الغرض سرمایہ کی کمی نے ہمیں مفلس اور یورپ کا محتاج بنا دیا ہی ہمارے لیڈر ہیں کہ ہماری اقتصادی حالت کے بہتر بنانے میں ہماری رہبری نہیں کرتے۔ اخبارات تو ہزاروں ہیں مگر اردو اخبارات اقتصادی مضامین سے خالی ہیں۔

ہماری مفلسی نے ہمیں تعلیم سے بھی دور رکھا ہی غرضکہ ایک مفلسی ساری دنیا کی برائی جمع کرتی ہی۔ ہماری مفلسی دور کرنے کے بہت اسباب ہیں چنانچہ تجارت صنعت محنت کفایت شعاری ترک رسومات وغیرہ مگر ان کاموں کے لیئے سرمایہ لازمی چیز ہی۔

ہمیں لازم ہی کہ ہم غیر اقوام سے قرضہ لینا جہانتک ہوسکے بند کریں اور ضروری وقت بہ قرض لینے کے لیئے ہر جگہ کو پریٹو سوسائٹیوں کا اجرا کریں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے ساڑھے سات کروڑ بھائیوں کے ڈمانڈ کے لیئے (مانگ کے لیئے) ہمیں سے سپلائی ہوگی۔ اس طرح مہاجنوں کا بازار سرد ہوکر شرح سود گھٹ جاوئگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بڑے بڑے کارخانوں کے لیے سرمایہ مل سکے گا۔

خوش قسمتی سے جنوبی ہند کے مسلمانوں میں تجارت پیشہ قومیں بھی ہیں مثلاً میمن بوہرے کوکنی وغیرہ مگر اکثر یہ لوگ غیر اقوام سے سرمایہ لیکر تجارت کرتے ہیں جس سے آمدنی کا زیادہ حصہ سود کی صورت میں غیروں کو چلا جاتا ہی۔ اور یہ کولہو کے بیل کے مانند جہاں ہیں وہیں رہتے ہیں۔

اگر یہی لوگ اپنی فضول خرچیوں کو ترک کرکے اپنی آمدنی کا تھوڑا حصہ بچا کر بنکوں سے سائٹیوں بیمہ کمپنیوں میں جمع کرتے جائیں تو ایک قلیل مدت میں سرمایہ جمع کر سکتے ہیں اور خود اپنی بنکیں قایم کرکے خود اپنے سرمایہ میں سے تجارت کرکے مالدار بن سکتے ہیں

کاش مسلمان اس طرف متوجہ ہوتے!

ہندوستان کی اقتصادی حالت کا مقابلہ دوسرے ممالک سے

ہندوستان کے افلاس اور اقتصادی بدحالی کی داستان بڑی دردناک ہے اور مختلف صورتوں میں اس کے مختلف پہلو پیش کیئے جاچکے ہیں۔ لارڈ سنہا نے ۱۹۱۸ء میں بحیثیت رکن کابینہ جنگ لندن میں جرائد ماورائے بحر کو ایک بیان دیا تھا۔ اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔ کہ

ہندوستان محض ایک نظام حکومت کا ہی طالب نہیں بلکہ احتیاجات کی تکمیل اور خوشحالی کا بھی خواہاں ہے۔ ہندوستان غریب ملک ہے۔ اور جب تک حکومت کی ساری حکمت عملی تبدیل نہ ہوگی۔ یہ غریب رہے گا۔ ہندوستان کو ایک عرصہ سے خوشحالی کے دن نصیب نہیں ہوئے۔ اور اب بھی یہ خوشحال نہیں۔ حقیقت حال کے اعتبار سے ہندوستان کے کروڑوں باشندے بدقت تمام گزارہ کر رہے ہیں۔ نصف آبادی ایسی ہے جسے آج تک پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ اس صورت حالات کی اصلاح کے لیئے ذرائع تلاش کرنے چاہئیں۔

نصف آبادی سے مطلب پندرہ کروڑ نفوس سے ہے جو برطانیہ عظمےٰ کی آبادی سے چار گنا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی آبادی سے ڈیڑھ گنا ہیں۔ ذرا خیال فرمائیے کہ اتنے باشندوں کو کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ یہ ۱۹۱۸ء کی حالت تھی اور آج بھی یہی حالت ہے۔

لارڈ سنہا کے اس بیان کی مستند اعداد و شمار سے پوری پوری تائید ہوتی ہے۔ مثلاً بعض بڑے بڑے ممالک کی فی کس سالانہ آمدنی کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔

ملک	فی کس سالانہ آمدنی	ملک	فی کس سالانہ آمدنی
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۱۱۱۰ روپیہ	فرانس	۵۴۶ روپیہ
برطانیہ عظمےٰ	۷۹۱ "	اٹلی	۳۸۲ "
جرمنی	۴۱۰ "	ہندوستان	۳۰ "

بعض انگریز ہندوستانی ماہرین اقتصادیات کی رائے ہے کہ ہندوستان کی فی کس آمدنی کا جو تناسب اوپر بیان کیا گیا ہے۔ حقیقی آمدنی اس سے نصف یعنی پندرہ روپے ہے۔ لیکن چونکہ تیس روپیہ فی کس کا تناسب سرکاری اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ اس لیئے ہم اس کو صحیح قرار دے دیتے ہیں۔ اور اسی سے بھی

صاف طور پر آشکارا ہو رہا ہے کہ لارڈ سنہا کا بیان صحیح تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہندوستانی کو اوسطاً تیس روپے سالانہ میں گزارا کرنا چاہیئے۔ تیس روپے کے آنے بنائے جائیں تو ۴۸۰ بنتے ہیں۔ اور اگر سال کے دن ۳۶۰ رکھے جائیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر ہندوستانی اپنی تمام ضروریات کے لیئے دن بھر میں صرف ایک آنہ اور چار پائی کی رقم صرف کر سکتا ہے۔ اس سے زائد نہیں کر سکتا۔ اب خیال فرمایئے کہ ایک آنہ اور چار پائی میں دو وقت کا کھانا۔ لباس اور دوسری ضروریات کس طرح پوری ہو سکتی ہیں۔

غربت و افلاس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان تباہی بربادی۔ اخلاقی و جسمانی پستی امراض اور اموات کا شکار ہے۔ اس سے ہندوستانیوں کے اوسط عمر پر بھی بڑا اثر پڑا ہے۔ لوگ بتدریج قد و قامت میں گھٹ رہے ہیں۔ طاقت میں کمزور ہو رہے ہیں ان کی زندگی کی روح مبتلائے کاہش ہے۔ در مختلف ممالک کے اوسط عمر کا نقشہ بھی دیکھ لیجئے۔

ملک	اوسط عمر	ملک	اوسط عمر
انگلستان و ویلز	۵۱ سال	اٹلی	۴۷ سال
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۵۰ "	جاپان	۴۴ "
فرانس	۴۸ "	ہندوستان	۲۴ "
جرمن	۴۷ "		

اگر ہم صرف متعدی امراض مثلاً طاعون ہیضہ وغیرہ کی تباہ کاریوں ہی کا اندازہ کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ ۱۸۹۶ء سے لیکر اب تک ان میں سے ہر بیماری کم و بیش ایک ایک کروڑ ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکی ہے۔ موسمی بخار سے ہر سال تیرہ لاکھ آدمی مرتے ہیں۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر ۱۹۱۸ء میں تین ماہ کے اندر ستر لاکھ ہندوستانی انفلوائنزا کی نذر ہوگئے۔ دُنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں جس میں بیماریوں نے اس قدر تباہی پھیلائی ہو۔

بچوں کی شرح اموات اور بھی دردانگیز ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر سال بیس لاکھ ہندوستانی بچے عالم وجود میں قدم رکھتے ہی مر جاتے ہیں۔ اس باب میں حکومت کی ایک نیم سرکاری روداد بابت ۱۹۲۲ء مظہر ہے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ ہر سال بیس لاکھ بچے مرتے ہیں۔ جو زندہ بچتے ہیں وہ بچپن میں حفظان صحت کے خراب ماحل کے باعث بہت کمزور رہتے ہیں اگرچہ پیدائش کا رجسٹر کاملاً صحیح نہیں ہے

تاہم وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں ہر پانچ بچوں میں سے ایک یا ہر چار بچوں میں سے ایک زندگی کے پہلے ہی سال میں موت کی نذر ہو جاتا ہے۔ گھنی آبادی کے شہروں اور اعلیٰ ارکان صنعت و حرفت کے مراکز میں یہ شرح اموات اور بھی زیادہ ہے۔

اب ہندوستانی بچوں کی شرح اموات کا دوسرے ممالک سے مقابلہ کریجیے:۔

نام ملک	شرح اموات فی صدی	نام ملک	شرح اموات فیصدی
انگلستان	۷	اٹلی	۱۴
فرانس	۸	جاپان	۱۶
بلجیم	۱۰	ہندوستان	۱۹
ہسپانیہ	۱۴	(وطن لاہور)	

امریکہ اور جرمنی کی طاقت کیوں زیادہ ہے

ایک انگریزی تجارتی رسالہ لکھتا ہے کہ یہ امر واقعہ ہے کہ ملک جرمنی اور امریکہ تجارت میں سب سے آگے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ممالک کے تاجر تجسس و تحقیق میں اور عملہ کی تربیت و تعلیم میں معقول روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اس مد میں جو روپیہ ان کی طرف سے خرچ کیا جاتا ہے۔ وہ رائیگاں نہیں جاتا ہے۔ اس سے وہ دوگنا منافع کماتے ہیں ان کے نزدیک اس مد میں روپیہ خرچ کرنا اپنے منافع میں اضافہ کرنا ہے۔ کیونکہ زیادہ منافع کمانے کا یہ بہترین طریق ہے۔

انگلستان کے تاجر کہتے ہیں کہ تجسس و تحقیق اور عملہ کی تربیت و تعلیم میں وہ اتنا روپیہ نہیں خرچ کر سکتے۔ جتنا کہ جرمنی اور امریکہ خرچ کرتا ہے کیونکہ ان ممالک کی تجارتی کوٹھیاں زیادہ مالدار ہیں۔ اور وہ اس کام پر روپیہ صرف کر سکتی ہیں۔ انگلستان کے تاجر اتنے مالدار نہیں ہیں کہ وہ اس مد میں خرچ کر سکیں۔ مگر ایک انگریز ماہر یہ کہتا ہے کہ امریکہ اور جرمنی کے تاجر زیادہ مالدار اس وجہ سے ہو گئے ہیں کہ وہ ابتدا میں بھی عملہ کی تربیت و تعلیم پر ایسی فراخ دلی سے روپیہ خرچ کرتے تھے جس فراخ دلی سے اس وقت کرتے ہیں اور اسی سبب سے وہ بہت بڑے تاجر بن گئے ہیں۔ جس تجارتی کوٹھی کا کاروبار پچاس ہزار پونڈ کا ہو۔ اسے پانچ سو پونڈ سالانہ تجسس و تحقیق امور کارخانہ یا عملہ کی تربیت و تعلیم پر خرچ کرنا چاہیئے۔ انگلستان میں پچاس بھی تجارتی کوٹھیاں ایسی نہیں جنھیں تجسس یا عملہ کی تربیت پر روپیہ خرچ کرنے کا صحیح خیال پیدا ہوا ہو۔

ریاست کشمیر کے زمیندار

اور

سُود دَر سُود کا چکّر

سمت ۱۹۸۳ میں مہاراجہ صاحب کشمیر نے دورہ کرتے ہوئے رعایا کے حالات بچشم خود ملاحظہ فرمائے اور بنظر غور دیکھا کہ زراعت پیشہ رعایا کو ساہوکار پیشہ مہاجن لوگ سود در سود کی مقروضیت کے ذریعہ تباہ کر رہے ہیں۔ اور ان کو اس تیزی سے دادستد قرضہ کا طوفان غارت کیئے جا رہا ہے کہ اس طوفان کو روکے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ آپ نے وہاں ہی ایک قانون بنام ایگریکلچرسٹس ریلیف ریگولیشن نافذ فرما دیا۔ اس قانون کے اکسیر ہونے کے متعلق کس کو انکار ہے۔ لیکن مہاراجہ بہادر نے یہ غور فرمایا کہ اسے استعمال کرنے والی جماعت میں مہاجنوں اور اُن کے ہمدردوں کے عنصر کی کتنی کثرت ہے۔ چنانچہ پہلی پہل تو اس قانون کی خوبیوں کے اتنے گیت گائے گئے اور توقعات باندھی گئیں چنانچہ دو سال تک ریاست میں اس قدر اچھے حالات پیدا ہو گئے کہ اُن کا نقشہ جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ بہادر نے نوشیرواں کے زمانہ کو بھی مات کر دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس قانون کو جب عملی صورت میں لیا گیا تو دیوانی عدالتوں نے اس قانون کی وہ گت بنائی کہ آج ریاست کی ۸۰ فی صدی رعایا کو مہاجن لوگ دیوانی عدالتوں کے سامنے روز روشن میں خوار و ذلیل اور خستہ حال بنا رہے ہیں۔ وہ روشن خیال لوگ جو اپنے تئیں سورج کے قابل خیال کرتے ہیں ذرا ریاست جموں میں آئیں اور دیکھیں کہ انصاف کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ زمانہ فہمید حسابات ختم ہو گیا ایک دو کوڑی کے کسان پر بھی دو دو ہزار کی "انمول رتن" ڈگریاں دی گئیں اور اصراف ناجائز دو سال کی دربدری مقدمہ بازی۔ جاہل اور سادہ لوح مفلس زمیندار فرقہ اس کشمکش میں اتنا لوٹا گیا۔ اتنا برباد ہوا۔ اتنا ذلیل کیا گیا اور پھر دو دو ہزار کی مصدقہ رقومات قرضہ کے ڈگری پرچے اپنے خلاف بنوائے کہ خوفناک حالات عود کر آئے۔ **اب یہ حال ہے** کہ فہمید حسابات کے دعوے جات منجانب زمینداران ختم ہو گئے۔ اب ساہوکاروں نے ایک دم برخلاف کاشتکاران اتنی جلدی سے ہلہ بول دیا کہ علاقہ کے علاقے دیوانی مقدمات میں دھرے ہوئے عدالتوں کے سامنے لائے جا رہے ہیں اور ان پر بڑی بڑی رقومات کی اتنی خوفناک ڈگریاں کی جا رہی ہیں کہ اس قانون کے پہلے اتنی ڈگریاں کبھی بھی ہو نہیں سکتی تھیں۔ اکثر ساہوکار جماعتیں جب دیکھتی ہیں کہ حسابات میں از روئے

تحفظ زمینداره کچھ زمیندار کو واپسی دینی آئے گی مثلاً پچاس روپیہ واپسی دینا پڑے گی تو وہ فوراً اپنے حساب میں ایک سو کی رقم کا فرضی طور پر اضافہ کر دیتے ہیں۔ زمیندار اس رقم سے انکار کرتا ہے عدالت یہ نہیں دیکھتی کہ یہ فرضی رقم ہے بلکہ تنقیح ثبوت بذمہ ساہوکار کے قایم ہوتی ہے ساہوکار دو گواہ (خواہ اس کے بھائی یا رشتہ دار بسا اوقات خود بھی کیوں نہوں) پیش کر دیتا ہے اور فوراً ڈگری لیتا ہے آخر کار مجبوراً ایک قسط ضرور ادا کرنی پڑتی ہے لیکن اس میں بھی یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ وہ بصورت قسط شکنی یکمشت معہ سود ۱۲ فیصدی ڈگریدار پانے کا مستحق ہوگا یہ مسلہ ہے کہ وقت پر زمیندار سے یا خود دانستہ قسط لی نہیں جاتی یا مفلس سے ادا نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ دہ دہ ہزار یکمشت بذمہ زمینداران عاید ہو رہا ہے۔ زمیندار مفلس ہے اپیل کی طاقت نہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت خطرناک حالات رونما ہو رہے ہیں اور ساہوکاروں نے ایک کہرام مچا رکھا ہے اس کے علاوہ زمینداروں پر قرضے وصول کرنے کے لئے فوجداری مقدمات بنائے جارہے ہیں اور بہت نازک صورت ہو رہی ہے بس مجلس انتظامیہ سے درخواست ہے کہ وہ زمیندار رعایا کی دلجوئی فرماویں اور حسابات پر کوئی کمیٹی مقرر فرماویں۔ جسمیں زمیندار دوست ممبر بھی ہوں تاکہ جس غرض کے واسطے قانون بنا تھا وہ غرض اس سے پوری بھی ہو سکے۔ (کشمیرا)

کاشتکار اور ضروریات زندگی

باشندگان دیہات بالعموم کاشتکار ہوتے ہیں اور بلا مبالغہ ۹۵ فی صدی قرض کے باعث ساہوکار کے آہنی پنجہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ غریب کسانوں کی پریشانی، بے حالی اور تنگدستی کے واقعی اسباب گوناگوں اور پیچ در پیچ ہیں جن کا کماحقہ رفع کرنا اُن کے دست اختیار سے باہر ہے تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن کے تنزل میں ایک حد تک کم فہمی اور کاہلی کا بھی بالضرور دخل ہے دوسرے لفظوں میں ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ بیکسی و بےبسی کی حالت میں بھی بعض ایسی تدابیر ممکن ہیں کہ جن پر کاربند ہونیکا اگر عہد مستحکم ہو تو روزانہ حالت تبدیل ہونے سے کسی حد تک بتدریج بے فکری نصیب ہو جائے۔

یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جملہ اشیاء خوردنی بالعموم ہمارے ہی صوبہ میں پیدا ہوتی ہیں اور وہ بھی کاشتکار ہی ہیں جو تھوڑی سی زمین میں بہت سی قسم کی چیزیں پیدا کر لیتے ہیں جیسے تمباکو خوردنی و نوشیدنی۔ آلو۔ خشخاش۔ ہلدی۔ اجوائن۔ سونف۔ زیرہ۔ الائچی۔ خورد و کلاں۔ لونگ۔ سونٹھ مرچ سرخ سیاہ و سفید اب اُن کے نرخ پر غور کریں تو کیسی گراں ملتی ہیں۔ جو کسان سو بیگہ زمین کاشت کرتا ہے وہ بھی اتنی رقم حاصل نہیں کر سکتا۔ جس قدر یہ اشیاء کاشت کرنے والے بیس بیگہ زمین سے پیدا کر لیتے ہیں یہ سب چیزیں روزمرہ گھر گھر استعمال میں آتی ہیں اب ضرورت اس امر کی ہے کہ کس طرح ان کو بہم پہونچانے کی تدبیر عمل میں لائی جائے۔

کاشتکاروں کو یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ بجائے نہر کے حتی الوسع کنوئیں سے آبپاشی کریں۔ افسوس کہ کنوئیں عدم استعمال سے روز بروز خراب ہوتے جاتے ہیں حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ پُرانے کنوئیں محفوظ رکھے جائیں اور نئے بنوائے جائیں۔ کھیتی کے لئے پانی کا بندوبست مقدم ہے کنوئیں کا پانی نہ صرف بہتر ہوتا ہے بلکہ ہر وقت اختیار ہونے کے باوجود احتیاط سے لیا جاتا ہے۔ نہر کا پانی بسا اوقات وقت پر نہیں ملتا اور کل کمائی کھیتی کا ناس کر دیتا ہے۔ کمزور کسانوں کو بمشکل تمام ملتا ہے۔ پھر بالعموم بافراط دیئے جانے کے باعث زمین کو کمزور کر دیتا ہے پس ضروری ترقی کی بنیاد یہی ہے کہ آبپاشی میں سہولت ہو۔

وہ دن ابھی دور ہے جبکہ ساہوکاروں اور سرمایہ داروں کو اس کا احساس ہوگا کہ زرعی ترقی میں نہ بہ حیثیت مجموعی ہر قسم کی بہبودی کا خزانہ مخفی ہے اور تجارتی اور کاروباری نقطۂ نظر سے بہت بڑی منفعت کی گنجائش موجود ہے۔ کاش ملک میں ایسی کمپنیاں ہوتیں جو کنوؤں کی مرمت کراتیں

نئے بنوائیں انجن اور رہٹ لگوائیں نیز کھاد کی مختلف اقسام کے کارخانے کھولیں الحاصل غریب کسانوں
کو ہمت نہ ہارنی چاہیئے اور اُن کی اور اُن کے خیرخواہوں کو یہ طے شدہ پالیسی ہونی چاہیئے کہ حتی الوسع
چاہیے آبپاشی کو ترجیح کے ساتھ فوقیت دی جائے۔ آبپاشی کی سہولت ہونے پر ہی مذکورہ بالا اشیا
اور ترکاریاں نایاب نہیں اور شہروں میں بافراط مل سکتی ہیں آئے دن کی بیماریوں کا یہ بھی ایک
خاص سبب ہے کہ ترکاریاں نہیں ملتی اور جہاں ملتی ہیں وہ خراب اور ناقص ہوتی ہیں قیمتی چیزوں اور
پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت کے لیئے ہندوستان میں وسیع میدان موجود ہے۔

بہرحال موجودہ وخستہ اور ردی حالت میں بھی کچھ نہ کچھ ممکن ہے اور جس کاشتکار کے امکان میں
ہو اُس کو اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیئے ہر کسان اپنے اپنے حسب منشا، ایک ایک چیز کاشت کرے
پیداوار کو حسب ضرورت تبادلے کے وقت فروخت کر دیا جائے ہر چیز کا تخم ضرور رکھیں۔ بلکہ غلہ کا
بیج بھی گھر کا ہی ہو بیج سب سے مقدم اور ضروری چیز ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ مطلق خیال
نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی سمجھا جاتا ہے تو بس یہی منہ سے نکالتے ہیں اقرار تو کر لیتے ہیں مگر پھر کچھ نہیں بقول
"پنچوں کا کہنا سر آنکھوں پر مگر یاروں کا پرنالہ یہیں رہے گا" اشیاء مذکورہ بالا میں بہت سی ایسی
چیزیں بھی ہیں جن کے گل و برگ و بیخ بھی فروخت ہوتے ہیں۔

کاشتکاروں کی خانگی زندگی میں بڑا مرض ہے جس کا علاج کرانا پہلا فرض ہے جس چیز کی ضرورت
ہوتی ہے غلہ بیچ کر آتی ہے جس کی ردوبدل میں دیکھیئے کہ کس قدر خرابیاں ہیں اول تو نرخ میں علانیہ
فرق پھر وزن میں بالعموم کچھ نہ کچھ تفاوت غرض جو کچھ چیز خریدو گے۔ نرخ میں کم تول میں کم نفع
در نفع دس سیر کے نرخ میں دس سیر لیا جاوے گا۔ پھر اسی غلہ کو تم خریدنے جاؤ تو بمشکل ۹ سیر ملے گا
مالنوں سے ترکاری خریدتے ہیں تو وہ ناج برابر۔ مالنیں کبھی پیسے کی چیز نہ دینگیں وہ ایک روپے کے
دھرم کے چوگنے کرتی ہیں جبھی تو وہ بیگہ دو بیگہ زمین کاشت کر کے فارغ البالی سے زندگی بسر کرتی ہیں
جو کہ پچاس بیگہ کاشت کرنے والے کو میسر نہیں ہوتا۔ باوجود جاننے کے پھر پردۂ غفلت آنکھوں پر پڑا
ہوا ہے اور قرضہ کی شکایت کی جاتی ہے۔ آج نوٹس ہے کل نالش ہے پرسوں ڈگری ہے پھر قرقی اور گرفتاری
ہو کر بیٹھے گو رم کو رگھر میں لٹیا نہ ڈور عبرت! عبرت!! غیرت! غیرت!!

کاشتکاروں کو روغن گل۔ نمک۔ لوہا۔ ظروف۔ برنجی وغیرہ صرف چند ہی اشیاء کی احتیاط
بازار سے خریدنے کی ہے۔ مگر آج کل غریب گھروں میں بھی کوئی شے گھر کی نظر نہیں آتی بلکہ عام
... ہے کہ غلہ کو بلا وجہ کمتی بڑھتی فروخت کر کے خفیہ طور پر

اپنے پیسہ میں جمع کر لیتی ہیں مردوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ بد از وقت ہو تی بھی ہی۔ تو بے نتیجہ نتیجہ نہ ہونے یا بے اصول ہونے سے وہ اور بھی دلیر بلکہ شیر ہو جاتی ہیں کاش کفایت شعاری کا یہی طریقہ کچھ نتیجہ خیز ہوتا۔ تو چنداں ہرج نہ تھا۔ یہ پس انداز رقم زیادہ تر زیورات میں یا نمایشی اسوات میں برباد کردی جاتی ہو اگر کسی غریب بھائی کو پرچونی کی دوکان کھلوادی جائے۔ یا باہمی امداد کے اصول پر اشیاء ضروریہ کا ایک گودام یعنی ذخیرہ کھلوادیا جائے تو اکثر متعلقہ خرابیوں کا بہترین علاج ہو جائے۔ (ڈسٹرکٹ گزٹ علیگڑھ)

تنقید

کیمیا | یہ اسم باسمٰے رسالہ سید عشرت حسین صاحب کی ادارت اور جناب سید غالب صاحب کی سرپرستی اور نگرانی میں لکھنؤ سے شایع ہوا ہی۔ اس میں نہ صرف اصلاح تمدن و معاشرت۔ کفایت شعاری اور مالی ترقی کے متعلق عام مضامین دیئے گئے ہیں بلکہ صنعت و حرفت اور تجارت کے متعلق ایسے طریقے بھی بتائے گئے ہیں جو بیکاروں کو کام میں لگانے کاریگروں کو اُن کے کاموں میں مدد دینے، کارخانہ داروں کو کم خرچ میں زیادہ مال تیار کرنے اور سامان کے ہر جزو سے فائدہ اُٹھانے کا ذریعہ بہم پہونچا سکیں۔ اس پہلے پرچہ میں ۲۶ نہایت مفید مضامین دیئے گئے جن میں سے اکثر ایسے ہیں جو ملک کے مشہور اہل قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔ ضخامت ۸۰ صفحے اور لکھائی چھپائی عمدہ ہی اور قیمت سالانہ للعہ؍ ہی۔ اُمید ہی کہ یہ مفید رسالہ ملک میں نہایت مقبول ہوگا ملنے کا پتہ ۱۳۳ - ایبٹ روڈ - لکھنؤ۔

(ایڈیٹر)

تمدنی اور معاشرتی مسائل کا حل

اگر دیکھنا ہو تو آپ آنریبل جسٹس ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب جج ہائی کورٹ پریسیڈنٹ اجلاس شعبہ اصلاح تمدن آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مدراس کا خطبۂ صدارت ملاحظہ فرمایئے۔ جسمیں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اصلاح تمدن کے ہر پہلو پر بحث کی گئی ہی اُردو ترجمہ تیار ہی جو صرف ۱؎ کا ٹکٹ محصول ڈاک کیلئے بھیجنے پر ذیل کے پتہ سے بلا قیمت مل سکتا ہی المشتہر منیجر نظامی پریس بدایوں

ایک دلچسپ قصّہ

بہت دن ہوئے ایک چھوٹا غریب لڑکا تھا۔ اس کے ماں باپ مر گئے تھے۔ ماں باپ بھی بہت غریب تھے اس لیئے جب مرے تو اس کے لیئے کچھ نہ چھوڑ گئے۔ غریب لڑکے کے حصہ میں بس ایک مکئی کا دانہ آیا۔ یہی اُس کی ساری دولت تھی۔ یہی اس کا سارا مال۔ ماں باپ تو مر ہی چکے تھے۔ لڑکے نے سوچا گھر سے نکل چلو۔ دُنیا بڑی ہے۔ اور کہتے ہیں۔ خوب جگہ ہے۔ چلو ذرا ہم بھی گھوم پھر کر دیکھیں۔ اپنا مکئی کا دانہ ساتھ لیا اور چل کھڑا ہوا چلتے چلتے راستہ میں ایک بڑے میاں ملے۔ ان کی بڑی لمبی داڑھی تھی۔ لمبا کرتا پہنے تھے! اور بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ لڑکے نے کہا "دادا سلام"! "بیٹا جیتے رہو" بڑے میاں نے جواب دیا "کہو کدھر جاتے ہو" لڑکے نے کہا "سفر پر جاتا ہوں۔ اور اپنا سارا مال ساتھ لیئے جاتا ہوں۔ اور مال بس یہ مکئی کا دانہ ہے۔ کہیں کوئی چُرا تو نہ لے گا"

بڑے میاں کو لڑکے پر رحم آیا اور اُنھوں نے کہا "بیٹا۔ فکر مت کر۔ یہ مکئی کا دانہ تیرے ہاتھ سے تو نکل جائے گا لیکن نکل جانے دے۔ اس میں تیرا ہی بھلا ہوگا"

دن چھپتے چھپتے لڑکا ایک گاؤں میں پہونچا۔ ایک کسان کے در پر آواز دی اور کہا کہ مجھے اپنے ہاں ٹھہرالو۔ سونے کا وقت آیا تو اُس نے اپنا مکئی کا دانہ کھڑکی پر رکھ دیا اور کسان نے کہا "اچھا یہ میری ساری دولت ہے۔ کوئی چُرا تو نہ لے گا"؟ کسان بولا "بیٹا آرام سے سو جا۔ میرے گھر میں تمھارا کچھ نہ بگڑیگا"

جب صبح ہوئی اور سورج نے کھڑکی میں سے جھانکنا شروع کیا تو اُس کی روشنی مکئی کے دانہ پر بھی پڑی۔ مرغے میاں اِدھر اُدھر دانے ڈھونڈھتے پھر ہی رہے تھے۔ یہ مکئی کا دانہ جو چمکتا دیکھا تو جھٹ اُڑ کر کھڑکی پر پہونچے۔ اِدھر لڑکے کی آنکھ بھی کھڑبڑ سے کھل گئی۔ جھٹ کھڑکی کی طرف دیکھا کہ کسی نے رات کو دانہ چرا تو نہیں لیا۔ اُدھر نگاہ کی ہی تھی کہ میاں مرغ نے جھٹ سے دانہ نگل لیا۔ لڑکے نے رونا پیٹنا شروع کیا۔ کسان کو خبر ہوئی دوڑا ہوا آیا۔ لڑکے کو دلاسا دیا اور کہا "مرغے نے دانا کھا لیا تو کھا لینے دے۔ تو یہ مرغا ہی لے لے"

لڑکا بہت خوش ہوا اور مرغ کو ساتھ لیکر آگے سفر کیا۔ شام ہوتے ہوتے پھر ایک گاؤں میں پہونچا اور وہاں بھی ایک کسان کے گھر میں ٹھہرا۔ سوتے وقت کسان سے لڑکا بولا "یہ مرغا ہی لے دیکر میری ساری کمائی ہے۔ کہیں رات کو کوئی چُرا نہ لے جائے" کسان نے کہا "نہیں بیٹا۔ ایسا نہ ہوگا میرے

گھر میں تم کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا" مگر صبح ہوتے ہی مرغے میاں آنگن میں دانے چننے گئے۔ وہاں کسان کا مینڈھا بھی چر رہا تھا۔ اور چنے مٹر کے جو دانے پڑے تھے۔ اُن کو کھا رہا تھا۔ دانے کم تھے اور بھوک صبح کو ذرا تیز لگتی ہی ہے۔ مینڈھے نے جو دیکھا کہ یہ حضرت مُرغے صاحب ان تھوڑے سے دانوں میں بھی حصہ بٹانے آئے ہیں تو اُس نے اُن کا پیچھا کیا اور ایسی ٹکر ماری کہ جاکر کونے میں گرے۔ پھر اُٹھے۔ پھر ٹکر لگی۔ اور وہ بھی ایسی زور سے کہ بیچارے میاں مرغے ختم ہی ہوگئے۔ مرغے نے مرتے ہوئے جو چیخ نکالی تو لڑکا بھاگا ہوا آیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ بیچارہ مُرغا تو مرچکا ہے۔ پھر رونے لگا۔ کسان نے دیکھا تو کہا "بیٹا روومت۔ اس مینڈھے نے تیرا نقصان کیا ہے۔ جا یہ مینڈھا تیرا۔"

اب تو لڑکا بہت ہی خوش ہوا۔ اور مینڈھے کو ساتھ لیکر سفر پر چلا۔ سورج ڈوبتے ڈوبتے ایک گاؤں میں پہونچا اور پھر ایک کسان کے یہاں جاکر رہا۔ رات ہوئی اور سونے کا وقت آیا۔ تو پھر اسے وہی خطرہ پیدا ہوا کہ میری ساری کمائی بس یہ مینڈھا ہے کہیں کوئی چُرا نہ لے۔ کسان نے اطمینان دلایا۔ کہ یہاں چوری نہیں ہوتی۔ تم اطمینان سے سو رہو۔ یہ سو رہا۔ صبح مینڈھے صاحب کو بھوک لگی۔ وہ سامنے جہاں گائیں بندھی تھیں وہاں پہونچے اور گاؤں کے واسطے جو کھانے کے لئے کچھ رکھا تھا اس میں منہ مارہی تو دیا۔ ایک گائے تو دیکھ کر چُپ ہورہی۔ مگر وہ دوسری بڑی مرکھنی تھی۔ اس نے جو سینگ مارا تو پیٹ میں گھس گیا اور مینڈھے صاحب وہیں ٹیں بول گئے۔

اب تو لڑکے نے رو رو کر آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ کسان بیچارہ بھی بہت پشیمان ہوا۔ اور اس نے کہا کہ اچھا بھائی روتے کیوں ہو۔ یہ گائے تم ہی لے لو۔

اب تو میاں صاحبزادے پھولے نہ سماتے تھے۔ گائے کو لے آگے چلے۔ پھر دن چھپتے وقت ایک گاؤں میں پہونچکر ایک کسان کے یہاں قیام کیا۔ اور سونے سے پہلے وہی ڈر کہ کہیں کوئی میری گائے نہ چُرالے۔ کسان نے سمجھایا کہ دیوانے ہوئے ہو۔ یونہیں گائیں ہاتھ سے چلی جایا کریں تو ہم تو ایک ہی دن کے ہو رہیں۔ خیر لڑکا سوگیا۔ بی گائے کی شامت آئی۔ یہ صبح صبح گھوڑے کے تھان پر پہونچیں اور اس کی گھاس اور دانے پر منہ صاف کرنا چاہا۔ ایک مینڈھے کو مارہی چکی تھی اس لئے اپنی طاقت کا بڑا غرّہ تھا۔ بس گھسی چلی ہی تو گئی۔ گھوڑے نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جو دولتی جھاڑی ہے تو بی گائے کے پیٹ پر وہ چوٹ آئی ہے کہ بس وہیں لیٹ گئیں اور چلانے لگیں۔ اور بیچارہ لڑکا جبتک پہنچے یہ تو چل بسیں۔ لڑکے نے سر پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا شروع کیے۔ کسان غریب پریشان اور پشیمان تھا کہ غریب مہمان کی گائے مرگئی اُسے بڑا ترس آیا۔ اور اس نے کہا "نہیں پوت نہیں میرے گھر میں تمہارا نقصان نہ ہوگا۔ لو یہ گھوڑا تمہارا ہے۔ اور

لو یہ زین اور لگام بھی لو۔"
لڑکے نے فوراً زین کس اور لگام لگا گھوڑے پر سواری شروع کی۔ اور چلدیا کہ دُنیا بہت بڑی ہے
اور کتنے ہیں خوب بھی ہے۔ چلو ذرا اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو۔ (ماخوذ)

تجارت بذریعہ ڈاک

تجارت کرنے کے صرف دو طریقے ہیں:۔
۱۔ کسی خاص مقام پر باقاعدہ دوکان کھول کر مختلف قسم یا صرف ایک قسم کا مال اس میں رکھنا۔
۲۔ بغیر کسی قسم کی دوکان وغیرہ صرف بذریعہ اشتہار بازی مال فروخت کرنا۔
دوسرے طریقہ کا نام میل آڈر بزنیس یعنی "تجارت بذریعہ ڈاک" ہے۔
ظاہر ہے کہ کسی چیز کی دوکان کھولنے کے لیے ایک معقول سرمایہ کی ضرورت ہے۔ دوکان کی عمارت عمدہ ہو۔ شاہراہ اور بازار کے کسی مناسب موقع پر ہو۔ دوکان پر ہر قسم کا مال موجود رہے تاکہ خریدار واپس نہ جائے بہترین طریقہ پر اس کو آراستہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں مختلف ذرائع سے اشتہار بازی کرکے پبلک کو اپنی دکان کی خصوصیات سے آگاہ کیا جائے تب کہیں جاکر خاطرخواہ کامیابی ہوسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے کے لیے خاطرخواہ روپیہ کی ضرورت ہے۔ درانحالیکہ ہندوستانی خصوصاً مسلمان پیسہ پیسہ کو محتاج ہیں۔ ان کے پاس اتنا سرمایہ کہاں کہ ۴۰۔۵۰ روپیہ ماہوار کرایہ کی دوکان لیں ۳۔۴ سو روپیہ یکمشت اول بار اور ۵۰ سو ماہوار آرائش اور اشتہار بازی میں صرف کریں اور کم از کم ہزار دو ہزار کا مال دوکان میں رکھیں۔ اس جگہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت سی تجارتیں ایسی ہیں جن کی دکانیں سو دو سو روپیہ سے چل سکتی ہیں مثلاً سگریٹ پان کی دوکان۔ چار شربت کی دکان۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ کم از کم ایک شریف آدمی موجودہ فیشن کے مطابق اپنے وطن میں اس قسم کی تجارت کرنے کو تیار نہیں ہوسکتا کیا آپ یقین کرسکتے ہیں کہ ایک انٹرنس پاس شخص بازار میں سگریٹ پان بیچنا پسند کرےگا؟ مجھے تو یقین نہیں۔ میں نے متعدد بار خود دیکھا ہے کہ انگریزی پڑھے لکھے حضرات کو جب کہیں نوکری نہیں ملتی تو وہ تکلیف سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ دو دو تین تین روپیہ ماہوار پر لڑکوں کو پڑھاتے ہیں مگر سگرٹ پان چا شربت یا اس قسم کی دیگر چھوٹی دکانوں پر بیٹھنے پر راضی نہیں ہوتے حالانکہ جانتے ہیں کہ اس میں ملازمت سے کہیں زیادہ آمدنی ہوسکتی ہے۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگ جو تجارت کے ذریعہ سے خاطرخواہ روپیہ پیدا کرسکتے ہیں تمام عمر تکلیف سے گزار دیتے ہیں۔ کیونکہ سرمایہ کی عدم موجودگی سے بڑی دکان

وہ کھول نہیں سکتے اور چھوٹی دوکان کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

جن لوگوں کے پاس روپیہ ہے وہ زیادہ تر تو تجارت کا خیال تک نہیں کرتے اور کہنے سننے سے کسی قسم کی بھی تجارت کی بھی تو چند عرصہ کے بعد دوکان کے مال کے ساتھ اس کا فرنیچر تک نیلام ہوجاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بڑی دوکان چلانے کے لیئے تجارتی قواعد سے کماحقہ آگاہی اور تجربہ ازبس ضروری ہے تاوقتیکہ منیجر ہوشیار تعلیم یافتہ اور تجربہ کار نہو ایک بڑی دوکان کامیابی سے چل نہیں سکتی گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ بڑی تجارت کے لیئے ایک شخص یا تو باقاعدہ تجارتی تعلیم حاصل کرے یا چھوٹی تجارت سے رفتہ رفتہ ترقی کرکے کافی تجربہ حاصل کرے۔

برخلاف دوکانداری میل آڈر بزنس نہایت سہل۔ نفع بخش اور کم سرمایہ داروں کے واسطے بہترین طریقہ تجارت ہے۔ اس کے لیئے

(۱) تجارت کرنے کی کوئی جگہ محدود نہیں دُنیا بھر کے آدمی آپ کے مال کے خریدار ہوسکتے ہیں۔

(۲) اسی قسم کی تجارت چند روپوں سے بھی چل سکتی ہے اس لیئے غریبوں کے لیئے نہایت موزوں ہے۔

(۳) رقم دب جانے کا امکان تک نہیں کیونکہ خریدار پہلے مال کی قیمت ڈاکخانہ میں ادا کردیتا ہے اُس وقت اس کو مال ملتا ہے۔

(۴) کرایہ۔ آرائش دوکان اور اسی قسم کے دیگر اخراجات کی مد میں ایک کوڑی بھی خرچ نہیں پڑتی جس کی وجہ سے نفع کی مقدار بے انتہا بڑھ جاتی ہے۔

(۵) ملازمت پیشہ حضرات شب میں تجارت کا کام کرسکتے ہیں۔ نیز عورتیں تنہا آسانی سے تجارت کرکے روپیہ پیدا کرسکتی ہیں۔ (ہنرمند)

ایک تشریح

سودمند ماہ اپریل ۱۹۲۶ء کے صفحہ صابون سازی میں کاسٹک سوڈا کے متعلق درج ہے کہ سوڈا صاف و برادہ کی طرح ہونا چاہیئے جس سوڈے میں ڈلیاں ہوتی ہیں وہ اچھا نہیں ہوتا نمی کی وجہ سے ڈلیاں بن جاتی ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے کاسٹک سوڈا کے متعلق یہ فقرات غلط درج ہوگئے ہیں ورنہ حقیقتاً بہترین کاسٹک سوڈا ہمیشہ قلموں کی شکل میں ہوتا ہے اور اس کی یہ خاصیت ہے کہ نمی میں رکھنے کی وجہ سے رطوبت کو جذب کرکے وہ پانی بن جاتا ہے۔ مہربانی فرماکر اس کی تصحیح فرمادی جاوے تاکہ مغالطہ سے استعمال کنندوں کو نقصان نہ ہو

خاکسار ڈاکٹر ممتاز (از برلن)

صحت کے متعلق چند ہدایات

پانی پینا پانی پینے کے متعلق یہ ضروری ہے کہ ایک بار بہت سا پانی نہ پیا جائے۔ بالعموم ایک وقت میں ایک اوسط درجہ کے نصف گلاس سے زیادہ نہ پیا جائے اور اگر پیاس زیادہ ہو تو ٹھہر ٹھہر کر پورا گلاس پی لیا جائے۔

بعض لوگ گرمیوں میں زیادہ سرد پانی پیتے ہیں۔ یہ مضر ہے۔ انسان کا درجہ حرارت ۹۸ درجہ ہے اس اعتبار سے ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ ۷۰ درجے سے زیادہ سرد پانی نہ پیا جائے۔

اسی کے ساتھ گرم پانی بھی بجز بیماری کے نہ پینا چاہیئے۔ البتہ قبض وغیرہ میں خفیف گرم پانی مثل چائے کے پینا مفید ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے امراض اور جسمانی تکالیف میں گرم پانی پینے میں مضائقہ نہیں ہے۔ وجع مفاصل یعنی جوڑوں کے درد میں پانی بغیر پیاس کے بھی پینا مفید ہے۔ اور پانی میں کسی پھل کا عرق شامل کر لیا جائے تو خوش ذائقہ ہونے کے علاوہ مفید بھی ہے۔

جو لوگ کھانا کھانے میں جلدی کرتے ہیں اور چباتے کم ہیں انھیں بالعموم کھانا کھاتے وقت زیادہ پانی پینا پڑتا ہے جس کی وجہ سے کھانا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے جو لوگ خوب آہستہ آہستہ چبا کر کھانا کھاتے ہیں اُن کا لعاب دہن کھانا میں شامل ہو کر کھانا کو خوب حل و زود ہضم کر دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو پانی بھی زیادہ پینا نہیں پڑتا۔ اور ایسے لوگ کھانا بھی حد سے زیادہ مقدار میں نہیں کھاتے غرضکہ خوب چبا کر کھانا کھانے میں بہت سے فوائد ہیں۔

کھانا کھانے سے پہلے یا پیچھے کوئی سخت مشقت کا کام یا ورزش بھی نہ کرنی چاہیئے اُس سے خون میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور معدہ میں خون کم پہونچنے کی وجہ سے کھانا بلا ہضم پڑا رہتا ہے۔ اسی طرح سے غصہ کی حالت میں یا جلدی یا سخت تردد میں کھانا نہ کھانا چاہیئے۔ جب تک سکون نہ ہو اور طبیعت کو اچھی طرح سے کھانا کی طرف متوجہ نہ کر لیا جائے۔

اجابت باقاعدہ اجابت ہونے کے متعلق حسب ذیل امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:-

(۱) یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ دن میں دو تین بار اجابت ہو۔

(۲) جب اجابت ذرا بھی محسوس ہو تو فوراً بیت الخلا کو جانا چاہیئے۔ ذرا سی دیر ہونے سے فضلہ آنتوں میں لوٹ جاتا ہے اور وہاں سمیت پیدا کرتا ہے۔ دس پانچ منٹ کا وقفہ بھی مضرثابت ہوتا ہے۔

(۳) صبح اٹھکر بیت الخلا جانے کے علاوہ ہر غذا کے بعد فضلہ خارج کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(۴) بیت الخلا میں اتنی دیر بیٹھنا چاہیئے کہ فضلہ اچھی طرح سے خارج ہو جائے۔

(۵) بعض وقت بیت الخلا سے نکلنے کے بعد قدرے اجابت محسوس ہوتی ہے اُس وقت دوبارہ جانا چاہیئے اور اس میں تعویق نہ کرنی چاہیئے۔

(۶) ہر کھانہ میں کچھ ملیّنات کھانی چاہئیں۔

(۷) اوقات معین پر کھانا چاہیئے بشرطیکہ خوب بھوک لگی ہو۔ اور ثقیل غذاؤں سے پرہیز کرنا چاہیئے

(۸) کبھی کبھی صرف دودھ یا پھل کو پورے دن کی غذا بنانا چاہیئے۔

(۹) موسم کے اعتبار سے اچھی طرح خوب پانی پینا چاہیئے۔

(۱۰) معدہ کی ورزشیں اور لمبے سانس کی ورزشیں کرنی چاہئیں۔

(۱۱) ڈھیلے کپڑے پہننے چاہئیں۔

(۱۲) جب ضرورت محسوس ہو صبح کے ناشتہ کے بعد غسل لینا چاہیئے پانی کی مقدار ۳ سیر ۸۰ درجہ کی حرارت پر ہو۔ (ایڈیٹر)

بڑا جہیز

ایک ہندو کی لڑکی اور ایک مسلمان کی لڑکی کی حالت میں جو بین فرق ہے ہم کو یہ فرق ہرگز فراموش نہ ہونا چاہیئے یعنی شادی کے بعد ہندو کی لڑکی تو اپنے شوہر کے خاندان میں منتقل ہو جاتی ہے اور موروثی جائداد پر اُس کا کوئی دعویٰ باقی نہیں رہتا۔ پس ایسی لڑکی کو اگر زیادہ جہیز دیا جائے تو قرین انصاف ہو سکتا ہے کہ بس اب یہی وہ آخری حصہ ہے جو اُسے اپنے باپ کی جائداد سے مل رہا ہے۔ لیکن اس کے خلاف مسلمان کی لڑکی کا یہ حال ہے کہ شادی کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے خاندان کی رکن رہتی ہے اور بھائیوں کے مقابلہ میں والدین کے متروکہ میں حصہ دار ہوتی ہے۔ وہ اپنا پہلا حق کھو نہیں بیٹھتی بلکہ اس کو ایک دوسرا حق اور پہونچتا ہے یعنی شوہر کی جائداد میں بھی وہ حصہ پاتی ہے چنانچہ کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہندوؤں کی مساوات سے مسلمان لڑکی کو کثرت سے جہیز دیا جائے۔ اور اس کثرت سے دیا جائے کہ وہ باپ کی حیثیت سے بہت زیادہ ہو۔ خوش نصیبی سے مسلمانوں میں دولھن کے باپ سے تاوانی مقدار میں جہیز طلب کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔ نہ ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ دولھا کے واسطے سب سے زیادہ نیلامی بولی بول کر اس کو نیلام میں گویا خرید لیا جائے۔ لیکن بایں ہمہ بڑے بڑے جہیز دینے کا رواج موجود ہے۔ یہ رواج قطعی غیر ضروری ہے جس سے شادیوں کے مصارف بہت بڑھ جاتے ہیں۔

(ماخوذ از خطبہ صدارت ڈاکٹر شاہ محمد سلیمان صاحب)

سود مند بدایوں
۳۰۰
جولائی ۱۹۲۰ء
گھڑیوں کی مرمت
ہم نے ہر قسم کی گھڑیوں کی مرمت کا انتظام اپنی نگرانی میں کیا ہے جو صاحب اپنی گھڑیاں قابل اطمینان طور
پر درست کرانا چاہیں وہ گھڑی بھیجکر اجرت دریافت فرمائیں
المشتہر نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں (یو-پی)
حیرت انگیز رعایت
پندرہ روپیہ کی تین گھڑیاں صرف دس روپیہ میں
آپ کے لیئے
آپ کے لڑکے کے لیئے
بیوی کے لیئے
ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ
مشہور عالم ٹائم پیس جرمنی میڈ
قابل دید گولڈن رسٹ واچ
یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف
دس روپیہ میں بھیجی جائینگی یہ رعایت فقط
مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے
ہے اور یہ رعایت اُسی وقت تک رہیگی جبتک گھڑیاں
اسٹاک میں ہونگی اس کے بعد ہم تعمیل کے ذمہ دار نہیں۔ آپ
فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہوجائے
اور آپکی فرمایش کی تعمیل نہ ہوسکے۔
نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدار کیلئے کوئی رعایت
نہیں ہے اُن سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجائے گی
اور محصولڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُنکو ادا کرنا ہوگا۔
ملنے کا پتہ۔ امریکن واچ ہوس اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی مقام دہلی

دِی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

(ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہی)

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دیکر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لیے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی پر ہر قسم کے خطرہ سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے۔

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ پانچ لاکھ روپیہ کا کل سرمایہ بے ضرر ہی کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا اردو پراسپکٹس جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمایئے

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دِی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۲ ڈلہوزی اسکوئر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہی:-

"بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہی ہر مرد و عورت اور بچہ کا، ہر مکان اور سواری کے جہاز و کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہی جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہی اور چونکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہی جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہی کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش اور اپنے پسماندگان کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لیئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔"

مسلمانوں کے لیئے ان کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہی۔ یہ ہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک سود منتظم نے خاص طور پر شایع کرایا ہی ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سودخواروں کے پنجہ سے نجات دلانے۔ بنک کالین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں ان کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رکھی گئی ہی تاکہ لوگ خرید کر تقسیم بھی کرسکیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث۔ یعنی خطبہ صدارت جو مولوی اکرام عالم صاحب وکیل بی اے نے سود مند کانفرنس منعقدہ فرخ آباد سنہ ۱۹۲۶ء میں پڑھا تھا قیمت ۲ر

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۸ر

کشف الغطاء عن وجہ الربوا مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو اسحٰق حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کرکے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہی ایک کالم میں عربی لکھا ہے اور دوسرے میں اردو ترجمہ قیمت ۳ر

رسالہ جواز سود مع فتاوے جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علمار کے فتووں کا مجموعہ قیمت ۱ر

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہی جس میں مسلمانوں کو اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں قیمت ۱ر

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیئے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہی کہ بیمہ کرانے کے کیا قواعد ہیں قیمت ۱ر

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان مصنفہ سید طفیل احمد صاحب ایم۔ ایل۔ سی علیگ بڑی محنت و جانفشانی سے لکھا گیا ہی اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو از بس ضروری ہی قیمت ۵ر

مسئلہ سود کے متعلق فتوے اور سود مند کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز سود مند کانفرنس دہلی واقع سنہ ۱۹۲۶ء میں جو تجاویز منظور ہوئی تھیں ان کا مجموعہ مع ان فتووں کے جو مسئلہ سود کے متعلق ابتک دیئے گئے ہیں ۱ر

کل کتابوں کا محصول بذمہ خریدار رہیگا

ملنے کا پتہ نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں یو۔پی

سودمند میں
اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اُٹھائیے

✡ شرح اجرت اشتہار ✡

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۴ روپیہ
چوتھائی صفحہ	۲ روپیہ ۸ آنہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر ۶ آنے				

☞ کیا یہ صحیح ہے ☜

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے **آپ** سستی گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اُٹھا چکے ہیں **آپ** پچھلی سال ادنی چاندی کی قیمتی گھڑی لگا چکے ہیں **آپ** اپنے کام پر روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہونچتے **تو** فوراً ہماری اصلی ریلوے ریگولیٹر جیسی گھڑی جس پر کارخانہ کی اصلی مہر کھدی ہوئی ہے اور ڈائل پر ایکس کی تصویر بنی ہے منگالیجئے اس کارخانہ کی گھڑیوں کی پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں تین بالکل سکتا اور تین برس کی گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا

اور مدرسین سے صرف ۳ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہی آرڈر بھیج دیجئے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ — نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو - پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد نظام الدین ایف ار ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و بدحالی کی مصیبت سے نجات دلائیں –

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام طور سے سود بہت کم ہو، لوگوں کو سود دینے اور حرام سے بچا دے –

(۳) فضول اور بیہودہ رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا –

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا –

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا –

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سالانہ چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے – ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے –

(۲) سودمند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے – اسلئے جو پرچہ نہ پہونچے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئیے اس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی –

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجی جائے یا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے –

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئیے ورنہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ وار نہیں –

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے –

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ وہ خریداری نمبر نہیں ہے –

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائیگی –

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے –

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچادینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہیگا – مستقبل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے –

المشتہر :— منیجر سودمند بدایوں

سودمند بدایوں

سنہ ۱۳۳۸ھ

فہرست مضامین

سو د منبد ایوں

۲
کاشتکار اور سود کا جال

سن ای پیارے دہقاں فقط ایک تو ہی — جو ہر باغ میں باعث رنگ و بو ہی
جو سیراب کرتا ہی دُنیا کے پودے — وہ تیرا پسینہ ہی تیرا لہو ہی
تری آبرو ہی مشقّت سے جینا — کہ تیری مشقّت بھی با آبرو ہی
جو ہر طرح کامل ہی بہر عبادت — وہ تیرا تیمّم وہ تیرا وضو ہی
تری قلبیہ ای کے سو بار صدقے — کہ تو فطرتاً عامل جاھدوا ہی
بجا ہی یہ سب کچھ مگر وائے قسمت — کہ پامال تیری ہر اک آرزو ہی

پناہ تو نے جس بھوکے بنئے کو دی تھی — دغا کی رہی اس کی سب گفتگو ہی
تجھے سود در سود میں اُس نے جکڑا — اب اُس کی چھُری اور تیرا گلو ہی
وہی پھر بھی تیرے پھنسانے کی خاطر — ترے چاک دامن کو کرتا رفو ہی
خدا کے لیئے اب تو دہقاں سنبھل جا — سمجھ رکھ کہ سب کا وسیلہ ہی تو ہی
نمود و نمائش میں ناحق نہ لُٹ جا — کہ فرمانِ رزّاق لَاتُسْرِفُوْا ہی
جہالت نے رُسوا کیا تجھ کو ورنہ — حقیقت میں عزت کا حقدار تو ہی

سہارا ہی دنیا کا محنت پہ تیری
گذارا مگر تیرا لا تقنطو ہی

(اقتباس از دیہاتی)
جھنگ

دھرم سالے اور مسافر خانے

ایسٹ انڈین ریلوے کے ٹائم ٹیبل کے آخر میں لاین مذکور پر جس قدر دھرم سالے اور مسافر خانے بنے ہوئے ہیں اُن کی فہرست دی گئی ہے۔ اُس فہرست میں کلکتہ سے لکیر کا لکا تک اور اس کی شاخوں پر کل دھرم سالوں اور مسافر خانوں کی تعداد ۳۱۰ تحریر ہے۔ اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱۰ میں سے کل ۷ مسافر خانے مسلمانوں کے ناموں سے منسوب ہیں باقی کل ۳۰۳ اہل ہنود کے دھرم سالے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس فہرست میں کچھ غلطی ہو اور مسلمانوں کے کچھ مسافر خانے درج ہونے سے رہ گئے ہوں مگر غلطی زیادہ سے زیادہ دو چار کی ہوسکتی ہے۔ نہ کہ سو پچاس کی۔ مسلمانوں کے قیامگاہوں کی کمی سے دو نتیجے نکلتے ہیں اول یہ کہ مسلمانوں کی مالی حالت کمزور ہونے سے اُن کے مسافر خانے نہیں بنتے۔ جب افلاس کی وجہ سے مسلمان اپنے آبا و اجداد کے بنائے ہوئے مکانات تک کی مرمت نہیں کرا سکتے تو اُن میں عوام الناس کے لیئے قیام گاہیں بنوانے کی گنجایش کیسے ہوسکتی ہے۔ مگر دوسرا امر جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اب شہروں میں مسلمانوں کے قیام کا ٹھکانا بھی نہیں رہا۔ اہل ہنود کے لیئے جو مسافر خانے بنائے گئے ہیں وہ اوسط درجہ کے شہروں میں متعدد ہیں۔ اور بڑے شہروں میں تو اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے مثلاً الہ آباد میں ۳۲ بنارس میں ۲۹ کانپور میں ۲۲ دہلی میں ۱۷ ہیں اور بالعموم وہ اس قدر بڑے ہیں کہ اُن میں صدہا آدمی ایک وقت میں ٹھہر سکتے ہیں مثلاً بعض دھرم سالوں میں چار سو اور پانسو مسافر ٹھہر سکتے ہیں حتیٰ کہ ایک میں ۱۰۰۰ کے قیام کی گنجایش ہے۔ اس کے علاوہ اکثر دھرم سالے نہایت آرام دہ اور مکلف ہیں اور اُن میں خوشحال لوگ اچھی طرح ٹھہرتے اور ٹھہر سکتے ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ اہل ہنود کے قیام کا انتظام ہر بڑے شہر میں مفت ہوسکتا ہے۔ برخلاف اس کے مسلمانوں کے لیئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ یا تو وہ سرایوں میں جائیں ورنہ ہوٹلوں میں ٹھہریں جہاں کے اخراجات زیادہ ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے اِس زمانہ میں جس نسبت سے مسلمانوں میں افلاس زیادہ بڑھ رہا ہے اُسی نسبت سے اُن کے اخراجات میں اضافہ ہے۔ پہلے زمانہ میں اچھے اچھے خوشحال مسلمان اور رؤسا بلا تامل سرایوں میں جاکر ٹھہرتے تھے مگر اب متوسط الحال بلکہ مفلوک الحال مسلمان بھی ہوٹلوں ہی کو تلاش کرتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب ہوٹل والے کا بل ادا کرنے کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جائیں اور چلتے بنیں۔ ہوٹلوں میں زیادہ ٹھہرنے کے رواج کی

وجہ سے اب سراؤں کی حالت بھی خراب ہوگئی ہی اور اُن میں بالعموم گھوڑے ٹٹو اور بیل گاڑیاں زیادہ ٹھہرتی ہیں جن سے سرائے غلیظ رہتی ہی اور وہاں کا قیام تکلیف دہ ہوتا ہی۔ غرضکہ اب مسلمانوں میں دولت کم ہوتے جانے سے طرح طرح کی مشکلات بڑھتی چلی جاتی ہیں اور سب کا واحد حل یہ ہی کہ مسلمانوں کے افراد اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ بچا کر نفع آور کاموں میں لگائیں۔ (ایڈیٹر)

بائیس۲۲ روپیہ چھبیس۲۶ لاکھ

سود کے بڑھنے کے یوں قصے تو بہت کثرت سے مشہور ہیں مگر جب یہ قصے کسی عدالتی فیصلہ کی بنا پر شایع کئے جاتے ہیں تب وہ بطور واقعہ کے سمجھے جاتے ہیں۔ ہر شخص کے اپنے گردوپیش دیکھ سکتا ہی کہ غریب مزدوروں اور کاریگروں کو کس شرح پر سودی روپیہ ملتا ہی اور ایک مرتبہ وہ کسی سے قرض لیکر مدت العمر کے لیئے وہ کس طرح اُس مہاجن کے غلام ہو جاتے ہیں مگر چونکہ اکثر واقعات اخبارات میں نہیں آتے اِس لیئے کسی کو اس طرف خیال بھی نہیں آتا۔ حال میں بنگال کے ضلع چاندپور کا جو ایک قصہ اخبارات میں گشت لگا رہا ہی وہ یہ ہی۔

چاندپور کے منصف صاحب کی عدالت میں ایک مہاجن مسمی چندر سہائے نے فقیر الدین پر دعویٰ کیا دعویٰ یہ ہی کہ مدعا علیہ نے مدعی سے ۲۲ مئی ۱۹۰۹ء کو ایک تمسک کفالتی تعدادی مبلغ بائیس۲۲ روپیہ کا لکھا جس کی شرح سود دس فیصدی قرار پائی تھی اور چھ ماہ گزرنے پر سود ادا نہ ہو تو سود در سود لگایا جائے جنوری ۱۹۲۲ء کو یعنی ۱۳ سال میں سود کی رقم ۲۶ لاکھ اور ۴۰۸ روپیہ ہوگئے۔ مگر مدعی نے اس رقم میں سے ۲۵،۹۹،۷۰۸ روپیہ سے دست برداری دیدی اور صرف ۷۰۰ روپیہ کی ڈگری ہو جانے کے لیئے نالش کی۔ بالآخر فریقین ۱۳۴ روپیہ پر رضامند ہوگئے اور اس رقم کی ڈگری مدعا علیہ پر ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہی کہ مہاجن اس معاملہ کو ختم کرنا چاہتا تھا ورنہ عام طور پر تو یہ ہوتا ہی کہ کچھ رقم وصول کرکے باقی ماندہ کی دستاویز یا رقعہ لکھا لیا جاتا ہی اور پھر مدت العمر کے لیئے مدیوں کما کما کر مہاجن کو دیتا رہتا ہی اور تب بھی قرضہ بجائے گھٹنے کے بڑھتا چلا جاتا ہی۔ اس قسم کی مصیبتوں سے نکلنے کا علاج اگر ہو سکتا ہی تو وہ یہ ہی کہ انجمنہائے امداد باہمی قایم کرکے اُن میں شرکت کیجائے۔ (ایڈیٹر)

مکھی کی دشمنی

مکھی ہی تو ننھا سا جانور لیکن انسان کی جان کا دشمن ہی کیونکہ یہ ہمیں معلوم ہی کہ متعدی امراض کے جراثیم بیشتر مکھیوں کے ہی ذریعہ سے دوسروں پر اثر کرتے ہیں۔ حال ہی میں کلاں نما شیشے کی مدد سے مکھی کی نسبت یہ بھی تجربہ کیا گیا ہی کہ ٹائی فائڈ (میعادی بخار) کے جراثیم ایک مکھی میں قریب قریب ستر لاکھ کی تعداد میں موجود تھے۔

صِغرسنی کی شادی

(جناب مولوی محمد اعجاز حسین صاحب کا مراسلہ ذیل میں درج کیا جاتا ہی۔ جناب موصوف نے نہایت دلسوزی اور درد مندی سے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہی جو نہایت قابل قدر ہی۔ میں نہایت خوشی سے موصوف کے خیالات کو ناظرین سود مند کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اُمید کہ اور اصحاب بھی اپنے خیالات سے رسالہ کو عزت بخشیں گے۔ ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب مخدوم و محترم آپ کے رسالہ سود مند میں ابھی بار "موجودہ دہریت کی رو" کے عنوان سے جو مضمون چھپا ہی اُس کو میں نے پڑھا میں آپ کے ادب اور احترام صمیم قلب سے اقرار کرکے آپ کی رائے سے جو آپ نے صغرسنی کی شادی کے متعلق ظاہر کی ہی اختلاف کرتا ہوں۔ آپ نے صغرسنی کی شادی کو بُرا خیال کیا ہی مگر یہ نہیں لکھا کہ صغرسنی سے کیا مراد ہی اگر اس سے حالت طفلی (جو حد بلوغ کو نہ پہنچے) مراد ہی تو وہ از روئے قانون معاشرت بلکہ فطرت مناسب نہیں ہی لیکن اس کو قانون کے زور سے نامناسب سمجھ کر ممنوع کرانا ہرگز قرین مصلحت نہیں ہی بعض اوقات بعض لوگوں پر ایسی حالت گزرتی ہی کہ وہ مصالح خاندانی کو خیال کرکے حالت صغرسنی میں نکاح کرا دینا مناسب سمجھتے ہیں ماسوا بعض اس سے فائدہ بھی خاندان کو پہنچتا ہی سب سے بڑھ کر یہ کہ شرع میں جب اس کا جواز ہی اور باپ دادا ولی جائز قرار دیئے گئے ہیں مع ہذا اس کی مثالیں بہت کم ہیں عامۃ الناس میں جو چھوٹی امت کہلاتے ہیں ان میں اس کا رواج ہی مگر دن بدن کم ہوتا جاتا ہی اس کے علاوہ اس کا رواج اتنا نہیں ہی جس کو قریب سات کروڑ مسلمانوں کی آبادی کا خیال کرکے زیادتی کے ساتھ تعبیر کرسکیں یہ حالت صغرسنی کی ہوئی اب حد بلوغ کے پہونچنے پر شادی کو خیال کیجئے تو اس کو روکنا کسی طرح قرین صواب نہیں ہوسکتا اِس زمانہ میں جبکہ ہر بات میں ہر کام میں فطرت کا راز اور اُس کا اقتضا ڈھونڈا جاتا ہی یہ کوشش ہوتی ہی کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ فطرت کا کیا حکم ہی اور اس کا مقتضا کیا ہی کہ اُس کے مطابق عمل کیا جائے تو جب فطرت نے کسی کو نابالغی کی حالت سے نکالکر بالغ اور قابل نسل کشی کے بنا دیا ہم آپ کون اس کے روکنے والے یہ صریح فطرت کے خلاف ہی۔ باقی رہا حد بلوغ کا اندازہ کرنا تو یہ ہر ملک کی طبعی حالت پر منحصر ہی یورپ میں چودہ برس کا لڑکا قابل زنا کے نہیں سمجھا جاتا ہندوستان میں اس عمر کے لڑکے جوان ہوتے ہیں شادی ہونے پر اکثر صاحبِ اولاد بھی ہو جاتے ہیں لڑکی بارہ برس کی عمر میں عموماً قابل

شادی کے ہوجاتی ہیں اس لیئے مرد کو ۱۴ برس کی عمر میں اور عورت کو بارہ برس کی عمر پہنچنے پر شادی سے
روکنا قانون کے زور سے قطع نظر اس کے کہ شرع میں دخل دینا ہی فطرت کے حکم کو بزور باطل کرنے کی کوشش
کرنا ہی آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس بات کا فخر ہی کہ وہ ایسے مذہب کے پیرو ہیں جو فطرت انسانی
کے مطابق ہی پھر ایسی حالت میں جن باتوں کا شرع کی روسے جواز ثابت ہی اس کو ممنوع قابل سزا
جرم بنانے کی سعی کرنا اپنے دعوے اور فخر کو جھوٹا کرنا ہی آپ یقین کیجئے کہ جن چیزوں کا جواز شریعت اسلام
میں ہی گو فرض و واجب نہیں مگر کسی نہ کسی وقت میں کسی شخص کے لیئے وہ بہت مفید ثابت ہوتا ہی اور
وہ فعل جائز و مباح مثل فرض و واجب کے واجب التعمیل ہوتا ہی اس لیئے کسی فعل جائز و مباح کو
حرام یعنی ممنوع قانوناً بنا دینا نادانی کی بات ہوگی۔ قانون شریعت کا فطرت کے مطابق ہی وہ نہیں
بدل سکتا جس کسی کو نقصان پہونچا ہی وہ اس کے فعل سے پہونچا ہی اس میں شریعت اسلام کا قصور
نہیں اب و غذا وغیرہ بہت سی چیزیں شرط زندگانی وصحت جسمانی کے لیئے ضروری ہیں بسا اوقات
غذا ضرر کا باعث ہوتی ہی پانی پینے کی طبیب اجازت نہیں دیتا تو کیا کسی مریض کی بے احتیاطی کے
خوف سے سرے سے ہر شخص کے لیئے آب و غذا کو حرام کر دینا کونسی عقلمندی کی بات ہوگی۔ آپ لکھتے ہیں
کہ بارہ برس کی کم عمر عورت سے ہمبستری کرنا جرم فوجداری کا ہی ایسی مداخلت مذہب میں ڈیڑھ سو
سال سے ہو رہی ہی جب کہ قانون تعزیرات ہند پاس ہوا۔ اول تو ڈیڑھ سو برس قانون تعزیرات
پاس ہونے پر نہیں گزرا اس کے علاوہ مجھے خیال آتا ہی کہ پہلے دس برس کی عمر کی قید تھی اس کے بعد
بارہ برس کی عمر کی قید ہوئی اس کو ہرگز شرع میں دخل دینا نہیں کہہ سکتے تفصیل اس کی طول ہوگی
اس لیئے ایک اور رُخ اس کا پیش کرتا ہوں جو شاید آپ نے خیال نہیں کیا ہو یا خیال کیا ہو تو اس کو
ضروری نہیں خیال کیا۔ بہر حال میں عرض کرتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ فقہ کی کتاب الاقرار کی وجہ سے کتنے
ولد الحرام مجہول النسب لڑکے صاحب نسب قرار دیئے گئے خیر اس سے چنداں نقصان نہیں پہونچا
کیونکہ چند مجہول النسب معلوم النسب و شریف نادہ بن گئے اُن کی تعداد تھوڑی ہوگی لیکن اُس وقت
کیا ہوگا جب خدا نخواستہ وہ قانون پاس ہو جائے گا جس کی تائید آپ اور جناب مولوی یعقوب
صاحب بالقابہ کرتے ہیں اُس وقت یہ حالت ہوگی کہ نکاح تو باطل نہیں ہوگا کیونکہ شرع اسلام سے ہوگا
جواز ثابت ہی عاقبت میں جوابدہی یا رسوائی کا تو خوف ہوگا نہیں لیکن قانون کے خوف سے نکاح
پوشیدہ ہوگا کوئی شخص ظاہر نہیں کرے گا ایسی حالت میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں ولد الحلال معلوم النسب
لڑکے لڑکیاں ولد الحرام اور مجہول النسب بن جائیں گے کیونکہ صاحب نکاح اس بات کو ظاہر کرنے سے

رہے وہ تو جیتے جی اس کو سزا کے خوف سے کبھی ظاہر کرنا نہیں چاہیں گے کیا آپ یقین کرتے ہیں کہ کوئی
مسلمان ایسا دلیر اور جرأت والا ہوگا جو نکاح مطابق شرع لیکن خلاف قانون کر کے بجائے ہنسی خوشی
اڑانے کے جیل خانہ کی ہوا کھانے کو خود چلا جائے گا۔ بعد سزا کے بیوی سے ملے گا آپ غور فرمائیے بڑا
مفسدہ پھیلے گا۔ شریعت کو جس طرح مولوی لوگ تنگ کرتے ہیں اس کی شکایت آپ کو کیا سب کو ہے
لیکن انگریزی تعلیم یافتہ حضرات جس طرح بے پروائی کے ساتھ اس تنگ دلی کو دور کرنے کی کوشش کرتے
ہیں وہ زیادہ نقصان رساں ہے خدا ایسے افراط و تفریط سے بچائے بیشک ہزار برس کی فقہ مدون ہے لیکن
اسکو ہزاروں علما نے غور و خوض کے بعد تیار کیا ہے اس میں غلطیاں بھی ضرور ہیں لیکن ان غلطیوں کی
اصلاح کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دو چار شخص اس کی اصلاح کریں گو وہ علوم عربیہ سے واقف بھی ہوں ممکن ہے کہ جو بات
ان کے خیال میں آئے وہ صحیح نہ ہو آپ اجتہادات میں غلطی نکال سکتے ہیں لیکن جن امور کا جواز نص سے
ثابت ہے اس کو الٹ پھیر نہیں کر سکتے۔ اصل یہ ہے کہ جن لوگوں کو درد اسلام کا ہے اور مسلمانوں کی پستی اور
جہالت کا رنج ان کے دل کو افسردہ رکھتا ہے اور خدا کے فضل سے ایسے لوگوں کی تعداد جدید تعلیم یافتہ
لوگوں میں باعتبار قدیم تعلیم یافتہ لوگوں کے بہت زیادہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں
کی قوم جہالت اور پستی اور ذلت سے نکلے بیشک ایسے جدید تعلیم یافتہ بزرگوں کا بڑا احسان عام مسلمانوں
پر ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ جس طرح مولوی لوگ کھینچ تان کر ہر بات کو مذہب سے ملا دیتے ہیں اسی طرح
بعض اوقات یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ کھینچ تان کر اس کو سیاست سے متعلق کر کے شریعت سے الگ کرنے
کی کوشش کرتے ہیں میرزا غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے

بگزر ز سعادت و نحوست کہ مرا ناہید بغمزہ کشت و مریخ بہ قہر

یورپ میں جب کوئی بات اصلاح قوم کے لئے مفید ہوتی ہے تو اس کو قانون کے زور سے رواج دینا چاہتے
ہیں آپ نے ایک انگریز ماہر سیاسیات کا قول نقل بھی کیا ہے مگر ہندوستان اور یورپ میں آسمان زمین
کا فرق ہے اس کے علاوہ یہ بھی خیال فرمائیے کہ وہاں یعنی یورپ میں جب ایک جماعت کسی بات کو مفید سمجھ لیتی ہے
اور بعد بحث و مباحثہ کے اس پر دل اُن لوگوں کا ٹھہر جاتا ہے اور کسی طرح کا نقص اس میں نہیں سمجھا جاتا تب اس کو جاری
کرانے کی بزور قانون کوشش کرتے ہیں یہ بات ہندوستان میں کہاں۔

میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ براہ کرم اس تحریر کو ملاحظہ فرمائیں گے بہتر ہے کہ ناظرین سودمند کے ملاحظہ
کے لئے اس کو درج فرمائیں تا کہ اُن کو بھی رائے زنی کا موقع ملے اور اپنی رائے بھی جو کچھ ہو اس سے ناظرین کو آگاہ
کریں میں آپ کے رسالہ سودمند کو نہایت مفید سمجھتا ہوں اور اکثر آپ کی تحریرات پر عمل کرنے کی کوشش

ہندوستان کی اقتصادی حالت پر سر ابراہیم رحمت اللہ کے خیالات

ہندوستانی صنعتی اور تجارتی کانگریس کا خطبۂ صدارت

(نمبر ۳)

کمیشنوں کا تقرر ہر ایک مہذب گورنمنٹ اپنا اولین فرض اپنی رعایا کے اقتصادی وسائل کو بڑھانا اور اس کے قومی سرمایہ کو ترقی دینا سمجھتی ہے۔ سچ ہے کہ گورنمنٹ ہند نے اس ملک کے اقتصادی مفاد کو ترقی دینے کے لیے گاہے ماہے کچھ کوششیں کی ہیں اس نے اس سوال کے مختلف پہلو جانچنے کے لیے کئی کمیشن مقرر کیئے چنانچہ ہمارے یہاں ایک انڈسٹریل کمیشن۔ ایک ریلوے کمیشن دو کرنسی و ایکسچینج کمیشن ایک فسکل کمیشن مقرر ہوچکے ہیں اور اب ایک زرعی کمیشن مقرر ہوا ہے۔

اقتصادی مسئلہ اُن مضامین میں تقسیم ہوسکتا ہے جو ان کمیشنوں کو تحقیقات اور معائنہ کیلیئے سپرد کیئے گئے ہیں لیکن اس مسئلہ کی جزوی تحقیقات سے ان کمیشنوں کا کسی قابل اطمینان نتیجہ پر پہونچنا اور وسیع اقتصادی پالسی کا قایم ہونا قطعی ناممکن ہے۔

زراعت و صنعت ہر ایک ملک کی معدنی دولت کے علاوہ آمدنی کا خاص وسیلہ زراعت ہے اور برطانیہ کے ایسوشی ایٹڈ ایوان تجارت کے مقولہ کے بموجب "ہر ایک ملک کی اقتصادی مرفہ الحالی کا انحصار اپنی آرضی اور اپنے کارخانوں سے حتی الامکان اپنی جملہ ضروریات فراہم کرنے پر ہے" اگر گورنمنٹ برطانیہ کو فی الحقیقت ہندوستان کے اقتصادی مسئلہ کے حل کرنے کی فکر ہو تو اس مقصد کے حصول کے نقطۂ خیال سے اس مسئلہ کا معائنہ کرنا چاہیئے۔ زرعی پیداوار اور معدنی اشیاء بھونڈی شکل میں حاصل ہوتی ہیں اس کے حصول کے طریقہ کو اُس وقت تک مکمل نہیں کہہ سکتے جب تک کہ حاصل شدہ چیزیں تیار کرکے استعمال کے قابل نہ بنادی جائیں۔

زراعت اور صنعت دو مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ دونوں توام اور ایک ہی ماں سے پیدا ہوئی ہیں۔ جو شے کہ زمین سے نکالی جاتی ہو خواہ وہ معدنیات ہو یا زرعی پیداوار۔ اُس کو ایسی صورت میں تیار کرنا چاہیئے تاکہ لوگ اُس کو استعمال کرسکیں۔ زراعت صنعت۔ باربرداری۔ سکہ۔ تبادلۂ سکہ

اور مالی پالیسی ان سب کو ایک مضمون قرار دینا چاہیئے اور ہندوستان کی اقتصادی ترقی اپنا مقصد اور مدعا قرار دیکر ان مسائل کی تحقیق و تدقیق کرنا چاہیئے اور تاوقتیکہ ہندوستان کے فائدہ کے خیال سے ایسا نہ کیا جائے ہندوستانی اقتصادیات کا مسئلہ موثر طور پر حل نہیں ہوسکتا ہے آپنے دیکھا ہوگا کہ بجز ایک کے جملہ کمیشن یورپین چیرمین اور یورپین مجارٹی کے اصول پر مقرر کیئے گئے ہندوستان کے اقتصادی مسائل کے متعلق کونسی پالیسی موزوں ہے اس کا قرار دینا ہندوستانیوں کے اختیار میں نہیں بلکہ انگریزوں کے اختیار میں ہے اور یہ فطری امر ہے کہ اس تعلیم و تربیت کی بدولت جو انگریزوں نے پائی ہے وہ ہر ایک مسئلہ کو صرف اسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں کہ اس کا برطانیہ پر کیسا اثر پڑے گا۔ انڈسٹریل کمیشن اور زرعی کمیشن کے تقرر کو تقریباً ۱۰ سال گزر چکے ہیں۔ علاوہ اس وقت کے جو کمیشنوں کو مفوضہ مسائل کی تحقیقات میں صرف کرنا پڑتا ہے بہت سا وقت گزر جاتا ہے قبل اس کے کہ گورنمنٹ کمیشنوں کی رپورٹ کے متعلق اپنا فیصلہ مرتب کرتی ہے۔ گورنمنٹ ہند ان سفارشوں کو جس اسپرٹ میں قبول کرتی ہے اور عمل کرتی ہے اسی اسپرٹ پر ہر ایک بات کا انحصار ہے۔

حفاظت کی پالیسی پالیسی کی تبدیلی کے لیئے اہل ہند کے پیہم تقاضہ پر مالی کمیشن کا تقرر کیا گیا کمیشن کی سفارشات پر ۱۹۲۳ء میں امتیازی حفاظت کی پالیسی قرار دی گئی کوئی شخص بھی جس کو ذرہ بھر بھی ذمہ داری کا احساس ہے غیر امتیازی حفاظت کی تائید نہیں کرے گا۔ جو ملک بھی حفاظتی پالیسی اختیار کرتا ہے وہ یہی احتیاط کے ساتھ اس کو استعمال کرتا ہے جو اس کی گورنمنٹ اور اس کی قانون ساز انجمن کے لیئے وقتاً فوقتاً موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں حفاظتی پالیسی کے لیئے ایک خاص اہم صفت (امتیازی) کا اور اضافہ کیا گیا حالانکہ ایسی شرط کا اقتصادی لٹریچر میں وجود تک نہیں اس واقعہ سے حفاظتی پالیسی قرار دینے میں گورنمنٹ کا تذبذب ظاہر ہوتا ہے حالانکہ حفاظتی پالیسی کو تمام مہذب قوموں نے بشمول برطانی نوآبادیات قبول کرلیا ہے اور نہایت کامیابی کے ساتھ وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔ غالباً انھوں نے اپنے کو ہندوستان کی ضروریات پورا کرنے کے لیئے مصنوعات بہم پہونچانے والا نہیں سمجھا بلکہ ہندوستان کا ٹرسٹی جان کر یہ طرز عمل اختیار کیا ہے۔

اب فولاد کی صنعت کو ملاحظہ کیجیئے جس کی قومی اہمیت کو موجودہ وائسرائے لارڈ آئرون اور سابق گورنر بمبئی لارڈ لائڈ نے اپنی کتاب ([illegible]) اعلیٰ موقعہ مطبوعہ ۱۹۱۸ء میں بالفاظ ذیل تسلیم کیا ہے:-

"جنگ کے تجربہ سے اس رائے پر اتفاق ہو گیا ہے کہ سلطنت اپنے حکم سے اُن صنعتوں کی غیر ممالک کے مقابلہ سے حفاظت کرے اور اُن کو برقرار رکھے جو ملک کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔"

ایسی چند صنعتوں کی طرف پبلک کو توجہ دلائی گئی ہے جو سامان جنگ کے لوازمات سے تھیں اور جن پر گزشتہ محاربۂ عظیم سے کئی سال پیشتر سے جرمنی نے خاص طور پر حملہ کر رکھا تھا لیکن ہم کو یقین ہے کہ ان صنعتوں کی جو تعداد قرار دی گئی وہ فی الحقیقت اس سے بہت زیادہ ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ صنعتوں کی اُن کے جملہ مدارج میں سلطنت کو اس طرح حفاظت کرنی چاہیئے جس سے اُن کی انتہائی ترقی کا امکان پیدا ہو جائے تاکہ مصنوعات زیادہ مقدار میں تیار ہوں اور جنگ کے موقعہ پر وہ خود اپنی حفاظت کر سکیں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ سلطنت کی عدم مداخلت کا اُنیسویں صدی کا پورا نا اصول اب صنعت وحرفت میں بہت کم باقی رہ گیا ہے۔

جدید پالیسی کے مطابق صنعت فولاد پر سب سے اول توجہ کی گئی۔ تجارتی بورڈ نے کافی طور پر تحقیقات کرنے کے بعد ۲ سال کے لیے صنعت فولاد کی حفاظت منظور کی۔ اس عرصہ میں جس حد تک حفاظت کی گئی وہ نہایت غیر مکتفی ثابت ہوئی۔

معمولی سرمایہ کا تو ذکر ہی کیا ہے مرجح سرمایہ پر جو منافع واجب الادا تھا وہ بھی ادا نہ ہو سکا۔ یہ بتانا غیر ضروری ہے کہ حفاظت کے معنی کسی صنعت کو محض زندہ رکھنے کے نہیں ہیں حفاظت سے خاص منشا یہ ہے کہ صنعت کو ترقی دی جائے اندرونی مقابلہ پیدا کیا جائے اور اس کے تیار شدہ مال کی نکاسی کے لیے نئی راہیں پیدا کی جائیں۔ اگر کوئی صنعت اُس سرمایہ پر معقول منافع بھی نہیں دے سکتی جو اس کی مصنوعات کی تیاری پر لگا ہوا ہے تو پھر یہ اُمید کرنا محض فضول ہے کہ اندرونی مقابلہ پیدا کرنے کے لیے اُس کو مزید سرمایہ مل جائے گا۔ اب اس صنعت کی حفاظت کی میعاد میں ، سال کی مزید توسیع کر دی گئی ہے لیکن اس کارروائی سے بھی ہندوستان کے دیگر حصوں میں فولاد کی صنعت کے کارخانے قایم کرنے کا شوق پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور نہ اندرونی مقابلہ پیدا ہو سکتا ہے جس سے ٹیکس دہندگان کو سہولت ہو اور بالآخر جس سے ملک کو اقتصادی فائدہ حاصل ہو جیسی کہ حفاظتی پالیسی سے توقع کی جاتی ہے۔

صنعت پنبہ

غالباً آپ نے صنعت پنبہ کی حفاظت کی بحث اور اس کے انجام کو ملاحظہ کیا ہوگا یہ اُمید کرنا فعل عبث ہے کہ ہندوستان میں رہنے والے انگریز دل سوزی کے ساتھ اپنے کو مقامی حالات کے مطابق بنالیں گے۔ اُن کو بچپن ہی سے آزاد تجارت کے اصولوں کی تعلیم

و تربیت دی گئی ہو اب اُن کے لیئے اس پالیسی کا اختیار کرنا نہایت دُشوار ہو جو ہندوستان کے حالات کے لیئے موزوں ہو اور جو نہ صرف ہندوستان کے لیئے نفع بخش بلکہ انگلستان کے لیئے بھی سود مند ہو۔

میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ قومی سرمایہ کی ترقی سے کس طرح ہندوستان کی قوت خریداری میں اضافہ ہو جائے گا۔

ٹیکس اور بچت

آپ سب کو بخوبی معلوم ہو کہ محاربہ عظیم کے بعد ہندوستان کے ٹیکس میں بہت زیادہ بیشی ہوگی اگرچہ محاربین میں ہندوستان بہت ادنیٰ درجہ کا اور وہ بھی برطانیہ سے متعلق تھا لیکن اس پر بھی ہندوستان کو زائد ٹیکس برداشت کرنا پڑا۔ محاربین میں برطانیہ کا خاص مرتبہ تھا اور اس لیئے جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیئے اُس کو زبردست ایثار کرنا پڑا اور اس کا یہ انجام ہوا کہ وہاں کے ٹیکس میں بیحد اضافہ ہوگیا۔ جنگ عظیم کے بعد سے برطانیہ اور دیگر مغربی اقوام اس کوشش میں مصروف ہیں کہ اپنے یہاں کے ٹیکس میں تخفیف کر دیں۔ رائے عامہ اس پر بہت زور دے رہی ہو اور جمہوری ممالک بشمول برطانیہ اس معاملہ میں عملدرآمد بھی ہوگیا ہو کیونکہ ان ممالک میں رائے عامہ کی قوت سے نظم و نسق ہوتا ہو۔ لیکن ہندوستان پر جنگ کے بعد جو بھاری ٹیکس لگا یا گیا ہو اُس میں تخفیف ہونے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوتا ہو۔ بعض چیزوں پر اس قدر بھاری ٹیکس لگا یا گیا ہو جس سے مالکان کو نقصان پہونچنے لگا ہو اس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہاں پر ٹیکس کا معیار رعایا کی اقتصادی قوت سے کہیں زیادہ ہو۔ یہ ایک مسلمہ امر ہو کہ ہر ایک ملک کی اقتصادی ترقی وہاں کے باشندوں کی بچت پر منحصر ہو بچت کی یہی رقم تجارت اور صنعت و حرفت کے لیئے سرمایہ بنتی ہو اگر سلطنت اس قدر محصول لگا دے جس سے کہ مالکان کو نقصان آنے لگے اور اُن کے پاس ملک کی ترقی کے لیئے سرمایہ فراہم کرنے کے لیئے کچھ بچت نہ ہو تو پھر وہ ملک سر کے بل گر کر معکوس اقتصادی ترقی کریگا اس لیئے اشد ضرورت ہو کہ اس ملک کے ٹیکس کے موجودہ معیار کے متعلق مفصل اور مشرح تحقیقات کی جائے۔

میں اس بات کو ماننے کے واسطے تیار ہوں کہ آمدنی کے ایسے وسائل پیدا کیئے جائیں جس سے کہ گورنمنٹ باحسن وجوہ ملک کے نظم و نسق کے مصارف برداشت کر سکے لیکن یہ بار رعایا کی قوت برداشت سے ہرگز زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ رعایا کی ٹیکس ادا کرنے کی قوت کو بڑھایا جائے۔ دوسرے ٹیکس میں معقول تخفیف کی جائے۔

(باقی آئندہ)

مسلمانوں کے اسراف کا علاج

آپ کو معلوم ہو کہ مسلمانوں پر سو برس سے جو تباہی آئی ہوئی ہو اور جس نے اُن کے لاکھوں خاندان تباہ کر دیئے اور کروروں افراد کو انتہائی ذلت کے درجہ پر پہونچا دیا ہو اس کا سلسلہ برابر جاری ہو۔ جس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ یہ خیال کر کے کہ ہمارے قومی اخبارات اس بارہ میں قوم کی بہت کچھ رہنمائی کر سکتے ہیں۔ یہ چند سطور ملاحظہ سامی میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہمدردان قوم نے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنت نکل جانے کے بعد انھوں نے اہل یورپ کے علوم و فنون سیکھنے کی طرف توجہ نہیں کی اس سے وہ سرکاری ملازمتوں سے خارج ہو جانے سے افلاس میں گرفتار ہو کر برباد ہو رہے ہیں اس کا علاج یہ تجویز کیا تھا کہ مسلمان انگریزی زبان اور مغربی جدید علوم حاصل کر کے سرکاری ملازمتوں میں داخل ہوں۔ چنانچہ بعض مسلمانوں نے اس طرف توجہ کی اور انگریزی پڑھکر ہر قسم کے عہدے حاصل کیئے اور خوب کمایا۔ مگر اس سے قوم کی تباہی میں کوئی کمی ہونا تو درکنار خود اُن کا افلاس بھی نہ گیا کیونکہ جو کمایا اس سے زیادہ خرچ کرنے سے قرض کی پریشانیوں میں عمر بھر گرفتار رہے ان میں سے جو مرے اکثر نے ایک مقروض اور مفلوک خاندان چھوڑا جو جلد تباہ ہو گیا۔ ان میں دس بیس۔ پچاس کی آمدنی والوں سے لیکر ہزاروں تک کی آمدنی والے تھے مگر اپنی حیثیت کی نسبت سے سب کی ایک حالت تھی۔ یہ نتیجہ دیکھ کر اب سمجھدار مسلمانوں کی رائے ہو کہ تباہی کا باعث افلاس نہیں بلکہ مسلمانوں کا اسراف ہو جو افلاس کی بلا میں گرفتار کر دیا ہو۔ لیکن مسلمان اسراف سے نجات حاصل کرنے کا کوئی علاج نہ جاننے سے اپنے بچاؤ کے واسطے کوئی عملی کارروائی نہیں کر سکتے حالانکہ اس کا ممکن العمل علاج موجود ہو جس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنے کو نیاز نامہ ہذا کے پڑھنے کی تکلیف دیتا ہوں۔

بعض ہمدردان قوم اسراف کا علاج یہ بتاتے ہیں کہ مسلمان غریبانہ سادہ زندگی اختیار کریں ادنیٰ قسم کی غذا کھائیں۔ موٹا جھوٹا کپڑا پہنیں۔ قرض نہ لیں۔ تقریبات میں زیادہ خرچ نہ کریں۔ یہ نصائح عقلاً تو بہت معقول معلوم ہوتے ہیں مگر عملاً بے اثر ہیں۔ اگر مسلمان اپنے دل بہاتا ہی قادر ہوتے کہ اپنی خواہشات کو دبا سکتے تو مسرف ہی کیوں ہوتے اور یہ رونا ہی کیوں ہوتا۔

ضرورت تو یہ ہو کہ مسلمانوں کو وہ ترکیب بتائی جائے کہ جس پر عمل کرنے سے وہ خرچ کرتے وقت اپنے غیر ضروری مصارف کی خواہشات کو دبانے پر قادر ہو سکیں۔

آپ کو بھی معلوم ہو کہ جس کو ایک مرتبہ اسراف کی عادت پڑ جاتی ہو پھر وہ کسی پند و نصیحت یا کفایت شعاری کی تعلیم سے بلا اگر خود مسرف ارادہ کرتا ہو تو بھی نہیں چھوڑ سکتا جس کے معنی ہیں کہ مرض اسراف لاعلاج ہو علاوہ اس کے یہ مرض متعدی بھی ہو جس کے باعث ہر مسلمان بچہ اپنی ۶ یا ۷ برس کی عمر سے پہلے اسراف کا عادی ہو جاتا ہو۔

دُنیا میں لاعلاج اور متعدی امراض کے استیصال کا صرف یہ طریقہ ہو کہ جو لوگ مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور جن کو ہنوز مرض لاحق نہیں ہوا ہو اُن کو حفظ ما تقدم کی تدابیر سے اس میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے۔ اس صورت میں جدید مریضوں کا اضافہ بند ہو جانے سے قدیم مریضوں کے ختم ہوتے ہی مرض معدوم ہو جاتا ہو۔

مسلمانوں کے مرض اسراف کا بھی یہی ایک ممکن العمل علاج ہو کہ جو مسلمان اپنی اولاد کو مرض اسراف میں مبتلا نہ ہونے دے گا اس کے خاندان سے یہ مرض جاتا رہے گا۔ میں نے اس علاج کو ممکن العمل اس واسطے کہا ہو کہ ہر والدین خصوصاً ماں اپنے بچوں کو جو عادت ڈالنا چاہتی ہو وہ تھوڑی ہی توجہ سے بہ آسانی ڈال سکتی ہو۔ جس ماں کے ذہن نشین اسراف کے نقصانات ہو جائیں اور اس کو یہ بھی یقین ہو جائے کہ اگر وہ اپنی اولاد کو اس سے نہ بچائے گی تو ایک دن اس کی اولاد اور اس کا خاندان بھی ضرور تباہ ہو جاوے گا۔ اُس ماں کے دل میں اپنی اولاد کے تحفظ کی خواہش ضرور پیدا ہوگی۔ خواہش ہی عمل کرنے کی محرک ہوتی ہو۔ اور کامیابی کی بنیاد ہو۔ لیکن لاکھوں والدین یا ماؤں کے دل میں خواہش پیدا کر دینا سوائے قومی اخبارات کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر ہمارے قومی اخبارات اپنے مقاصد میں ایک مقصد "مسلمانوں کی مالی اصلاح" قرار دے لیں اور اس پر مسلسل مضامین لکھیں جن کے واسطے بڑا وسیع میدان اور مواد موجود ہو۔ تو اکثر مسلمان ان مضامین کو بہت شوق سے پڑھیں اور ہزاروں کی توجہ اس طرف مبذول ہو جائے اور اس وقت جو مایوسی چھائی ہوئی ہو کہ ہمارے تباہی کا کوئی علاج ہی نہیں۔ وہ جاتی رہے۔

نیاز مند

ناچیز سید جعفر حسین (خان بہادر) ۵ رجون ۱۹۲۶ء

کوئلہ کا خرچ گھٹانے کا مصالحہ:۔ گھروں میں عام طور پر ایندھن اور کوئلہ کی قلت ہو جاتی ہو اور عند الضرورت کسی ارزاں اور سہل چیز کا مطالبہ ہوتا ہو۔ ذیل کا مرکب نہایت کارآمد ہو۔ تارکول ۸ پونڈ۔ سال امونیا ۱۲ پونڈ شورہ قلمی ۱۰ پونڈ۔ اس مرکب کو ۸ - ۱۲ اونس کے ڈبوں میں بند کر دیا جائے۔ جب اس کو پانی میں حل کر کے چھڑکا جائے گا تو بڑا کارآمد ثابت ہوگا۔ سفری اصحاب کے لئے لاجواب ہو۔

مسلمانوں کی تباہی کا اصلی سبب اور اس کا واحد ممکن العمل علاج

(نوشتہ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب)

(نمبر ۱)

اب سے ساٹھ ستر سال پیشتر تک تو مسلمانوں کو یہ محسوس بھی نہیں ہوا تھا کہ ان کی قوم تباہ ہو رہی ہے۔ بلکہ اگر کوئی دور اندیش ہمدرد قوم کہتا بھی تھا تو برا مانتے اور اس کے قول کو اپنی قومی امانت سمجھتے تھے مگر اب ہر مسلمان یقین کرنے لگا ہے کہ قوم تباہ ہو رہی ہے کیونکہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لاکھوں بڑے بڑے خاندان ایسے تباہ ہوئے ہیں کہ اُن کے پسماندہ نان شبینہ کو محتاج ہیں جن کے زر و جواہر و دیگر منقولہ جائدادیں قرض کی بدولت سود در سود کے پھیر میں چلی گئی ہیں اور غیر منقولہ جائدادوں کا دو تہائی حصہ سے زیادہ غیر مسلموں کے پاس منتقل ہو گیا ہے۔ اور جو باقی ہے اس کا بھی نصف سے زیادہ حصہ اس قدر زیر بار قرضہ ہے کہ اس کا بچنا محال ہے۔ چنانچہ یہ باقی ماندہ جائدادیں بھی برابر غیر مسلموں کی طرف منتقل ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ متوسط اور ادنےٰ درجہ کے خاندان جو روز مٹتے نظر آتے ہیں ان کا تو شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ قوم میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اطمینان اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہوں ورنہ جس کو دیکھئے مالی مشکلات میں گرفتار متفکر اور پریشان حال نظر آتا ہے۔

تباہی کا سبب بہت سے ہمدردان قوم نے مسلمانوں کی تباہی کا سبب دریافت کرنے اور اس کا علاج تجویز کرنے کی کوشش کی لیکن بظاہر اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ اس کی رفتار روز بروز تیز ہوتی گئی اور ہوتی جا رہی ہے۔ تمام ہمدردان قوم کی جنھوں نے اس مسئلہ پر غور کیا ہے متفقہ رائے ہے کہ تباہی کا سبب قوم کا افلاس ہے مگر تجویز علاج میں اختلاف ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جب تباہی کا باعث افلاس قرار دیکر علاج تلاش کرتے ہیں تو لازمی طور پر یہی نظر آتا ہے کہ کسی طرح مسلمان زیادہ روپیہ پیدا کریں تاکہ افلاس دور ہو۔ سب سے پہلے سر سید رحمت اللہ علیہ نے اس معاملہ میں توجہ کی تھی۔ یہ وقت وہ تھا کہ بوجہ انقلاب سلطنت و بلائے غدر ۱۸۵۷ء مسلمانوں کا سارا ملازمت پیشہ طبقہ بوجہ بیکاری سخت تنگ دستی میں گرفتار تھا اور ہر شخص اُسی پر جو اس کے پاس اندوختہ موجود تھا قرض لیکر بسر کرنے کو مجبور تھا

اور قرض کے سود در سود کی وجہ سے ہزاروں خاندان نہایت تیزی سے برباد ہورہے تھے اور نیز بعض مقدس حضرات کی طرف سے یہ خیال پھیلایا جا رہا تھا کہ انگریزی نوکری حرام ہی، انگریزی پڑھنا کفر ہی سرسید نے اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ مسلمان انگریزی پڑھیں گورنمنٹ کی ملازمتیں حاصل کرنے کی کوشش کریں چنانچہ لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی اور کامیاب ہوئے ملیلے بڑے بڑے درجوں پر پہونچے کہ جس کا پہلے کبھی وہم و گمان بھی نہ تھا خوب کمایا اور خوب دریا دلی سے خرچ کیا مگر اس سے نہ قومی افلاس میں کچھ فرق آیا اور نہ قومی تباہی رکی۔ بلکہ خود ان تعلیم یافتوں کے خاندان بھی تباہی سے محفوظ نہ ہوئے ان میں سے بعض جب مرے تو انھوں نے ایک مقروض و مفلوک خاندان چھوڑا جو تباہ نہیں بھی ہوئے اور بظاہر خوشحالی سے بسر کر رہے ہیں ان میں سے ۵۰ فی صدی مالی مشکلات کی وجہ سے نہایت بے اطمینانی و پریشانی اور سخت تشویش اور تفکرات میں اپنا وقت گذارتے ہیں اور ان کی یہ قلبی تکلیف ان کے چہروں سے نظر آتی ہی اگرچہ وہ اپنے فیشن ایبل لباس اور فوق البھڑک سامان اور لاپرواہی کے خرچ سے اس کو چھپانا چاہتے ہیں مگر نہیں چھپا سکتے۔

سرسید کے بعد بہت سے ہمدردان قوم نے یہ تجویز کیا کہ ملازمت کا پیشہ محدود ہی مسلمانوں کو چاہیئے کہ تجارت کا پیشہ اختیار کریں جس سے بہت زیادہ دولت کما سکتے ہیں۔ مگر ان حضرات نے خیال نہ کیا کہ تجارت کی بنیاد کفایت شعاری ہی کسی مسرف شخص کو تجارت کا مشورہ دینا ایسا ہی ہی جیسے کسی ضعف معدہ کے مریض کو نہایت مقوی اغذیا کھانے کی صلاح دینا ہی۔

اکثر نوجوان مسلمانوں نے اپنی خاندانی جائدادوں پر روپیہ قرض لیکر تجارت کی اور جو کچھ گھر کا تھا وہ بھی کھو بیٹھے۔

مسلمانوں کے ادنے طبقہ میں تجارت پیشہ بکثرت ہیں ہمارے تمام کنجڑے قصائی۔ جولاہے۔ گدی۔ حلوائی۔ نان بائی۔ تمباکو فروش وغیرہ ۱۹۔ اقوام ہیں جن کا پیشہ تجارت ہی مگر یہ لوگ اس قدر غریب ہیں اور ان کا کاروبار اتنے کم درجہ کا ہی کہ ان کو تجارت پیشوں میں شمار ہی نہیں کیا جاتا ورنہ ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہی کہ یہ ترقی کرکے اپنی قومی دولت میں بہت کچھ اضافہ کر سکتے ہیں اور اعلے اور متوسط طبقہ میں پہونچ جا سکتے ہیں مگر افسوس ہی کہ مسلمانوں کا جو قومی شعار اسراف ہی وہ ان کو بھی نہیں بڑھنے دیتا یہ لوگ تھوڑے سرمایہ سے اپنا کاروبار شروع کرتے ہیں اور نہایت محنت اور ادنی درجہ کے مصارف سے گزر اوقات کرکے اپنی حالت میں کچھ ترقی کرتے ہیں اور پیسہ پیسہ جوڑ کر کچھ حیثیت پیدا کر لیتے ہیں مگر جہاں اُن کے پاس ایک رقم جمع ہو گئی تو اسراف کا بھوت اُن کے سر پر سوار ہو جاتا ہی۔ اور یہ خیال

کرنے لگتے ہیں کہ کوئی کا رخیریا اپنی کسی عزیز کی تقریب شادی یا موتے کی روٹی ایسی دریا دلی سے کرڈالیں کہ ساری برادری میں نام ہوجائے۔ غرضکہ ڈھونڈھ ڈھانڈھ کے کوئی ایسا خرچ نکال لیتے ہیں کہ جس میں اپنی کل پونجی کے علاوہ جو کچھ قرض مل سکتا ہی لیکر لگا دیتے ہیں اور پھر ساری عمر سُود در سُود کے پھیرے سے نہیں نکل سکتے۔ اس قسم کے مصارف انھیں جیسے غیر مسلم اقوام کے لوگ بھی کرتے ہیں مگر وہ تباہ نہیں ہوتے کیونکہ اپنی مقدرت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے اور مسلمان قرض لیکر اپنی مقدرت سے زیادہ خرچ کردیتے ہیں ان عاقبت اندیشی کی وجہ سے مسلمانوں کے ان تجارت پیشہ لوگوں میں سے کوئی بھی اعلےٰ درجہ پر نہیں پہونچا۔ حالانکہ انھیں جیسے غیر مسلم دوکانداروں میں سے ہزاروں صرف اپنی کفایت شعاری کی وجہ سے ترقی کرکے روز بروز بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

بہت سی تجارتیں مثل جنت فروشی۔ چرمی سامان۔ چمڑا۔ چربی۔ سادہ کاری زردوزی وغیرہ وغیرہ مسلمانوں کے واسطے مخصوص تھیں مگر اب وہ تاجر بھی آمدنی سے زیادہ صرف کرنے کی وجہ سے تباہ ہوگئے ہیں اور یہ تجارتیں بھی مسلمانوں سے نکلکر غیر مسلموں کے پاس جو کفایت سے کام کرتے ہیں جارہی ہیں۔

بعض حضرات نے مسلمانوں کو افلاس سے بچانے کے واسطے زیادہ روپیہ پیدا کرنے کی یہ ترکیب بتائی کہ مسلمان صنعت و حرفت کی تعلیم حاصل کریں۔ کیونکہ اس زمانہ میں دولت کمانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہی اور حقیقت حال بھی یہی ہی۔ لیکن اُن کے واسطے جو اپنی کمائی کو کفایت شعاری سے خرچ کرتے ہیں نہ کہ مسرفوں کے واسطے بعض مسلمان نوجوانوں نے گھر کی جائدادوں پر روپیہ قرض لیکر جاپان امریکہ اور یورپ میں صنعت کی تعلیم حاصل کی مگر سرمایہ نہ ہونے کی مجبوری سے کوئی کام نہ چلا سکے اور جو کچھ تعلیم حاصل کرنے میں خرچ کیا تھا وہ بھی کھو بیٹھے۔ ہندوستان میں جس قدر صنعت و حرفت اب بھی باقی ہی اس کے کاریگروں میں بڑا حصہ مسلمانوں کا ہی مگر بوجہ آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے کے اپنی محنت کا ثمرہ حاصل نہیں کرسکتے۔ سرمایہ داروں کے مقروض اور غلام ہیں اور سب سے زیادہ یہی لوگ پریشان حال ہیں۔

واقعات مندرجہ صدر سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ بربادی کا سبب آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا ہی جو افلاس کی بلائیں گرفتار کرکے برباد کردیتا ہی۔ مسلمانوں کے واسطے آمدنی کا بڑھنا بجائے باعث فلاح ہونے کے موجب فلاکت ہوتا ہی کیونکہ جس قدر آمدنی بڑھتی ہی اُسی نسبت زیادہ خرچ بڑھ جاتا ہی۔

مخالفین اسلام کا اعتراض

مخالفین اسلام کا اعتراض ہی کہ اسلام کی تعلیم ہی ایسی ہی کہ اس کے پیرو ترقی نہیں کرسکتے۔ ان کا مذہب ان کو تعلیم دیتا ہی کہ جو کچھ کماؤ سب خرچ کرڈالو۔ کل کی فکر نہ کرو۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم میں ہر قسم کے اخراجات میں اسراف یعنی اعتدال

زیادہ خرچ کرنے کی نہایت تاکید سے ممانعت ہے حتیٰ کہ گنجایش سے زیادہ خیرات کرنے کی بھی ممانعت ہے جیسا کہ ذیل کے چند احکامات کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے۔ مگر مسلمانوں نے اپنی بدقسمتی سے نہ صرف ان احکامات کی طرف سے لاپرواہی برتی بلکہ بالکل ان کے خلاف عمل کرنا فعل احسن سمجھ لیا ہے۔ جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان کیا جاوے گا۔

آٹھویں پارہ کے دسویں رکوع میں کھانے پینے اور پہننے کے اخراجات کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ (ترجمہ) اے بنی آدم ہر ایک نماز کے وقت (لباس وغیرہ سے) اپنے تئیں آراستہ کر لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور ضرورت سے زیادہ نہ خرچ کرو کیونکہ خدا ایسوں کو پسند نہیں کرتا۔

نوٹ:۔ اس حکم میں اچھا کھانے پینے کی نسبت کوئی ممانعت نہیں ہے ہر شخص اپنی حسب حیثیت جیسا چاہے کھا سکتا ہے۔ ممانعت صرف یہ ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمت کو بلا ضرورت بیکار صرف نہ کرو۔ مگر مسلمان ایسی لاپرواہی اور عدم توجہی سے خرچ کرتے ہیں کہ اس کا بہت سا حصہ برباد ہو جاتا ہے۔ کچھ نوکر خریدنے کے وقت دستوری میں کچھ بیچنے والے کم تول کر لے لیتے ہیں اجناس کو گھر میں بے احتیاطی سے رکھنے سے کچھ حصہ چوہے بلی کوے کھا جاتے ہیں۔

پھر پکانے والے تو جہاں تک لوٹ سکتے ہیں لے لیتے ہیں اور کھاتے پیتے معمولی حیثیت کے مسلمان اس کی کچھ پرواہ کرنا باعث ذلت سمجھتے ہیں۔

ہر درجہ کے مسلمانوں میں خصوصاً جن کو حق تعالےٰ نے اپنے فضل سے رزق میں فراخی دی ہے دسترخوان وسیع رکھنا گو نہایت قابل تعریف اور اعلےٰ درجہ کی خصلت ہے۔ بشرطیکہ خرچ کرنے والے کی استطاعت کے اندر ہے لیکن بیشتر لوگ اپنی حیثیت سے زیادہ محض نام و نمود کے لیے قرض لیکر غیر مستحق نکمّے۔ تلاش معاش میں محنت کرنے سے بچنے والوں کو اپنے دسترخوان پر جمع رکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہ ایک بہت کار خیر کرتے ہیں۔ اگر کوئی کہتا بھی ہے کہ حضرت آپ کی آمدنی ان مصارف کے واسطے پوری نہیں ہوتی ہے۔ اور آپ مقروض بھی ہیں۔ ان مفت خوروں کو کم کیجئے تو فرماتے ہیں کہ اللہ انھیں کی قسمت سے ہکو دیتا ہے۔ خدا جانے یہ خیال کس بنا پر قائم کر لیا ہے۔ حکم مندرجہ صدر میں تو صاف ارشاد ہے ایسے غیر معتدل خرچ کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ اور جس کو اللہ پسند نہیں کرتا وہ دُنیا میں برباد نہ ہو گا تو کیا ہو گا؟

آٹھویں پارہ کے چوتھے رکوع میں فرمایا ہے۔ کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ اٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ ۫ۖ وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ (ترجمہ) لوگو! یہ سب چیزیں جب پھلیں ان کے پھل

(بے تامل) کھاؤ اور (ان نعمتوں کے شکریے میں) ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن حق اللہ (یعنی زکوٰۃ اس میں سے) دیدیا کرو اور ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرو کیونکہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا۔

(نوٹ) یعنی جب تمہارے باغ پھلیں تو یہ دیکھ کر کہ اس وقت بہت کچھ موجود ہے بے اعتدالی سے نہ خرچ کرو کیونکہ اللہ زیادہ خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مگر خدا جانے مسلمانوں نے یہ خیال کہاں سے پیدا کر لیا کہ جس قدر زیادہ خرچ کریں گے اتنا ہی زیادہ ملے گا۔

پندرھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں حق تعالیٰ نے حق العباد ادا کرنے مسکینوں وغیرہ کو خیرات دینے کا جہاں حکم دیا ہے وہاں نہایت سختی سے اعتدال سے زیادہ دینے کی ممانعت کی ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ **ترجمہ**۔ رشتہ دار اور غریب اور مسافر (ہر ایک) کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور (دولت کو) اعتدال سے زیادہ نہ خرچ کرو کیونکہ دولت کی بے اعتدالی سے) صرف کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو (بہ مجبوری) ان (غربا) سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو۔ اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑو کہ (گویا) گردن میں بندھا ہے اور نہ بالکل اس کو پھیلا ہی دو (ایسا کروگے) تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے (اور) تم تہی دست بھی ہو بیٹھے (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں (کے حال) سے باخبر اور ان کو دیکھنے والا ہے (یعنی جو خدا کی نعمت کی قدر کرتے ہیں ان کو زیادہ دیتا ہے اور جو اس کی قدر نہیں کرتے ان کو نپا تلا دیتا ہے۔

(نوٹ) ان آیات شریفہ میں خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے وہ پورا دستورالعمل بیان کر دیا ہے جس سے آدمی حق العباد یعنی قرابت داروں اور مساکینوں وغیرہ کے حقوق اعتدال کے ساتھ دے کر دنیا میں خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

ابتدا میں حکم ہے کہ قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کو ان کے حقوق دو مگر ساتھ ہی یہ ارشاد ہوا

کہ بے اعتدالی سے مت دو۔

اس کے بعد بتا دیا کہ اگر بے اعتدالی سے دوگے تو خدا کی نعمت کا کفران کروگے اور خدا کی نعمت کا کفران کرنے والا شیطان کا بھائی ہے۔

اگر ان لوگوں کے حقوق دینے کے واسطے گنجائش نہ ہو تو ان کو نرمی سے سمجھا دو کہ جس وقت اللہ ہمیں دے گا ہم تم کو دیں گے۔

پھر حکم ہوا کہ خرچ کرنے میں کمی کرنے کے واسطے اپنا ہاتھ نہ تو اتنا کھینچ لو کہ وہ گردن میں بندھا ہوا معلوم ہو اور نہ پوری لمبائی میں پھیلا دو اگر ایسا کروگے تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤگے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے اور تم تہی دست بھی ہوگے۔

آخر میں ان احکامات پر عمل کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے واسطے جزا اور سزا کو بھی بیان کر دیا ہے یعنی جو لوگ خدا کی نعمت کی قدر کریں گے اور ان احکامات کے مطابق خرچ کریں گے تو ان کو اور زیادہ ملے گا۔ اور جو لوگ ناقدری کریں گے ان کو صرف نپا تلا دیا جائے گا۔

اب دیکھیے اور غور کیجیے کہ عام طور پر مسلمانوں کا خیال و اعتقاد ان احکام کے بالکل خلاف ہے وہ سمجھتے ہیں کہ خیرات میں جس قدر لٹایا جائے اتنا ہی اچھا ہے چاہے اس کی وجہ سے خاندان تباہ اور پسماندگان نان شبینہ کو محتاج ہو جائیں۔

مسلمانوں کے جو لاکھوں خاندان تباہ ہو چکے ہیں۔ ان میں ایسی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ بہت سے صرف خیرات و سخاوت میں اسراف کرنے سے (فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا) کے مصداق ہو گئے اور مسلمان اس اسراف کو جو خیرات و دیگر کار ہائے خیر میں کیا جائے اسراف خیال ہی نہیں کرتے بلکہ سخاوت فیاضی نیکی اور باعثِ خوشنودی خداوند کریم سمجھتے ہیں اور جو اسراف دیگر خرچوں میں کرتے ہیں اس کو باعث عزت نیک نامی و شہرت اور ہمچشموں میں سرخروئی سمجھتے ہیں۔

حالانکہ انیسویں پارہ کے چوتھے رکوع میں حق تعالےٰ نے اپنے مقبول بندوں کی تعریف یہ بیان کی ہے وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (ترجمہ) وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں بلکہ اُن کا خرچ افراط و تفریط کے درمیان بیچ کی راہ کا ہے۔

اگر مسلمان ان احکامات کے مطابق اپنے مصارف معتدل رکھتے تو کبھی مفلس و مفلوک نہ ہوتے بلکہ دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ خوشحال ہوتے کس قدر غلط اعتراض ہے اسلام کی تعلیم ترقی کی مانع ہے۔

ایک چیٹی کی فیاضی

چیٹی کی وہ قوم ہی جو جنوبی ہند اور رنگون وغیرہ میں داد وستد کا کام کرتی ہی کلکتہ میں داد وستد کرنے والی قوم مارواڑی ہی۔ بمبئی میں سندھی یا ملتانی ہی۔ شمالی ہند میں بالعموم ویش روپیہ کی داد وستد کا کام کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں صرف چند تجارت پیشہ قومیں ایسی ہیں جو تجارتی سود بھی لگاتی ہیں۔ ایسی قوموں کو اپنے کاروبار کے لئے دیگر اقوام سے روپیہ قرض لینا نہیں پڑتے۔ اُن کے علاوہ بالعموم چونکہ مسلمان تاجر تجارتی سود کا لگانا ناجائز سمجھتے ہیں اس لئے اُنھیں اپنے کاروبار کے لئے دوسروں سے سودی قرضہ لینا پڑتا ہی۔ اور اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ مہاجنوں کے دست نگر رہتے ہیں۔ بڑے شہروں میں یوں مسلمان تاجروں کے نام تو بہت بڑے بڑے ہیں مگر اندرونی حالت دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ تمام کاروبار کسی چیٹی یا ملتانی یا مارواڑی کے روپیہ سے چل رہا ہی۔ اب کوئی تاجر بنے یا بگڑے مگران روپیہ کا کاروبار کرنے والوں کی دولت بے اندازہ بڑھتی چلی جاتی ہی۔ یہ دوسری بات ہی کہ یہ لوگ کسی قسم کی تجارت بھی خود کرتے ہوں مگر اُن کی افزونی اور فراوانی دولت کی تہ میں وہی روپیہ کا کاروبار ہوتا ہی۔ چنانچہ اسی قسم کے ایک چیٹی نے جن کا نام سرانا ملی ہی حال میں بیس لاکھ نقد اور سترہ لاکھ کی جائداد گورنمنٹ کے سپرد اس لئے کردی ہی کہ اس ۳۷ لاکھ سے جدمبرم میں ایک یونیورسٹی قایم کردی جائے

لیک مسلمان ہیں کہ جن کی پچاس سال کی مسلسل کوشش میں گورنمنٹ برطانیہ اور گورنمنٹ نظام کی امداد سے ۱۹۲۰ء میں جاکر ایک یونیورسٹی قایم ہوئی جس کے لئے ۳۰ لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہی اور ایک وہ قلیل التعداد قوم ہی جس کے ایک فرد نے تنہا اس قدر سرمایہ دیدیا کہ اُس سے آن واحد میں یونیورسٹی قایم ہونے کا انتظام ہوگیا۔ (ایڈیٹر)

مکھی پکڑنے کا کاغذ

رال لیکر کسی برتن میں اسے آگ پر پگلا لیا جائے۔ اور جب وہ پگل جائے تو اس میں یا تو میٹھا تیل یا چربی یا یہی جلانے کا تیل خوب ملا لیا جائے حتی کہ مرکب شہد کی طرح گاڑھا گاڑھا ہو جائے۔ پھر اسے لکھنے کے کاغذ پر برش سے پھیلا لیا جائے۔ یہ مرکب کاغذ پر ایک عرصہ تک گیلا رہتا ہی اور اس قدر لیسدار ہوتا ہی کہ ہر ایک کیڑا مکوڑا اس میں چپک سکتا ہی۔

ہندوستان اور دیاسلائی کا بنانا

آج سے کوئی چھ سال قبل یا یوں سمجھئے کہ سنہ ۱۹۲۲ء میں ممالک غیر سے جو دیا سلائی سرزمین ہندوستان میں منگائی گئی ہے۔ کہتے ہیں اس کے بکسوں کی مقدار کوئی سوا کروڑ گرس ہوگی جن کی مالیت کا اندازہ ساڑھے تین کروڑ سے بھی اونچا ہوتا ہے۔ یہ دیاسلائی زیادہ تر جاپان، سویڈن اور ناروے وغیرہ ممالک سے ہی یہاں آکر اُتری۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دیا سلائی کی یہ ساری مقدار ہندوستان کی مانگ سے کچھ یوں ہی کم رہی ہو تو ہو، اور اس کمی کو خود ہندوستان کی بنی ہوئی دیاسلائی نے پورا کر دیا ہو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے گھر کا اُجالا بھی تو زیادہ تر دوسروں کے قبضہ میں ہی مگر ہمیں اس کا مطلق احساس نہیں۔ کسی درد مند بزرگ نے کیا چبھتی ہوئی بات فرمائی ہے کہ ہندوستان کی اپاہجی کیا پوچھنا، اس کی تو بہو بیٹیوں کا سہاگ بھی دوسروں ہی سے ہے! یعنی چوڑیاں تک باہر ہی سے آتی ہیں۔ واقعی سچ ہے ہماری مفلوجیت کی بھی حد ہوگئی!

خیر! تو یہاں کہنا یہ مقصود ہے کہ دیا سلائی کی تعداد مذکورۂ بالا سے صاف طور سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کو اس صنعت کی کافی سے زیادہ ضرورت ہے۔ چنانچہ ذیل میں اسی کے متعلق چند امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ہندوستان کو دیاسلائی کی صنعت میں بہت سی سہولتیں حاصل ہیں کیونکہ مزدور یہاں زیادہ تعداد میں اور بیکار ہیں۔ جس سے مزدوری بہت کم دینی پڑتی ہے۔ دوسرے ہندوستان کی بنی ہوئی چیز کی ہندوستان ہی میں کھپت ہوگی۔ اس لیئے نہ تو اسے جہازوں کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔ اور نہ اتنے نقل و حمل اور بیمہ کے اخراجات سہنے پڑیں گے۔ جتنے اب سہنے پڑتے ہیں۔ قطع نظر ان تمام باتوں کے خود گورنمنٹ آف انڈیا نے باہر کی دیا سلائی پر چنگی لگا رکھی ہے اور یہ یقیناً اسی لیئے ہوگی کہ دیسی صنعت کسی طرح ترقی کرے ایسی صورت میں جب یہاں دیاسلائی کی صنعت ہونے لگے گی تو ظاہر ہے کہ یہ چنگی بھی باقی نہیں رہ سکتی ایک یہی چنگی کیا دیاسلائی کے لیئے جو لکڑی کام میں لائی جاتی ہے۔ وہ بھی صاف کی جا کر ہلکے ہلکے پرت کی صورت میں یہاں آتی ہے۔ گورنمنٹ نے اس پر بھی چنگی لگا رکھی ہے۔ چنانچہ اس سے بھی نجات مل جائے گی۔ عمدہ قسم کی دیاسلائی جو اس وقت مارکٹ میں بک رہی ہے۔ ڈھائی روپیہ فی گرس کے حساب سے بک رہی ہے۔ کیونکہ وجوہ بالا کے لحاظ سے اس سے کم میں پڑتا بھی نہیں کھاتی۔ برخلاف اس کے ہندوستان ایک روپیہ فی گرس کے

حساب سے چاہے تو جاکر بیچ سکتا ہے۔ اور اس میں بھی اسے ڈیوڑھا فائدہ مل سکے گا۔

ان تمام سہولتوں کے باوجود بھی یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں جتنی چاہیئے اتنی دیاسلائی نہیں بنائی جاتی اور ہر ایک گرہست اچھی طرح جانتا ہے کہ جب کبھی اس کے ہاتھ میں دیاسلائی کی ڈبیہ آتی ہے تو بجائے اس کے کہ وہ ہندوستان کی بنی ہوئی ہو بدیسی ہوتی ہے۔ اچھا پھر اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ ایسی ضروری چیز کے یہاں ہی بنا لینے کے لئے کچھ کوشش بھی نہیں کی جاتی۔ غرض یہ اور اسی طرح کی کئی اور باتیں کم و بیش ہندوستان کی اس صنعت کی راہ میں زبردست رکاوٹ بن گئی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں چند اور رکاوٹوں کی تشریح بھی اس جگہ نامناسب نہ ہوگی۔

اول تو دیاسلائی کے بنانے میں سب سے زیادہ چیز جو لگتی ہے وہ لکڑی ہے اور نہایت نرم، سفید اور صاف ستھری ہونی چاہیئے۔ دوسرے دیاسلائی کا کارخانہ ایسے موقع سے ہونا چاہیئے کہ جتنی اور جس قسم کی لکڑی ہمیں درکار ہو وہ بآسانی مل سکے اور ساتھ ہی مزدور بھی وہاں کافی تعداد میں بکفایت کارخانہ کی مشنری عمدہ اور کسی ماہر فن کی صلاح کے مطابق ہونی چاہیئے نیز اس کارخانہ کی ایک لوکل مارکٹ ہو کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو چونکہ دیاسلائی کے دور بھیجنے کے لئے نقل و حمل کی ضرورت ہوتی ہے اس سے خرچ زیادہ بیٹھ جاتا ہے اور قیمت بڑھتی ہے۔ لیکن ان ساری باتوں میں سب سے بڑی روک جو آپ نے ملاحظہ کی وہ صرف لکڑی کا بہم پہونچانا ہے۔ دوسری باتیں بھی اگرچہ کہ اس کی ترقی میں حائل ہیں تاہم وہ آسانی دور کی جاسکتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ایسے بیسیوں جنگل موجود ہیں۔ جن سے کافی مقدار میں لکڑی حاصل کی جاکر دیاسلائی کی ساخت کے کام میں لائی جاسکتی ہے۔ چنانچہ مسٹر آر۔ ایس۔ ٹروپ نے اپنی ایک کتاب مطبوعہ ۱۹۱۰ء اور موسومہ "ہندوستان میں دیاسلائی کی ساخت کی توقعات" میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں اتنے جنگل ہیں کہ اگر ان سے لکڑی لیجاکر کام میں لائی جائے تو یہاں (۰۰) دیاسلائی کے کارخانے قائم ہوسکتے ہیں اور وہ کارخانہ بھی ایسے ویسے نہ ہوں گے بلکہ اتنے بڑے ہوں گے کہ (۰۰،) گرس روزانہ ان سے دیاسلائی بن کر نکل سکے گی۔ اچھا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بقول مسٹر موصوف جب یہاں مواد خام کی یہ امید افزا کیفیت ہے تو پھر اور کونسی باتیں حائل ہوگئی ہیں کہ ایسا ایک کارخانہ بھی قایم نہ ہوا۔

اس کی یہی وجہ پائی جاتی ہے کہ ہندوستان میں ابتک دیاسلائی کے لئے جس قسم کی لکڑی چاہیئے وہ نہ مل سکی۔ یورپ اور جاپان کی دیاسلائی کے کارخانے والے خاص خاص درختوں کی لکڑی اس کام میں لاتے ہیں مثلاً چنار یا بید وغیرہ۔ چنانچہ جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ لکڑی یا اس قسم کی اور لکڑی انھیں ہندوستان سے مل سکتی ہے تو وہ اس طرف جھک پڑے لیکن مجھے ابھی شبہ ہی ہے کہ آیا ہندوستان میں

ایسی لکڑی مل سکتی ہو جو بدیسی دیا سلائی میں استعمال ہوتی ہو اور اگر واقعی ایسا ہو کہ ہندوستان میں اتنی عمدہ لکڑی ہوتی ہو کہ دیا سلائی کے کام اچھی طرح آسکتی ہو اور پھر وہ دوسرے ممالک میں بھی جا رہی ہو تو اس بدبختی کا تو کہنا ہی نہیں۔ ورنہ گورنمنٹ کو ایسی لکڑی مختلف صوبجات میں الوا دینی چاہیئے جنکی آب و ہوا بھی نہایت عمدہ ہو اور دیا سلائی کے کارخانوں کے لئے مناسب ہوسکتے ہیں۔ اس کے اہتمام سے ظاہر ہو کہ دیا سلائی کے بڑے بڑے کارخانہ قایم ہوسکیں گے اب سوال صرف یہی باقی رہ جاتا ہے آیا ہندوستان میں ایسے درخت اُگ بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اُگ سکے تو پھر ہمارے سامنے ربر کی کاشت بے مثل نظیر موجود ہی ہو اور یہ بھی صاف ہو کہ درجہ بدرجہ اس میں کیونکر ترقی اور فائدہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ پچاس برس ہوتے ہیں کہ ربر کی ساری درآمد کا مدار برازیل کے جنگلوں کی پیداوار پر منحصر تھا لیکن جب اس کی دوسری موزوں جگہ بھی کاشت شروع ہوئی تو اب یہ کیفیت ہو کہ دنیا کے سارے ربر میں سے ہندوستان ملایا اور انڈیز سے (۸۰) فی صدی سپلائی کی جاتی ہے۔ اسی طرح بغرض دیا سلائی کی متعلقہ لکڑی بھی ہندوستاں کی سرزمین میں اُگ جائے تو اس سے جو مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں وہ ایک کھلی بات ہو اور ہندوستان کی مختلف آب و ہوا میں بہت ممکن ہو کہ یہ کہیں نہ کہیں اُگ جائے گی۔

اِس لیئے ہندوستان کی با اقتدار عہدہ داران کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جاتی ہو اگر واقعی ایسی لکڑی یہاں بھی بکثرت ہونے لگی جو دیا سلائی میں کام آتی ہو۔ تو یورپی اور جاپانی کارخانے کے سے بیسیوں بڑے بڑے کارخانے یہاں قایم ہو سکتے ہیں اور قیام کارخانہ جات کے بعد ایک تو دیا سلائی جیسی ضروری چیز کے لیئے ہمیں دوسروں کا محتاج ہونا نہیں پڑے گا۔ دوسرے یہاں بیکاری کی جو عام وبا پھیلی ہوئی ہو اس میں بھی بڑی حد تک کمی ہو جائے گی۔ یہ ضرور ہو۔ اول اول مشکلات ہونگی مثلاً لکڑی کی کاشت و داشت میں پہلے احتیاط کرنی پڑے گی ہندوستان کی گرمی کے لحاظ سے دیا سلائی کے مسالہ کی حفاظت کرنی ہوگی۔ لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جو ہر نئے کام کے شروع کرنے میں پیش آتی ہیں۔ ان ذرا ذرا سی باتوں سے کام نہیں رُکا کرتے۔

ڈاکٹر رچرڈ کابٹ نے اس بات کا امکان پیدا کر دیا ہو کہ دل کی حرکتوں کی آواز گراموفون کے ریکارڈوں میں پیدا کر دی جائے۔ تاکہ دور دراز سے ڈاکٹر مریض کے دل کی حرکت سُن کر علاج کر سکے خط و کتابت کے ذریعہ قابل اعتماد علاج جو اب تک ناممکن تھا سہولت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

ریل کے پڑوسیوں کے حقوق

(از نظامی بدایونی)

اسلام نے جو حقوق پڑوسیوں کے قرار دیئے ہیں ان سے شارع علیہ الصلوۃ والتسلیم کی وسیع النظری اور فراخ خیالی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حدیثوں میں جہاں کہیں پڑوسیوں کے حقوق کا ذکر آتا ہے وہاں بلا لحاظ مذہب وقوم یا نسل کے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے انسانی تمدن کو خوش گوار بنانے کے لیئے ان احکام کی ضرورت جیسی آج سے تیرہ سو ۱۳۰۰ سال قبل محسوس ہوتی تھی وہی چودھویں صدی ہجری میں بھی باقی ہے۔ موجودہ زمانہ میں جبکہ پڑوسی کی ایک نئی قسم پیدا ہوگئی ہے جو قدیم زمانے کے طریقہ سفر میں مفقود تھی اور وہ "ریل کا پڑوسی" ہے تو ہمیں یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلامی اخلاق کی رو سے ہمیں ان عارضی پڑوسیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ ہر شخص کو آئے دن ریل میں سفر کرنا ہوتا ہے بعض اوقات لمبے سفر میں مختلف الخیال مختلف المذہب اور مختلف النسل اور کبھی کبھی مختلف اللسان اشخاص کے ساتھ ہمیں کئی کئی گھنٹے اور بعض دفعہ کئی کئی دن گزارنے ہوتے ہیں۔ انسان چونکہ مدنی الطبع واقع ہوا ہے اس لیئے قدرتی طور پر ہم سفر اشخاص سے چاہے وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہوں بات چیت ہوتی ہے۔ اگر کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو ایک کو دوسرے کے کام میں شریک ہونا ہوتا ہے آپس میں سگرٹ پان کی تواضع کے علاوہ جب کھانے کا وقت آجاتا ہے تو کھانے میں شرکت کرنے پر اصرار کیا جاتا ہے لیکن احتیاط کا اقتضا یہ ہے کہ اجنبی ساتھیوں کی ایسی تواضع اور اصرار پر شکریہ کے ساتھ انکار کیا جائے۔ کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ کبھی کبھی ان متواضع اشخاص کے بھیس میں ڈاکو اور چور بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جب رات کا وقت آتا ہے تو اول اور دوسرے درجہ کے مسافروں کو چھوڑ کر جن کے آرام کے لیئے ایک ایک برتھ ریزرو ہوتی ہے تیسرے اور ڈیوڑھے درجے کے مسافروں میں باہمی کشاکش نظر آتی ہے لیکن جب ساتھی شریف اور خلیق ہوتے ہیں تو آپس کی رواداری سے سب کے آرام کی صورت نکل آتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ پہلے سے کسی ڈبہ میں بیٹھے ہوتے ہیں وہ صرف اپنے ذاتی آرام کے خیال سے باوجودیکہ مقررہ تعداد سے اس ڈبہ میں کم مسافر ہوتے ہیں دوسرے مسافر کے آنے سے مانع ہوتے ہیں اور پہلے سے اپنا بستر جما کر کئی آدمیوں کی جگہ گھیر لیتے ہیں یہ بات انسانیت اور قانون دونوں کے خلاف ہے بعض دفعہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ اشخاص کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے ہم سفر اشخاص کے آرام کی مطلق پروا نہیں کرتے مثلاً ایک شخص حقہ اور سگرٹ کا عادی نہیں لیکن بے تکلف باوجود ریل کا قاعدہ اس بارے میں موجود ہونے کے اس کے منہ کی طرف سگرٹ کا دھواں چھوڑنے میں ہم باک نہیں کرتے۔ یا یہ کہ بے تکلف

غیر مسلم مسافروں کے سامنے اپنا کھانا کھاتے ہیں اور بے تمیزی سے ایسی جگہ ہڈیاں ڈالتے جاتے ہیں جس میں سے ایک مسلمان صاحب کو جو صورت سے مرد شریف اور ثقہ معلوم ہوتے تھے انگریزی داں بھی تھے دیکھا کہ جب نماز کا وقت آیا تو جس جگہ بیٹھے تھے یعنی ڈبہ کے اندر بیٹھ کر بے تکلف وضو کیا اور دوسرے مسافروں کے سامنے کلی اور غرارے کرنا تو در کنار ناک کی صفائی سے درجہ کو اچھا خاصہ ناب دان بنا دیا۔ اسلام نے وضو کا حکم دیکر مسلمانوں کو صفائی کا عادی بنانا چاہا تھا لیکن ان صاحب نے اپنے اس فعل میں بے تمیزی کو دخل دیکر دوسرے مذہب کے مسافروں کی نظر میں مسلمانوں کو صفائی کا دشمن ثابت کیا کاش ایسے موقعوں پر انسانیت اور تمیز سے کام لیا جائے سگرٹ پینے میں یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ دھواں اپنے ہمسفر کی طرف نہ جائے۔ کھانا کھانے کی ضرورت ہو تو اخلاقاً اپنے ہم سفر سے یہ کہا جائے کہ اگر آپ اجازت دیں تو کھانا کھا لیا جائے اتنی زبان ہلا دینے میں اخلاق سے متاثر ہو کر وہ بخوشی اجازت دیدیگا۔ اور اس پر اس انسانیت کا اثر ہوگا اگر ہم ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھیں تو دوسری قوموں کی نظروں میں اسلام کو بہت اونچا دکھا سکتے ہیں اور فی الواقع یہ ایک بہت بڑی قومی خدمت ہوگی۔ (ریفارمر)

اہالی بھٹکل کے لئے بہترین قومی پروگرام

یہ مراسلت دفتر انجمن اصلاح وترقی بھٹکل سے موصول ہوئی ہے جو ایک خاص قصبہ کی مقامی تعلیم اور اصلاح رسوم سے تعلق رکھتی ہے اس خیال سے کہ اور لوگ بھی اپنے اپنے مقامات پر اس قسم کی کوششیں جاری کریں اور اُس کے نتائج سے سودمند کو مطلع کرتے رہیں اس کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اپنے اپنے مقامات پر اس قسم کی اصلاحات کی کوششیں سودمند کے مقاصد کی تکمیل میں بڑی حد تک مدد دے سکتی ہیں۔ (اسسٹنٹ ایڈیٹر)

۲۹ جون ۱۹۲۶ء کو جنوبی ہند کے قصبہ بھٹکل میں جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے اور تجارت پیشہ قوم ہے جناب یم۔ یم۔ صدیق صاحب تاجر وکانی بلا نثرنے ایک دلچسپ تقریر کی جس میں مسلمانوں کی ترقی کے لئے مندرجہ ذیل پروگرام پیش کیا۔

(۱) ہر مسلمان اپنے لڑکے ولڑکیوں کو مدرسہ بھیجے حتیٰ کہ محلہ میں ایک لڑکی بھی آوارہ پھرتی نظر نہ آئے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ محلہ کے تمام لڑکے اور لڑکیاں داخل مدرسہ نہ ہوں خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم سے غافل نہ ہوں۔ جبتک کہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہونگی قوم میں علم کی فراوانی نہیں ہوسکتی۔

(۲) کوئی قوم اُس وقت تک سرسبز نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ کفایت شعار نہ ہو اور اپنی آمدنی کا کچھ حصہ پس انداز نہ کرے۔ مگر کفایت شعاری اور پس اندازی کے بہترین طریقہ سے قوم ہنوز ناواقف ہے اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ کسی معتبر بنک یا کم سے کم سیونگ بنک میں جمع کرے یا معتبر کمپنیوں کے حصص خریدے۔

(۳) بیواؤں یتیموں کی پریشان حالی دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی جان کا بیمہ کرے تاکہ بڑھاپے میں اُس کے کام آئے یا اُس کے مرنے کے بعد اُس کی بیوہ پریشان حالی بچے اور بچوں کی تعلیم تربیت جاری رکھ سکے۔

(۴) چونکہ یہاں کے لوگ تجارت پیشہ ہیں مگر افسوس ہے کہ اکثر اپنی آمدنی کا کثیر حصہ شادی واموات کی رسموں میں صرف کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیر اقوام کے مہاجنوں سے سودی سرمایہ لیکر تجارت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس سے تجارت کی باگ مہاجنوں کے ہاتھ میں رہتی ہے اور

تاجر سر اُٹھا نہیں سکتے اور اپنی آمدنی کا کثیر حصہ سود کی نذر کرتے ہیں۔

مہاجنوں کی غلامی سے نکلنے کا بہترین طریقہ یہ ہو کہ قوم بڑے پیمانہ پر کوآپریٹو بنک قایم کرے اور اُس کو ترقی دے تو چند سال میں غیروں کی محتاجی سے آزاد ہوجاوے گی۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ اس بنک میں سرمایہ کیسے جمع ہو؟ اس کی ترکیب اس طرح ہوسکتی ہو کہ قوم شادی واموات کی رسموں میں ہر سال ہزاروں روپیہ صرف کرتی ہو۔ اور چھوٹے بچوں کے زیورات پر کثیر روپیہ ڈالتی ہو۔ جب ہمارے پاس تجارت کے لیئے سرمایہ نہ ہو تو ایسی حالت میں رسومات پر صرف کرنا کیسی ناعاقبت اندیشی اور جہالت ہو۔ اگر ہماری قوم شادی واموات کی دعوتوں کو یک لخت بند کردے اور چھوٹے بچوں کو زیورات بنانے کے بجائے وہ رقم بنکوں میں جمع کی جاوے اور قومی سوسائیٹیوں اور جماعتوں کا پیسہ بھی بنکوں میں جمع کی جاوے تو چند سال کے اندر سرمایہ اتنا جمع ہوجاوے گا کہ مہاجنوں کے قرضہ کی بلا سے قوم نجات حاصل کرسکے گی اور تجارت بڑھ کر قوم سرمایہ دار بن جاوے گی

وہ دولت مند لوگ جن کے ہاتھ میں زیادہ روپیہ رہنے کے سبب شادی واموات کی دعوتوں میں ہزارہا روپیہ صرف ہوتے ہیں۔ اگر اس کے بجائے۔ یہی مبلغ کوآپریٹو بنکوں میں جمع کریں تو اُنکی مصیبت کے وقت کام آنے کے علاوہ قوم کو مہاجنوں کی دست برد سے محفوظ رکھے گا۔

معاونین سود مند کے خطوط

ماہ جولائی ۱۹۲۸ء کے سود مند میں لکھا جاچکا ہو کہ مسٹر عبدالمجید صاحب نے براہ قومی ہمدردی جرمن سے مبلغ للعہ نقد دفتر سود مند کو اس غرض سے مرحمت فرمائے کہ سات اصحاب کے نام اس روپیہ سے ایک سال کے واسطے سود مند جاری کردیا جاوے۔ اسی قسم کی فیاضی اور قومی ہمدردی جناب سردار علی صاحب سکریٹری انجمن ہائے امداد باہمی کی جانب سے بھی ظہور پذیر ہوئی ہو۔

بزرگان قوم کی اگر ایسی ہی ہمدردیاں سود مند کے ساتھ قایم رہیں تو توی امید کی جاتی ہو کہ سود مند کا ہونہار پودا عنقریب بار ور ہوجائے گا اور قومی جوش زبانی و خیالی تجاویز سے گزر کر عملی صورت اختیار کرے گا۔ جناب سردار علی صاحب موصوف اپنے خط میں مقام چونت۔ پنجاب سے تحریر فرماتے ہیں:۔

مندرجہ ذیل پانچ احباب کے چندے سالانہ ارسال خدمت ہیں۔ مہربانی فرماکر ان کے نام ایک سال

کے لئے رسالہ "سود مند" جاری فرمادیجئے۔ مبلغ دس روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال ہیں اور فیس منی آرڈر میں اپنی گرہ سے خرچ کر رہا ہوں۔ اللہ جانتا ہے کہ میری یہ کوشش کسی شکریہ کے خیال سے نہیں۔ شکریہ کے آپ مستحق ہیں جنھوں نے یہ نہایت اہم مشکل اور بہترین کام نہایت دلیری اور پوری جدوجہد سے شروع کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر دراز بخشے اور اس کام کے جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ نیز آپ اپنی آنکھوں سے اپنی کوششوں کو کامیاب دیکھیں آمین ثم آمین۔

اس عریضہ کے تحریر کرتے ہوئے ایک اور دوست تشریف لے آئے ہیں ان سے بھی ۲؎ روپیہ وصول ہو گئے ہیں اس واسطے بجائے ۱۰؎ کے بارہ روپیہ ارسال ہیں۔ اب بجائے پانچ خریداروں کے چھ خریدار ہو گئے۔

مولوی لئیق احمد صاحب انصاری پانی پت سے لکھتے ہیں:۔

میں نے اخبار میں آپ کا ایک پرانا مضمون بعنوان بار برداری کے اونٹ پڑھا۔ فی الواقع مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ آپ کی اسکیم انشاء اللہ اگر کامیاب ہو گئی تو مسلمانوں کی حالت بہت اچھی ہو جائے گی۔ مجھے آپ کی تجویز سے پوری ہمدردی ہے۔

مسٹر ایم۔ ایل ڈارلنگ آئی سی ایس رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز پنجاب جنھوں نے دیگر ممالک کے کوآپریٹو اسکیم کے عملی کام کا بغور مطالعہ کیا ہے اور جو ہندوستان میں اس فن کے ماہر سمجھے جاتے ہیں رسالہ سود مند ملاحظہ کرنے کے بعد چٹھی مورخہ ۲۹ جون ۱۹۲۸ء میں لکھتے ہیں کہ "میں اُن کوششوں کی جو کوآپریٹو کی تحریک کے متعلق آپ کر رہے ہیں کامیابی چاہتا ہوں اور میں ان کوششوں کو تمام ملک کی سب سے زیادہ اعلیٰ تعمیری قوت خیال کرتا ہوں"

محمد معقل صاحب سوبجرس انسٹیٹیوٹ چکراتہ سے لکھتے ہیں "میں خلوص نیت کے ساتھ یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ آپ کے رسالہ کے مطالعہ کرنے کے بعد سے بہت سی فضول خرچیاں مجھ سے یک لخت ترک ہو گئی ہیں اور جو کارآمد باتیں میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں وہ آپ کے رسالہ نے مجھے بتائیں فی الحقیقت آپ نے ایک نئی زندگی بلکہ قابل فخر زندگی کی روح پھونک دی ہے۔ خدا آپ کے کاموں میں بہتر سے بہتر مدد دے۔ میرے لائق جو کار خدمت ہو مطلع فرمائیے گا۔

ہفتہ وار اخبار "اہل سنت و الجماعت" امرتسر

یہ اخبار عرصہ دس سال سے زیرادارت حضرت جناب مولنا مولوی حافظ حکیم ابو تراب محمد عبدالحق صاحب
جو کہ تجربہ کار اور کہنہ مشق طبیب و مناظر ہیں ہفتہ وار اخبار بڑی شان و تاب سے طبع ہو رہا ہے۔ احکام اللہ و احکام
رسول و اقوال صحابہ کرام و خلفاء راشدین و بزرگان دین اس میں درج ہوتے ہیں اور مسائل اختلافیہ میں طبعی
اور تحقیق سے بحث کرتا ہے اور مخالفین اسلام کے سوالات کے جوابات دندان شکن دیتا ہے۔ اسلام کا حامی جماعت حقہ
اہل سنت و الجماعت کا واحد اسلامی پرچہ ہے رسومات قبیحہ کی بڑی زور سے تردید کرتا ہے۔ اور طبی معلومات
اور صدری مجربات و اصول حفظان صحت کے اعلےٰ درجے کے طریقے و صاحت سے درج کرتا ہے۔ اور
اسلامی اخبار جدیدہ جیبیہ کو شائع کرتا ہے لہذا برادران اہل سنت و الجماعت خریدار بن کر اجر عظیم حاصل
کریں۔ الغرض یہ جسمانی اور روحانی معالج ہے اور مذہبی فتاوے اور طبی سوالات و جوابات بھی اس میں
درج ہوتے ہیں اخبار کی سرپرستی قبول فرما کر صراط مستقیم کو معلوم کریں قیمت سالانہ للعہ ششماہی دو روپیہ
سہ ماہی عہ نمونہ ۲ر پتہ

اخبار اہل السنت و الجماعت" امرتسر

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

(ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے)

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دیکر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لیئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی پر ہر قسم کے خطرہ سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے۔

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ روپیہ** کا کل سرمایہ بے ضرر ہے کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کیجاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا اُردو پراسپکٹس جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و قصا دیر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۸ ڈلہوزی اسکوائر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۵ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے۔

"بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے ہر مرد و عورت اور بچہ کا، ہر مکان اور سواری کے جہاز و کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اور درانحالیکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اُس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محروم ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش اور اپنے پسماندگان کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لیئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

سُودمند لٹریچر

مسلمانوں کے لیے ان کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک معہد مند نے خاص طور پر شائع کرایا ہے ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سود خواروں کے پنجہ سے نجات دلانے۔ بنک کا لین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں ان کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رکھی گئی ہے تاکہ لوگ خرید کر تقسیم بھی کر سکیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث یعنی خطبہ صدارت جو مولوی اکرم عالم صاحب بی اے۔ وکیل نے سود مند کانفرنس منعقدہ فرخ آباد [illegible] میں پڑھا تھا۔ قیمت ۲/

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۳/

کشف الغطاء عن وجہ الربوا مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو اسحٰق حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کر کے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہے ایک کالم میں عربی ایک میں اردو ترجمہ قیمت ۴/

رسالہ جواز سود مع فتاوے۔ جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علماء کے فتوؤں کا مجموعہ قیمت ۱/

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہے جس میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں قیمت ۱/

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ۔ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیمہ کرانے کے کیا قاعدے ہیں۔ قیمت [illegible]

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان مصنفہ سید طفیل احمد صاحب ایم ایل سی علیگ [illegible] بالتفصیل بحث کی گئی ہے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو از بس ضروری ہے قیمت [illegible]

مسئلہ سود کے متعلق فتوے اور سود مند کانفرنس کی منظور شدہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد اسعد الدین ایف ار ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

راہ گیر: یہ اصحاب کتاں کتاں کہاں جاتے ہیں اور کس عالم میں!
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی ہر کوئی کچہری کے سلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر: پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی زیادہ سند کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر — سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر — محمد احیاءالدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) — قیمت فی پرچہ تین آنے (۳ر)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن‌ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام بنئے سود کھٹ کر ہوا کو جو بربادکن اور حرام ہے مٹادے۔

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

قواعد و ضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

(۲) سودمند ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے۔ اسلئے پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئیے۔ اس کے بعد دوسرے پرچہ میں اسکی قیمت لی جاوے گی۔

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجی جائے یا پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئیے۔ پتہ بھیجنے کا نمبر خریدار بھیجیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹری نمبر ۱۳۳۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی مل سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائیگی۔

(۸) اگر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اگر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے۔

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بھجوائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہیگا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے۔

المشتہر:—مینیجر سودمند بدایوں

سودمند بدایوں

چندہ سالانہ عہ	ستمبر ۱۹۲۸ء	نمبر ۹
قیمت فی پرچہ ۳/		جلد ۴

فہرست

سودمند کی پچھلی جلدیں نصف قیمت پر ملاحظہ ہو صفحہ ۸

کیا ایک مفلس قوم کے بخیل قابل ملامت ہیں؟

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اس کا سبب کیا
جب کہتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت

لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور
جب کہتے تھے کرتے تھے بخیلوں کی ملامت

اسراف بھی مذموم ہے۔ پر بخل سے کمتر
ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت

حالی نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اس کا
یاروں کے لیئے ہے یہ بیاں موجب رقت

کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اُس وقت
جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت

وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر
پھر اس میں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت

اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال
گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی
پرواز کی ہے چیونٹیوں کو جیسے ہدایت

پیتل کو چمڑے سے جوڑنے کا سیمنٹ

برانڈی میں ایک اونس سریش حل کیا جائے اور اسی مقدار میں صمغ عربی ڈالدی جائے۔ ان تینوں چیزوں کے ملنے سے ایک ایسا سیمنٹ تیار ہوجائیگا جس سے پیتل چمڑے سے جڑ جائے گا۔

قومی خدمت کا ایک اعلیٰ نمونہ

ناظرین سودمند عالیجناب خان بہادر سید جعفر حسین صاحب پنشنر انجینیر کے اسم گرامی سے بخوبی واقف ہوں گے وہ اس رسالہ سودمند کے سب سے پہلے ایڈیٹر ہیں انھیں کی ادارت میں یہ رسالہ جاری ہوا تھا۔ قریب پینتالیس سال کے ہوئے کہ آپ نے سرسید کی زندگی میں ایک بار ایک طویل رخصت لیکر گلے میں ایک جھولی ڈال کر علیگڑھ کالج کے لیئے دورہ کیا۔ پھر جب سرسید کے انتقال کے بعد علیگڑھ کالج کو یونیورسٹی کے درجہ تک پہونچانا قرار پایا تو آپ نے ون روپی فنڈ کا اجرا کیا جس میں فی کس ایک روپیہ طلب کیا جاتا تھا اور اس کام کو موصوف نے وسیع پیمانہ پر انجام دیا اور کثیر رقوم جمع کیں۔ آپ نے مدت العمر نہ صرف قومی خدمات مختلف صورتوں میں خود انجام دی ہیں بلکہ قومی خدمات انجام دینے والوں کی ایک جماعت تیار کی ہے۔ جو اصحاب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سابقہ جلسوں میں شریک ہوتے رہے ہیں وہ واقف ہیں کہ قومی خدام کی ایک جماعت اجلاسوں کے فاضل اوقات میں اہم قومی مسائل پر بحث و مباحثہ کیا کرتی ہے۔ ان اصحاب کی خصوصیت یہ ہے کہ دوران تقریر میں صدر کو خطاب کرنے میں "مائی لارڈ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ اصحاب لارڈس کے نام سے موسوم کیئے جاتے ہیں۔ ان اصحاب کا شب و روز کا مشغلہ قومی خدمت اور قومی مسائل پر بحث و مباحثہ ہے۔ اس جماعت کا مرکز ابتدا سے اٹاوہ رہا ہے جہاں عالیجناب مولوی محمد بشیرالدین صاحب نے اسلامیہ اسکول قایم کیا ہے۔ ناظرین سودمند کی واقفیت کے لیئے یہ امر قابل عرض ہے کہ مولوی محمد بشیرالدین صاحب اگرچہ قومی مفاد کے کاموں میں ابتدا سے حصہ لیتے تھے مگر اُنھیں علیگڑھ تحریک کی طرف متوجہ کرنے میں خان بہادر سید جعفر حسین صاحب کا خاص حصہ تھا غرضکہ اب جبکہ سید صاحب کی عمر غالباً پچھتر سال کے قریب ہوگی قومی امور میں آپ ابتک جوانوں سے زیادہ مستعد ہیں۔ عرصہ دو ماہ سے آپ اس قدر سخت بیمار رہے کہ اُمید زیست باقی نہ تھی۔ جب مرض میں تخفیف ہوئی تو آپ نے اسپتال میں پڑے پڑے مسلمانوں کی مالی اصلاح کے متعلق چند مضامین لکھے جو طبع کرا کر آپ کثیر تعداد میں شایع کر رہے ہیں۔ وہ مضامین یکے بعد دیگرے ناظرین سودمند کی خدمت میں پیش کیئے گئے ہیں چنانچہ اس سلسلہ کا آخری نمبر اس رسالہ کے صفحات ۹ تا ۱۱ میں درج ہے۔ اُمید کہ مسلمان سید صاحب کے مشوروں پر عمل کرکے اپنی قوم کو فائدہ پہونچائیں گے اور ان مضامین سے پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔ (ایڈیٹر)

اسراف بیجا اور شادیاں

یہ مضمون مولوی سیف الاسلام محمد داؤد خاں صاحب نا ولسٹ متوطن سرائے ترین محلہ نواب خیل قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد نے تحریر فرمایا ہے۔ موصوف مسلمانوں کی خدمت بڑے انہماک سے کرتے ہیں۔ موصوف نے اپنے قصبہ میں بڑھیوں کو آمادہ کیا ہے کہ کوئی شخص پچیس روپیہ سے زیادہ کی قیمت کا جہیز نہ دے اور نہ کوئی اس قسم کا کام کرے جس سے شادیوں میں اُس کو قرض لینا پڑے اور نہ کوئی قرض لیکر برادری کو کھانا کھلائے۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اُسے برادری سے نکال دیا جائے گا۔ اور اُس کا کھانا بھی نہ کھایا جائے گا۔ اُمید کہ ناظرین سود مند میں سے اور اصحاب بھی اسی قسم کے کام کریں گے اور اڈیٹر سود مند کو اطلاع دیکر ممنون فرمائیں گے۔ (اڈیٹر)

وہی تو ہے یہ اک عالم نے جس سے فیض پایا تھا
قریب المرگ ہے جس نے کہ مُردوں کو جلایا تھا

افسوس مسلمانوں نے پیغمبر علیہ السلام کے طرز عمل کو چھوڑ کر دوسروں کا راستہ اختیار کر لیا ہے اسی سبب سے فقر اور خواری نے اُنھیں گھیر لیا ہے کیا پیغمبر علیہ السلام نے اپنی اولادوں کی شادیاں نہیں کی تھیں کیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے بچوں کے بیاہ نہیں کیئے تھے نہیں نہیں ضرور کیئے تھے۔ تو کیا آج کل کی طرح وہ بھی فخر اور زیب و زینت کے واسطے قرض لیتے تھے اور اسی طرح دھوم دھام سے شادیاں کرتے تھے ہرگز نہیں بلکہ نہایت سادگی سے ان کاموں کو پورا کرتے تھے چنانچہ اس حدیث سے اس زمانہ کی شادیوں کا اچھی طرح پتہ چلتا ہے۔

انس نے فرمایا کہ نہ کھانا دیا پیغمبر خدا صلعم نے اپنی کسی بیوی پر جس قدر کھانا دیا بی بی زینب پر کھانا دیا ایک بکرے کا۔

یعنی صرف ایک بکرے کا گوشت پکا کر کھلایا اور یہی آپ کا سب سے بڑا ولیمہ تھا۔

دیکھنا چاہیئے کہ دولھا کے واسطے رنگین کپڑے تیار کرنا اور ناچ راگ اور باجے بجانا اور بلا ضرورت روشنی کرنا اور لڑکی کی طرف سے بہت سے جوڑے شوہر کے رشتہ داروں کے لیئے بنوانا اور مہر حیثیت سے زیادہ فخر کے واسطے مقرر کرنا وغیرہ وغیرہ ان رسوم میں بہت سے حرام ہیں لیکن مسلمان اس کو ضروری

سمجھ کر کرتے ہیں کس قدر افسوس کا مقام ہو مسلمانوں اب خواب میں پڑے رہنے کا وقت نہیں ہو روپیہ کا پیدا کرنا اور بڑھانا سیکھو۔

پیر کو کھلانا چاہیئے نہ کہ کھانا اکثر دیکھا گیا ہو کہ جو لوگ پیری مرشدی کا کام کرتے ہیں وہ اپنے مریدوں میں کھانا کھاتے ہیں اور نذرانہ لیتے ہیں اور کوئی کسب کرنا عار سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو جگہ بجگہ حیلہ کرکے چندے کرتے پھرتے ہیں اور اُجرت پر وعظ وغیرہ کہتے ہیں میرا جہاں تک خیال ہو ایسے لوگوں کو نہ چندہ دینا چاہیئے اور نہ کھانا کھلانا چاہیئے اس لئے کہ حدیث موجود ہو کہ جو سوال کرتا ہو قیامت کے روز اُس کے منھ پر گوشت نہ ہوگا کیا ایسے لوگ اس حدیث سے مستثنےٰ ہیں۔ لوگوں کو اپنی دولت کی قدر کرنی چاہیئے بلکہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہو کہ پیر مرید کے گھر سے نہ کھائے مرید پیر کے گھر سے کھائے (غنیہ ملاحظہ ہو)

بخاری و مسلم جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ مانی گئی اُس میں ارشاد ہو ما یزال الرجل سائل الناس حتیٰ یاتی یوم) القیامۃ لیس فی وجہہ مضغۃ لحم۔

یعنی سائل قیامت کے روز ایسی حالت میں آئے گا کہ اُس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑہ تک نہ ہوگا

شارحین حدیث اس کی شرح میں فرماتے ہیں جاء لہ یعنی وہ نہایت ذلیل حالت میں قیامت کے روز ہوگا یا حقیقی معنی پر محمول کیا جائے کہ واقعۃً اس کے چہرہ پر گوشت نہیں ہوگا اور ایک بیہودہ صورت میں آئے گا۔ شارحین حدیث نے اس کو آخرت پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اس کو غیرت دنیوی پر بھی محمول فرمایا ہو یعنی جو ذلت و خواری دُنیا میں اُس نے برداشت کی ہیں اُس کی تشہیر قیامت کے دن ہوگی۔ دوسرے نسائی شریف کی حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہو من سائل الناس

ولہ ما یغنیہ جاء یوم القیامہ وسائلتہ فی وجہہ خموش او خدوش او کدوح

یعنی جو کوئی لوگوں سے سوال کرے ایسے حال میں کہ اُس کے پاس اس قدر مال ہو جو اُس کو کافی ہوسکے تو قیامت کے روز اُس کا سوال اس کے منہ پر خراشس کی صورت ہوگا۔

اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ کون ایسا بے غیرت ہوگا جو دُنیا میں تو در بدر ذلیل ہوتا پھرتا ہو اور آخرت میں بھی رُسوا و ذلیل ہونا پسند کریگا۔ کون ایسا سچا اور راسخ الاعتقاد مسلمان ہوگا جو یہ سُنے اور اُس کے دست بازو میں ایک حرکت نہ پیدا ہو اور اپنی محنت وغیرہ سے کھانے کمانے پر تیار

نہ ہو جائے۔ سُنیئے یہی اشکال صحابہ کرام کو بھی ہوا تھا اور خلجان ہوا کہ غنی کی تعین کیونکر کیجائے
پر اُنھوں نے نبی کریم علیہ السلام سے دریافت کیا حضور اُس کی تعین فرماتے ہیں۔ ما الغنی الذی
ینبغی معہ المسألہ قال قدر ما یغدیہ ویعشیہ۔

اب ہمارے بھائیوں کے شبہ کا ازالہ بھی ہو گیا مسلمانوں نے انھیں وعیدوں پر بس
نہیں فرمایا بلکہ صاف لفظوں میں اُن پیشہ ور توی ہیکل گداگروں کے لیئے خصوصیت سے یوں
ارشاد فرماتے ہیں۔

ان المسألہ لا تحل لغنی ولا لذی مرۃ سوی الا لذی فقر مدقع او غرم مفظع

علماء نے ذو مرۃ سوی کی شرح ای الذی لہ قوۃ علی الکسب فرمایا ہے آگے جل کر ایک روایت
میں حضور فرماتے ہیں

من سأل الناس لیثری بہ مالہ کان خموشا فی وجہہ یوم القیامۃ
ورضفا یاکلہ من جہنم فمن شاء فلیقل ومن شاء فلیکثر

کیا اب بھی تمھیں احساس نہ ہوگا جبکہ حضور سائلین کو فرماتے ہیں کہ انھیں رسوائی و ذلت ہی
برداشت کرنی نہیں ہوگی بلکہ دوزخ کے دہکتے ہوئے انگاروں کو بھی کھانا ہوگا اے مسلمانوں
اب بھی سنبھلو اور گڑھے سے نکلنے کی کوشش کرو۔ کیا اُس انصاری کے واقعہ کو بھول گئے
لیجیئے سُنیئے اور عبرت حاصل کیجیئے۔

ایک انصاری دربار نبوی میں سائل بن کر حاضر ہوتے ہیں حضور دریافت فرماتے ہیں
کہ کیا تمہارے گھر کوئی چیز نہیں وہ بیچارہ عرض کرتا ہے کہ ہاں ایک کملی ہے کچھ حصہ بچھاتا ہوں
اور کچھ اوڑھ لیتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پینے کا کام لیتا ہوں مسلمانوں غور کا مقام
ہے حضور دونوں چیزوں کو منگاتے ہیں اور اُن کو بصورت نیلام دو درہم کے بدلے فروخت
فرما کر ایک کا غلہ لینے کے لیئے فرماتے ہیں اور دوسرے کی کلہاڑی۔ کلہاڑی لیکر حاضر ہوتا ہے اور
حضور اپنے دست مبارک سے اُس میں لکڑی لگاتے ہیں کیا اس واقعہ کو سُن کر کوئی غیرت مند
ہوگا جس کا دل نہ لرز گیا ہوگا۔ کیا اب بھی کوئی مسلم ہستی ہے جو اس گداگری کو اختیار کر کے حضور پرنور
کے وعیدات شدیدہ کا مصداق بننے کے لیئے تیار ہوگی میرے بھائیو کیا خلافت راشدہ کے
ایام بھول بیٹھے اور اُن کے عہد کے واقعات بالکل فراموش ہو گئے کہ اُن لوگوں نے گداگروں
کو سخت سے سخت سزائیں دیں کیا حضرت ابو ذرؓ کی حدیث کانوں تک نہیں پہونچی کہ نبی کریم نے

بلاکر سوال نہ کرنے پر عہد لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر کوڑا آپ کا تمہارا اگر جائے تو دوسرے سے اٹھانے کا سوال نہ کرو حتیٰ کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ اس پر پورے عامل رہے

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانہ کا نہ قسمت کا گلہ ہے

دولت کی قدر

اسلام نے تمہاری معاشرت کے لیئے حد مقرر کر دی ہے اور آج جو مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں وہ خود تمہارے ہی کرتوت ہیں۔ ذرا ارشاد ربانی کو ملاحظہ کیجیئے (ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم) تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ صرف تمہارے ہاتوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ پس بھائیو اگر تم اپنے آپ کو مصیبت سے نکالنا چاہتے ہو تو اپنے نفع نقصان کو سمجھو (ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا) اور نہ تو اپنے ہاتھ کو (ازراہ امساک) اپنی گردن سے ہی باندھ لے اور نہ (ازراہ اسراف) اس کو بالکل کھول ہی دے کہ ملامت زدہ اور تنگدست ہو کر بیٹھ رہے۔ اور دوسری جگہ کلام پاک میں یہ بھی ارشاد ہے کہ بیجا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اس آیہ کریمہ کے شان نزول سے اس مسئلہ پر اور بھی پوری روشنی پڑتی ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو اپنا کرتہ ہبہ کر دیا اور آپ کے پاس اِس کرتہ کے سوائے دوسرا کرتہ نہ تھا اس لیئے آپ مسجد میں جانے سے مجبور تھے۔ اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی اب غور کرو اور دیکھو کہ جب امور خیرات و حسنات میں زیادہ خرچ کو جائز نہیں رکھا گیا تو برائیوں اور خدا کی نافرمانیوں کے اندر فضول خرچی اور بے اعتدالی کس طرح جائز ہوگی۔ اور ملاحظہ فرمایئے ایک صحابی کے پاس کچھ روپئے زیادہ تھے اپنے مرتے وقت آنحضرت صلعم سے کل مال و دولت کو اللہ کے رستہ میں خرچ کرنے کی اجازت چاہی اس سے بھی منع کیا تو نصف کی خواہش کی آپ نے اس سے بھی روکا اور فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ ایک ثلث خیرات کر سکتے ہو اور رقم بھی زیادہ ہے اس لیئے اپنے بال بچوں کو محتاج چھوڑنے سے زیادہ بہتر ہے کہ ان کو مالدار چھوڑو۔ تاکہ دوسروں کی دست نگر نہ ہوں۔ ان لوگوں کو اس واقعہ پر غور کرنا چاہیئے کہ جو دولت کی توہین کرتے ہیں اور اُس کو پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ جو بالآخر تنگدست ہو کر اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو افلاس میں مبتلا کر کے مرجاتے ہیں۔ اسلام کے اندر مال کا بہت بڑا درجہ ہے چنانچہ اسی لیئے قرآن پاک نے اس کو بار بار لفظ حسنۃ اور رحمت کے ساتھ یاد کیا ہے تیسرے

خیرات اور حیات کا ذریعہ ہونے کے علاوہ خدا کی عبادت ادا کرنے بغیر اس کے اطمینان ممکن نہیں
ہے یہ بالکل سچی حقیقت ہے کہ ایک نادار خدا کی عبادت اس فراغ قلب کے ساتھ اور اپنے
فرض کو ادا نہیں کر سکتا جو ایک خدا ترس تونگر کو میسر ہے۔ اے برادران اسلام میں بحلف کہتا ہوں
کہ اس وقت تمہارے دین و ملت کو اور تمہارے ناموس و عزت کو بڑے بڑے اخراجات کی
ضرورت ہے دیکھو بیدار قومیں اپنی سرمایہ داری اور دولت کے گھمنڈ میں اور تمہاری ناداری کی وجہ
سے اسٹیجوں اور اخباروں کے کالموں میں یہ نہیں کہتیں کہ ہم ان کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے کس طرح
آمادہ ہیں کیا آپ کو اب بھی ضرورت نہیں ہے کہ ان کی طرح تم بھی دولت مند بن جاؤ۔ لقمان علیہ السلام
اپنے بیٹے سے فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا دُنیا میں رہ کر روپیہ پیدا کرنا اگر تونے ایسا نہ کیا تو دُنیا میں تیری
کوئی عزت نہ کریگا اور سب تجھ کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تمام عمر خدا سے یہی
دُعا مانگی کہ خداوند مجھ کو جہالت اور بے زری سے بچانا اور یہ حدیث شریف بھی ہے کہ بے زری انسان
کو کفر تک پہونچا دیتی ہے چنانچہ اس حدیث کی صداقت آج ہندوستان میں نظر آرہی ہے کہ بوجہ مفلسی
کے اکثر مسلمان مرتد ہوتے چلے جاتے ہیں کیا اب بھی کوئی صاحب اس کے کہنے کی جرات کرینگے
کہ سیم و زر کی محبت بدترین لعنت ہے۔ فقط

مسلمانوں کی تباہی کا اصلی سبب اور اس کا واحد ممکن العمل علاج

(نوشتہ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب)

نمبر ۲

مسلمان مسرف کیوں ہیں!

خواہ مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے یا دُنیاوی انتظام کے خیال سے جو شخص آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرے گا وہ مفلس نہ ہوگا خواہ ترقی نہ کر سکے لیکن آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے والا خواہ اس کی کتنی ہی بڑی آمدنی ہو ایک نہ ایک دن افلاس کی بلا میں ضرور گرفتار ہو جائے گا اور ترقی تو کر ہی نہیں سکتا۔ مسلمان اس قاعدہ کلیہ کا لحاظ رکھنا ضروری نہیں سمجھتے اور اسی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو بھی اس طرف توجہ دلانے کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے اور ان کے ہاتھ سے پیسہ اِس طرح خرچ کرایا جاتا ہے کہ اُن کو اس کا حس بھی نہیں ہوتا کہ کس قدر صرف کرنے کی گنجائش ہے جس سے زیادہ نہ خرچ کرنا چاہیئے ان کو اس قدر بلا روک ٹوک خرچ کرنے کو دیا جاتا ہے جس سے انھیں بچپنے ہی سے اسراف کی عادت پڑ جاتی ہے جو عمر بھر نہیں جا سکتی۔

اس کا واحد ممکن العمل علاج

صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو بچپن ہی سے بتائیں کہ کس قدر صرف کرنے کی گنجائش ہے جس سے زیادہ نہ خرچ کرنا چاہیئے تاکہ کفایت شعاری کا خیال پیدا ہو اور اسراف کی عادت نہ پڑنے پائے۔ انسان کے بچے کو جو کچھ سکھایا جائے وہ اُسی کا عادی ہو جاتا ہے اگر بچپن سے اسراف سکھایا جائے تو مسرف ہوگا اور اگر کفایت شعاری سکھائی جائے تو کفایت شعار ہوگا۔

ہم نے اس علاج کو "واحد علاج" اس واسطے کہا ہے کہ جس شخص کو بچپنے سے اسراف کی عادت پڑ جاتی ہے وہ پھر کسی طرح نہیں چھوٹ سکتی۔ کسی پند و نصیحت یا اور تعلیم سے نہیں جاتی بلکہ اگر مسرف شخص خود بھی ارادہ کرتا ہے کہ اپنے مصارف گھٹا دے تو بھی نہیں گھٹا سکتا اس وجہ سے اس کا علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا بجز اس کے کہ بچپن ہی سے اسراف کی عادت نہ پڑنے دی جائے۔

ہم نے اِس علاج کو "ممکن العمل" اِس واسطے کہا ہی کہ ہر شخص صرف تھوڑی سی توجہ کرنے سے اپنی اولاد میں جو عادت ڈالنا چاہے ڈال سکتا ہی اس کے لیئے کسی ایسے انتظام کی ضرورت نہیں کہ جسکے واسطے روپیہ خرچ کرنا پڑے قوم کے بکثرت اصحاب کو متحدہ عمل کرنے کے واسطے کوئی انجمن یا سوسائیٹی یا کسی اور نظام کے قایم کرنے کی ضرورت ہو۔ ماں اپنے بچوں میں جو عادت ڈالنا چاہے ڈال سکتی ہی۔ یہ ظاہر ہی کہ ہر مسلمان کو یہ خیال پیدا ہو جانا کہ وہ اپنی اولاد کو اسراف کا عادی نہ ہونے دے مشکل اور دیرطلب امر ہی۔ کیونکہ اول تو بکثرت مسلمانوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا ہی مشکل ہی۔ اِس کے واسطے بہت بڑے پیمانہ پر پروپگنڈا کرنے کی ضرورت ہی۔ دوسرے جن کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو بھی جائے۔ ان سب کا استقلال سے اس کے واسطے کوشش کرتے رہنا ناممکن ہی۔ اگر ہزار والدین کے کان تک یہ آواز پہونچائی جائے تو شاید سو کو اس طرف توجہ ہو اور ان میں سے بمشکل دو چار عمل کرسکیں گے لیکن اگر ایک نے بھی عمل کیا تو کم سے کم اس کی اولاد اسراف سے نجات پاکر اپنے خاندان کو تباہی سے بچا سکیگی۔ اور قوم میں سے ایک مسرف کم ہو جاویگا۔

ضرورت تو یہ ہی کہ اس کا پروپگنڈا اُسی شد و مد اور کوشش سے پھیلایا جائے جیسا کہ سنگھٹن اور شدھی اور دیگر اُمور کا ہمارے ہموطن پھیلا رہے ہیں لیکن وہ ایک زندہ قوم ہی جو کچھ چاہے کرسکتی ہی۔ ہماری مردہ قوم کچھ نہیں کرسکتی خصوصاً کسی ایسے معاملہ میں جس میں روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہو اور اس کا پروپگنڈا پھیلانے کے واسطے امور ذیل کی ضرورت ہی۔

(۱) مسلمان والدین کو اس پر توجہ دلانے کے واسطے رسالے لکھے جائیں اور لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیئے جائیں۔ اگر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اس کو اپنے ہاتھ میں لے تو اس کے مقصد کے خلاف نہ ہوگا۔ اور اس کے پاس روپیہ بھی ہی۔

(۲) مسلمان بچوں کو پڑھانے کے واسطے رسالے تالیف کیئے جائیں جو ہر مسلم مکتب یا مدرسہ اور اسکول میں پڑھائے جائیں اور انجمن حمایت اسلام اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اسکو کرسکتے ہیں۔

(۳) ہمارے قومی اخبار "مسلمانوں کی مالی اصلاح" اپنی پالیسی قرار دیں جس پر مسلسل مضامین لکھنے کے واسطے بڑا وسیع میدان ہی اس پر برابر مضامین لکھا کریں۔ اس سے اخبارات کو بھی بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہر مسلمان اِن مضامین کو دلچسپی سے پڑھے گا۔ اس وقت کوئی ایسا مسئلہ اخبارات میں زیر بحث نہیں ہی جس سے مسلمان پبلک دلچسپی لیتی ہو۔ چند ہی روز میں یہ مسئلہ مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف جذب کرنے لگے گا۔

(۴) علماء کے حضور میں پیش کرنے کو درخواستیں لکھی جائیں اور چھپوا کر تمام علماء کی خدمت میں بار بار بھیجی جائیں جس میں علماء سے استدعا کی جائے کہ احکام الٰہی مندرجہ مضمون ہذا پر خصوصیت سے اپنے ہر وعظ میں عوام کو عمل کرنے کی ہدایت فرمائیں۔

اس کے واسطے مسلمانوں میں نہ کام کرنے والے مل سکتے ہیں اور نہ روپیہ مگر یہ کام بغیر روپیہ اور کام کرنے والوں کے بھی اس طرح چل سکتا ہے کہ جو صاحب اس مضمون کو پڑھیں اگر ان کو ہماری رائے سے اتفاق ہو تو وہ اپنی اولاد کو اسراف سے بچانے کی کوشش کریں اور سمجھ لیں کہ اگر اس طرف توجہ نہ کی تو جو حشر مسلمانوں کے لاکھوں برباد شدہ خاندان کا ہوا ہے اور ہر روز سیکڑوں خاندان کا اس اسراف سے ہو رہا ہے اس سے ان کا خاندان بھی محفوظ نہ رہے گا اگر ہر ایک مسلمان انفرادی طور پر محض اپنے ذاتی فائدہ کے خیال سے اس پر عمل کرے تو سمجھ لیجئے یہ کام چل گیا۔

بچے کیونکر اسراف سے روکے اور کفایت شعاری کے عادی بنائے جا سکتے ہیں

اس کے متعلق یہاں کچھ لکھنا باعث طوالت ہوگا۔ ورنہ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ اہل یورپ نے بچوں کو کفایت شعاری کی تعلیم دینے کے بارہ میں کتابیں لکھی ہیں۔

لیکن ہمارے ہم وطن ہندو بھائی تو اپنے بچوں کو کفایت شعاری کی تعلیم صرف اس طرح دیتے ہیں کہ والدین اپنی حیثیت سے زیادہ نہ اپنے بچے پر صرف کرتے ہیں اور نہ بچوں کو خرچ کرنے کے واسطے اپنی حیثیت سے زیادہ دیتے ہیں اس وجہ سے ان کے بچے مسرف نہیں ہونے پاتے اگر مسلمان بھی ایسا کرنا چاہیں تو اس کے واسطے ان کو کسی ترکیب کے سیکھنے کی ضرورت نہ ہوگی ہر شخص اپنا راستہ خود ڈھونڈ نکالے گا۔

پند سود مند

۱۔ ہر ایک بات کی تحقیق کرنے کی عادت اپنے میں پیدا کرو۔

۲۔ جس لیاقت کا جو آدمی ہو اس کی ویسی عزت کرو۔

۳۔ ہر ایک کا حق پہچانو۔

۴۔ جو بھید لائق کہنے کے نہ ہو اس کو منہ سے ہرگز نہ نکالو۔

۵۔ جس کام کو ابھی تک کر نہیں چکے یہ مت خیال کرو کہ ہو گیا بلکہ اس کے لئے انتہائی کوشش عمل میں لاؤ۔

۶۔ کسی نفع یا نقصان کی خاطر اپنی آبرو کم مت کرو

۷۔ جو آدمی غیروں کی عقل پر کاربند ہوتا ہے اور آپ نہیں سمجھتا وہ مثل پیادہ بیت کے ہے جو سیاہ بچے آگے نا پائدار ہوتی ہے۔ (ماخوذ از دیہاتی جھنگ)

ہندوستان کی اقتصادی حالت پر سر ابراہیم رحمت اللہ کے خیالات

ہندوستانی صنعتی اور تجارتی کانگریس کا خطبۂ صدارت

نمبر ۲

ہندوستان میں ٹیکس اداکرنے کی قابلیت

اکثر یہ دلیل پیش کی جاتی ہو کہ انگریزوں کی آمد کے زمانہ سے ہندوستان زیادہ دولت مند ہو گیا ہو اور بہ نسبت زمانہ گزشتہ کے اب ہندوستان میں بہت زیادہ روپیہ موجود ہو۔ بفرض محال اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ جہاں تک روپیہ کی تعداد کا تعلق ہو ہندوستان کی حالت اب بہتر ہو لیکن اس کے ساتھ اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مصارف زندگی بھی اب بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں روپیہ کی قوت خرید بہت کم ہو گئی ہو۔ بچت کا روپیہ کچھ زیادہ نہیں ہو اور عوام الناس سخت افلاس میں مبتلا ہیں۔ محاربۂ عظیم سے پیشتر ہندوستان میں ۱۰ گز فی کس کپڑے کا خرچ تھا جو ضروریات زندگی سے ہو اور اب صرف ۱۰ گز فی کس کا اوسط ہو اگر حالت اس کے برعکس ہوتی تو موجودہ ٹیکس لگانے سے ٹیکس لگانے والوں کو اپنے کاروبار میں نقصان نہ ہوتا اس لیئے سرکاری مصارف میں کمی کیئے جانے کی مسلسل کوشش کوئی تعجب خیز بات نہیں ہو۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ اس بارے میں کوشش ہوئی ہو لیکن اس کا کوئی تشفی بخش نتیجہ نہیں نکلا۔ مصارف سرکاری میں تخفیف ہونے کے مسئلہ میں یہ زبردست دلیل پیش کیجاتی ہو کہ انتظامی مشینری کو نہایت عمدہ حالت میں برقرار رکھنا چاہیئے اور اس کی حالت کی عمدگی کا تعین خود سرکاری حکام کے اختیار میں ہو عمدگی کی صدائے بے ہنگام نے سخت نقصان پہونچایا ہو۔ یہ بات اظہر من الشمس ہو کہ کسی ملک میں نظم و نسق کی عمدگی صرف اُس حد تک ہو سکتی ہو جہاں تک کہ وہ ملک اس کے مصارف برداشت کر سکتا ہو۔

اس لیئے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہو کہ کیا ہندوستان کے اقتصادی وسائل نظم و نسق کی خوبی کے اُس اعلیٰ معیار کو برقرار رکھنے کی اجازت دیتے ہیں جو ہندوستان میں قایم کیا گیا ہو کوئی شخص بھی ایسے اعلیٰ معیار نظم و نسق کو کسی مدت کے لیئے نافذ کرنے پر مجبور نہ کرے گا جو اس ملک کے وسائل آمدنی سے باہر ہو اس لیے ایک مہذب گورنمنٹ کا اولین فرض یہ ہو کہ وہ اس ملک کے

اقتصادی وسائل کو ترقی دے تاکہ رعایا میں زیادہ ٹیکس ادا کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے اور ملک کی مزید ترقی کے لیے رعایا کے پاس سرمایہ فراہم ہو جائے۔

ہندوستان اور جاپان کی سرکاری آمدنی

ایک فلاسفر کا مقولہ ہے کہ دُنیا میں امیری اور غریبی کوئی شے نہیں ہے البتہ ایک حالت کا دوسری حالت سے مقابلہ ہو سکتا ہے اس لیے یہ ایک فطری فعل ہے کہ ہندوستان کی اقتصادی حالت کو جو ترقی زیر حکومت برطانیہ میسر ہوئی اُس کا ہم ایک دوسری ایشیائی ملک کی اقتصادی ترقی سے مقابلہ کریں جس میں کہ سیلف گورنمنٹ ہے۔ گورنمنٹ جاپان کی مالی و اقتصادی رپورٹ ۱۹۲۶ء میں درج ہے کہ گزشتہ ۴۰ سال (۱۸۸۷-۸۸ لغایت ۱۹۲۶-۲۷) میں جو کسی ملک کی تاریخ کا ایک مختصر زمانہ ہے۔ گورنمنٹ جاپان کی آمدنی ۸ کروڑ ۰۰ لاکھ ین سے ترقی کرکے ۱۶۵ کروڑ ۹۰ لاکھ ین ہوگئی۔ جاپان کی اس قدر بھاری ٹیکس ادا کرنے کی قابلیت نے اس درجہ ترقی کی کہ ملک کے نظم و نسق کے اس وافر بار کو وہ برداشت کرسکا۔ ان اعداد کو روپیہ کی شکل میں تبدیل کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جاپان پر ۱۸۸۷ء میں فی کس ۲؎ ٹیکس تھا اور یہ ٹیکس ۱۹۲۶-۲۷ء میں فی کس ۲۵؎ ہوگیا۔ اسی مُدت میں ہندوستان کی سرکاری آمدنی ۸۸ کروڑ سے ترقی کرکے ۲۲۰ کروڑ یعنی سہ چند ہوگئی حالانکہ جاپان کی آمدنی اِس عرصہ میں ۲۰ گنا ہوگئی تھی۔ ہندوستان کی سرکاری آمدنی کا مردم شماری کی رو سے حساب لگایا جائے تو سرکاری ٹیکس ۱۸۸۷-۸۸ء میں ۶؎ فی کس اور پھر ۱۹۲۶-۲۷ء میں ۱۲؎ فی کس پڑتا ہے۔

ہندوستان فطرتاً یہ سوال کرسکتا ہے جاپان کی مرفہ الحالی کو کس وجہ سے اس قدر ترقی ہوئی اور اس کے مقابلہ میں ہندوستان نے بہت کم ترقی کی۔ کیا کوئی شخص ہندوستان کو مورد الزام قرار دے سکتا ہے اگر اس سے وہ یہ نتیجہ نکالے کہ ان دو ایشیائی ملکوں کی اقتصادی ترقی میں اس قدر فرق اس وجہ سے ہے کہ جاپان میں سیلف گورنمنٹ ہے اس لیے وہ اپنی رعایا کی اقتصادی ترقی کے لیے پوری کوشش اور توجہ کرتا ہے اور زیر حکومت برطانیہ ہونے کے باعث ہندوستان اُس پالیسی پر قانع ہے جو منتظمان اعلےٰ کا بورڈ متعینہ لندن یعنی وزیر ہند بشمول کونسل ہندوستان کے لیے مقرر کرتے ہیں۔

مزدوری اور بے روزگاری میں نے اِس خطبہ کے شروع میں بعض متضاد فوائد کا تذکرہ کیا تھا ہندوستان میں مزدوروں کی حالت بہتر بنانے کے لیے اب ایک اور تحریک شروع کی گئی ہے جو امداد اور ترغیب کی مستحق ہے لیکن اس نے ہمارے درمیان اختلاف رائے پیدا کردیا ہے۔ اس تحریک میں ہندوستان کی فلاح و بہبود کے امکانات موجود ہیں میری رائے میں اس ملک میں مزدوری

اور سرمایہ کے مفاد کسی طرح بھی ایک دوسرے کے متضاد نہیں ہیں صنعت و حرفت کی کامیابی مزدوروں
کی فلاح کے وسائل بہم پہونچاتی ہے۔ ہمارے موجودہ وائسرائے لارڈ ارون اور لارڈ لائڈ سابق گورنر
بمبئی نے محولہ بالا کتاب میں جو کچھ تحریر کیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قومی ملازمت کس قدر اہم ہے
چنانچہ انھوں نے اس کتاب میں تحریر کیا ہے کہ "یہ بات عام طور پر مان لی گئی ہے کہ وہ ضروری ملازمت
ملک کی پیداوار کی فراوانی میں مل سکتی ہے جس پر کہ بالآخر فنانشل اور سوشل نظام کا انحصار ہونا چاہیئے" لارڈ
ارون آج کل ہندوستان کے وائسرائے ہیں۔ آپ نہایت ہمدرد ہیں اور آپ کو ہندوستان کی فلاح
و بہبود کی بڑی فکر دامنگیر ہے۔ آپ کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں طبقہ وسطے کی بیکاری کا مسئلہ
کس قدر نازک ہے۔ گورنمنٹ سے امداد پانے والی یونیورسٹیاں ہر سال اپنے یہاں سے سیکڑوں گریجوئٹ
تیار کر کے نکالتی ہیں جن میں سے بہت سے ملازمت نہ ملنے سے تلاش معاش میں سرگرداں رہتے
ہیں۔ رائے عامہ نے گورنمنٹ کو متعدد مرتبہ اس طرف توجہ دلائی ہے اور اس کی بابت ضروری تدابیر
اختیار کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ لارڈ ارون جنھوں نے اپنی کتاب میں خود اقبال کیا ہے کہ "وہ ضروری ملازمت
جس پر کہ بالآخر فنانشل اور سوشل نظام کا انحصار ہونا چاہیئے" اب ہندوستان کے نظم و نسق کے
وہ اعلیٰ حکمران ہیں کیا ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی ہے کہ وہ ہندوستان کی بے روزگاری کو
رفع کرنے کے لیئے معقول اور موثر تدابیر اختیار کر کے اپنے دور حکومت کو ممتاز کریں گے جس سے کہ
اہل ہند کا سوشل اور فنانشل نظام متذکرہ بالا خر درست ہو جائے گا۔ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں
کہ بے روزگاری کا حقیقی علاج ملک کی مجموعی پیداوار کی افزائش میں مل سکتا ہے مجھ کو پوری توقع ہے
کہ رعایا کے لیئے روزگار بہم پہونچانے کے واسطے حضور وائسرائے ہندوستان میں بھی تدابیر اختیار
کریں گے۔ امریکہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قومی مرفہ الحالی کی ترقی گراں شرح مزدوری کے ناموافق نہیں ہے
بس قومی اقتصادی پالیسی درکار ہے جس میں سارا ملک حصے لے سکے اس ملک کے طول و عرض میں
ایک ہندوستانی بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو ان تکالیف کو محسوس نہ کرتا ہو جس میں ہندوستان
کے عوام الناس مبتلا ہیں۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہیں ہو سکتی کہ یہاں کی آبادی کا
بڑا حصہ ناکافی غذا اور لباس پر بسر اوقات کرنے پر مجبور ہے۔ آپ کسی ہندوستانی کے پاس جائیے
خواہ وہ بڑا سا ہوکار ہی کیوں نہ ہو اور اس سے اس مسئلہ پر گفتگو کیجیئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا
کہ وہ بھی دیگر حضرات کی طرح نہایت افسوس کے ساتھ اس حالت کو محسوس کرتا ہے جس میں کہ ہندوستان
کے عوام الناس زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ تو نہایت کمزور دسائے ہے کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کے

مفاد مشترک ہیں اگر زراعت اور صنعت کی حالت اچھی ہو تو اور کاموں میں لگانے کے لئے ملک میں کافی روپیہ ہر وقت موجود رہ سکتا ہے۔ صنعت و حرفت کی مرفہ الحالی سے شرح مزدوری بڑھ گئی اور شرح مزدوری بڑھنے سے مزدوروں کو زیادہ راحت نصیب ہوگی اور اُن کی قوت خرید میں اضافہ ہوجائے گا لیکن اگر زراعت اور صنعت پستی کی حالت میں ہوں تو اور کاموں میں لگانے کے لیئے روپیہ موجود نہ ہوگا اور عوام الناس ہی تکالیف اُٹھانے والے ہوں گے جن کی معاش کے یہی دو وسیلے ہیں اس لیئے زراعت کو ترقی دینے اور صنعت و حرفت کو کامیاب بنانے کی ہر ایک کوشش عوام الناس کے حق میں نہایت سود مند ہوگی۔ ہندوستان کے مخصوص حالات کے متعلق اختلاف رائے اسی لیئے پیدا ہوتا ہے کہ رعایا کی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرنے کے لیئے ملک میں کافی روپیہ نہیں ہے۔ اس لیئے مزدوروں اور ساہوکاروں دونوں کے نفع کی خاطر اِس بات کی ضرورت ہے کہ دونوں مِل کر زراعت۔ تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی کوشش کریں۔

سرمایہ اور مزدوری

میں نے یہ رائے زنی اس لئے کی ہے کہ میں نے مزدوروں کے لیڈروں کو اکثر اِس حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے مفاد کا انحصار صنعت و حرفت کی کامیابی پر ہے۔ صنعت و حرفت کی حفاظت کے بل پر مجلس مقننہ میں جس طریقہ پر بحث ہوئی اُس سے معلوم ہوا کہ کس نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ دیکھا جاتا ہے۔ اگر صنعتی کاروبار کامیابی سے چلے تو مزدوروں کی باضابطہ انجمن اپنے پیش کردہ شرائط مالکان سے منوا سکتی ہے۔ عوام الناس کے ہر ایک بہی خواہ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ مزدوری کا نظام عمل فوری فائدہ کی تنگ خیالی سے نہیں مرتب کرنا چاہیئے لیکن حقیقی اور دوامی فائدہ کی وسیع خیالی سے اِس کو ترتیب دینا چاہیئے۔

محاربہ عظیم کے بعد سے سوتی پارچہ بافی کی صنعت کو قدرے غیر معمولی منفعت حاصل ہوئی ہے اور اگرچہ مزدوروں کی جماعت پورے طور پر منتظم نہیں ہے تاہم مزدوروں نے منہ مانگی مزدوری حاصل کرلی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ بغیر مزدوروں کے سرمایہ کسی مصرف کا نہیں اور بغیر سرمایہ کے مزدوری کا وجود قایم نہیں رہ سکتا ہے۔ ملک کے اقتصادی نشوونما کے لیئے دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس لیئے دُنیا بھر کے تمام ممالک نے بشمول برطانیٔ نوآبادیات کے دونوں کے اقتصادی فوائد کے واسطے صنعت و حرفت کی حفاظت کی ایسی پالیسی اختیار کر رکھی ہے جس سے کہ صنعت و حرفت کامیابی سے چلے اور وہ رعایا کے لیئے روزی فراہم کرنے کا موجب ہو مزدوروں کے لیڈران کے لیئے یہی نصیحت بہتر ہے کہ وہ ساہوکاروں سے اشتراک عمل کرکے گورنمنٹ پر یہ دباؤ ڈالیں کہ وہ اپنی مالی پالیسی کو نیک نیتی سے

ایسے پیمانہ استعمال کرے جس سے کہ رعایا کی ضروریات کا توازن قایم رہے۔ اس واقعہ کی طرف توجہ دلانا کافی ہو کہ امریکہ کی جو زرعی اور صنعتی ملک ہے فی کس سالانہ آمدنی ۲ ہزار روپیہ ہے۔ برطانیہ کی جو محض صنعتی ملک ہے فی کس سالانہ آمدنی ایک ہزار روپیہ۔ برطانیہ کی خود مختار نو آبادیات کناڈا اور اسٹریلیا کی فی کس سالانہ آمدنی ۵۰۰ روپیہ ہے۔ چند سال ہوئے کہ ہندوستان کی فی کس سالانہ آمدنی کا تخمینہ ۳۰ روپیہ کیا گیا تھا۔ گزشتہ حالات اور جدید اقتصادی ترقیات کا لحاظ کر کے اب ہندوستان کی فی کس سالانہ آمدنی کا تخمینہ ۶۰ روپیہ سے ۱۰۰ روپیہ تک لگایا گیا ہے۔ اگر سب سے بڑا تخمینہ یعنی سو روپیہ ہی کو صحیح مان لیا جائے تو اس میں سے امپیریل و پراونشل اور لوکل ٹیکس مہیا کرنے کے بعد فی کس سالانہ آمدنی لعـہ یعنی چھ ماہوار ہوتی ہے۔

ایسی قلیل آمدنی سے رعایا میں کس قدر قوت خرید پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لیئے ملک کی شدید ضرورت یہی ہو کہ قومی آمدنی بڑھائی جائے اور مادر وطن کی عام ترقی کے لیئے ساہوکاروں اور مزدوروں میں اتحاد پیدا کیا جائے تاکہ دونوں کو فائدہ پہونچے۔

زبردست موقعہ خواتین و حضرات آپ نے ملاحظہ کیا کہ میں نے رزرو بنک۔ بحری تجارت شرح تبادلہ ۱۸ شلنگ فی روپیہ مقرر کرنے اور حفاظت صنعت پارچہ بافی وغیرہ مختلف مسائل پر بالتفصیل بحث نہیں کی جن کا اثر تجارت پیشہ جماعت پر اس سال کے دوران میں پڑا ہے۔ میں نے بنیادی پر پوری توجہ کے ساتھ بحث کرنا پسند کیا ہے جس پر کہ ہندوستان کی مرفہ الحالی کی ساری عمارت قایم ہے۔ میرے خیال میں ان مسائل کی پوری تنقیح اُس وقت ہو گی جب مخصوص ریزولیوشن آپکے روبرو پیش ہوں گے۔

میرا خاص مقصد حکام کو یہ بتانا تھا کہ وہ ہندوستان کی مالی پالیسی کے موجودہ انتظام میں اپنے ملک کی پورے طور پر خدمت ادا نہیں کرتے ہیں اور ہندوستان کا اقتصادی مسئلہ خود برطانیہ کے لیئے زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے اپنے یہ خیالات اس امید سے ظاہر کیئے ہیں کہ اب بھی آخر وقت میں بھی ہمارے حکام کی چشم حقیقت بیں کھل جائے اور وہ ہندوستان کے اس حقیقی مسئلہ کو ملاحظہ کریں اور اُن کو محسوس ہونے لگے کہ گزشتہ ایام میں جس پالیسی پر عملدرآمد ہوا ہے وہ کیسی تنگ خیالی پر مبنی تھی۔ زرعی کمیشن سے عرصہ دراز کے بعد اقتصادی وسائل کی ترقی میں مدد مل سکے گی لیکن اس سے مستقل فوائد جلد حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔

لیکن وسیع پیمانے پر صنعت و حرفت کو ترقی دینے سے مستقل اور معقول فوائد جلد حاصل ہو سکتے ہیں

ہندوستان میں رہنے والے انگریزوں کو وہی پوزیشن اختیار کرلینی چاہیئے جو ان کے اہل وطن نے برطانوی نو آبادیات میں اختیار کی ہے کہ جو روپیہ وہ باسانی پس انداز کر سکیں صرف اسی کو اپنے ملک کو روانہ کیا کریں۔ انگریز ہندوستان میں خلق خدا کو فائدہ پہونچانے کے مشن یا اپنی صحت کو درست کرنے کے لئے نہیں آتے ہیں اس لئے میں اُن سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کو مقدس امانت بنانے کے حیلہ کو ترک کردیں اور وہ دلیری کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کرلیں کہ وہ اپنے تجارتی فوائد کو ترقی دینے کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ میں لارڈ ارون سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کے اقتصادی مسئلہ کو اُسی اسپرٹ سے ملاحظہ کریں جس سے لارڈ لائڈ نے برطانیہ کے لئے اپنے مضمون بعنوان بنا موقعہ (opportunity) میں اس مسئلہ کو ملاحظہ کیا ہے اور ہندوستان کے لئے اپنی ظاہر کی ہوئی رائے کے مطابق پالسی مقرر کردیں۔

میں ان سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ہندوستان کے عالی دماغ تاجروں کو طلب فرمائیں اور ان کو ہندوستان پر قبضۂ برطانیہ کا حقیقی منشا بتادیں اور اُن سے مل کر ہندوستان کی مرفالحالی کے لئے تدابیر تجویز فرمائیں۔

خواتین و حضرات!

آپ نے اس جلسہ کا صدر منتخب کرکے میری جو عزت افزائی فرمائی اور جس صبر اور استقلال سے میرے خیالات کو سنا ہے اس کا میں دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ فقط۔

بسکٹ

بسکٹ بنانے کے لئے ہندوستان میں جس قدر غلہ مکھن اور انڈے پیدا ہوتے ہیں اور کسی ملک میں نہیں ہوتے۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں بسکٹ بنانے کے بہت ہی تھوڑے کارخانے ہیں اگر آپ بسکٹ بنانے اور بسکٹ کی تجارت سے واقعی نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں تو نظامی پریس بدایوں سے بسکٹ وغیرہ بنانے کی کتاب منگاکر پڑھیں۔

بسکٹ بنانے میں سو فی صدی منافع ہے۔ انگلستان میں اس وقت تمام دنیا سے زیادہ بسکٹ بنائے جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں بھی اعلیٰ درجہ کے بسکٹ بنائے جائیں تو بڑی فروخت اور کامیابی ہوسکتی ہے۔ دہلی بسکٹ کمپنی نے لاکھوں روپے آج تک پیدا کرلئے ہیں۔

گشتی خط مسلمان ماؤں کی خدمت میں

(نوشتہ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب)

میری محترم بہنوں!

مجھے تمہاری اس اولاد کی نسبت جس کو تم اپنی جان سے زیادہ پیارا سمجھتی ہو ایک خوفناک خطرہ نظر آتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس کی طرف متوجہ کروں تاکہ تم پیشتر سے ان کو آنے والے خطرہ سے محفوظ کر دو۔ اس خیال سے یہ چند سطور تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اُمید کہ ان کو غور سے پڑھ کر ان اُمور پر عمل کرو گی جو تمہیں اپنے ان جگر کے ٹکڑوں کے واسطے مفید معلوم ہوں۔

خطرہ خطرہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے پیشہ یا دولت اور اس کے خرچ کے متعلق چند الفاظ کے معنی غلط سمجھ رکھے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کے لاکھوں اور کروروں خاندان تباہ ہو گئے اور ہو رہے ہیں اور ساری قوم ایسی مالی مشکلات میں گرفتار ہے کہ بہت ہی کم لوگ اطمینان اور خوشحالی سے بسر کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر پریشانی تفکرات اور مشکلات میں پھنسے ہیں جس سے ہر گھر کی نسبت یہ اندیشہ ہے کہ ایک روز یہ بھی افلاس کی بلا میں گرفتار ہو کر تباہ ہو جاوے گا۔

اسلام کی تعلیم دین اسلام کی تعلیم تو انسان کو دُنیا اور عاقبت کی تباہی سے بچانے والی ہے۔ لیکن اس تعلیم کے اُن الفاظ کے جو اپنے صحیح معنوں میں سلامتی کی راہ پر لے جانے والے ہیں غلطی سے کچھ ایسے معنی سمجھ لیے گئے ہیں جو مسلمانوں کو تباہ اور برباد کر رہے ہیں۔

اسلام نے روپیہ خرچ کرنے کے واسطے جو تعلیم دی ہے اور جس کی تفصیل آگے بیان ہو گی اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی خرچ میں خواہ تمہاری ذاتی ضروریات یا دنیوی کاموں کا ہو۔ یا حق اللہ یا حق العباد یا خیرات یا صدقات کا ہو۔ اسراف نہ کرو۔ دُنیا میں جس قدر دولت مند اقوام ہیں اُن کے شعار کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ترقی کا یہی راز ہے کہ وہ اسراف نہیں کرتے۔ مگر مسلمان ہر قسم کے خرچوں میں اسراف کرتے ہیں۔ جو افلاس میں گرفتار کر کے تمام خرابیاں لاتا ہے۔

اسراف کے صاف اور کھلے معنے زیادتی کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ اُنیسویں پارہ کے چوتھے رکوع میں خدا نے اپنے محبوب بندوں کی نشانی یہ بتائی ہے کہ "وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اُن کا خرچ دونوں کے درمیان کا ہوتا ہے" اور اپنے کلام پاک میں جا بجا ارشاد فرمایا ہے کہ

خدا مسرفوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ چنانچہ آٹھویں پارہ کے دسویں رکوع میں ارشاد ہوا ہے کہ "کھاؤ اور پیو مگر اسراف (یعنی ضرورت سے زیادہ خرچ) نہ کرو کیونکہ خدا مسرفوں کو محبوب نہیں رکھتا" پندرھویں پارہ کے چوتھے رکوع میں جہاں حق العباد اور خیرات کا حکم ہوا ہے۔ وہ پیسہ خرچ کرنے کا طریقہ تفصیل سے بتا دیا ہے۔ جس میں ارشاد ہوا ہے کہ

(۱) "قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کا حق دو (مگر اس دینے میں) پیسہ کو بکھیرو نہیں کیونکہ بکھیرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ شیطان وہ ہے جس نے اپنے حق کی نعمت کا کفران کیا۔ ہر وہ شخص جو خدا کی دی ہوئی دولت کی نعمت کا کفران کرتا ہے وہ شیطان کا بھائی ہے"

(۲) "اگر کسی وقت تمہارے پاس ان کا حق دینے کی گنجایش نہو اور خدا کی رحمت سے اور ملنے کی اُمید ہو تو نرمی سے اُن سے کہدو کہ جب خدا ہم کو دے گا ہم تمکو دیں گے"

(۳) "اپنا ہاتھ اتنا نہ کھینچو کہ وہ گردن میں بندھا ہوا معلوم ہو اور نہ اپنا ہاتھ پوری لمبان تک پھیلا دو اگر ایسا کروگے (یعنی پوری لمبان تک پھیلا دوگے) تو تم خلق کے ملامت کئے ہوئے تہی دست بیٹھے رہ جاؤ گے"

(۴) تمہارا رب جس کو چاہتا ہے صرف نپا تُلا دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کی حالت سے باخبر اور دیکھنا رہنے والا ہے"

ان سب احکام کو ملا کر غور کرنے سے ان کا مطلب صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص خدا کی دی ہوئی دولت و نعمت کی قدر کرتا اور کفایت سے خرچ کرتا ہے اس کو خدا اور زیادہ دیتا ہے جو ناقدری کرکے زیادہ خرچ کرتا ہے اُس کو صرف نپا تُلا ملتا ہے۔ اور اس کی ہزاروں زندہ مثالیں خدا کے مسلم اور غیر مسلم ہر قسم کے بندوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو مسرف ہیں وہ مفلس ہیں اور جو کفایت شعار ہیں وہ ترقی کر رہے ہیں

لیکن آج کل کے مسلمانوں نے الفاظ اسراف۔ سخاوت۔ خیرات۔ فیاضی کے معنی کچھ ایسے سمجھ لئے ہیں جس سے عام خیال اُن کے دلوں میں یہ پیدا ہو گیا ہے کہ جس قدر زیادہ خرچ کیا جاوے اسی قدر بہتر ہے۔ اگر اپنی ذات اور کنبہ کے خرچوں میں زیادہ صرف کریں تو نام نمود اور عزت اور ہم چشموں میں باعث سُرخروئی ہے۔ اور اگر خیرات اور دیگر کار ہائے خیر میں زیادہ خرچ کریں تو موجب خوشنودی خدا ہے۔ اور جتنا زیادہ خرچ کریں گے اتنا ہی خدا ہم کو زیادہ دے گا۔

ان غلط فہمیوں کی وجہ سے مسلمان اپنے بچوں کو اسراف سے نہیں روکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے اسراف کے عادی ہو جاتے ہیں۔ جو انھیں کسی نہ کسی دن مفلس کرکے تباہ کر دیتا ہے۔

میری محترم بہنوں! اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے یہ پیارے بچے بڑے ہوکر مفلس اور پریشان حال

نہوں تو اُنھیں تم مسرف یعنی خدا کا نامحبوب بندہ اور شیطان کا بھائی نہ بناؤ۔ اور یہ سمجھ لو کہ جو خدا کا محبوب بندہ نہو اور جو خدا کے نزدیک شیطان کا بھائی ہو وہ تباہ نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ اب انتظام دنیا کے نقطۂ نظر سے دیکھو قاعدہ کلیہ یہ ہی کہ

(۱) جو شخص اپنی پوری آمدنی خرچ کر دیتا ہی اُس کو اتفاقیہ ضروریات کے وقت قرض لینا پڑتا ہی افلاس میں گرفتار ہو جاتا ہی۔

(۲) جو شخص اپنی آمدنی کا کچھ حصہ بچا کر اتفاقیہ ضروریات کے واسطے پس انداز کرتا ہی وہ مفلس نہیں ہوتا۔

(۳) جو شخص اپنے پس انداز روپیہ کسی نفع بخش کام میں لگائے رہتا ہی وہ ترقی کرتا ہی۔

غرضکہ انسان کی زندگی کا اطمینان اور دلجمعی سے یا بے اطمینانی اور پریشانی سے بسر ہونا اس کے کفایت شعار یا مسرف ہونے پر موقوف ہی۔ اور ہر انسان کو مسرف یا کفایت شعار اس کی ماں بچپنے ہی میں بنا دیتی ہی۔ تمہیں کوشش کرنا چاہیئے کہ تمہاری اولاد مسرف نہ ہو۔ انسان کے بچے کو بغیر سکھائے کچھ نہیں آتا اور جو کچھ اس کو سکھایا جاتا ہی وہ ہی وہ سیکھتا ہی۔ بچّے ناسمجھ نہیں ہوتے ہیں بلکہ سمجھدار ہوتے ہیں اور اس وجہ سے مائیں جو کچھ ان کو سکھاتی ہیں وہ جلد سیکھ لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سلیقہ مند ماں کا بچہ سال بھر کی عمر پر پہونچنے سے پہلے سیکھ جاتا ہی کہ پلنگ اور بستر پر پیشاب کرنے اور پیجامہ پھرنے کی جگہ نہیں وہ ضرورت کے وقت روتا اور بیچین ہوتا ہی کہ اس کو بستر سے اُٹھا کر پیشاب پیجامہ کرایا جائے۔ اسی طرح بائیں بچوں کو بہت چھوٹی عمر میں پیجامہ پھر کر آب دست کرانے صبح کو منہ دھلوانے اور کپڑے پہننے وغیرہ کو سکھا دیتی ہیں لیکن جو مائیں اس کی پرواہ نہیں کرتیں اُن کے بچے کئی کئی سال کی عمر تک اس کے عادی نہیں ہوتے۔ جو مائیں اپنے بچوں کو کفایت شعار بنانا چاہتی ہیں وہ بچپن سے ان کو اپنی حیثیت اور آمدنی کی حد کے اندر کھلاتی اور پہناتی ہیں اور بچوں کو خرچ کرنے کے لیئے اُسی قدر دیتی ہیں جس سے زیادہ ان کو خرچ نہ کرنا چاہیئے وہ مائیں اپنے بچوں کو پیسہ کی قدر و قیمت اس طرح سکھاتی ہیں کہ اُنھیں گھر کی کوئی چیز یا ان کو اپنے استعمال کی چیزیں یا کھلونے توڑنے پھوڑنے یا خراب نہیں کرنے دیتیں۔ چند روز میں یہ بچے ہر شے کو احتیاط سے استعمال کرنے اور پیسے کو کفایت سے خرچ کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور جن ماؤں کو اپنے بچوں کو اسراف سے روکنے کا خیال نہیں ہوتا اُن کی کوشش یہ ہوتی ہی کہ بچہ جو کچھ مانگے اور جتنی مرتبہ مانگے دیا جائے تاکہ بچہ روئے نہیں اس بار بار کے مانگنے اور ملجانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ بچے کو یقین ہو جاتا ہی کہ مانگنے اور ملنے کی کوئی حد نہیں۔ وہ بار بار مانگتا رہتا ہی اور بار بار کے کھانے سے معدہ خراب اور صحت بگڑ جاتی ہی اب اگر دینے میں کمی کیجاتی ہی تو وہ روتا اور ضد کرتا ہی۔ جب بچہ اور بڑا ہوتا ہی

تو اس کو مائیں خرچ کرنے کو پیسے بلا کسی روک ٹوک کے اس طرح دیتی ہیں جس سے بچے کو پہلا خیال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیسہ صرف خرچ کردینے کی چیز ہے جس قدر بھی ہو ایک ہی مرتبہ میں خرچ کردیا جائے اس میں سے کچھ بچا کر رکھنے کا خیال تو اس کے پاس تک نہیں آتا۔ بار بار پیسے ملنے اور اس کو خرچ کردینے سے دوسرا خیال یہ ہوتا ہے کہ پیسہ کے خرچ کرنے کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور یہی اسراف کی بنیاد ہے۔

مسلمان بچوں کو کفایت شعاری کی تعلیم کیونکر دیجا سکتی ہے؟

اول سمجھ لینا چاہیئے کہ مسرف اور کفایت شعار میں کیا فرق ہے۔

مسرف کے دل میں پیسے کی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور وہ اپنی خواہشات کا تابع ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے دل میں جو خواہش پیدا ہوتی ہے وہ اس پر بلا کسی پس و پیش کے خرچ کردیتا ہے خواہ اس کا نتیجہ برا ہی نظر آتا ہو کیونکہ وہ اپنی خواہش اور نفس کو دبا نہیں سکتا۔ کفایت شعار وہ ہوتا ہے کہ جس کے دل میں اپنے پیسہ کی قدر و قیمت ہو۔ اور جو اپنی خواہشات کے دبانے پر بھی قادر ہو۔ خرچ کرتے وقت یہ خیال کرتا ہو کہ اس خرچ میں جو صرف کیا جاوے گا وہ ضایع تو نہ ہوگا۔ اور اگر ضایع ہونے کا اندیشہ نظر آتا ہے تو وہ اپنی خواہشات کو دبا دیتا ہے اور خرچ نہیں کرتا۔

جو ماں اپنے بچے کو کفایت شعار بنانا چاہتی ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے بچے کو پیسے کی قدر و قیمت بتائے اور نامناسب خواہشات کا دبانا سکھائے اور ہر ماں یہ دونوں باتیں آسانی سے کرسکتی ہے پیسہ کی قدر و قیمت بتانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر بچے کے ہاتھ سے کسی چیز کا نقصان ہو پہنچے تو بتانا چاہیئے کہ اس سے اتنے پیسہ کا نقصان ہوگیا کسی چیز سے لاپرواہی نہ چاہیئے بلکہ ہر شی کو احتیاط سے استعمال کرنا چاہیئے خواہشات کو دبانا بچہ اس طرح سے جلد سیکھ جاتا ہے کہ جب بچہ کوئی بیجا خواہش ظاہر کرے تو اس کو نرمی سے سمجھا دے کہ فلاں وجہ سے یہ خواہش بیجا ہے سمجھانے کے وقت یہ نہ خیال کیا جائے کہ بچہ نا سمجھ ہے یہ سمجھ نہ سکے گا۔ بلکہ یہ یقین کرلیا جائے کہ سمجھ سکتا ہے البتہ صرف ایک بار کا سمجھانا کافی نہیں ہے بلکہ بار بار اصرار کے ساتھ اس وقت تک برابر سمجھانا پڑے گا جب تک کہ وہ اس خواہش سے دستبردار نہ ہو جائے اگر یہ مطلب نرمی اور آسانی سے حاصل نہ ہو تو سختی سے کہا جائے مگر کسی حالت اور کسی صورت میں بچہ کی بیجا خواہش پوری نہ کی جائے جب بچہ اس قابل ہو کہ اس کے ہاتھ میں پیسہ دیئے جانے لگے تو ماں کو چاہیئے کہ اپنی حسب حیثیت ہر بچہ کا کچھ روزانہ خرچ مقرر کردے اور جب پیسے دے تو بچے سے کہدے کہ یہ پیسے ایک ہی بار خرچ کرنے کو نہیں تھوڑے تھوڑے خرچ کرنا چاہیئے اور

ان میں سے کچھ بچا کر رکھنا بھی چاہیئے۔ روز کے پیسوں میں سے کچھ بچا کر ایک صندوقچی یا ڈبیا یا بٹوا یا تھیلی رکھوا لیئے جائیں اور بچہ کو برابر بتایا جائے کہ اب تمہارے اتنے پیسے جمع ہوگئے۔

بچے کے بچائے ہوئے پیسے گھر میں محفوظ رکھنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے اس زمانہ میں کفایت شعار قوموں کا ایجاد کردہ نہایت آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر بچہ کی ایک رقم (جو کم سے کم ۱۲ر ہوسکتی ہے) ڈاکخانہ میں جمع کرکے ایک کتاب منگا لیجئے اور جب بچہ کے ۱۲ر یا اس سے زیادہ رقم ہو جائے تو ڈاکخانہ میں بھیجکر اس کتاب میں جمع کردیئے جایا کریں۔ اور ہر مہینے بچے کو بتایا جائے کہ اب تمہارے پاس اس قدر رقم جمع ہے

معتدل سخاوت کی عادت ڈالنا

جب کسی کارخیر کا چندہ ہو تو بچے سے کہنا چاہیئے کہ تمہارے پاس اتنی رقم جمع ہے تم بھی اس میں کچھ دو ایک خفیف رقم دلوائی جائے مگر اعتدال سے زیادہ دینے سے روکنا چاہیئے۔ جب بچہ کی رقم چالیس روپیہ ہوجاوے تو اس کو بتانا چاہیئے کہ اب تمہاری رقم پر زکوٰۃ فرض ہوگئی۔ ایک مقررہ تاریخ مثلاً پہلی رمضان کو دلوائی جائے اور اس پر گھروالے خوشی کا اظہار کریں تاکہ بچے کو اس کی اہمیت کا احساس ہو۔ اور بچے سے کہا جائے کہ آج تم زکوٰۃ کا ایک روپیہ دیتے ہو۔ لیکن اگر تم اپنی آمدنی کا ایک حصہ اسی طرح جمع کرتے رہوگے تو ممکن ہے کہ پانسو یا ہزار یا اس سے زیادہ زکوٰۃ ہر سال دے سکوگے۔ مبارک ہے وہ ماں جو اپنے بچوں کو اس طرح تربیت دے جس سے اس کے بچے خدا کے محبوب بندے ہوں اور دنیا میں اطمینان اور خوشحالی کے اندر بسر کرنے کے لایق ہو کر اپنے خاندان کو بربادی سے بچا سکیں اور باپ دادا کا نام روشن کرسکیں۔

سانپ کے کاٹے کا علاج

لنکا میں اکثر زہریلے سانپوں کے کاٹے کا علاج اس طرح سے کیا جاتا ہے کہ کیلے کے درخت کا مغز لیکر اسے دباتے ہیں اور اس طرح قریب دو چاء کی پیالی عرق نکال کر مارگزیدہ کو پلا دیا جاتا ہے اگرچہ یہ عرق نہایت بدمزہ ہوتا ہے۔ لیکن سو میں سے ۹۴ فی صد حصے فائدہ بخش ثابت ہوا ہے۔ لیکن اس کے پلانے میں جہاں تک جلدی ہو سکے اچھا ہے۔ ورنہ جوں جوں دیر ہوتی جاتی ہے۔ فائدہ کی توقع کم ہوتی جاتی ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے کہ سانپ کیلے کے درخت کو نہیں کاٹ سکتا ہے۔ البتہ سبز سانپ اس کلیہ سے مستثنےٰ ہے۔ بلکہ سنا ہے کہ یہ سانپ تو اکثر کیلے کے درخت میں ہی رہا کرتا ہے۔

ایک اہم قانونی اصول

جب کسی سے قرضہ لو۔ اور اُس کی ادائیگی کرو۔ تو خواہ ادائیگی جنس میں ہو یا نقدی میں ہو رسید ضرور بالضرور لے لو۔ اور اگر مالیت بیس روپے سے زیادہ ہو تو رسید پر ایک آنہ کا ٹکٹ ضرور لگوالو۔ رسید اُردو میں لکھواؤ۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی باعتبار آدمی سے پڑھا کر سمجھ لو کہ اس میں کیا لکھا ہے اپنے ساہ کی بہی میں آنگت کروانے پر ہی اکتفا نہ کرو۔ کیونکہ اس صورت میں تمہارے ہاتھ میں قرضخواہ کی کوئی تحریر نہیں ہوتی جو بوقت جھگڑا عدالت میں پیش کی جاسکے۔ عموماً ایسا دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ قرضہ کسی اور بہی پر درج ہوتا ہے۔ اور ان پڑھ دیہاتیوں کو ساہ کسی اور بہی پر قلم سے لکھ کر کہدیتا ہے کہ جاؤ تمہاری رقم آنگت کرلی۔ مگر دعوے کرتے وقت کچھ بھی تسلیم نہیں کرتا۔ نا نویں والی بہی پیش کردیتا ہے۔ اس میں کہیں آنگت ہو تو اسے خوف ہو۔ قرضدار بیچارہ ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ خواہ کسی کو بھی قرضہ کی ادائیگی کیجائے اس سے ایک علٰحدہ کاغذ پہ رسید لے لو جس پر روپیہ وصول پانے والے کے دستخط اور تاریخ موجود ہو۔

خواہ مخواہ کسی کے کہنے پر کسی کاغذ پر انگوٹھا مت لگاؤ۔ جب تک تسلی نہ کرلو کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ دیہاتی ان پڑھ لوگ خالی کاغذ پر یا شہادت کے طور پر انگوٹھا لگادیتے ہیں اور بعدازاں مصائب میں پھنسے پھرتے ہیں۔ اس انگوٹھے کی بنا پر جھوٹی دستاویزات بنالی جاتی ہیں۔

جب تم کسی سے روپیہ وصول کرو۔ تو اپنا انگوٹھا لگاؤ۔ جب کسی کو ادا کرو تو اس کا انگوٹھا یا دستخط لگواؤ

(مشیر قانونی) (دیہاتی جھنگ)

صحت کے زریں اصول:۔ ریاست ہائے امریکہ کے ایک مقام کے ڈاکٹروں نے صحت کی بحالی اور بڑھاپے کے سدباب کے لئے چند اصول بتائے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

(۱) کھانا کھانے کے دوران میں اور اس کے بعد کافی پانی پیو۔

(۲) تھکان کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھو اور آرام کو اپنا بہترین دوست۔

(۳) روزانہ کم از کم آٹھ گھنٹے سوؤ۔

(۴) بڑے اعصاب کی روزانہ باقاعدہ ورزش کرو۔

مشترکہ سرمایہ سے تجارت
اور
اس کی قانونی صورتیں

ہندوستان میں اشتراک عمل۔ یعنی مل جل کر کام کرنے کا مادہ ابھی تک بالکل مفقود ہے اور جس کے فوائد سے عوام ہندوستانی تو بجائے خود خواص تک ناواقف ہیں۔ یہی ایک وہ چیز ہے جس کے فوائد سے ملک یورپ نے فائدہ اٹھا کر ترقی کے معراج کمال تک رسائی حاصل کرلی۔ زیادہ تر ہندوستانی صنعت و تجارت کی کس مپرسی کا باعث بھی اس ایک چیز کا فقدان ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان میں ایک مسلسل اور پیہم جدوجہد سے عوام کے دلوں میں اس چیز کا سکہ بٹھایا جائے اور آمادہ کیا جائے کہ ہر قسم کے لوگ مشترکہ سرمایہ سے کاروبار شروع کرکے ہندوستانیوں کے ادبار و افلاس کو دور کرنے کی سعی کریں۔

ہندوستان کی زمین اشیائے خام اور قدرتی وسائل کی دولت سے مالامال ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ یہاں کی اشیائے پیداوار کو غیر ممالک میں بھیجنے اور وہاں سے تیار شدہ اشیا منگوانے کی بجائے یہ اشیا اسی جگہ بنائی جائیں۔ اور اس غرض کے لیے مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کا اجراء اور قیام ضروری ہے۔ اس لیے ہم امید کرتے ہیں کہ ملک کے سرمایہ دار اور متمول اصحاب اس جانب توجہ کریں گے۔ اور مشترکہ سرمایہ سے کمپنیاں اور کارخانے کھول کر ملک کے لیے فلاح اور ترقی کا موجب ہوں گے۔

مشترکہ سرمایہ سے کمپنیاں قایم کرنے کے لیے گورنمنٹ ہند نے خاص قانون موسومہ انڈین کمپنیز ایکٹ ۱۲ سنہ ۱۹۱۲ء نافذ کردیا ہے۔ اور سات سے زیادہ اشخاص جو کسی بنک کے کام کے لیے حصہ دار نہیں یا بیس سے زائد حصہ داران جو دیگر تجارتی اغراض کے لیے ملیں۔ اپنا کاروبار کرنے کے قانوناً مجاز نہیں جب تک وہ اس ایکٹ کے ماتحت اپنے آپ کو رجسٹرڈ نہ کرالیں۔ اس لیے جو اصحاب مشترکہ کمپنیاں قایم کرنا چاہیں ان کے لیے اس ایکٹ کا اور اس کی تفاصیل کا مطالعہ کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ذیل میں اس قانون کی چند ضروری دفعات کا خلاصہ قارئین کرام کی واقفیت کے لیے درج

کیا جاتا ہے۔

اقسام مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک محدود اور دوسری غیر محدود۔ محدود کمپنی سے مراد یہ ہے کہ حصہ داران کی ذمہ داری کی حد اُن کے حصہ کی رقم یا کسی خاص حد تک تعین کر دی جائے اور غیر محدود کی صورت میں ممبر کی ذمہ داری کمپنی کے تمام قرضوں کے متعلق اس کی حیثیت کے مطابق عائد ہوتی ہے۔

درخواست۔ کمپنی کی رجسٹری کرانے کے لیے اول ایک درخواست صاحب رجسٹرار جائنٹ سٹاک کمپنیز علاقہ صوبہ متعلقہ کی خدمت میں دی جائے۔ جس پر کم از کم سات آدمیوں کے دستخط کم از کم ایک گواہ کی موجودگی میں ہونے ضروری ہیں۔ اس درخواست میں مندرجہ ذیل امور کا اندراج ضروری ہے:۔

(۱) کمپنی کا مجوزہ نام　　(۲) کمپنی کا مجوزہ دفتر کس صوبہ میں واقع ہے
(۳) اغراض کاروبار کمپنی　　(۴) ممبروں کی ذمہ داری کی تفصیل
(۵) سرمایہ تعداد حصص و رقم فی حصہ　　(۶) تعداد حصص جو ہر دستخط کنندہ نے خریدے

قواعد وضوابط۔ مشروحہ بالا درخواست کے علاوہ مطبوعہ قواعد وضوابط کمپنی جو کہ نمبروار درج کیے ہوئے ہوں اور جس پر انہی سات ممبروں اور ایک گواہ کے دستخط ہوں۔ جنھوں نے کہ درخواست پر دستخط کیے ہیں صاحب رجسٹرار کے پاس بھیجنے چاہئیں۔

فیس رجسٹری۔ درخواست رجسٹری کے ہمراہ فیس رجسٹری شرح ذیل سے داخل کرنی ضروری ہے۔ (۱) بیس ہزار کے سرمایہ تک ۴۰؎

(۲) بیس ہزار سے زائد پچاس ہزار تک ہر دس ہزار یا اس کے جزو کے لیے ۲۰؎ علاوہ ۴۰؎ والے پچاس ہزار کے بعد دس لاکھ تک ہر دس ہزار روپیہ یا اس کے جزو کے لیے پانچ روپیہ علاوہ ۱؎ و ۲؎

اس فیس کے علاوہ ہر دستاویز علاوہ درخواست شامل مثل کرانے کے لیے پانچ روپیہ فیس مقرر ہے۔

ذمہ داری۔ کمپنی رجسٹرڈ ہونے پر ہر ممبر اور حصہ دار پر ایکٹ اور قواعد وضوابط کی تکمیل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

سرٹیفکیٹ۔ رجسٹری ہو جانے پر صاحب رجسٹرار اپنے دستخط سے سرٹیفکیٹ رجسٹری جاری

کریں گے جس کے حاصل ہو جانے پر کمپنی قواعد وضوابط کے تحت میں اپنا کاروبار شروع کر سکے گی

ڈائرکٹر۔ ڈائرکٹروں کے لیئے ضروری ہے کہ وہ خاص تعداد حصص مقررشدہ خریدیں۔ اور بحیثیت ڈائرکٹر کام کرنے کی رضامندی کی تحریر صاحب رجسٹرار کے پاس فائل کریں۔ ڈائرکٹر ہر سال بذریعہ ووٹ ممبران کمپنی منتخب کیئے جاتے ہیں۔ ڈائرکٹر کمپنی کے تمام حساب وکتاب کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ اور کمپنی کی سالانہ رپورٹ ہر حصہ دار کے پاس بھیجنا ان کا فرض ہے۔ اور نیز ان کا فرض ہے کہ تمام امور ضروری تصفیہ کے لیئے جلسے منعقد کریں۔

نظام کمپنی کے نظام کے لیئے مندرجہ ذیل امور قانوناً ضروری ہیں ۔

(۱) رجسٹرڈ دفتر۔ جہاں تمام حساب وکتاب کے رجسٹر ہوں۔ اور خطوط وغیرہ پہنچیں۔

(۲) نام کی تشہیر (الف) دفتر یا کارخانہ کے باہر انگریزی حروف میں نام کا سائن بورڈ آویزاں کرنا

(ب) نام کی مہر تیار کرنا۔

(ج) تمام فارموں چٹھی کے کاغذوں۔ نوٹس۔ اشتہارات اور دیگر تمام کاغذات پر اپنا نام انگریزی حروف میں تحریر کرنا۔

(د) جہاں کہیں کُلی سرمایہ کی رقم درج ہو وہاں ویسی ہی نمایاں جگہ اور حروف میں تعداد رقم حصص فروخت شدہ ورقم اداشدہ کا اندراج ضروری ہے۔

اجلاس۔ سال میں کم ازکم ایک عام جلسہ ممبران کا ہونا ضروری ہے اور اس جلسہ کا انعقاد پہلے جلسہ کے بعد پندرہ ماہ کی میعاد کے اندر ہونا لازمی ہے۔ نیز کمپنی کو کاروبار شروع کرنے کی اجازت کی تاریخ کے چھ ماہ کے اندر ایک عام جلسہ منعقد کرنا ضروری ہے۔ اور اس سے کم ازکم دس یوم پیشتر تمام ممبروں کے پاس تفاصیل حصص وغیرہ کی رپورٹ بھیجی جانی چاہیئے۔

حصص حصص کی تعداد متعین ہوتی ہے۔ حصہ داران کی درخواست کے ہمراہ حصہ وار فی حصہ کچھ رقم جمع کراتا ہے۔ حصہ کی خریداری منظور ہونے پر کچھ رقم لی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جس قدر ضرورت اقساط میں یا مجموعی طور پر رقوم وصول کی جاتی ہیں۔ ہر خریدار کو سارٹیفکٹ حصص دیا جاتا ہے۔ جس پر تمام رقوم کا اندراج ہوتا ہے۔ اور حصہ داران کا رجسٹر دفتر کمپنی میں رکھا جانا ضروری ہے۔ نفع نقصان کی سالانہ فرد ہر حصہ دار کو بھیجی جاتی ہے۔

خلاف ورزی۔ ایکٹ کے ضروری قواعد کی خلاف ورزی پر تاوان عائد ہوتے ہیں جنکا ذکر ایکٹ مذکور میں ہے۔

کمپنی کا بند کرنا۔ کمپنی اپنے کاروبار کو بند کرنے کے لیئے عدالت ہائی کورٹ کی اجازت لیتی ہے۔ عموماً مندرجۂ ذیل امور کی بنا پر کمپنی توڑی جاتی ہے۔

(۱) کمپنی کے حصہ داران کمپنی بند کرنے کی تجویز پاس کریں۔

(۲) ممبروں کی تعداد سات سے بھی کم ہوجائے

(۳) کمپنی قرضوں کی ادائگی کے قابل ہو۔

(۴) عدالت کمپنی کے بند کیئے جانے کا فیصلہ کردے۔

ہنرمند

ہندوستان۔ جاپان و انگلستان کے متمول ترین اشخاص

سابق مہاراجہ گائیکواڑ بڑودہ کو ہندوستان کا سب سے متمول شخص تسلیم کیا گیا ہے۔ اُن کی دولت کا اندازہ دس کروڑ ڈالر سے کم نہیں تھا۔ علاوہ بریں اُن کے پاس نادر و بیش قیمت جواہرات تھے جن میں تین ہیرے تو ایسے تھے کہ اُن کی مالیت ۱۲ لاکھ ڈالر سے متجاوز تھی۔ جاپان کی جہازراں کمپنی کے مالک بیرن تسوئی اور بیرن ایواساکی مشرق بعید میں نہایت مالدار اشخاص ملنے گئے ہیں۔ ان میں سے ہرایک کی دولت دس کروڑ ڈالر سے متجاوز ہے۔ انگلستان میں ڈیوک آف ویسٹ منسٹر بھی تقریباً اسی قدر روپے کے مالک ہیں۔ اور اُن کی آمدنی کا حصۂ کثیر زراعت سے متعلق ہے۔ چین کے مشہور وزیر لی ہنگ چنگ کو اپنے زمانہ کا سب سے دولتمند شخص مانا گیا ہے۔ موجودہ نظام دکن حضور میر عثمان علی خاں اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑے دولتمند سمجھے جاتے ہیں۔

آگ پر رکھے بغیر ظروف میں ٹانکا لگانیکا مصالحہ

گندھک چھ حصے سفیدہ چھ حصے سہاگہ ایک حصہ۔ سب چیزوں کو ملاکر گندھک کے تیزاب کی آمیزش سے گوندھ لیا جائے جو چیز جوڑنی ہو مسرے پر یہ مصالحہ لگاکر دونوں ٹکڑوں کو خوب نے ورسے دبا دیا جائے۔ ایک ہفتہ بعد یہ جوڑ اس قدر پختہ ہو جائے گا کہ اگر ہتوڑے سے ہلکی سی ضرب بھی لگائی جائے تو بھی علاحدہ نہ ہوگا۔

آل پارٹیز کانفرنس
اور
مسلمانوں کی ترقی میں رکاوٹ

آخر اگست میں لکھنؤ کے مقام پر ہندوستان کے تمام مختلف اور متضاد جماعتوں کا ایک عدیم المثال جلسہ منعقد ہوا جس کے حالات تمام اخبارات میں شایع ہوئے۔ اس میں مسلمانوں کا بھی نمایاں حصہ تھا۔ اس سے بارہ سال قبل اسی لکھنؤ میں اسی قسم کا ایک جلسہ منعقد ہوا تھا اس موقعہ پر جو فیصلہ ہوا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگرچہ بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام کے لوگوں سے زیادہ ہے تاہم کونسل میں جانے والوں کی جو تعدادیں مقرر ہوئی ہیں وہ دیگر اقوام سے کم ہیں اور بنگال و پنجاب والوں کے اس ایثار کے بدلے میں اُن تمام صوبوں میں جہاں جہاں مسلمانوں کی تعداد کم تھی وہاں اُن کی ممبریوں میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ مثلاً صوبہ متحدہ میں مسلمان ۱۴ فیصدی ہیں مگر انھیں ۳۰ فیصدی نشستیں دی گئی تھیں اس معاہدہ میں مسلمان ہر جگہ اقلیت میں رہے تھے مگر ۱۹۲۸ء کے سمجھوتہ میں یہ ہوا کہ جن صوبوں میں مسلمان زیادہ تعداد میں ہیں وہاں انھوں نے یہ منظور کر لیا کہ انکی نشستیں معین نہ رہیں تا کہ وہ اپنی کوشش سے زیادہ تعداد میں حاصل کر سکیں۔ یہ صوبے بنگال، پنجاب، سندھ۔ اور صوبۂ سرحدی ہیں اس طرح مسلمانوں کو موقعہ ہے کہ وہ چار صوبوں میں دیگر اقوام پر غالب آ جائیں یہ سمجھوتہ طے تو ہو گیا مگر مسلمانوں کو ڈر ہے کہ سرمایہ دار اپنے روپیہ کے زور سے خود مسلمان ووٹروں کو توڑ کر مسلمان ممبروں کی تعداد گھٹانے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اور اندیشہ یہ ہے کہ جو مسلمان ممبر منتخب ہو کر جائیں اُنھیں اپنی دولت کی قوت سے اپنا اپنا نیازمند نہ بنا لیں۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمان اس خطرہ سے کس طرح نکلیں؟ اس کا جواب ناظرین سودمند کو تو حفظ یاد ہے البتہ دیگر اصحاب کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ اُنکا وجود اس ملک میں بحیثیت ایک قوم کے باقی رہے تو بچوں سے لیکر بوڑھوں تک اپنی آمدنی کا ایک حصہ بچا کر ڈاکخانوں بنکوں میں جمع کرائیں۔ انجمن ہائے امداد باہمی میں شرکت کریں اپنا اور اپنے بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائیں۔ غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ سود پر روپیہ دیں اور مسلمانوں کو تجارت اور کاروبار اور صنعت و حرفت کے لیے معین منافعہ یا مضاربت پر رقم معین یا تجارتی سود پر روپیہ دیں۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے یہی دست غیب کیمیا اور اکسیر کا نسخہ ہے اور اسے نظرانداز کرنے میں قومی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

(ایڈیٹر)

سود مند کی کوشش عملی نتیجہ

مقام ہوبلی ضلع دہارواڑ سے دو معزز اصحاب محی الدین صاحب تاجر پارچہ و بابو سید حسین صاحب تاجر چرم نے اطلاع دی ہے کہ وہاں سود مند کے مضامین کا یہ اثر ہوا ہے کہ مسلم کوآپریٹو کریڈٹ سائٹی وہاں کے مسلمانوں نے قایم کی ہے آخر الذکر صاحب نے جو خط اڈیٹر سود مند کے نام لکھا ہے اُس کی ہم بجنسہٖ اُنھیں کے الفاظ میں درج ذیل کرتے ہیں۔

" دی ہبلی مسلم کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹی لمیٹڈ۔ ہوبلی۔ ضلع دہارواڑ

The Hubli Muslim Cooprative Cradit Society Ltd.

Hubli Dist Dharwar

اس نام کی سوسائٹی میں اور میرے چند مسلم احباب جن میں تجارت پیشہ۔ نوکری پیشہ وکلا وغیرہ شامل ہیں تقریباً (۴۰۰۰) چار ہزار روپیہ جمع کرکے باضابطہ رجسٹرڈ کرواکے کارروائی جاری کرچکے ہیں۔ انشاء اللہ چند سال میں سوسائٹی کا کاروبار زیادہ ترقی پذیر ہوگا اُمید قوی ہے کہ اس سوسائٹی کی بدولت عموماً تمام مسلمانان ہوبلی و خصوصاً تاجر پیشہ اور جماعت بافندگان جو کثر مسلمان ہیں جن کو مومن کہا جاتا ہے زیادہ فائدہ پہونچے گا۔ میری ناچیز رائے ہے کہ مسلمانان ہند بددل مارواڑیوں اور سنگ دل بنیوں کے ہتکنڈوں سے محفوظ رہنا اور سود در سود اور دم کٹ قرضوں سے رہائی حاصل کرنا اور اپنی قوم میں تجارت صنعت و حرفت کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو ضرور اس طرح کی سوسائٹیاں جیسی کہ ہم نے ایجاد کی ہیں جابجا جاری کرنے کی کوشش فرماویں اس سوسائٹی کے چیرمین جناب محمد خاں صاحب گدگسکر اور سکریٹری جناب محی الدین صاحب ہنسی ہیں۔

خدا کرے دیگر ہمدردان و ہم خیال اصحاب بھی اپنے اپنے مقامات پر اس قسم کے عملی کاموں کا اجرا فرماویں جو مسلمانوں کی فلاکت سے نکلنے کی واحد تدبیر ہے اگر ملک میں کثرت کے ساتھ جس سے مسلمانوں کی حالت کی کامل اصلاح ہو جاوے اسی طرح کی صنعتی و تجارتی کام جاری ہو جاویں تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ سود مند کا اصلی مدعا حاصل ہوگیا۔ اس غرض میں ساعیان کی کوشش اُمید افزا و قابل شکریہ ہے اور تجارت پیشہ کاروباری اصحاب کو سود در سود کی بلا سے بچانے کی یہ ہی بہترین تدبیر ہے۔

درازی عمر کا راز

صرف زندگی کا بیمہ کرانے سے معلوم ہوتا ہی

کیونکہ

بیمہ ایک ایسا کام ہی جو دولت کمانا کفایت شعاری سکھلانا بتا کر انسان کو دنیا میں

خوش باش رکھتا ہی

چنانچہ

انسانی عمروں کی درازی کا راز انسان کی خوشحالی پر منحصر ہی اگر آپ دنیا میں رہ کر آرام سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں

تو آج ہی ایک پوسٹ کارڈ **نیشنل انڈین لایف انشورنش کمپنی** لمیٹڈ کلکتہ کو

بیمہ کے **پراسپکٹس** کی بابت لکھ بھیجیے اور اپنا بیمہ کرا لیجیے۔

یہ کمپنی اپنی خاص خصوصیات کے باعث سنہ ۱۹۰۶ء سے نہایت کامیابی کے ساتھ غریبوں کی حمایت وقومی سرمایہ کی حفاظت اور کفایت شعاری کا سبق ملک و قوم کو دے رہی ہی یہ خالص ہندوستانی کمپنی ہی جس کو اولوالعزم ہندوستانی ہستیوں کی سرپرستی اور ڈائرکٹری کا فخر حاصل ہی اور اس کے قواعد و ضوابط آسان ہیں مندرجہ بالا خصوصیات کے باعث اس کمپنی میں

زندگی و تعلیم کا بیمہ کرانا

ملکی سرمایہ کو اپنے ہی ملک کے لیے مفید بناتا ہی

سہولت کے لیے درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں

(۱) ہیڈ آفس 7-6 کلایو اسٹریٹ کلکتہ یا

(۲) انسپکٹر آف ایجنسی راولپنڈی آفس بالمقابل کلیانوالی مسجد راولپنڈی - یا

(۳) کمپنی کی دیگر شاخوں سے اور کمپنی کے مقامی ایجنٹوں سے

ڈاکٹر عبد الغفار عامل ایجنٹ ہوتی بازار خواجہ گنج ہوتی

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

(ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے)

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دیکر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لیئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرہ سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ روپیہ** کا کل سرمایہ بے ضرر ہے کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کیجاتی جس سے کمپنی کی بنیاد بہ نہایت مستحکم اور استوار ہے ہمارا اردو **پراسپکٹس** جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۶ ڈلہوزی اسکوائر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے:- "بیمہ کا اجراء اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے ہر مرد و عورت اور بچہ کا، ہر مکان اور سواری کے جہاز و کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اور دراصل بیمہ بحری مسلمانوں کی اُس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش اور اپنے پسماندگان کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لیئے ان کا بیمہ کرا کر اُنھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

سودمند میں
اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اُٹھائیے

✽ نرخ اجرت اشتہار ✽

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۸ روپیہ	۳۲ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ ۱ آنہ	۶ روپیہ	۰ روپیہ	۱۱ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر ۹ آنے				

کیا یہہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے آپ سستی گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اُٹھا چکے ہیں آپ نے پہلے سال اپنی بادلی کی قیمتی گھڑی گنوا چکے ہیں آپ اپنے کام پر روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہنچ جاتے تو فوراً ہماری اصلی ریلوے ریگولیٹر قیمتی گھڑی میں لگا جاتا ہے اور ڈائل پر انجن کی اس کارخانہ کی اصلی مہر گھڑی پر ہوتی تصویر بنی ہے یہ بالکل نئے اس کارخانہ کی بنی ہوئی پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں ٹائم بالکل سکتا اور تین برس کی گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا اور ملازمین سے صرف ۳ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہی آرڈر بھیجدیجئے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ — نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد نظام الدین ایف آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

سود بہبود اور اصلاح قوم ہے مجھکو پسند ✦ قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء

راہ گیر۔ یہ اشخاص کشاں کشاں کہاں جاتے ہیں اور کس علت میں؟

سودمند۔ کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی یا کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟

سودمند۔ تجارتی سود کی زیادہ سد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی

اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اسلامیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کو جو بربادکن اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی مقررہ تاریخ تک شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اُس کے بعد فی پرچہ نئی قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری بذریعہ منی آرڈر بھیجنی جائے یا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے منی آرڈر بھیجنے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچاسکینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہیگا - مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :— مینیجر سودمند بدایوں

سودمند بدایوں

نمبر ۱۰	اکتوبر ۱۹۲۸ء	چندہ سالانہ عہ
جلد ۴		قیمت فی پرچہ ۳ر

فہرست

امداد باہمی کیا ہی؟

(از جناب راجہ راجایان مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب بہادر یمین السلطنت صدر اعظم سرکار عالی)

شاہوں کی ساری شوکت امداد باہمی ہی	کہئے جسے رعیت امداد باہمی ہی
باہم ہیں چار عنصر اضداد سب ہیں یکجا	یہ فطرتی ہدایت امداد باہمی ہی
ہمدرد جو ہیں باہم انساں کے سارے عضا	یہ مقتضائے فطرت امداد باہمی ہی
باہم حواس خمسہ رکھتے ہیں ربط کیسا	یہ غائبانہ دولت امداد باہمی ہی
محنت کے بعد راحت راحت کے ساتھ دولت	دولت کی اک علامت امداد باہمی ہی
امداد بھائیوں کی امداد اپنی جانو	اور ان کے ساتھ شرکت امداد باہمی ہی
اصلی ہماری ہمت اصلی ہماری جرأت	اللہ کی عنایت امداد باہمی ہی
گر ایک کی ہو محنت اور دوسرے کی دولت	یہ بھی تو فی الحقیقت امداد باہمی ہی

ای شاد دل لگا کر سُن تو مری نصیحت
دونوں جہاں کی دولت امداد باہمی ہی

ملیریا بخار کا نہایت مجرب نسخہ

یہ نسخہ گو نہایت معمولی ہی مگر اس سے ہزاروں مریض شفایاب ہوئے ہیں یہ ایک لائق فائق حکیم کا صدری نسخہ ہی جو ناظرین سود مند کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہی اس کو تیار کر کے آزمائش کیجئے ہر مریض کو فائدہ دے گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہی کہ نہایت آسان اور کوڑیوں میں تیار رہتا ہی۔ گلابی پھٹکری بریاں شدہ دو رتی ایک چھوٹی الائچی کے دانہ کے پیس کر شہد میں صبح شام کھلائیں۔ بہت جلد فائدہ ہوگا۔

حکومت خود اختیاری
ایک نادان مسلمان کی نظر سے

جو اصحاب کونسلوں، ڈسٹرکٹ اور میونسپل بورڈوں کے ممبر ہیں یا سرکاری ملازم ہیں اور جن کی تعداد ایک فی صدی سے زیادہ نہیں، اُن کی رایوں کا اظہار حکومت خود اختیاری کی موافقت اور مخالفت میں تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سے آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ مگر مجوزہ نوآبادیات کی حکومت کا مسلمان تاجروں اور کاریگروں کاشتکاروں اور عوام الناس کی حالت پر جن کی مجموعی تعداد ننیانوے فی صدی کے قریب ہے، جو اثر پڑنے والا ہے اُس کی نسبت اختصار کے ساتھ ذیل میں عرض ہے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ انگریزی عملداری سے قبل ہندوستان، زیادتی دولت کے اعتبار سے اس قدر مشہور تھا کہ یورپ کے سیاح اُس کی تلاش میں دنیا بھر کے سمندروں میں سرگرداں پھرا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ہندوستان کا پتہ چلا اور یہاں سے روپیہ کمانے کے لیے یورپ کی مختلف کمپنیاں ہندوستان میں ٹوٹ پڑیں اور باہمی کشمکش میں بالآخر انگلستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی سب پر غالب آئی اور ۱۷۵۷ء سے اُس نے اپنی سلطنت کا علم بلند کیا۔ سالہا سال کی بدامنی کے بعد اُس وقت بھی ہندوستان کی دولت کی جو حالت تھی اُس کی نسبت لارڈ میکالے نے اٹھارھویں صدی میں لکھا تھا کہ "اس ملک کی دولت لازوال ہے" جب لارڈ میکالے مرشدآباد میں داخل ہوئے تو انھوں نے کہا کہ یہ شہر مثل لندن کے آباد ہے مگر یہاں ایسے لوگ رہتے ہیں جو لندن والوں سے بے انتہا زیادہ دولتمند ہیں۔ اُس زمانہ کی دولت کا اندازہ کپتان الگزنڈر ہیملٹن کے اس قول سے ہوسکتا ہے کہ سورت کے تنہا ایک تاجر نامی عبدالغفار کا اثاثہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمایہ کے برابر تھا۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی سلطنت قایم ہونے کے وقت سے ہندوستان کا روپیہ انگلستان کو جانے لگا۔ اس کی نسبت لارڈ میکالے نے لکھا ہے کہ "دولت کے خزانے ہندوستان سے سمندروں میں بہہ کر انگلستان گئے۔ جان سلیون نے اپنی شہادت میں بیان کیا کہ "تمام عمدہ چیزیں دریائے گنگا سے اسپنج کے ذریعہ سے چوس کر انگلستان کے دریائے ٹیمز میں لیجاکر نچوڑ دی جاتی ہیں" ہندوستان کی اس کثیر دولت سے انگلستان میں عظیم الشان کارخانے قایم ہوئے۔ اس کی نسبت مسٹر ولسن نے لکھا ہے کہ "پیلی اور مینچسٹر کے کارخانے ہندوستان کی صنعت کی قربانی سے بنائے گئے" ہندوستان سے انگلستان کو روپیہ جانے کی

جس قدر صورتیں تھیں اُن میں سے بدترین صورت یہ تھی کہ ہندوستان کی مصنوعات اور اشیاء جو انگلستان جاکر فروخت ہوتی تھیں اُن پر بے شمار محصولات لگا دیئے گئے تھے اور انگلستان کی مصنوعات اور مال ہندوستان میں بلا محصول یا نہایت کم محصول پر لاکر فروخت کیا جاتا تھا۔ اس نے ہندوستان کی صنعت کو بالکل ختم کردیا اور بقول مسٹر ہنری سینٹ جارج ٹکر کے "ہندوستان ایک صنعتی ملک سے ایک زرعی ملک بنا دیا گیا" اور انگلستان زرعی سے صنعتی ملک بنا دیا گیا۔ اسی کے ساتھ ہندوستان میں سرمایہ نہ رہنے سے یہاں کے زراعت پیشہ لوگ بھی بھوکوں مرنے لگے جو محنت کرکے خوشحال لوگوں کی غذا کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ اس بربادی کو دیکھ کر سلطنت برطانیہ نے ۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا تجارتی ٹھیکہ منسوخ کردیا اور بیس سال کے لئے صرف ملک کے انتظامات کا اجارہ قایم رکھا۔

اُس زمانہ سے لیکر آج تک بہت سے نیک دل انگریزوں نے کوششیں کیں کہ ہندوستان کی صنعت پھر بحال اور زندہ ہو خود ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۴۰ء میں ایک تحقیقاتی کمیٹی قایم کرکے سفارش کی کہ ہندوستان اور بیرونی ممالک کی مصنوعات پر محصولوں کو یکساں کردیا جائے مگر انگلستان کے ووٹروں کے خوف سے وہاں کی سلطنت نے اسے نامنظور کیا۔ پھر ۱۸۵۹ء میں لارڈ کیننگ وائسرائے ہند نے ایک قانون پاس کیا کہ انگلستان کے مال پر بیرونی مال کی برابر محصول بڑھا دیا جائے۔ اس سے انگریز تاجر سخت ناراض ہو گئے حتیٰ کہ جان ولسن انھیں رضامند کرنے آئے اور ۱۸۶۰ء میں اُس قانون کو منسوخ کر دیا گیا۔ اسی طرح سر چارلس ٹریویلین گورنر بمبئی نے محصول یکساں کرنے کی سفارش کی تھی اور محصولات بڑھانے کی مخالفت کی تھی تو انھیں گورنری کے عہدہ سے ہٹا دیا گیا۔

اس قسم کے واقعات سے متاثر ہوکر سر جان لارنس نے لکھا کہ "ہندوستانیوں کے فائدہ کا کوئی کام ہوتا ہے تو شور برپا کر دیا جاتا ہے" یہ شور کرنے والے کون لوگ ہیں؟ انگلستان کے ووٹر (رائے دہندہ) انگلستان کے انھیں ووٹروں سے نہ صرف گورنر اور وائسرائے نالاں ہیں بلکہ وزیر ہند اور وزیر اعظم انگلستان بھی کانپتے ہیں کیونکہ اُن کے عہدوں کا انحصار وہاں کے ووٹروں پر ہے۔

اب رہا ہندوستان اُس کی نسبت یہ ہے کہ ہندوستان سے انگلستان کو جو دولت کھنچ کر گئی ہے اُس کا تخمینہ سر ولیم ڈگبی کی رو سے اُنیسویں صدی کے آخر تک ۶۰۰۰ ملین پونڈ کہا گیا ہے جس کے بحساب دس روپیہ فی پونڈ ساٹھ ارب روپیہ ہوتے ہیں اور اس صدی کے ستائیس سالوں میں مسٹر لے جے ولسن کی رو سے بحساب ۳۵ ملین پونڈ سالانہ گیا ہے جس کے بحساب پندرہ روپیہ فی پونڈ

پندرہ ارب روپیہ ہوتے ہیں۔ اس حساب سے ۱۹۲۳ء کے آخر تک (۵۰) ارب روپیہ ہندوستان سے انگلستان جا چکا ہے۔

مندرجہ بالا اعداد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندوستان سے بحساب ۳۵ ملین پونڈ ۵۲½ کروڑ روپیہ سالانہ انگلستان کو جاتا ہے۔ اس طرح جب تک کہ اہل ہند کی گردنیں انگلستان کے وڈروں کے ہاتھوں میں ہیں تب تک ۱۴½ لاکھ روپیہ روزانہ کے حساب سے یہاں سے روپیہ کھنچتا رہے گا۔ اور اس روپیہ کے کھنچنے کا اثر سب سے زیادہ اُن لوگوں پر پڑتا ہے جو مفلس اور نادار ہیں۔

اس اثر کی صورت یہ ہے کہ جس ملک میں روپیہ کی کمی ہوتی ہے وہاں شرح سود زیادہ ہوتی ہے۔ ملک کی تمام صنعتی، زراعتی اور تجارتی حالت کا مدار اس پر ہے کہ کام کرنے کے لئے کم شرح سود پر بہ افراط روپیہ مل سکے۔ حال میں آیرلینڈ کی نسبت صوبہ متحدہ کے رسالہ کوآپریٹو جرنل میں شایع ہوا ہے کہ وہاں اگر کوئی کوآپریٹو سوسائٹی ایک رقم فراہم کرے تو اس سے دوگنی رقم سلطنت کی طرف سے بلا سود مل جاتی ہے اور اگر کوئی سوسائٹی کوئی رقم بھی فراہم نہ کر سکے تو چار آنہ سیکڑہ ماہوار سود پر سلطنت سے روپیہ مل سکتا ہے بر خلاف اس کے ہندوستان میں کوآپریٹو سوسائٹیوں کو بینک سے ایک روپیہ سیکڑہ پر قرض ملتا ہے اور وہ اپنے ممبروں کو سوا روپیہ سیکڑہ پر قرضہ دیتی ہیں۔ یہ تو کوآپریٹو سوسائٹیوں کا حال ہے اُن کے علاوہ غربا کو جس شرح پر روپیہ ملتا ہے اُس کی گرانی تو ناقابل بیان ہے اور اس کی وجہ سے سرمایہ داروں کے شکار سب سے زیادہ غریب مسلمان ہوتے ہیں۔ اگر ملک سے باہر روپیہ جانا بند ہو جائے تو روپیہ کی افراط سے قدرتی طور پر شرح سود میں کمی آئے اور مثل آزاد ممالک کے یہاں کے پیشہ ور لوگ سرسبز اور خوشحال ہوں۔ ان وجوہ سے بالخصوص غریب مسلمانوں کا نفع اسی میں ہے کہ ہندوستان کو نوآبادیات کی حکومت جلد سے جلد ملے تاکہ ملک سے باہر روپیہ جانا بند ہو اور اُن کی فاقہ کشی کا جلد سے جلد خاتمہ ہو۔

(ایڈیٹر)

کیڑے دھات بن گئے

ایک جرمن کیمیا گر ڈاکٹر ان دی زلنسکی بعض کیڑوں کی کیمیاوی تشریح کر رہا تھا اس کام کے لئے کیڑوں کو سفوف کوپر اکسائڈ، میں لپیٹنے اور پلاٹینم کی پیالیوں میں رکھ کر "کاربن ڈاکسائڈ" کی ہوا میں گرم کرنے کی ضرورت پڑی ڈاکٹر موصوف یہ دیکھ کر بہت متحیر ہوئے کہ اس عمل سے وہ کیڑے اصلی دھات میں مبدل ہو گئے اور ان کے اعضا کی ساخت اور باریک سے باریک لکیروں میں فرق ذرا بھی فرق نہ آیا اس انکشاف سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ کیڑوں کے نمونے عجائب خانوں میں غیر محدود مدت تک رکھے جا سکتے ہیں۔

اسراف اور کفایت شعاری پر گفتگو

جمیلہ۔ واہ بہن ہفتوں کیا مہینوں سے آپ کی شکل دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔

برجیس۔ کیا کروں۔ بہن میرے بڑے بھائی کی شادی ہے۔ اور کام سے سر کھجلانا نہیں ملتا۔ کیونکہ دو مہینے پہلے سے ہمارے گھر میں تیاریاں ہو رہی ہیں۔ تمام نزدیکی رشتہ دار آ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ میری والدہ تمام بھائی اسکولوں اور کالجوں سے بھی آ گئے ہیں۔ میرے بڑے بھائی واپس جانے کو چاہتے تھے۔ مگر میری والدہ نے جانے نہ دیا۔ اور کہا۔ کہ تمھیں بھیجتے ہوئے مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہیں بدشگونی ہی نہ ہو جائے۔

جمیلہ۔ ہاں بہن خداوند تعالیٰ آپ سب کو وہ مبارک دن دیکھنا نصیب کرے۔ کیا تمہیں نواب قبول خاں قدر لکھنوی کے لڑکے کی شادی یاد ہے۔ وہ شادی ہوئی تھی کہ ہر ایک طرف سے واہ واہ کی صدا بلند ہوئی۔ اور جو دیکھتا تھا عش عش کرتا تھا۔

برجیس۔ واہ جمیلہ ہمارے سامنے نواب قبول خاں قدر کی حقیقت ہی کیا ہے۔ ہمارا تو اللہ آمین کا ایک ہی بھائی ہے۔ اور وہ شادی کریں گے کہ نواب کی شادی ماند پڑ جائے گی۔ لاکھوں روپیہ خرچ ہو بھی چکا ہے اور لاکھوں اور ہو گا۔

جمیلہ۔ آمین

برجیس۔ مگر چونکہ آپ میری پیاری سہیلی ہیں اور آپ سے میرا کچھ چھپا ہوا نہیں اس لئے عرض کرنی پڑتی ہے کہ میں کیا کروں جو نقدی تھی وہ تو تمام ہیرے کے زیورات پر خرچ ہو گئی ہے۔ ۲۰ بیگہ زمین بیچ کر کچھ ساڑھیاں منگوائی گئی ہیں۔ اور ۳ مہینے سے ۵ درزی گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ روپیہ تمام ختم ہو گیا ہے اور باقی اخراجات شادی کے لئے روپیہ کی اشد ضرورت ہے۔ ابا جان ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ تمہارے چچا جان سے لے لیتا ہوں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ضرور وہ طعنے دیں گے اور اب یہ تجویز قرار پائی ہے کہ اب جو کچھ بچا کھچا ہے وہ ایک گاؤں ہے۔ اس کو ہی گروی رکھ دیں۔ بہن تم خود ہی دانشمند ہو۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو تمام خاندان کی ناک کٹ جائیگی۔

جمیلہ۔ ہاں بہن میرے خیال میں بھی گاؤں کو ہی خیرباد کہنی چاہیئے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ گھر میں روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر لینا چاہیئے۔ مگر شادی تو ایسی ہونی چاہیئے کہ نام ہو جائے۔

برجیس۔ ہاں بہن نواب کی بیٹی بیاہ کر لائی کوئی آسان بات نہیں ہے۔ ایک ہوئی نواب کی بیٹی۔ اور دوسرے
ہوئی لکھنؤ کی بیگم۔ بہن ۵۰ لونڈیاں ہروقت دلہن کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی رہتی ہیں۔ اور پھر
بھی ہروقت وہ روٹھی رہتی ہے۔ لونڈیاں چاہے کتنی ہی خوشامد کریں جب تک بڑے نواب
صاحب نہ آکر منادیں لڑکی نہیں مانتی۔

جمیلہ۔ مگر کیا وہ پڑھی لکھی بھی ہے؟

برجیس۔ توبہ توبہ۔ بہن پڑھے لکھے ہوں اس کے دشمن۔ بہن پڑھیوں سے تو خدا ہی بچائے۔ نہ تو کوئی
زیور پہنتی ہیں۔ نہ خوبصورت لباس پہنتی ہیں۔ یہ کیا ہے۔ بی اے پاس ہے اور آپ کو کیا بتاؤں کہ
مردوں کی طرح نوکریاں کرتی ہیں۔ مگر بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ مردوں کے برابر کرسیوں پر
بیٹھ جاتی ہیں۔ جب کبھی میرے چچا جان یا بھائی جان ان کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
یہ لیڈی بی اے ہے جب وہ اُسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حقیقت میں میرا تو دل
جل کر کوئلہ ہو جاتا ہے۔

جمیلہ۔ ہاں بہن! اُنھوں نے تو ہماری وقعت مردوں کی نظروں سے گرا دی ہے چاہے ہم کتنے ہی
خوبصورت لباس اور زیورات پہنیں مگر وہ ململ کی دھوتی والیوں کو ہی پسند کرتے ہیں۔

شکیلہ۔ مگر یہ ایک کاغذ ہے۔ کتنے دن ہوئے کہ بغیر پڑھوائے پڑا ہوا ہے کوئی پڑھنے والا ہی نہیں ملتا۔

جمیلہ۔ وہ دیکھیں سب انسپکٹرس سے پڑھوالیں۔

سب انسپکٹرس۔ آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔ میں حاضر ہوگئی ہوں۔

شکیلہ۔ کچھ نہیں۔ مجھ کو ایک کاغذ پڑھوانا تھا میں نے ۵ ہزار روپیہ دے دیا ہے۔ دیکھ لیں کہ ٹھیک ہے۔

سب انسپکٹرس۔ نہیں یہاں نواب صاحب نے دو ہزار لکھے ہیں اور آپ نے ۵ ہزار دے دیا ہے۔ دیکھا
نہ بیگم صاحبہ نہ پڑھنے کی بُرائیاں۔

شکیلہ۔ ہائے لوگو دیکھو میں لُٹ گئی۔ ہائے لوگوں کے دلوں میں کیوں دھوکہ پیدا ہو گئے ہیں۔ ہائے
میں کیا کروں ان لوگوں کا بُرا حال ہو۔ میں اب نواب صاحب کو کیا جواب دونگی۔ روپے کی تو پہلے
ہی کمی تھی۔

جمیلہ۔ بہن اب حوصلہ کرو۔ اب گھبرانے سے کیا ہوگا۔ "اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

سب انسپکٹرس۔ بہن جی تو آپ خود کیوں نہیں پڑھ لیتیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ آپ تو دو مہینے میں کافی
استعداد حاصل کر لیں گی۔

شکیلہ۔ میں تو کبھی کسی کو نہ پڑھنے دوں۔ پڑھی ہوئی لڑکیوں کا تو چال چلن ہی نرالا ہے۔ نہ تو زیور پہنتی ہیں نہ زرق برق لباس۔ کیا کمبخت سفید سفید کپڑے پہن کے بیٹھی رہتی ہیں۔ اور رنگین کپڑا تو ان کو پہنتے ہی شرم آتی ہے۔

سب انسپکٹرس۔ میں کیا کروں۔ آپ کے دماغ میں تو خداوند تعالےٰ نے کوٹ کوٹ کر عقل بھری ہے بھلا آپ جیسا دماغ کون لاوے۔

شکیلہ۔

سب انسپکٹرس۔ نہیں بیگم صاحبہ یہ تو آپ کی کسر نفسی ہے۔ اگر آپ جیسی لایق اور مدبر اور سلیقہ شعار بیگم پڑھی ہوئی ہوتی تو لاکھوں بندگانِ خدا کو فائدہ پہونچتا۔ میری پیاری بیگم صاحبہ تو ڈرل۔ راجہ مان سنگھ۔ ابوالفضل فیضی جیسے آدمی پڑھ لکھ کر کمال کو پہونچ گئے حالانکہ وہ بالکل غریب تھے۔ مگر راجہ رنجیت سنگھ مہاراجہ جیسے کو دولت عالم بنا سکی۔ میں تو آپ کو منوائے بغیر نہ جاؤں گی آپ ضرور اپنی سب بہنوں کو تعلیم سیکھنے کے واسطے سکول بھیجیں۔ دیکھیں نہ پڑھنے کی وجہ سے آپکا کتنا نقصان ہو گیا

شکیلہ۔ اچھا سب انسپکٹرس صاحبہ میں ہاری۔ اور آپ جیتیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ میں گھر میں صلاح کر کے کل ضرور اپنی بہنوں کو سکول بھیجوں گی مگر میرا دل ہر وقت ڈرتا ہے۔

سب انسپکٹرس۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ سب کچھ اچھا ہوگا۔ اور آپ جو اتنا روپیہ شادی پر لگا رہی ہیں۔ برائے خدا گاؤں کو گروی نہ رکھیں۔ دیکھیں۔ بیگم صاحبہ یہ تو دم منٹ کا نام ہے۔ شہرت تو بہت تھوڑی دیر رہے گی اور لاکھوں روپیہ کو آگ لگانا عقلمندی کا کام نہیں اگر یہی روپیہ آپ اپنے اپنے ہم جنسوں کی بہبودی میں لگا دیں تو کتنا فائدہ ہو۔ بہن یہ رسمیں تو خاندان کے خاندان تباہ کر دیتی ہیں۔ جن کے دروازوں پر کل ہاتھی جھوم رہے تھے۔ محض اپنی بُری رسموں کی وجہ سے خاک میں مل گئے اور آج ایک ٹکڑے کو بھی محتاج ہیں۔

شکیلہ۔ انسپکٹرس صاحبہ بات تو ٹھیک ہے۔ اب تو آپ کے طفیل میرے خیالات بدل گئے ہیں۔ میں انشاء اللہ تعالےٰ اپنی خاص کوشش سے ان فضول خرچیوں اور بری رسموں کو ہرگز نہ ہونے دونگی

سب انسپکٹرس۔ میں خدا سے دُعا کرتی ہوں کہ خداوند تعالےٰ آپ کو اچھے کام کرنے کی توفیق دے۔ آمین

سود مند کمپنی کی حصہ داری

ہم نہایت مشکور ہیں جناب ڈاکٹر ممتاز علی خاں بھٹی مقیم برلن (جرمنی) کے جن کا مضمون جولائی ۱۹۲۸ء کے سود مند میں شایع ہوا تھا ڈاکٹر صاحب موصوف اگرچہ ہم سے ہزاروں کوس دور بیٹھے ہیں مگر آپ کے دل میں مسلمانان ہند کا اس قدر درد ہے کہ وہ ہمہ وقت ان کی مالی ترقی اور بہبودی کی تدابیر سوچتے رہتے ہیں۔ آپ کے مضمون سے ناظرین سود مند میں بھی حرکت پیدا ہو گئی ہے اور ہمارے پاس اکثر احباب کے خطوط آتے رہتے ہیں جن میں تجویز کیا جاتا ہے کہ ہم خود سود مند کی طرف سے کوئی کمپنی یا کارخانہ یا تجارتی کام جاری کریں۔ ہم نہایت مشکور ہیں کہ ہم پر اعتماد کر کے اکثر دردمند دل رکھنے والے احباب ہمیں تجارت کرنے کے لیے اپنی پسینہ کی کمائی دینے کو تیار ہیں۔ اور جس قدر تعویق ہماری طرف سے اس بارہ میں ہو رہی ہے اُسی قدر ہم سے شاکی ہیں۔ مگر اس بارہ میں ہمارا جو طرز عمل رہا ہے اُسے ذیل میں عرض کرتے ہیں۔

ناظرین کو غالباً اس بات کا علم ہوگا کہ مسلمانوں کی مالی حالت کی اصلاح کی تجویز ہم نے سنہ ۱۹۲۰ء سے شروع کی۔ اُس وقت ایک کتاب "مسئلہ سود اور مسلمانوں کے مستقبل" کے نام سے شایع کی اور اُسے بغیر کسی قیمت کے قوم میں تقسیم کیا۔ پھر "سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان" کے عنوان سے ایک رسالہ مرتب کر کے اسی طرح تقسیم کیا۔ اُس کے بعد "مسلمانوں کی مالی اصلاح" "جواز سود" پانچ پانچ ہزار کی تعداد میں متعدد بار مرتب کر کے مفت تقسیم کیے۔ اُس وقت بعض فیاض دل مسلمانوں نے اصرار کیا کہ ہم اس کام کے لیے قوم سے چندہ کریں اور بعض اصحاب اس کے لیے آمادہ بھی ہوئے مگر ہم نے اس سے گریز کیا۔ البتہ میاں فیاض الدین صاحب تاجر کلکتہ کے ارشاد کی تعمیل کی اور اُن کے عطیہ سے جواز سود کے رسالے طبع کرا کر تقسیم کیے۔

غرضکہ پانچ چھ سال تک رسالہ جات کی تقسیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اُس کے بعد بعض اصحاب کے اصرار سے 'سود مند' جاری کیا گیا جس میں کافی رقم صرف ہوئی اور اب اُس کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی سلسلہ میں سود مند کانفرنس کے اجلاس بھی ہوئے اور اُن اجلاسوں میں بعض ہمدردان تحریک نے تجویز کیا کہ کانفرنس کی ممبری کا چندہ لیا جائے مگر ہم نے اُس سے بھی گریز کیا۔ کیونکہ قوم سے چندہ لینے کے بعد بڑی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس قدر دشوار گزار اور کٹھن راہوں سے نکلنے کے بعد اب

ہمارے سامنے سود مند کمپنی کا مرحلہ پیش آیا ہے جس کے لیئے ہم پر ہر طرف سے تقاضا ہو رہا ہے کہ ہم روپیہ لیکر کوئی مفید تجارتی کام جاری کریں۔ مگر اس موقع پر ہم اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اتنی بڑی ذمہ داری لینے کے لیئے اپنے کو آمادہ نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی تجارت میں یہ امر یقینی نہیں ہے کہ کامیابی ضرور ہو۔ اگر خدا نخواستہ ناکامی ہوئی تو اُس سے سود مند کی اصلی تحریک کو سخت نقصان پہونچ جائے گا۔ اصلی اور حقیقی تحریک یہ ہے کہ مسلمان روپیہ پس انداز کریں۔ روپیہ کا کاروبار کریں۔ بنکوں میں اپنا اثر اور اقتدار قایم کریں تاکہ ملک کی تجارت و صنعت میں اُن کا حصہ ہو۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ خدا کے فضل سے اس مقصد میں ہمیں کامیابی ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے جو اطلاعیں ہمارے پاس آرہی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایسے مفید کاموں میں حصہ لے رہے ہیں بعض اصحاب جو مسرف تھے وہ روپیہ جمع کر رہے ہیں۔ اپنے بچوں کو روپیہ بچانے کی تربیت دے رہے ہیں۔ زندگی کا بیمہ کرا رہے ہیں۔ انجمہائے امداد باہمی قایم کر رہے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ اپنی ذات اپنے خاندان اور اپنی قوم کو خوشحال بنا رہے ہیں۔ یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ سود مند کی حقیقی تحریک یہ ہے کہ ہر شخص کی جس قدر آمدنی ہو اُس میں سے پس انداز کرکے روپیہ کو بڑھایا جائے دیگر اقوام میں اس کی ہزاروں لاکھوں مثالیں موجود ہیں کہ ادنیٰ حالت میں رہ کر روپیہ پس انداز کرتے اور اُسے بڑھاتے ہیں۔ یہاں بدایوں میں بڑے بڑے مسلمان روسا ہیں جن کی ہزاروں روپیہ ماہوار کی آمدنیاں ہیں خدا کے فضل سے اُن کے بڑے سازوسامان ہیں مگر اُن میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کی فیاضی کی کوئی نمایاں یادگار ہو۔ برخلاف اس کے ہندوؤں میں یہاں ایک مدرس تھا جس کی بیوہ اب موجود ہے۔ اُس نے ادنیٰ ملازمت میں روپیہ پس انداز کرکے اُسے بڑھایا اور خاص اپنے روپیہ سے آریہ سماج کا ایک عظیم الشان ہال بنوا دیا۔ جس میں پندرہ بیس ہزار سے کم نہ لگے ہونگے اب تمام شہر میں پبلک جلسوں کے لیئے کوئی ہال نہیں ہے مسلمانوں کو جب اپنا کوئی جلسہ شہر میں کرنا ہوتا ہے تو اُنھیں کوئی میدان ایسا بھی نہیں ملتا جہاں وہ اپنا جلسہ کر سکیں۔

خلاصہ یہ کہ جن اصحاب کے دلوں میں مسلمانوں کی بہبودی کا خیال ہے وہ اپنی ذات، اپنے بچوں، اپنے خاندان، اپنے محلہ، اپنے قصبہ اور اپنے شہر سے اس کام کو شروع کریں۔ ہمارے پاس اکثر خطوط اس مضمون کے آتے ہیں کہ ہم کس قسم کا کاروبار کریں جس سے ہمیں کافی منافع ہو۔ بعض اصحاب لکھتے ہیں کہ وہ قرض لیکر تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ آمدنی بڑھانے کے ذرائع سوچنے سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ جو آمدنی اس وقت ہے اُس میں سے کس طرح بچا کر اُسے بڑھایا جائے

دیگر اقوام میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ دس روپیہ ماہوار آمدنی میں سے بھی کچھ نہ کچھ پس انداز کرکے اسے بڑھاتے ہیں۔ جب وہ اپنے روپیہ کو بڑھتا دیکھتے ہیں تو خود بخود انھیں اور زیادہ پس انداز کرنے کی تحریک ہوتی ہو اور یہی سود مند کی حقیقی اور اصلی تحریک ہو۔ اور جو اصحاب اس تحریک کے موید اور اس پر عامل ہیں وہی گویا سود مند کمپنی کے حصہ دار ہیں۔

ان حصہ داران سود مند کمپنی کی خدمت میں عرض ہو کہ جس رفتار سے مسلمانوں میں اقتصادی کام ہو رہا ہو اس کی رفتار اُن کے روزافزوں تنزل کے اعتبار سے نسبتاً بہت سست ہو اور انھیں یہ رفتار بڑھانے کی ضرورت ہو۔ مسلمانوں کی مالی کمزوری کا اثر اب اُن کی تعلیم اور سیاسیات پر بدیہی طور پر پڑ رہا ہو۔ مسلمان مدتوں سے تعلیم کے لئے چیخ پکار کر رہے ہیں۔ باوجود اس کے ہندوستان میں مسلمان خواندوں کی تعداد صرف ۶ء۴ فیصدی ہو درانحالیکہ برادران وطن میں ۸ء۲ فیصدی تک پہونچ گئی ہو۔ یہ سب مسلمانوں کے افلاس کا نتیجہ ہو۔ اسی طرح سیاسی حالت روز بروز کمزور ہو رہی ہو اور شکایت یہ ہو کہ مسلمان نمائندے جو کونسلوں تک میں جاتے ہیں وہ غیر مسلموں کے زیر اثر ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج یہ نہیں ہو کہ مسلمان نمائندوں کی محض تعداد بڑھانے کی کوشش کیجائے بلکہ اُن کی مالی حالت درست کی جائے تاکہ وہ ہر شعبہ زندگی میں غالب ہوں۔ اور اپنی قوم کو حقیقی قوت اور اصلی زندگی حاصل کرنے میں مدد دیں۔ چونکہ اس مسئلہ کو ناظرین سود مند اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اس لئے اُن کی خدمت میں عرض ہو کہ وہ ہمہ تن اس مسئلہ کی تبلیغ و اشاعت میں اپنا کچھ وقت صرف کریں۔ ہر شخص اپنے عمل کا ایک دائرہ قرار دیکر اُس میں اس مسئلے کے متعلق گفتگو کرے، اس کے لٹریچر کی اشاعت کرے اس کے متعلق جلسے قایم کرے اور ایسی فضا پیدا کرے جس سے مسلمان اپنی مالی حالت درست کرنے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں۔ ناظرین سود مند میں سے جو اصحاب اس کام میں عملی حصہ لیں گے وہی سود مند کمپنی کے آنریری حصہ دار سمجھے جائیں گے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ناظرین میں سے جو صاحب اس کام کو اپنے اپنے مقام پر شروع کریں وہ ہمیں اطلاع دیں تاکہ سود مند کمپنی کے رجسٹر حصہ داران میں ان کا نام نامی درج ہو جائے اور دفتر سود مند کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس تحریک میں ہمارا ہاتھ بٹانے والے کتنے اور ہیں۔ (ایڈیٹر)

سنہری روشنائی پانچ تولہ صاف پانی میں صمغ عربی اور ورق طلا ایک اُردو کی نسبت سے حل کرلئے جائیں۔ یہ اعلےٰ درجہ کی سنہری روشنائی ہوگی۔ (ماخوذ)

جاپان کی قومی دولت کا اندازہ

محکمہ اعداد و شمار (جاپان) مدت سے جاپان کی قومی دولت کے متعلق تحقیقات میں مصروف تھا۔ اب وہ تحقیقات مکمل ہو چکی ہے اور محکمہ نے اپنی روداد شایع کر دی ہے۔ اس روداد کے مطابق ۱۹۲۷ء کے اخیر میں جاپان کی قومی دولت ایک کھرب دو ارب تین کروڑ کے برابر تھی۔ بڑی بڑی مملوکات اور ان کی قیمت کا اندازہ ذیل میں درج ہے:-

قسم مملوکہ	ین
اراضی	۳۳۲۴۷۳۸۰۰۰۰۰
کانیں	۳۵۲۳۲۲۰۰۰۰۰
سمندر جھیلیں دریا اور بندرگاہیں	۵۱۵۸۶۰۰۰۰۰
جنگلات	۱۷۴۷۶۷۰۰۰۰
عمارتیں	۱۶۳۲۷۲۱۰۰۰۰
فرنیچر اور دوسری قسم کا اثاث البیت (گھر کا سامان)	۹۶۸۴۰۱۰۰۰۰
صنعتی کارخانوں کی مشینری	۱۹۸۷۲۰۰۰۰۰
ریلوے کا سامان	۳۵۴۴۲۱۰۰۰۰
زراعتی پیداوار	۳۳۱۰۴۲۰۰۰۰
صنعتی پیداوار	۲۳۱۱۱۶۰۰۰۰
سکے اور چاندی سونے کی چیزیں	۱۸۲۳۸۲۰۰۰۰
حکومت کی مقبوضات	۶۴۸۳۸۸۰۰۰۰

سنہ ۱۹۱۳ء اور سنہ ۱۹۱۹ء میں اسی قسم کا جو تخمینہ شایع کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا تھا کہ جاپان کی قومی دولت سنہ ۱۹۱۹ء میں ۸۶۰۷۷۰۰۰۰۰۰ ین اور سنہ ۱۹۱۳ء میں ۳۲۰۴۳۱۳۰۰۰۰ ین تھی اب تازہ ترین اعداد و شمار سے جو اوپر درج کیے گئے ہیں یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جاپانی پہلے سے بہت ہی زیادہ دولت مند ہو گئے ہیں۔

یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ جاپان کے عام ڈاکخانوں میں سیونگ بنکوں کی جو رقمیں جاپانیوں نے جمع

منہ ایک ین ایک روپیہ ۳ر ایک پائی کے برابر ہے۔

کرار کھی ہیں سان کی مجموعی مقدار کچھ مدت سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ مزدور، گرہستی بی بیاں چھوٹے چھوٹے دوکاندار، کم تنخواہ پانے والے لوگ۔ سب سیونگ بنک میں اپنا پس انداز روپیہ جمع کراتے ہیں اور اس روپیہ کی مقدار ۰۰۰۰۰۰ ۱۶۱ ین تک پہونچ چکی ہے۔ ملک میں ۲ ½ کروڑ ایسے آدمی ہیں جنھوں نے ڈاک خانہ میں اپنا حساب کھول رکھا ہے۔ گویا ملک کی کل آبادی کا نصف حصہ برابر روپیہ بچانے میں مصروف ہے۔ پچھلے سال اس مجموعی رقم میں سینتالیس کروڑ ین کا اور اضافہ ہو چکا ہے۔

جاپان کی حیرت انگیز کامیابی کا راز یہی ہے کہ وہاں ہر شخص کفایت شعاری پر عامل ہے۔ اور روپیہ پس انداز کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر ہندوستانی بھی اپنی آمدنی میں سے تھوڑا بہت پس انداز کر کے انجمن ہائے امداد باہمی میں بطور امانت رکھنے کی عادت ڈالیں۔ تو ان کی حالت بھی بہت جلد سدھر سکتی ہے۔ (ماخوذ)

درخت رنگے جا رہے ہیں

جرمنی کے ایک مشہور محقق نے درختوں کو بحالت نشو و نما رنگنے کی تدبیر نکالی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمین سے چار فٹ کی بلندی پر تنے میں ایک ایک انچ چوڑے سوراخ کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں ربڑ کی نالیاں لگا دی جاتی ہیں جن کے ذریعہ سے گھلا ہوا رنگ درخت کے اندر پہونچ جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ پندرہ انچ موٹا درخت اٹھارہ گھنٹے میں پچھتر سے لیکر سو گیلن تک رنگ جذب کر جاتا ہے۔ اس میں کم از کم چھ پاونڈ رنگ کا سفوف ہوتا ہے۔ رنگی ہوئی لکڑی صندوق، چھڑیاں، دستی سامان آرائش اور دوسری چیزیں بنانے کے کام آتی ہیں۔

دُنیا کی سب سے زیادہ تیز رفتار موٹر کار

ایک ۲۴ سلنڈر کی نئی موٹر کار بنائی جا رہی ہے جس کی شکل و صورت تو معمولی ہوگی لیکن مشین میں بہت کچھ جدتیں کی گئی ہیں اس کا نام "اوپل راکٹ کار" رکھا گیا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی رفتار کسی طرح ۴۰۰ میل فی گھنٹہ سے کم نہ ہوگی۔ ابھی اس کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اس کے جرمن مالک کا خیال ہے کہ کپتان کیمپبل کی موٹر سے جو ۲۰۰ میل فی گھنٹہ کے حساب سے چل چکی ہے اور جس پر اُن کو سونے کا کپ بھی ملا تھا یہ دو گنی تیز رفتار ثابت ہوگی۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا

خطبہ صدارت

گزشتہ اپریل میں شیعہ کانفرنس کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا تھا اُس کی صدارت عالیجناب ہز ہائی نس میر علی نواز خاں بہادر فرماں روائے ریاست خیرپور سندھ نے فرمائی تھی خطبہ صدارت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ باوجود والی ریاست ہونے کے عام مسلمانوں کی ضروریات سے کامل طور پر واقف ہیں اور اسی کے ساتھ اپنے سینہ میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ حالات حاضرہ کے متعلق جملہ اہم مضامین سے آپ نے بحث کی ہو اور مسلمانوں کو مفید مشورے دیئے ہیں اور حیرت ہو کہ آپ کو بالخصوص سادات اور بالعموم مسلمانوں کے مالی تنزل کا کامل طور پر احساس ہو۔ اس بارہ میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہو اُس کا ایک حصہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں ۔

'حضرات! زمانہ بدل گیا۔ حالات متغیر ہوگئے۔ زمانہ آپ کا انتظار نہیں کرے گا آپ کو زمانہ کا ساتھ دینا ہوگا۔ اگر دُنیا میں رہنا ہو تو اپنا طرز بدلیئے اور روزی کو سب دروازوں سے تلاش کیجئے۔ صنعت و حرفت جس کو آپ اجلاف کا پیشہ سمجھا کیئے اب اختیار کرنی ہوگی۔ تجارت کہ اس کو بنیوں کا پیشہ اور اُنہی کے لیئے مخصوص سمجھتے تھے اب آپ کو اختیار کرنا ہوگی۔ زراعت کو زمانہ حال کے موافق کرنا ہوگا۔ روپیہ کا کاروبار کہ تمامتر دوسری قوموں کے ہاتھ میں ہو اور ہر ادنیٰ ضرورت کے لیئے تمھیں اُنہی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہو اور چونکہ ان کو مقابلہ کا اندیشہ نہیں ہو اور نیز تمہاری ساکھ بھی بازار میں نہیں ہو شرح سود تمہارے لیئے بڑھ رہی ہو۔ اگر اس ذلت اور تباہی سے بچنا ہو تو تم کو خود اپنے بنک کھولنے ہونگے کہ تجارت و حرفت کا دار و مدار تمام تر انہی پر ہو۔ تم کو اپنے اخراجات گھٹانے اور ایک ایک پیسہ بچت کا اپنے بنکوں میں جمع کرنا ہوگا۔ بنک کے متعلق شرعی پہلو سے اعتراض ہوگا مگر جب حالت یہ ہو کہ شیعوں کو سودی قرضہ لینے سے کوئی روکنے والا نہیں اور اُن سے سود پر روپیہ ادھار لینا بند کرانا اور تباہی سے بچانا ممکن نہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہمارے علما و شرعی حدود کے اندر ایک بنک نمونہ کا کھولیں اور روپیہ کا کاروبار چلا کر دکھا دیں۔ ورنہ اُن کا وعظ و پند ایسا ہی بے سود ہوگا جیسا کسی ڈوبتے ہوئے کو کنارہ سے نصیحت فرمانا اس کی جان نہیں بچا سکتا۔ اگر ہمارے دینی پیشوا اس اہم فریضہ کو پورا کرنے کی طرف توجہ نہ فرمائیں گے تو جیسے سودی قرضہ لینے کے وقت قبلہ و کعبہ کے وعظ و پند کا

پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اضطراراً دُنیا کی روش کے مطابق بنک کھولنے میں بھی قبلہ و کعبہ کا خیال نہ کریں گے۔ ایسی حالت میں وہ لوگ معذور ہوں گے اور ہمارے دینی پیشوا ذمہ وار ہوں گے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

حضرات! اگر آپ نے جلد اپنی قوم کی اقتصادی حالت درست نہ کی اور اسی طرح سے تباہ ہونے دیا تو وہ وقت دور نہیں ہو کہ بحیثیت قوم کے وہ فنا ہو جائے گی اور سرمایہ داروں کی غلامی ان کو کرنا ہوگی۔ اگر اپنے بھائیوں کو تباہی اور اس غلامی سے بچانا ہو جس کے لیے مسلمان پیدا نہیں ہوا ہی تو اپنی قوم پر روزی کے دروازے کھولیئے اور اس کو دوسری قوموں کے ہم رتبہ بنایئے۔ ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ جو چند صورتیں باحیثیت نظر آرہی ہیں کہیں یہ بھی اپنے بہت سے بھائیوں کی طرح نہ مٹ جائیں اور آپ کی قوم فنا ہو کر محض تاریخ میں اس کا نام رہ جائے ؎

یہ غفلتیں مبادا اک روز بد دکھائیں
دھندلے سے کچھ نشاں ہیں رہی کہ مٹ نہ جائیں

لندن کے نئے دودھ فروش

لندن میں شیر فروشی کو ایک باقاعدہ فن اور علم کی شکل دی جا رہی ہو۔ یہ شیر فروش اس فن کو باقاعدہ تحصیل کریں گے اور ان کو گاہکوں کی نفسانی کیفیات بھی بتائی جاتی ہیں تاکہ اس کے موافق وہ گاہکوں سے برتاؤ کر سکیں۔ اب ان نئے شیر فروشوں سے یہ جاننے کی توقع کی جارہی ہو کہ دودھ میں کون کون سے اجزا شامل ہیں اور بچے یا بیمار کو کتنا دودھ پلانا چاہیئے۔ چند نئے شیر فروشوں نے کام شروع بھی کر دیا ہو اور کہا جاتا ہو کہ وہ پہلے سے زیادہ دودھ بیچ رہے ہیں۔

ہمارے ہاں ابھی شیر فروش بہت پیچھے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہمارے شیر فروش دودھ کو بجائے مایۂ حیات بنانے کے امراض پیدا کرنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔ ان کا لباس ان کے مکان کی غیر مصفا حالت ان کے برتنوں کی صورت دیکھ کر جی متلانے لگتا ہی۔ چہ جائے کہ ہم ان سے توقع کریں کہ وہ دودھ کے متعلق ہم کو علمی واقفیت مہیا کر سکیں۔ اشیاء خوردنی کی دیکھ بھال اور ان پر سخت پابندیاں ملک کی صحت کی خاطر نہایت ضروری ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو کہ کواپریٹو طریق پر دودھ اور مکھن مہیا کرنے والی کمیٹیاں قایم ہو جائیں۔

قطعۂ اقتصادی یا مزرعۂ خانگی

(از جناب صاحب بہادر ایم۔ ایل ڈارلنگ آئی۔ سی۔ ایس رجسٹرار انجمن ہائے امداد باہمی پنجاب)
(مترجمہ۔ جناب چودھری شاہ محمد صاحب بی۔ اے پرسنل اسسٹنٹ رجسٹرار انجمن ہائے امداد باہمی پنجاب لاہور)

ایک آدمی کو کس قدر زمین کی ضرورت ہے؟ یہ سوال جسے انسانی زندگی کے محل کا بنیادی پتھر کہا جا سکتا ہے ایک روسی مصنف کو سوجھا۔ اس مضمون میں اسی پر خامہ فرسائی کی گئی ہے اس مصنف نے ابدی زندگی کے لحاظ سے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ ۶ فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی لیکن دُنیوی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا جواب آسان نہیں ہے۔ موجودہ ایام میں ہم اکثر اوقات پڑھتے رہتے ہیں کہ متوسط الحال آدمی کتنے ایکڑ زمین کا مالک ہوتا ہے۔ یا کتنی زمین کاشت کرتا ہے۔ اور اگر ہم اعداد و شمار کے دلدادہ ہوں تو ہم اعداد و شمار کی فہرستوں سے (جو اکثر ناقابل وثوق ہوتی ہیں) یہ معلوم کر کے کہ اتنے اشخاص کاشتکاران ہیں اور اتنے مالکان آراضی دل کے بہلاؤ کا سامان کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ ایک آدمی اور اس کے خاندان کو اپنے گزارے کے لئے اور اپنے کام کاج کے لئے کس قدر زمین درکار ہوتی ہے۔ تو یہ آسانی سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ تاہم جہاں مقبوضہ آراضی تھوڑی ہو وہاں یہ سوال خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ بنی نوع انسان کی تعداد تو آسانی سے بڑھ جاتی ہے لیکن کھیتوں کا بڑھانا مشکل ہے۔ سو جلد یا بدیر ہر زراعتی ملک کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے۔ جب کہ ضروریات کے لئے کافی زمین نہیں رہتی۔ اس کی ایک بدیہی مثال زمین کی ملکیت حاصل کرنے کا جنون ہوتا ہے۔ جس وقت ایسی حالت ہو تو یہ معلوم کرنا مناسب ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو کس قدر زمین درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت تاوقتیکہ صنعت و حرفت میں ترقی نہ کی جائے۔ یا نقل وطن نہ کیا جاوے۔ یا پیدائش پر قابو نہ پایا جاوے۔ لوگوں میں عام بےچینی پیدا ہو جاتی ہے۔ یا معیار زندگی گر جاتا ہے۔ ہندوستان میں جہاں کہ آبادی بسرعت بڑھ رہی ہے اور جس کا ۷۰ فیصدی حصہ زمین پر گزران کرتا ہے اور جہاں صنعت و حرفت ابتدائی حالت میں ہے۔ نقل وطن پر قیود عائد ہیں اور پیدائش پر قابو پانا کوئی بھی نہیں جانتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ معیار زندگی جو کہ بہت گرا ہوا ہے اور بھی گر جائے گا۔ تاہم اس لا پرواہی سے جو کہ اقتصادی مسائل سے برتی جاتی ہے اور

سلہ اتنی زمین جس کی پیداوار کی قیمت ایک عام خاندان کے گزارے یا تمام ضروریات کے لئے کافی ہو سکتی ہے اسے دوسرے الفاظ میں فیملی فارم۔ یا مزرعۂ خانگی یعنی ایسا کھیت جس کی پیداوار کی قیمت ایک عام خاندان کی ضروریات کی کفیل ہو سکتی ہے کہتے ہیں

جو خطرناک ہوتی ہے۔ یہ ضرورت دن بدن زیادہ ہو رہی ہے کہ اس کو اور بلند کیا جاوے اس لیئے قطعات اقتصادی کا مسئلہ زیادہ دیر تک پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ اور یہ مضمون اس مسئلہ کی وضاحت کے لیئے تمہیدی طور پر لکھا گیا ہے۔

اس مضمون کا سب سے زیادہ مشکل پہلو یہ ہے کہ قطعہ اقتصادی . . . . . . بالفاظ دیگر مزرعہ خانگی اس قدر مختلف امور پر منحصر ہوتا ہے کہ یہ ہر ایک رقبے۔ ہر ایک گاؤں بلکہ بعض کے نزدیک ہر ایک گھر کا مختلف ہوتا ہے۔ فیروزپور کے ایک ہی ضلع میں ستلج کے دریائی علاقہ میں اس کا اوسط رقبہ آٹھ ایکڑ ہے۔ اور ریاست بیکانیر کے حدود پر ۲۱۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو بہت کافی پانی ہے اور دوسری طرف بالکل غیر یقینی بارش پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جس کی اوسط سال میں صرف بارہ انچ ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات تین یا چار انچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ سب سے اہم ترین چیز پانی ہے۔ اور کم و بیش درجے پر یہ حالت ہر جگہ ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب ایک دفعہ یہ میسر ہو جائے۔ تو پھر دوسرے اہم پہلو ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً زمین کی زرخیزی۔ طریقہ کاشت۔ سرمایہ کی بہم رسانی۔ منڈیوں تک رسائی۔ لوگوں کی عادات و رسومات۔ اور سب سے آخر۔ لیکن یقیناً ان سب کے ہم پایہ معیار زندگی ہے۔ ان سب پہلوؤں پر روشنی ڈالنا صرف ایک مضمون میں ناممکن ہے۔ اس لیئے صرف اتنی ہی کوشش کیجاویگی کہ سرسری طور پر مشہور و معروف کاشتکاری کے طریقوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مزرعہ خانگی کے رقبے کا تعین کیا جاوے۔ اس ضمن میں زیادہ توجہ بجائے ہندوستان کے یورپ کی حالتوں پر کی جائے گی کیونکہ وہاں اس مسئلہ پر زیادہ غور کیا گیا ہے۔ اور زیادہ محسوس نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ اگرچہ مختلف ممالک کا ذکر کیا جاوے گا لیکن صرف تین یعنی اٹلی۔ فرانس اور بلجیم کا ذکر پوری وضاحت سے کیا جاوے گا اور ان میں سے بھی اٹلی کا مفصل طور پر۔ کیونکہ کاشتکاری اور جغرافیائی لحاظ سے یہ ہندوستان سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اس کے بعد پنجاب میں مزرعہ خانگی کا رقبہ معلوم کرنے کے لیئے کوشش کی جاوے گی۔

اب ہمیں اپنی تحقیقات شروع کرنی چاہیئے اور اس کے لیئے ہمیں اٹلی میں داخل ہونا چاہیئے۔

وسیع کاشت اور مفلسی

اٹلی سنہ ۱۸۸۰ء میں اٹلی کے ایک باشندے مسمی کینٹ جینی نے لکھا تھا کہ اٹلی کے ایک بڑے حصے میں اور خاص کر اس علاقے میں جہاں وسیع اور مخلوط (ملی جلی) کاشتکاری کا رواج ہے۔ وہاں فقط غلہ کی ہی کاشت کیجاتی ہے۔ اُن کو اس امر کی کچھ کے پرواہ نہیں ہوتی کہ یہ کاشت ایسے کلات سے کی جا رہی ہے جو حضرت آدم کے وقت کے ہیں اور کہ گندم اور مکی کی متواتر اول بدل کاشت زمین کی زرخیزی

کو تباہ کر رہی ہے۔ مزید براں گوبر اور مصنوعی کھاد کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔ اور کہ ہل ایسی کمزور اور ناقابل اور ناقابل زمین میں چلایا جاتا ہے۔ جو کہ مفید طور پر درخت یا جھاڑیاں اگانے کے کام آسکتی ہے۔ اس وقت اٹلی بھی پنجاب کی طرح بالکل غریب ملک تھا۔ موجودہ وقت میں یہ افلاس ملک کے صرف ان ہی اضلاع تک محدود ہے جہاں کہ کاشتکاری نے ترقی نہیں کی۔ جینی لکھتا ہے۔ کہ کاشت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو پرانی آسان دقیانوسی وسیع بیرونی امداد سے بے نیاز خود اپنی طاقتوں پر منحصر قسم کی ہوتی ہیں۔ جو زمین سے لے لیتی ہیں مگر دیتی کچھ نہیں۔ جو ہر ایک چیز کو قدرت کے اپنے فعل پر چھوڑ دیتی ہے۔ اور جو صرف دو باتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ انسانی محنت اور زرخیز زمین۔ دوسری قسم محنت اور سرمایہ کے لحاظ سے۔ جو علم کیمیا صنعت اور قدرتی سائنس کے تمام ذرائع کی امداد سے بطور ایک فن کے کی جاتی ہے اور جس کا انحصار دو اور چیزوں پر بھی ہے۔ شعور اور سرمایہ۔ پہلا طریقہ اپنی انتہائی شکل میں خانہ بدوش طریقہ سے بہت ملتا جلتا ہے اور اب بھی سسلی کے اس اونچے پہاڑی رقبے میں پایا جاتا ہے۔ جہاں کہ زمین کو کلہاڑے۔ ہل اور آگ سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک فصل کے بعد چار سال سے زیادہ عرصے کے لئے یونہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس انتہائی حالت اور دوسری قسم کے بین بین مختلف اقسام کی کاشت پائی جاتی ہے۔ اور اگر اٹلی کا کسان آج کل اتنا غریب نہیں جتنا کہ وہ چالیس سال پیشتر تھا تو بہت بڑی حد تک اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ طریقہ کاشتکاری آہستہ آہستہ اول الذکر طریقہ سے موخر الذکر طریقے کی طرف ترقی کر رہا ہے لیکن جہاں کاشت ابھی وسیع پیمانہ پر ہے وہاں غربت باقی ہے۔ سسلی میں بہ نسبت اندرونی ملک کے جہاں کہ عام طور پر ایک سال گندم دوسرے سال چارہ اور پھر ایک سال زمین کو یونہی چھوڑ دیا جاتا ہے ساحل کے نزدیک جہاں کہ انگور رنگترے اور لیموں کی کاشت ہوتی ہے لوگ اچھی حالت میں ہیں اس گردشی اصول میں (جس پر اندرونی ملک میں عملدرامد کیا جاتا ہے) پیداوار کی بنیاد بار بار کھاد ڈالنے پر نہیں ہوتی بلکہ بار بار ہل چلانے پر ہوتی ہے۔ پہلے پہل زمین میں جنوری میں ہل چلایا جاتا ہے (بشرطیکہ چراگاہ کا کام نہ دے رہی ہو) اور پھر مارچ مئی اور جولائی میں اس میں سے گھاس پھوس ستمبر میں چنا جاتا ہے اور پھر اکتوبر میں بیج ڈالا جاتا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ پنجاب میں بھی اس طرح ہوتا ہے اور پنجاب کی طرح ہل بیلوں کے ذریعہ چلایا جاتا ہے۔ سارڈینیا میں جو کہ اٹلی کا سب سے زیادہ غریب علاقہ ہے۔ زمیندار صرف اس قابل ہوتا ہے کہ خوراک اور بیج کے لئے جو غلہ اس نے ادھار لیا تھا وہ ادا کر سکے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے۔ (اور اس کا اطلاق پنجاب پر بھی ہوتا ہے) کہ زمین

ناقابل یقین طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے۔ ملکیت آراضی ۲۰۰۔ ۳۰۰۔ اور بعض اوقات ۴۰۰ بالکل چھوٹے چھوٹے قطعوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ان میں سے بعض ایک دوسرے سے ایک ایک دو دو میل کے فاصلے پر واقع ہیں اور جزیرے کے چند ایک حصوں میں خاردار جھاڑیاں جو کہ ایک قطعہ کو دوسرے قطعے سے جدا کرتی ہیں تقریباً آدھے قابل کاشت رقبے کو گھیر لیتی ہیں جو کچھ سارڈینیا اور سسلی کے متعلق صحیح ہے۔ وہی کسی قدر کم درجے پر جنوبی اٹلی کے متعلق بھی صحیح ہے۔ جینی اٹلی کے ان اضلاع میں زمین کی بے انتہا ردی حالت کا ذکر زوردار الفاظ میں کرتا ہے جو کہ بار بار کی تقسیم سے بہت چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو گئی ہے اور جس کا نتیجہ بے شمار غریب زمیندار ہیں جو کہ ردی مکانوں میں رہتے ہیں اور ردی خوراک کھاتے ہیں۔ تھوڑی زمین رکھنے والا اپنی ضروریات اچھی طرح پوری نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اس کا کوئی اور آمدنی کا ذریعہ نہ ہو۔ وہ بھوک سے مر جائے اگر سال کے ایک حصے میں اس کو کسی اور جگہ یا تو شہر میں یا بطور مزدور میدانوں میں کسی بڑی جاگیر پر کام نہ ملے زمانہ حال کا ذکر کرتے ہوئے سرپیری جو کہ اٹلی کا مشہور ماہر اقتصادیات ہے لکھتا ہے کہ یہ حالت تھوڑی یا بہت اب بھی ان جگہوں میں پائی جاتی ہے۔ جہاں قطعات چھوٹے چھوٹے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ جنوبی اٹلی میں سب سے معمولی ہستی غریب کسان کی ہوتی ہے۔ جس کی حالت بہت ردی ہوتی ہے اس کے پاس تھوڑی سی زمین رہنے کے لیے جھونپڑی۔ اور چند مویشی بھی ہوتے ہیں اور جس کے گزارے کا انحصار یا تو مزدوری پر ہوتا ہے یا بہت سے مالکان کے لیئے پیداوار کے ایک خاص حصے کے عوض کاشتکاری کرنے پر اور اگر اس کے پاس کافی زمین بھی ہو تو بھی وہ عقلمندی سے اسے کاشت کرنا نہیں جانتا ۱۹۰۹ء کی رپورٹ میں لکھا ہے کہ کیلا بیریا میں جو کہ جنوبی اٹلی کا ایک ضلع ہے بذریعہ کھاد کاشت کرنے کی ایک بھی مثال نہیں دیکھی گئی۔ کیمیاوی کھاد بہت کم استعمال کی جاتی ہے اور تقریباً تمام حالتوں میں آلات کشاورزی صرف پرانے ہل اور درانتیاں ہیں۔ ترقی یافتہ ہل کاٹنے اور چھانٹنے اور کوٹنے والے آلات صرف بڑی جاگیروں میں استعمال کیئے جاتے ہیں لیکن چھوٹی میں بہت کم۔ جس وقت میں اٹلی میں تھا تو مجھے بتایا گیا کہ جس جگہ کسان صرف غلوں کے بیچنے پر اکتفا کرتا ہے اور اس جگہ اس کی حالت بہ نسبت اس جگہ کے اچھی نہیں۔ جہاں کہ وہ غلہ کے علاوہ اور فائدہ مند اجناس کی کاشت کرتا ہے۔ جنوب میں غربت کا ایک سبب پانی کی کمی ہے (جیسا کہ پنجاب میں خشک سالی ایک مصیبت ہے) کیونکہ عمیق کاشت کے لیئے ایک بڑی بھاری رکاوٹ ہے۔ مگر جس جگہ غلے اور چارے کی بجائے پھلوں۔ ترکاریوں اور تمباکو کی کاشت ممکن ہو سکتی ہے وہاں معیار زندگی بلند ہو گیا ہے مگر پہاڑوں میں جو کہ ملک میں تمام رقبہ کا ۴۰ فی صدی حصہ

گھیرے ہوئے ہیں عمیق کاشت کوئی بڑی حد تک کامیاب نہیں ہوتی۔ وہاں کاشت صرف گندم اور آلو تک ہی محدود ہی اور چونکہ قطعات چھوٹے اور بکھرے ہوئے ہیں اس لئے معیار زندگی گرا ہوا ہی اور حسب معمول شاہ بلوط ہی غذا کا ایک بڑا بھاری جزو ہی۔ لیکن کوہستانی اضلاع میں جن کو پہاڑی اضلاع سے علحدہ سمجھنا چاہیئے اور جو کہ ملک کے رقبہ کا ۳۸ فی صدی حصہ گھیرے ہوئے ہیں مختلف اقسام کی کاشت ممکن ہی اور معیار زندگی بھی اسی لحاظ سے بلند ہی۔ معیار زندگی شمال کے نہری میدانوں میں سب سے بلند ہی کیونکہ یہاں ترقی یافتہ طریقہ ہائے کاشت برتے جاتے ہیں۔ اور گندم کی کاشت کا انحصار چارے اور پھل والے اجناس کی بہترین گردش پر مبنی ہی جس کے ساتھ ساتھ ترکاریوں ڈیری اور ریشمی کیڑے پالنے کا کام بھی کیا جاتا ہی۔ یہاں دانائی ہمت اور سرمایہ میسر ہیں۔ اور مفید آب ہوا کی طفیل بڑے بڑے کام انجام پا چکے ہیں۔ لیمبارڈی کے کچھ حصوں میں (جو کہ کوہ الپس کے دامن میں واقع ہیں) دلدلوں کو پُر کرکے زمین پیدا کی گئی ہی اور ۲ ملین ایکڑ زمین ۳۰ پونڈ فی ایکڑ کے حساب سے قابل کاشت بنالی گئی ہی (ہاتی دارد) کو اپریشن

چین کی آبادی

دُنیا کے دوسرے ملکوں سے زیادہ ہی۔ یعنی ۵۴ کروڑ ۶ لاکھ آدمی چین کی راجدھانی پیکن ہی جو بہت خوبصورت شہر ہی۔ یہاں کے لوگوں کے رنگ زرد۔ آنکھیں چھوٹی۔ چہرے پر ہڈیاں نکلی ہوئی۔ بال کالے اور داڑھی چھوٹی۔ مگر ہوتے ہیں بہت محنتی اور معاملے کے سچے۔ سر کے بال اس ترکیب سے منڈواتے ہیں۔ کہ چندیا پھر کچھ بال رکھ لیتے ہیں۔ جنھیں تیل لگا کر سیدھا کھڑا کر لیتے ہیں۔ چینی اپنی چوٹی کا بہت خیال رکھتے ہیں بے "چوٹی" کا کہہ دینا ان کے ہاں بہت گالی ہی۔ چین اپنی جان دے دے گا مگر اپنی چوٹی کی ہر طرح حفاظت کرے گا۔ ان کے پاؤں کا چھوٹا ہونا خوبصورت سمجھا جاتا ہی۔ چین میں افیون۔ ریشم۔ چاء اور روئی کی بڑی تجارت ہوتی ہی۔ چین کے کئی حصوں میں ریل نہیں ہی اونٹوں اور خچروں پر سفر کرتے ہیں۔

پہلے پہل المونیم ۱۸۲۸ء میں معلوم ہوا تھا۔ یہ دھات بھی زمین میں موجود ہی۔ المونیم کا روغن بھی بنتا ہی۔ اس روغن سے لوہے میں زنگ نہیں لگ سکتا۔ موٹر۔ ٹراموے اور جہاز کی کیلوں پر یہ روغن کیا جاتا ہی۔ روغن بنانے کی تجویز یہ ہی کہ المونیم کو خوب تیز آنچ پہونچاتے ہیں۔ پگھلنے سے پہلے اس کا سفوف سا بنالیتے ہیں۔ اس میں ایک قسم کا تیل ملا دیتے ہیں۔ بس روغن بن جاتا ہی۔

امداد باہمی کی وسعت

یورپ امداد باہمی کے اصول اور برکات سے بخوبی واقف ہو اور فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ وہاں شاذ و نادر کوئی کام انفرادی یا شخصی حیثیت رکھتا ہے ورنہ علی العموم مشترکہ سرمایہ اور اتحادِ عمل کے اصول پر کام ہوتا ہے جہاں تک امداد باہمی کا تعلق زمیندار اور زراعت پیشہ اصحاب سے ہے۔ وہاں یہ دیکھنے میں آئیگا کہ مکھن دودھ اور مرغیوں کے پالنے وغیرہ تک کا کام بھی امداد باہمی کے اصولوں پر ہو رہا ہے ہندوستان میں جب اس تحریک کا آغاز ہوا تو اس کی غرض ابتداً یہی قرار تھی کہ زمینداروں کو ساہوکاروں کے سودی پنجۂ فولاد سے نجات دلائی جائے اور ان کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے کم شرح سود پر قرضہ دینے والی انجمنوں کا اجرا ہو اور وہ باہمی امداد کے اصول پر جاری کی جائیں۔ یہ تحریک اب اپنی ابتدائی حالت سے نکل کر بہت ترقی کر چکی ہے۔ اور کل ملک میں ایسی انجمنوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ اور اب جبکہ حالات بہتر ہو رہے ہیں۔ اور لوگوں میں امداد باہمی کا شوق اس کے برکات اور مفاد کو دیکھ کر بڑھ رہا ہے۔ اس کے اصولوں پر دوسری قسم کے کام بھی جاری ہو رہے ہیں۔ چنانچہ مختلف مقامات پر ایسی انجمنیں قایم ہو رہی ہیں جو روئی وغیرہ کی فروخت کا انتظام کریں۔ یا دودھ اور مکھن بہم رسانی کے لیے کواپریٹو سوسائیٹیاں بنائی جائیں۔ مویشیوں کے بیمہ وغیرہ کے متعلق بھی تحریک جاری ہے۔ یہ آثار بہت اُمید افزا ہیں۔ میں ذیل میں بعض انجمنوں کے متعلق شمار و اعداد دیتا ہوں :-

روئی کی فروخت کے لیے کواپریٹو انجمنیں - احاطہ بمبئی میں روئی کی فروخت کے لیے ۳۰ کواپریٹو انجمنیں ہیں جنھیں سال زیر رپورٹ میں ۴۰ ½ لاکھ روپیہ کی فروخت کی۔ اس کے مقابلہ سال گزشتہ میں ۶۲ ½ لاکھ روپیہ کی فروخت ہوئی۔ یہ کمی اس وجہ سے واقع ہوئی کہ فصل کم ہوئی۔ اور قیمتیں گھٹتے رہیں۔ روئی کے تاجروں کو ممبر اور غیر ممبروں کے پاس روئی فروخت کرنے سے سخت نقصان ہوا ہے اور اب یہ تجویز ہے کہ جنوبی ڈویژن میں تحریک فروخت کو از سر نو مرتب کیا جائے۔ گجرات کاٹھیاواڑ کی ۱۶ انجمنوں نے ۱۳ ½ لاکھ روپیہ کی روئی فروخت کی۔ اور یہ کرناٹک طرز سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اُنھوں نے صرف ممبروں کی روئی فروخت کی اور کسی کو ممبر بننے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جب تک کہ وہ سوسائٹی کے تقسیم شدہ عمدہ بیج کا استعمال نہ کرے۔ اس اہتمام کی بدولت کہ ممبروں میں اپنے مقاصد کے لیے وفاداری اور اتحاد موجود ہے۔ گجرات والی انجمنیں صحیح معنوں میں کواپریٹو طریقے پر کامیاب ثابت

۔ ریاست بڑودہ میں روئی بیچنے کے لئے پانچ کوآپریٹو انجمنیں موجود ہیں اُنھوں نے دو لاکھ روپیہ
ل روئی فروخت کی ہے۔ آئندہ موسم سرما میں کام کرنے کے لئے چار مزید انجمنوں نے اپنا نام رجسٹرڈ

طریقہ پر دودھ کی بہم رسانی ۔۔ احاطہ بمبئی میں ۶ ڈیری انجمنیں ہیں۔ ان میں گوالوں کی
بائی انجمن ہے۔ جس کے بہت سے گوالے ممبر ہیں اور بعض حالات میں تعلیم یافتہ اور مالکان مویشی
ل میں دودھ کی انجمنوں کی تعداد ۶ ۷۷ ۹ ہو گئی۔ جن میں سے ۸۲ کلکتہ کی کوآپریٹو یونین
ہیں۔ موخر الذکر نے ۱۲۲۳۴۵ روپیہ کی فروخت پر ۸۴ ۱۲۱ روپے کا منافعہ حاصل کیا۔ حفظ ما نہ
جو ۹۹... ۱ روپے ہے۔ ان ملحق شدہ انجمنوں نے ۴۴ ۸ ۵ ۲ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم کر لیا ہے۔

ول کا بیمہ ۔۔ اس قسم کی کوآپریشن کو ہندوستان میں ترقی نصیب نہیں ہوئی۔ بمبئی میں
جسٹرڈ سوسائٹیاں ہیں ان میں سے صرف ایک ہی منافع جمع کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اور
جو چار انجمنیں مدراس میں رجسٹرڈ کرائی گئی ہیں اُنھوں نے کوئی برائے نام بھی کام نہیں کیا۔

تجارت اور بیوپار

مالک دوکان کے فرائض

کان یا کارخانہ کے مالک کو وقت مقررہ پر دوکان پہ روزانہ آنا چاہیئے۔ تمام خطوط کو غور سے پڑھکر
ں کو جوابات کے متعلق مناسب ہدایات دینی چاہیئیں۔ ایسے ہر روز بکری کی کتاب۔ روز نامچہ
رڈ۔ کھاتہ اور اگراہی کی کتابوں کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ اس کو اپنے ماتحتوں سے مال کی خرید و فروخت
لینا چاہیئے اور بازار کے نرخ کو ہر وقت دھیان دینا چاہیئے۔ نیز اپنے ماتحتوں سے دریافت کرنا
ن اشخاص سے روپیہ واجب الوصول ہے اُن سے آیا مطالبہ جات برابر کئے جا رہے ہیں اور
اور روپیہ کی ادائیگی کرنی ہے ان کا درست طور پر بھگتان کیا جا رہا ہے۔ اس کو اپنے ملازموں کی شکایات اور
ال کو سننا چاہیئے۔ اور ان کی صحت کی طرف خاص توجہ سے دھیان دینا چاہیئے۔ اس بات کے لئے خصوصیت
کھے کہ دوکان کے گراہک مطمئن ہیں اور ان کی شکایات کا تدارک ہو رہا ہے اور آیا سٹاک سے کون کونسا
ہے یا کس غلطی سے نقصان ہو رہا ہے کسی صورت کو زائد المعیاد ہونے دیا جاوے اور اس مطلب کے لئے ایک نوٹ بک رکھنی
بان میں ٹری رقم نہیں رکھنی چاہیئے۔ بلکہ جلد سے جلد کسی معتبر بنک میں جمع کے لئے بھجوا دینا چاہیئے۔

قومی دعوت

مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ایک خوش گوار خصوصیت یہ ہو کہ وہ تنہا کھانا کھانا پسند نہیں کرتے بلکہ باہم مل کر کھانا کھانے میں خوش ہوتے ہیں۔ جب مسلمان خوشحال تھے تو وہ لذیذ کھانوں کی تیاری میں دُنیا بھر کے تکلفات کرتے تھے۔ مگر اب افلاس کے زمانہ میں اُنھیں پُرانے فیاضانہ خصائل کو قایم رکھنا مشکل ہو گیا ہو۔ مسلمانوں کی روز افزوں مالی مشکلات کو دیکھ کر اُن کے رہنما اُنھیں اصلاح رسوم کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ شادیوں کے موقعوں پر بڑی بڑی ضیافتوں میں روپیہ لٹانے سے منع کرتے ہیں مگر جب عمل کا وقت آتا ہی تو خود بھی اسراف سے باز نہیں رہ سکتے۔ اس حالت کو دیکھ کر مسلمانوں کے مشہور رہنما صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب سابق وایس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے میانہ روی کا ایک یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ دعوتوں میں کسی صورت میں تین کھانوں سے زیادہ نہ دیتے تھے مسلمانوں سے یہ توقع رکھنا کہ جب تک اُن کے پاس کچھ ہی یا اُنھیں قرض بھی مل سکتا ہو وہ دعوت نہ کریں۔ البتہ اس بات پر اُنھیں آمادہ کیا جا سکتا ہو کہ دعوتوں میں اتنا کھانا نہ پکوائیں کہ وہ ضایع ہو یا کھانے والوں کی صحت کے لئے مضر ہو۔ ماہران علم الصحت اس امر پر متفق ہیں کہ انواع و اقسام کے کھانے ایک وقت میں ہضم ہونے مشکل ہوتے ہیں اور کھانوں کی تعداد جس قدر کم ہو وہ آسانی سے ہضم ہو سکتی ہو۔ حتیٰ کہ بہترین غذا وہ ہو جو مفرد ہو۔ اس لیے ناظرین سود مند کی خدمت میں عرض ہو کہ وہ دعوتوں میں اس امر کا التزام رکھیں کہ غذا حتی الامکان سادہ اور زود ہضم تیار کی جائے اور کسی صورت میں تعداد میں تین مختلف کھانوں سے زیادہ نہ ہو۔ اُسی کے ساتھ دوسروں کے ہاں کھانا کھانے میں اگر کھانوں کی تعداد زیادہ ہو تو اُن میں سے زیادہ سے زیادہ صرف تین کھانے کھائے جائیں۔ اس سے زیادہ کو ہاتھ بھی نہ لگایا جائے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کھانوں کی تعداد شمار کرنے میں روٹی اور چٹنی کو مستثنےٰ کرتے ہیں۔ صاحب موصوف آج کل علیل ہیں اور دعا ہو کہ وہ جلد تندرست ہو کر پھر قوم کی خدمت میں مصروف ہوں۔ صاحبزادہ صاحب باوجود نہایت خوشحال ہونے کے غالبًا بیس ۲۰ سال سے اس پر عامل ہیں کہ دعوتوں میں اُنھوں نے تین کھانوں سے زیادہ کبھی نہیں دیئے اور خود روزمرہ وہ صرف دو ۲ کھانے کھاتے ہیں ایک نمکین اور ایک میٹھا۔ ہمیں اُمید ہو کہ ناظرین سود مند میں سے ضرور کچھ اصحاب اس عمل کو اختیار کرنے کا ارادہ کریں گے اور اپنے ارادہ سے دفتر سود مند بدایوں کو اطلاع دیتے رہیں گے تاکہ

اُن کے اسماء گرامی سودمند میں شایع کئے جایا کریں اور اُس سے دوسرے اصحاب کو اس سلسلہ میں شریک ہونے کی ترغیب ہو۔ (ایڈیٹر)

بغیر روپے کے روزگار کی سبیل

جو لوگ بغیر کسی پونجی کے روزگار کے طالب ہوں ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ جنگل سے موسمی جڑی بوٹیاں جمع کر کے لائیں اور بازار میں عطار اور پنساریوں کے ہاتھ فروخت کریں۔ اس کام کے کرنے والوں کو اپنے ساتھ دو ایک مددگار رکھنے کی ضرورت ہے جو ان کو اس کام میں مدد دے سکیں۔ اس کام کو کرنے سے پہلے کسی حکیم وغیرہ سے بوٹیوں کی شناخت کرا سیکھ لینا چاہیئے یا کسی کتاب کے ذریعہ سے ان کی شکل و شباہت کی پہچان کا ملکہ حاصل کریں۔ مثلاً مکو۔ اکاس بیل۔ جوانسہ۔ شاہترہ۔ برگ نیم۔ برگ بکاین۔ منڈی۔ جھاؤ۔ تخم سرس۔ چھال فالسہ۔ کیکر کی پھلیاں۔ گکو۔ کاسنی وغیرہ وغیرہ اس کام کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب جس کا نام "جڑی بوٹی باتصویر" ہے اچھی کتاب ہے اس کی قیمت ۱۲؎ علاوہ محصول ہے نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں سے مل سکتی ہے۔

جرمنوں نے کاغذ کی چیزیں بنانے میں بڑی مہارت پیدا کر لی ہے۔ یہاں تک اب کپڑے بھی کاغذ ہی سے بنا رہے ہیں یہ کاغذ خوبصورت اور مضبوط ہوتا ہے۔

رام۔ تم آج اُداس اور غمگین کیوں بیٹھے ہو؟

شام۔ آج بہت بے ایمانی کر کے ایک شخص سے دس روپے اُڑائے تھے وہ کم بخت نوکر لے کر بھاگ گیا

رام۔ تو گھبرانے کی اس میں کونسی بات ہے اور کسی آدمی سے بے ایمانی کر لینا۔

مسز شارپ۔ کم بخت خادمہ مجھے بغیر نوٹس دیئے چھوڑ گئی ہے۔

مسز تھارپ۔ تم خوش قسمت ہو۔ میری خادمہ مجھے بغیر روپیہ کے چھوڑ گئی ہے۔

طلائی اصول

ایک آدمی جو امریکہ میں بہت مشہور تھا۔ مگر امریکہ کے باہر شاید چند لوگوں نے اُس کا نام سُنا ہوگا۔ حال میں فوت ہوا ہے۔ اس کی زندگی نہایت فائدہ بخش تھی جس سے خلق خدا کو بہت فائدہ پہونچا تھا۔ اس نیک نیت ہستی کا نام "آرتھر نیش" تھا اور وہ حال میں صرف دو روز بیمار رہ کر فوت ہوا ہے۔

مسٹر نیش نے اپنی زندگی واعظ کی حیثیت سے شروع کی۔ مگر یہ خیال کر کے کہ تجارت کے ذریعہ سے میں خلق خدا کو زیادہ نفع پہونچا سکونگا اُس نے تجارتی کاروبار شروع کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ میں اس طلائی اصول پر کام شروع کرونگا کہ

مزدور خوش دل کند کار بیش

اس طرح عمل کرکے میں اپنے کاروبار کو بہت فروغ دے سکتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور اُس کا کاروبار تمام ممالک متحدہ امریکہ میں حیرت انگیز طور سے ایک اول درجہ کا کاروبار بن گیا۔

پہلی پہل اس نے شہر سن سناٹی میں خیاطی کا کارخانہ کھولا ابتدا میں یہ کارخانہ بہت مختصر تھا۔ مگر ایک روز اس کو بہت رنج ہوا اُس نے دیکھا کہ ٹھیکہ پر اس کے کارخانہ کے جتنے کپڑے سلوائے جاتے تھے۔ ان میں سینے والے سے بہت محنت لی جاتی ہے اور اس کے معاوضہ میں اُس کو جس قدر مزدوری دیجاتی ہے وہ کم سے کم اور بہت ہی ادنیٰ ہوتی ہے۔ باوجود اس قدر کم اُجرت دینے کے بھی کارخانہ کو کچھ نفع نہیں ہوتا تو پھر کیا کیا جائے؟ یہ سوچ کر اس نے پہلے مشینیں خریدیں تاکہ ٹھیکہ داروں سے کپڑے نہ سلوانے پڑیں۔ سب کپڑے کارخانہ ہی میں سل جایا کریں۔ مگر حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اب سوائے کارخانہ کو بند کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس نے دو چار مہینے اور کام کو مختلف طریقوں سے چلا کر تقدیر آزمائی کرنیکا ارادہ کر لیا اب وہ سوچنے لگا کہ میں کس طرح اس کام کو انجام دوں جس سے میرے ضمیر کو اطمینان حاصل رہے۔ بہت کچھ غور کرنے سے اس کے دل پر اثر پڑا کہ مجھکو جس چیز سے اطمینان حاصل ہوگا وہ یہی تدبیر ہے کہ میں طلائی اصول پر عمل کروں اور وہ طلائی اصول یہی ہے کہ "تم لوگوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو کہ جیسا کہ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ سلوک کریں"۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے یہ ٹھان لی کہ میں اسی طلائی اصول پر ہمیشہ اپنے کاروبار میں عملدرآمد قایم رکھونگا۔ ورنہ میں اپنا کاروبار بند کر دونگا اس لیے وہ اپنے کارخانہ میں طلائی اصول پر عملدرامد کرنے لگا اور اس کو اُمید سے بڑھکر نفع ہونے لگا۔ کارخانہ میں داخل ہوتے ہی

سب سے پہلے ایک بوڑھی عورت اس کو ملی جس کی عمر آرتھر بنیش کی والدہ کی عمر کے برابر ہوگی۔ وہ کپڑوں میں بٹن لگانے کے کام پر مقرر تھی جس کی اُجرت اس کو ایک ہفتہ میں چار ڈالر ملتی تھی۔ اُس نے دل میں کہا کہ یہ اُجرت تو بہت کم ہے۔ میرے دل کو جب آرام حاصل ہوگا۔ جب اس ضعیفہ کو بارہ ڈالر ملنے لگیں گے۔ چنانچہ اس نے اس ضعیفہ کی اُجرت ۴ ڈالر سے بڑھا کر فی ہفتہ ۱۲ ڈالر کر دی۔ اس کے کارخانہ میں کل اُنتیس ۲۹ ملازم تھے اُن سب کا کام فرداً فرداً اُس نے دیکھا اور تمام ملازموں کی تنخواہ یکلخت تگنی کر دی اس کے بعد دو ماہ تک کارخانہ میں نہیں آیا کیونکہ وہ بیمار ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ تبدیل آب و ہوا کے لئے کسی سرد سیر کے مقام پر چلا گیا۔ واپسی کے وقت راستہ میں اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ کارخانہ نقصان سے چل رہا ہوگا اور اب جا کر اس کو بند کر دونگا۔

مگر جب وہ اپنے کارخانہ میں آیا تو اس کی حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی۔ اس لئے کہ آدمی تو صرف ایک ہی بڑھایا گیا یعنی انتیس ۲۹ کی جگہ تیس آدمی ہو گئے مگر جتنا کام پہلے ہوتا تھا اب اُس سے تگنا کام ہوا۔ اور خرچ سے آمدنی بہت زیادہ ہوئی اور بچت کا روپیہ جس کی بڑی مقدار تھی بنک میں جمع کر دیا گیا۔ اس نے خیال کیا کہ اب میں کیا کروں؟ پھر اپنے دل میں سوچا کہ اب یہ بات بہتر ہے کہ بچت کا تمام روپیہ کام کرنے والوں پر برابر بانٹ دیا جائے۔ اس نفع کی تقسیم سے مالکوں اور تمام ملازموں میں سچ مچ اخوت کا رشتہ قایم ہو گیا۔

اب تو کارخانہ کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ کاروبار بہت بڑھ گیا۔ نفع بھی ہونے لگا بچت کے روپیہ کے انبار لگ گئے۔ لوگ نہایت کثرت سے اُس کے ہاں کپڑے سلوانے لگے۔ مگر ہفتہ میں صرف چوالیس گھنٹہ کام ہونے لگا۔ گاہکوں کو بہترین کپڑے کے سوٹ ملنے لگے۔ ۱۹۱۸ء میں کارخانہ نے پچیس ہزار پونڈ کا کام انجام دیا تھا اور ۱۹۱۹ء میں ایک لاکھ پونڈ کا کام ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں تین لاکھ پونڈ کا کام اور ۱۹۲۱ء میں چار لاکھ پونڈ کا کام اس کارخانہ نے سرانجام دیا۔

(ماخوذ)

خربوزوں کے چھلکوں سے روپیہ کمانا

خربوزہ کی فصل میں منوں چھلکے بیکار پھینک دیئے جاتے ہیں تم ان کو جمع کر کے سکھا لو جب وہ اچھی طرح سوکھ جاویں تو ان کو پیس کر سفوف کر لو اور ڈبہ میں بھر لو جس کے فوائد حسب ذیل ہیں:-

(۱) اگر دال یا گوشت نہ گلتا ہو تو چٹکی بھر ہنڈیا میں ڈال دیں۔ (۲) اگر قیمہ میں یہ سفوف ملا کر کباب بنا دیں تو نہایت خستہ بنیں (۳) اگر آٹے میں ملا کر گوندھیں تو دم بھر میں خمیر تیار ہو جائے۔ (۴) اگر پانی میں گھول کر داد پر لگا دیں تو وہ جڑ سے جاتا ہے اور پھر پیدا نہ ہو۔

خاک باشی خوک باشی یا سگ مردار باش
انچہ باشی باش عرفی اندکے زردار باش

عنوان کے شعر میں شاعر نے زرو مال کی قدر و قیمت کو تمام اوصاف انسانی سے اعلےٰ و بالا کرکے دکھلایا ہے۔ ہر زمانہ میں دولت کے اوصاف ہر ملک و ہر طبقہ کے لوگوں میں زبان زد و مسلمہ رہے ہیں اور ابتک یہی ہیں۔ میاں نظیر اکبرآبادی جن کا زمانہ قریب ایک صدی کے گزرتا ہے جو ایک فقیر منش مستغنی المزاج نیک دل بزرگ اور اپنے شاعرانہ ڈھنگ میں گویا کہ مصور مناظر قدرت تھے اُن کی تصانیف کوڑی نامہ۔ پیسے نامہ۔ روٹی نامہ۔ آٹے دال نامہ بھی اس مبحث میں ایک قابل الذکر چیز ہیں۔ لہذا بطور مشتے نمونہ از خروارے چند اشعار کا لکھنا خالی از لطف نہ ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں۔

(پیسہ نامہ) پیسہ ہی رنگ روپ ہے پیسہ ہی مال ہے — پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

کوڑی نامہ) کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگیں ہیں — کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

(روٹی نامہ) جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں — پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں

(آٹے دال نامہ) سب چھوڑ بات طوطی و پدڑی و لال کی — یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

خلاصہ یہ ہے کہ مال و دولت کو عزیز رکھنے یا اُس کی ثنا و صفت کرنے سے کسی بنی نوع انسان کو اختلاف نہیں اور نہ ہوسکتا ہے کیونکہ موجودات عالم کی بہترین نعمتوں میں اس کا بھی شمار ہے خود کلام الٰہی شاہد حال ہے (وانہ لحب الخیر لشدید) کے ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ حُب مال کو فطرت انسانی کے ساتھ ساتھ خمیر کیا گیا ہے۔ مال و دولت کی عظمت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے (کلوا واشربوا و لا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین) کے حکم صریح سے بے جا خرچ کرنے سے روکا گیا ہے۔ حج و زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل بتا رہے ہیں کہ یہ اعمال خیر دولت مندوں ہی کا حصہ ہیں۔ حضور رسول مکرم صلعم بھی (الفقر سواد الوجہ فی الدارین) کے حکم سے افلاس سے بچنے اور الگ رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں مسلمانوں کے لئے بے شمار نصوص قرآنی و احکام نبوی و جملہ متقدمین و متاخرین بزرگوں کے اقوال کی موجودگی میں۔ بیجا خرچ نہ کرنے اور جائز طریقوں سے دولت حاصل کرنے کے اسباب مہیا کرنے کے دلائل پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں باقی رہتی۔ احکام خدا و رسول و اقوال اکابر دین کے سوا صنعت و حرفت کے

تجارت کے متعلق سلف صالحین کی عملی مثالیں بھی بے شمار ہیں پیغمبرانِ خدا کے گروہ میں سے زرہ سازی کی صنعت کی ایجاد ہوئی۔ فرقہ صحابہ میں سے بعض چمڑے کی دباغت کا کام کرتے۔ حضرت سوید بن قیس رضؓ کپڑے کے تاجر تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمت اللہ علیہ کہ آپ کا شمار بھی فرقہ تابعین میں ہے بزازی یعنی کپڑے کی تجارت کرتے تھے انتہا یہ ہے کہ خود بانی اسلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ بنت خویلد کے مال سے ملک شام میں تشریف لے جا کر خرید و فروخت و تجارت کا کام کیا ہے۔ غرضکہ حصول معاش و مال و دولت کے ذرایعہ تلاش کرنا محض دُنیوی مفاد ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے واسطے کوشش اور محنت کرنا ایک مذہبی فرض ہے

باقی رہا یہ امر کہ موجودہ زمانہ میں حصول دولت کی کوشش کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس سوال کے جواب میں ناظرین سود مند کے واسطے سود مند کی رہبری کچھ کم نہیں ہے اگر استقلال کے ساتھ سود مند کی نصائح پر عمل کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

راقم

احید الدین اسسٹنٹ ایڈیٹر

روپیہ کس طرح بچایا جائے

ایک بینک اپنے یہاں لوگوں سے بچت کا روپیہ جمع کرانے کے لیئے اپنے اشتہارات میں مندرجہ ذیل اندازہ خرچ چھاپ رہا ہے۔ اس کا اندازہ ہے کہ ہم اوسطاً اپنی آمدنی کا ۳۰ فی صدی خوراک پر خرچ کرتے ہیں۔ ۲۵ فی صدی کرایہ مکان پر۔ ۱۰ فی صدی لباس پر ۱۰ فی صدی بچوں کی تعلیم پر اور پندرہ فی صدی باقی متفرق اخراجات خانہ داری پر۔ اس طرح ہم نے اپنی آمدنی کا ۹۰ فی صدی خرچ کر دیا تو باقی دس فی صدی ہماری بچت ہوئی۔ جو ہمیں ہر ماہ میں بچانی چاہیئے۔ بچت کا معاملہ ایسا ہے۔ جو ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اپنی آمدنی میں سے کس قدر بچائے۔ بعض کم آمدنی والے لوگ کفایت شعاری سے ۱۰ فیصدی سے زیادہ بچا لیتے ہیں اور بعض زیادہ آمدنی والے لوگ ۱۰ فیصدی بھی نہیں بچا سکتے۔ تاہم اگر زیادہ نہیں بچا سکتے تو ہمیں دس فیصدی تو ضرور بچا کر ضرورت کے وقت کے لیئے جمع کرنا چاہیئے۔ اس لیئے اس بینک کی یہ ترغیب نہایت نیک ہے۔ اور مسلمان بہ نسبت اہل ہنود کے زیادہ فضول خرچ ہیں انھیں خصوصیت سے ادھر متوجہ ہونا چاہیئے۔ (انتخاب)

زیادہ شاخوں والی دکانیں کیوں زیادہ روپیہ کماتی ہیں؟

۱۔ کیونکہ انھیں نہایت ارزاں شرح سود پر کافی روپیہ مل سکتا ہے۔

۲۔ کیونکہ ان کے چلانے کے لیے بڑے بڑے لائق اور کارآمد آدمی رکھے جاتے ہیں

۳۔ کیونکہ اس میں بہت کم مال ضایع ہوتا ہے۔

۴۔ کیونکہ انمیں بہت کم پیٹنٹ مال ہوتا ہے۔ جس سے بٹ کھاتہ نہیں بڑھتا۔

۵۔ وہ اپنے مال کو جلد فروخت کرنے میں ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ جو مال ایک جگہ فروخت نہو دوسری شاخوں میں نکال دیا جاتا ہے۔

۶۔ کیونکہ ایسی دکانیں نہایت اعلیٰ جگہ کھولی جاتی ہیں ۷۔ کیونکہ ان کے پاس کافی سرمایہ ہوتا ہے

۸۔ کیونکہ ان کی مال فروخت کرنے والی کھڑکیاں نہایت عمدگی سے آراستہ کی جاتی ہیں۔

۹۔ کیونکہ وہ مال کی قیمت نقد دیکر مال ارزاں خرید سکتے ہیں۔ ۱۰۔ کیونکہ وہ ہر مال پر اپنا لیبل لگاتے ہیں۔

۱۱۔ کیونکہ ان دوکانوں کے منیجروں کو صرف فروخت کا کام کرنا پڑتا ہے۔ مال خریدا ہوا ان کو مل جاتا ہے۔

۱۲۔ کیونکہ انکو اپنا اشتہار خود نہیں دینا پڑتا بلکہ ہیڈ آفس سب ایسے کام کرتا ہے۔ ۱۳۔ کیونکہ ان کا سالانہ حساب نہایت صحت سے رکھا جاتا ہے۔

(راخاب)

سب اشیاء کی یکجائی قیمت صرف دس روپے 10/
مندرجہ ذیل پانچوں اشیاء جن کی قیمت اٹھارہ روپیہ ہے یکدم طلب کرنے پر معہ محصول ڈاک و پیکنگ صرف دس روپے میں روانہ کیجاویں گی۔ ہمارا مقصد قلیل منافع پر یہ بہترین اشیاء خریداروں کو بہم پہونچانا ہے۔
کارآمد فاونٹن پن
ایک مرتبہ سیاہی بھرنے سے صفحہ کے صفحہ لکھدیتا ہے۔ گولڈن نب کا ہونے کے باعث برسوں کام دیتا ہے۔ بدخط انسان کو خوشخط بناتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ/)
نفیس رسٹ واچ
گارنٹی ۷ سال
۲۲ کیرٹ گولڈ پلیٹڈ رسٹ واچ۔ اپنی خوبی میں انتی۔ نوے روپیہ کی گھڑی سے مقابلہ کرتی ہے۔ ہر موسم میں صحیح ٹائم بتاتی ہے۔ از حد خوبصورت اور بہت پائدار ہے۔ اس کو مرد و عورت دونوں بہت خوشی سے استعمال کرتے ہیں۔
قیمت چھ روپے (للعہ/)
ریوپاکٹ واچ
گارنٹی ۵ سال
ایک مستند کاریگر کی ساخت ہونیکے باعث مشین کی مضبوطی وقت کی پکی۔ صورت و شکل دونوں میں خوبصورت ہے۔ ہندوستان کی آب وہوا کے موافق بنائی گئی ہے
قیمت پانچ روپے (صہ/)
سنہری خولدار چوڑیاں
ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ/)
نوٹ
ایک یا دو اشیاء کی خریداری پر کوئی رعایت نہیں
نوٹ نمبر (۱)
جو صاحب فاونٹن پن یا چوڑیاں دونوں میں سے ایک اشیاء خریدنا نہ چاہیں ان کو بقیہ چاروں اشیاء نو روپیہ (لعہ/) میں روانہ کیجاویں گی +
نوٹ نمبر (۲)
جو صاحب فاونٹن پن اور چوڑیاں دونوں خریدنا نہ چاہیں ان کو بقیہ تینوں گھڑیاں آٹھ روپیہ (ٹے/) میں روانہ کی جاویں گی +

درازی عمر کا راز

صرف زندگی کا بیمہ کرانے سے معلوم ہوتا ہی

کیونکہ

بیمہ ایک ایسا کام ہی جو دولت کمانا کفایت شعاری سکھاتا ہی نیز انسان کو دنیا میں

خوش باش رکھتا ہی

چنانچہ

انسانی عمروں کی درازی کا راز انسان کی خوشحالی پر منحصر ہی اگر آپ دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو

آج ہی ایک پوسٹ کارڈ نیشنل انڈین لایف انشورنس کمپنی لیمٹڈ کلکتہ کو

بیمہ کے پراسپکٹس کی بابت لکھ بھیجئے اور اپنا بیمہ کرا لیجئے

کمپنی اپنی خاص خصوصیات کے باعث ۱۹۰۶ء سے نہایت کامیابی کے ساتھ غریبوں کی

حمایت و قومی سرمایہ کی حفاظت اور کفایت شعاری کا سبق ملک و قوم کو دے رہی ہی یہ

خاص ہندوستانی کمپنی ہی جس کو اولوالعزم ہندوستانی ہستیوں کی سرپرستی اور ڈائرکٹری

کا فخر حاصل ہی اور اس کے قواعد و ضوابط آسان ہیں مندرجہ بالا خصوصیات کے باعث اس کمپنی میں

زندگی و تعلیم کا بیمہ کرانا

ملکی سرمایہ کو اپنے ہی ملک کے لیئے مفید بناتا ہی

ہولیت کے لیئے درخواستیں پتہ ذیل پر آنی چاہئیں۔

(۱) ہیڈ آفس 6 و 7 کلایو اسٹریٹ کلکتہ۔ یا

(۲) انسپکٹر آف ایجنسی راولپنڈی آفس بالمقابل کیلیانوالی مسجد راولپنڈی۔ یا

(۳) کمپنی کی دیگر شاخوں سے اور کمپنی کے مقامی ایجنٹوں سے

ڈاکٹر عبد الغفار عامل ایجنٹ ہوتی بازار خواجہ گنج ہوتی

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

(ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہی)

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دے کر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہونچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لیئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرہ سے بالکل محفوظ اور قابل اطمینان ہی

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ روپیہ** کا کل سرمایہ بے ضرر ہی کیونکر سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی اور جگہ استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا **پراسپکٹس** جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد و تصاویر خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی منیجنگ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ نمبر ۸ ڈلہوزی اسکوئر کلکتہ

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۲۰ ستمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہی۔

"بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہی ہر مرد و عورت اور بچہ کا، ہر مکان اور سواری کے جہاز و کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہی جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہی اور درانحالیکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہی جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جس کی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذاہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہی کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش اور اپنے پسماندگان کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لیئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کریں۔

غمزدہ بیوہ کی تکلیف اور صدمہ کی قدر اگر شادی شدہ عورت محسوس کرے تو ہر عورت اپنے شوہر کو بیمہ کے لئے مجبور کرے

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

صدر دفتر نمبر ۹ ڈلہوزی اسکوئر

دیکھئے ہندوستان کے مدبر اور تجربہ کار حضرات زندگی کے بیمہ کے لئے کیا فرماتے ہیں:-

سر پرشوتم داس ٹھاکر داس ہندوستان کے مشہور تاجر اور ماہر اقتصادیات فرماتے ہیں:-

"زندگی کے بیمہ کو اب تمام دنیا نے ایک مد افضل نہیں بلکہ ضرورت شدید تسلیم کر لیا ہے"

آنریبل مسٹر کے وی رنگا سوامی آئر فرماتے ہیں:-

"اگر اہل ہند مصیبت ہٹانا چاہتے ہیں تو انھیں زیادہ تعداد میں بیمہ کرانا چاہیئے"

پروفیسر کے وی مدھاوا ایم اے میسور یونیورسٹی کے محکمہ ریاضی و اقتصادیات کے افسر اعلیٰ فرماتے ہیں:-

"زندگی کا بیمہ نہ صرف لوگوں کو انفرادی طور پر محفوظ کرتا ہے بلکہ وہ ایک غیر محسوس خیرات ہے ایک جماعتی خدمت ہے نہ صرف یہ بلکہ کم خوش قسمت اور مختصر الوقت خاندانوں کے لئے ایک بڑی سخاوت ہے"

ہمالیہ بیمہ کمپنی تمام ہندوستان میں کیوں مقبول عام اور ہر دلعزیز ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ

کمپنی کی طرف سے

زرمتدعویہ (کلیم) بغیر کسی تاخیر اور پس و پیش کے ادا کیا جاتا ہے جس کے متعلق بہت سے خطوط تعریفی ہندوستان کے ہر گوشہ سے کمپنی کو مل چکے ہیں

جس کے لئے

ہمارا پراسپکٹس ملاحظہ فرمائیے

سود مند لٹریچر

مسلمانوں کے لیئے ان کتابوں کا پڑھنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ یہ ہی وہ کتابیں ہیں جن کو ایک سودمند قوم نے خاص طور پر شایع کرایا ہے ان میں کفایت شعاری کی تعلیم اقتصادی حالت درست کرنے اور مسلمانوں کو سود خواروں کے پنجہ سے نجات دلانے۔ بنک کا لین دین اور بیمہ کرانے کے فائدے ذہن نشین کرائے گئے ہیں ان کتابوں کی قیمت خاص طور پر کم رکھی گئی ہے تاکہ لوگ خرید کر تقسیم بھی کر سکیں۔

مسئلہ ربوا اور تجارتی سود کی بحث یعنی خطبہ صدارت جو مولوی اکرم عالم صاحب بی اے وکیل نے سود مند کانفرنس منعقدہ فتح آباد ۱۹۲۶ء میں پڑھا تھا قیمت ۲ر

مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ تجارتی صنعتی اقتصادی اور کاروباری کامیابی کا راز مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے گرداب سے نکالنے کی تدبیر قیمت ۸ر

کشف الغطاء عن وجہ الربوا۔ مسئلہ سود کے متعلق علامہ سید ابو صحیح حنفی چشتی قادری نقشبندی سہروردی کا نہایت مفید اور محققانہ رسالہ جس میں سود کی تمام مروجہ صورتوں پر بحث کر کے آخر میں حلت و حرمت کا فیصلہ کیا گیا ہے ایک کالم میں عربی ایک میں اردو ترجمہ قیمت ۴ر

رسالہ جواز سود مع فتاوے۔ جواز سود کے متعلق ہندوستان کے چند علماء کے فتووں کا مجموعہ ار

رسالہ مسلمانوں کی مالی اصلاح۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب کی تصنیف ہے جس میں مسلمانوں کو اقتصادی حالت درست کرنے کے بہت سے مفید مشورے دیئے گئے ہیں قیمت ار

بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ اس میں بیمہ کے فوائد بیان کیئے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیمہ کرانے کے کیا قواعد ہیں قیمت ار

سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان۔ مصنفہ سید طفیل احمد صاحب ایم ایل سی علیگ بڑی محنت اور جانفشانی سے لکھا گیا ہے اس کا مطالعہ ہر مسلمان کو از بس ضروری ہے قیمت ۵ر

مسئلہ سود کے متعلق فتوے اور **سود مند کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز** سود مند کانفرنس ہی منعقدہ ۱۹۲۶ء میں جو تجاویز منظور ہوئی تھیں ان کا مجموعہ مع ان فتووں کے جو مسئلہ سود کے متعلق ابتک دیئے گئے ہیں قیمت ار (کل کتابوں کا محصول بذمہ خریدار ہوگا)

ملنے کا پتہ نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں یو۔پی

سودمند میں
اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اٹھائیے

٭ شرح اجرت اشتہار ٭

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۴ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ ۸ آنہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر ۹ آنے				

کیا یہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے **آپ** سستی
گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اٹھا چکے ہیں **آپ** پچھلے سال ایسی چاندی
کی قیمتی گھڑی لا چکے ہیں **آپ** اپنے کام پر
روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہنچتے **تو** فوراً ہماری
اصلی ریلوے ریگولیٹر جیبی گھڑی جس پر کارخانہ
کی اصلی مہر لگی ہوئی ہے اور ڈائل پر انجن کی
تصویر دی ہے منگا لیجئے اس کارخانہ کی گھڑیوں کی
پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی
ضرورت نہیں ٹائم بالکل سکتا اور دس برس کی
گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا

اور ملازمین سے صرف ۴ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ
منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہی آرڈر بھیج دیجئے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ ـــ نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو۔ پی

سرسید فاؤنٹن پن

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنواکر منگوائے گئے ہیں۔ قلم کی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہاسال تک خراب نہیں ہوتی دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپیشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سیلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ خریدئے برسوں کو فراغت۔ قیمت چھ روپیہ قسم اول غیر سیلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ بات ملب مفت) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔

ملنے کا پتہ۔ نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو۔پی

نظامی پریس بدایوں

لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی صحت اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہے اردو انگریزی ہندی کی سیاہ اور رنگین چھپائی عمدہ ہوتی ہے اور بکفایت ہوتی ہے۔ تخمینہ چھپائی طلب کیجئے۔ ہر قسم کی اُردو کتابیں بھی ملتی ہیں فہرست کتب مفت منگائیے۔

اصلی نمک سلیمانی جسمیں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں یہ نظامی نمک سلیمانی بدہضمی، پیٹ درد، قولنج سینہ جلنا کھٹی ڈکاروں کا آنا۔ جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اسقدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھالینے سے درد کم ہوجاتا ہے اور دوسری چٹکی کھاتے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے۔ ہر گھر میں ایک شیشی اصلی نظامی نمک سلیمانی ہر وقت موجود رہنا چاہئے۔

المشتہر — منیجر کارخانہ نمک سلیمانی بدایوں یو۔پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ محمد احمد الدین ایف آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

مقاصد سودمند

(۱) افرادِ قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس ، گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امدادِ باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام سوسے سود کھنے کا رواج جو بربادی اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور بربادی رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف بازار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی ، مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی ۱۸ تاریخ تک شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنی چاہئے یا پرچہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اگر بعض اصحاب کے نام رسالہ وی-پی روانہ کیا جائے ہمیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان دلا دیں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہیگا - مستقبل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے تصفیہ ہوسکتا ہے -

المشتہر:— مینیجر سودمند بدایوں

ناظرین سودمند کی خدمت میں
ضروری یاددہانی

گزشتہ مہینہ کے سودمند کے ساتھ ساتھ سودمند کی ترقی اشاعت کو کامیاب بنانے کی غرض سے انعامی ٹکٹوں کی چاک رسیدات آپ کی خدمت میں ارسال کی گئی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ سودمند ایسا مفید پرچہ جسقدر زیادہ کثیر الاشاعت ہوگا اسی قدر زیادہ مفید ہوگا اور یہ فائدہ جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ تمام افراد قوم اس کی اشاعت کے بڑھانے میں کافی دلچسپی کیساتھ حصہ لیں اسی خیال کو مدنظر رکھکر صرف ایک ایک چاک بک ہر ایک صاحب کے پاس بھیجی گئی لیکن ابتک اکثر اصحاب خاموش ہیں۔ اس خاموشی سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس تجویز نے کس درجہ تک عملی صورت اختیار کی ہے اب وقت کم رہ گیا ہے۔ لہذا آپ کی توجہ مبذول کی جاتی ہے کہ جلد از جلد انعامی ٹکٹ کی کتاب بعد فروخت ٹکٹ معہ قیمت فروخت شدہ روانہ کردیں۔

نیاز مند

منیجر سودمند بدایوں

سود مند بدایوں

نمبر ۱۱	نومبر ۱۹۲۸ عیسوی	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد ۴		قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

نرورہ کی جھال

مولوی سید طفیل احمد صاحب ایڈیٹر سود مند نے (نرورہ کی جھال) واقع ضلع علی گڈھ کے منظر سے متاثر ہو کر ایک مضمون حوالۂ قلم کیا تھا جس میں مسلمانوں کی ناداری۔ تباہی۔ بربادی کا خاکہ کھینچا گیا ہے یہ مضمون ماہ جون ۱۹۳۶ء کے سود مند میں شایع ہو چکا ہے تازش بدایونی نے اس کو سلسلۂ نظم میں منظم کر کے ؎ وہ نثر ہے داد نظم دوں میں اس کو دوآتشہ کروں میں" کا مصداق بنا دیا ہے امید ہے کہ ناظرین سود مند اس سے قند مکرر کا لطف حاصل کریں گے یہ نظم درج ذیل کیجاتی ہے۔

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

ای نرورہ کیوں نہ ہو تو پر فضا و پر بہار　　بہنے والی جہال سے دونا ہوا تیرا وقار

کچھ عجب انداز سے جاری ہے یہ گنگا کی نہر　　دل کی فرحت آنکھ کی ٹھنڈک ہے پانی کی پھوار

تو نے پیدا کر دیئے ہیں دل میں جذبات لطیف　　ہیں نسیم صبح کی اٹھکھیلیاں تجھ پر نثار

تیرے قبضہ میں ہے پانی کا ذخیرہ اس قدر　　کھیتیاں شاداب ہیں فرحت فزا ہیں سبزہ زار

چرخ سے گرتے ہیں نورانی ستارے ٹوٹ کر　　یا فضائے اوج سے ہے قطرہ زن پانی کی دھار

موسم گرما میں جب ہوتی ہے ٹھنڈک کی تلاش　　تازہ دم ہونے کو آتے ہیں یہاں اہل دیار

دوپہر کی راہ تکتے ہیں ادھر آنے کے بعد
خواب میں مصروف ہو جاتے ہیں وہ کھانے کے بعد

ہو اگر اس چشمۂ زیبا کے پانی میں کمی　　مچھلیاں دھاروں پہ ہیں چڑھتی اچھلتی کودتی

لیکے منسی ہاتھ میں کرتے ہیں مچھلی کا شکار　　جمع ہو جاتے ہیں ساحل پہ ہزاروں آدمی

کچھ وہ ہیں جو اک طرف ہیں جال پھیلائے ہوئے　　کچھ وہ ہیں اوپر سے لٹکائے ہوئے ہیں ٹوکری

ٹوکروں میں مچھلیوں کا ڈھیر ہی چاروں طرف
کچھ نہ پوچھو کس قدر ہی ماہی گیروں کو خوشی

گونجتی ہی شان سے اس قدرتی نظارہ میں
طائران خوش نوا کی پُر اثر آواز بھی

زمزمہ فردوس کا ہیں ان کی نغمہ سنجیاں
بازوئے خوش رنگ ہیں یہ وا ہیں بال و پری

رونق آب رواں ہیں موٹی موٹی مچھلیاں -
چونچ میں وہ لیکے اُڑ جاتے ہیں چھوٹی مچھلیاں

چشمۂ پر شور میں سامانِ دعوت دیکھکر
آرہے ہیں لمبی لمبی ٹانگ والے جانور

بیخودی شوق میں پانی پہ گرنا غول کا
مچھلیاں مونہہ میں اُٹھا لینا جھپٹا مارکر

سیر ہیں حیوان بھی ہیں شادماں انسان بھی
ہی صلائے عام کے خوانوں میں وسعت کس قدر

یہ سماں میری نگاہوں نے کبھی دیکھا نہ تھا
مسلم خستہ کی بربادی ہوئی پیش نظر

لقمۂ تر دوسروں کی بن گئی قوم ضعیف
جبکہ دولت کی کمی سے ہوگئی حالت بتر

اب نہ اخلاق و تمدن ہی نہ وہ جاہ و جلال
اب نہ بیت المال باقی ہی نہ وہ علم و ہنر

ایشیا میں اس طرح مغرب کی قومیں آگئیں
مچھلیوں کی طرح وہ ہم لاغروں کو کھاگئیں

مسٹر مورس نے انگلستان بر ، ، یڈکلف کے دار الشفا کے لیئے چار لاکھ پونڈ دینے کے بعد یہ وعدہ کیا ہی کہ اگر پبلک نے اسّی ہزار پونڈ جمع کر دیئے تو وہ چار لاکھ پونڈ کی رقم اور عطا فرمائینگے

مسلمانوں کے افلاس کا صحیح علاج

مسلمانوں کو اپنے افلاس کے مرض کا صحیح اندازہ ہو چکا۔ البتہ اُس کے علاج کے طریقہ میں اختلاف ہے بعض اصحاب سمجھتے ہیں کہ مسلمان کاہل ہیں۔ حالانکہ اب بھی سخت مشقت کے جس قدر کام مسلمان کرتے ہیں دوسرے لوگ نہیں کرتے۔ باوجود اس کے وہ بدحال رہتے ہیں۔ بعض صاحب سمجھتے ہیں کہ مسلمان شادی غمی میں زیادہ صرف کرتے ہیں۔ حالانکہ ان اُمور میں مہاجن جس قدر زیادہ خرچ کرتے ہیں وہ بھی کسی سے کم نہیں۔ مگر چونکہ اُن میں قوت برداشت زیادہ ہے اس لیئے وہ سب جھیل جاتے ہیں۔

جب سے ہندو مسلمانوں میں رنجش بڑھی ہے مسلمان یہ تجویز کرتے ہیں کہ مسلمان ہندو دوکانداروں سے سودا نہ خریدیں۔ اور صرف مسلمانوں سے خریدیں۔ درانحالیکہ مسلمان دوکاندار جو روپیہ استعمال کرتے ہیں وہ خود ہندوؤں کا سودی روپیہ ہوتا ہے اور اس لیئے انجام کار اُن کی تجارت کے منافع کا بڑا حصہ خود لوٹ کر مہاجنوں کی جیبوں میں جاتا ہے۔ غرض کہ ایسی قسم کے مختلف خیالات پھیلے ہوئے ہیں جن کو اصلی علاج سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا حقیقی اور اصلی علاج صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہر ہر فرد کو ابتدا سے اس امر کی تربیت ہو کہ جو کچھ وہ پیدا کرے اُس میں سے ایک حصہ کو پس انداز کرکے ایسے کاموں میں لگائے جن میں وہ یقینی طور پر بڑھتا رہے۔ سود مند کے صفحات میں بعض کامیاب سرمایہ داروں کے اقوال اسی بارہ میں نقل کیئے گئے ہیں جن میں تحریر ہے کہ اُن کی کامیابی صرف اس پر منحصر رہی کہ اُنھوں نے پس انداز روپیہ کو صحیح کاموں میں لگاکر بڑھایا۔ مسلمان بالعموم پس ماندہ روپیہ کو عام تجارت میں لگا دیتے ہیں۔ جو لوگ تجارت پیشہ ہیں وہ اپنا روپیہ تجارت میں لگائیں تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ جو لوگ مثلاً نوکری یا کسی اور محنت سے روپیہ کماتے ہیں اُنھیں ایسے کاموں میں روپیہ لگانے سے بچنا چاہیئے جن میں اُنھیں دستگاہ حاصل نہ ہو۔ ورنہ روپیہ کو خطرہ میں ڈالنے سے بچنے کا بہترین اور محفوظ ترین طریقہ یہ ہے کہ پس انداز روپیہ محفوظ بنکوں کوآپریٹو سوسائٹیوں میں، بیمہ میں سرکاری تمسکات کی خرید میں لگایا جائے اور اُسے ہلکی رفتار سے بڑھنے دیا جائے۔ چونکہ عام طور پر اخبارات میں ایسی تحریرات شایع ہوتی رہتی ہیں جن سے مسلمانوں کے بھٹک جانے کا اندیشہ رہتا ہے اس لیئے اس مضمون کو ناظرین سود مند کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

(ایڈیٹر)

بیماری کیا چیز ہے

انسان کے جسم میں قدرتی طور پر اُس کی حفاظت کی قوت رکھی گئی ہے۔ یہ حفاظت ہر حملہ آور کی قوت کا مقابلہ کرتی رہتی ہے۔ اور جب تک جسم میں اس مقابلہ کی قوت ہے وہ تندرست اور محفوظ رہتا ہے۔ مگر جس وقت یہ قوتِ مقابلہ عاجز آجاتی ہے اُسی وقت انسان بیمار ہوجاتا ہے۔ گویا قوت مقابلہ کی شکست کا دوسرا نام مرض ہے۔ معلوم یہ ہوا ہے کہ مرض اور قوت مقابلہ کے درمیان جو کشمکش ہوتی ہے وہ بہتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسم کے اندر ہر قسم کے فاسد اور غیر فاسد مادّے موجود رہتے ہیں حتیٰ کہ آج کل کے ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اس میں ہیضہ، طاعون، تپ دق اور ہر قسم کے کیڑے موجود ہیں اور اُن کا کوئی خراب اثر صحت پر نہیں پڑتا کیونکہ وہ کمزور اور لاچار ہوتے ہیں۔ البتہ جس وقت اُس کشمکش میں قوت مقابلہ کو شکست ہوجاتی ہے تو تمام فاسد مادّے زندہ ہو کر آمادہ فساد ہو جاتے ہیں۔ انسان کے لیے یہی وقت عین احتیاط کا ہوتا ہے۔ جو لوگ جوان اور طاقتور ہوتے ہیں وہ اپنی قوت کے زعم میں معمولی امراض کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ مگر یہ غلطی ہوتی ہے۔ کیونکہ بیمار ہونے کے بعد جسمانی قوت اور ضعف کا مسئلہ باقی نہیں رہتا بلکہ وہ برقی شکست کا مسئلہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہٹے کٹے آدمی معمولی امراض میں بعض وقت آناً فاناً ضایع ہوجاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ معمولی امراض میں بھی انسان اپنی جسمانی قوت کے زعم میں نہ رہے بلکہ پوری احتیاط سے امراض کا علاج کرائیے۔　　(ایڈیٹر)

انتظار مت کرو

تم سنہرے موقعوں کی انتظار مت کرو کہ کب کوئی "نیک گھڑی" آتی ہے۔ اور تمہاری قسمت کھلتی ہے۔ تم اپنی قسمت کے آپ معمار بنو۔ اپنے "سنہرے موقع اور اپنی نیک گھڑیاں" اپنے ہاتھوں سے بناؤ تم اس انتظار کو چھوڑ دو۔ آپ اپنے پیش رو بنو۔ اور خم ٹھونک کر میدان میں نکلو۔ پھر تمہارے لیے سب گھڑیاں نیک ہی نیک ہیں۔

جو لوگ مواقع کے انتظار میں لگے رہتے ہیں۔ اور اپنا قیمتی وقت بیکار کھوئے جاتے ہیں۔ وہ یقین جان لیں کہ خدا کا دیا ہوا ایک بے بہا خزانہ مفت ضایع کر رہے ہیں جو منٹ گزر گیا۔ بس وہ ہمیشہ کے لیے گزر گیا کبھی تم کو واپس نہ ملے گا۔ یہ وہ نقصان ہے جس کی تلافی کبھی ہو نہیں سکتی یقین رکھو اگر تم وقت کے قدردان ہوئے تو وقت تمہاری قدر کریگا اور ضرور کریگا اور تمہیں اعزاز و امتیاز کے تاج سے سرفرازی بخشے گا۔

صنعت اور امداد باہمی

(از جناب نفیس الدین احمد صاحب ایم اے۔ انڈسٹریل انسپکٹر لاہور)

شروع شروع میں تحریک امداد باہمی زمیندار اقوام کی حضر راہ رہی۔ دوسری اقوام کی طرف زیادہ توجہ نہ کی گئی۔ چند سال گزرنے سے یہ خیال ہوا کہ دوسری اقوام بھی تحریک امداد باہمی سے مستفید ہوں۔ چنانچہ اسی خیال کو ایک عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور دستکار لوگوں میں یہ تحریک شروع کر دی گئی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدا میں ہر کام مشکل نظر آیا کرتا ہے اور بہت سی رکاوٹیں پیش آیا کرتی ہیں۔ خصوصاً اس وقت جب کہ مخاطب ایک کم فہم اور سادہ قوم ہو۔ مگر انسانی ہمت اور ارادہ کے سامنے وہ دِقت دور ہو جاتی ہے۔

پنجاب میں صنعت پارچہ بافی کا بڑا دور دورہ تھا۔ لاتعداد آدمی اسی کام میں مشغول تھے۔ اور روزی کما کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ یہ لوگ متمول نہ تھے۔ صاحبِ جائداد نہ تھے۔ بلکہ تنگ حال اور غریب تھے اپنے کاروبار چلانے کے لیے اُنھیں چالاک ساہوکاروں کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔ یہ ساہوکار کئی طریقے سے ان غریبوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ مختصراً اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ قرضہ کی صورت میں بھاری شرح سود لگایا کرتے تھے اور قیمت پارچہ ادا کرتے وقت کم قیمت دیا کرتے تھے صدہا سال سے پشت در پشت بافندے ایک معنوں میں ان ساہوکاروں کے غلام تھے۔ ان کے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے عالیشان مکانات تیار ہوئے۔ اور یہ بیچارے اُسی تنگدستی کو روتے رہے۔ جب بافندگان کو فوائد تحریک امداد باہمی سے مطلع کیا گیا تو ان لوگوں نے جلدی سے اس امر کو تسلیم نہیں کیا فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے۔ کہ نئی بات سے پہلے لاپرواہی ظاہر کی جاتی ہے پھر کچھ خوف سا پیدا ہوتا ہے اور انجام کار مخالفت یا موافقت عمل میں آتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال بافندگان کا تھا۔ بڑی مشکل سے مانے۔ ساہوکاروں کا اثر اس قدر غالب تھا کہ تحریک میں شامل ہونے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ اگرچہ یہ کوشش کی گئی کہ ان کو مالی امداد پہونچائی جائے تاکہ ساہوکاروں کے رہینِ منت نہ رہیں۔ مگر سب سے بڑا ضروری یہ امر تھا کہ اُن کے کاروبار کو ترقی ہو تاکہ آہستہ آہستہ اُن کی اقتصادی حالت بہتر بن جائے۔ پیشہ کو ترقی تب ہی ہو سکتی ہے اگر کچا مال ارزاں خرید کیا جائے۔ تاکہ کل لاگت جہاں تک ہو سکے کم ہو اور قیمت بوقت فروخت زیادہ لیجائے۔ کچے مال کی بہم رسانی اور فروخت پختہ مال کیلیے

امرتسر میں کوآپریٹو انڈسٹریل اینڈ ویورز بنک کا افتتاح ہوا۔ امرت سر ہی بھاری منڈی ہے۔ مدعا یہ تھا کہ کارکنان بنک مصروفیت منڈی کی حالت سے آگاہ رہیں گے اور ملحقہ انجمنوں کو بھی مطلع کرتے رہیں گے بنک کے ساتھ ہی بہم رسانی کچا مال کے لیئے ایک دکان کھول دی گئی۔ ملحقہ انجمنوں کو اختیار ہے کہ اگر امرت سر منڈی کے نرخ مقامی نرخوں سے زیادہ ہوں۔ تو کچا مال مقامی منڈی سے ہی خرید کر لیا جائے اور بصورت دیگر امرتسر سے معرفت بنک مذکور نرخ نامہ بھیجا جاتا ہے۔ جنگ یورپ سے قبل کام کاج کی حالت اچھی رہی۔ دوران جنگ میں ہر چیز کی قیمت بڑھ گئی دیگر اشیاء کے ساتھ کپڑے کی قیمت بھی بڑھ گئی۔ اور بافندگان نے اس گراں سالی کو محسوس نہیں کیا۔ لیکن جنگ کے بعد جب کہ سرد بازاری عام ہوگئی تو بافندگان بھی اس کے اثر قبیح سے محفوظ نہ رہ سکے۔ کپڑے کی قیمت گر گئی اور بازار میں مانگ نہ رہی مال درآمد سے مقابلہ آن پڑا اور حالت خراب سے بدتر ہوگئی۔ بڑی مشکل یہ ہوئی کہ بافندگان اپنے پرانے طریقہ کار کو چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس عادت نے نقصان زیادہ کیا۔ تحریک امداد باہمی جب سے شروع ہوئی ہے۔ بہت سی انجمن ہائے بافندگان رجسٹری ہو چکی ہیں۔ اس وقت پنجاب میں ۱۸۶۔ انجمن ہائے بافندگان ہیں۔ خرید کچا مال کا ذکر تو اوپر ہو چکا۔ اس کے علاوہ یہ کوشش کی گئی کہ ممبران میں کفایت شعاری کی عادت پیدا کی جائے۔ اور فضول اخراجات کو کم کیا جائے۔ چنانچہ قیمت حصہ کی بہت زیادہ رکھی گئی۔ اور معمولی ماہانہ اقساط میں قابل ادائی رکھے گئے۔ اس کے ساتھ ہی لازمی امانتوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ۴ر سے لیکر ۸عہ ماہوار تک امانتیں جمع ہوتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد انجمنہائے صنعتی بیرونی امداد کی محتاج نہ رہیں۔ خرید عام مال کے بعد ممبران اسے تقسیم کر لیتے ہیں اور تھوڑا سا منافعہ لگا کر فروخت کرتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں ممبران خود ہی خرید کر لیتے ہیں۔ اور انجمن گویا منافعہ لگا کر فروخت کرتی ہے۔ یہ رقم بھی ایک وقت کے بعد اچھی خاصی رقم بن جاتی ہے۔ کچھ آمدنی سود سے ہو جاتی ہے۔ اس طرح انجمن کے پاس اپنا روپیہ جمع ہو جاتا ہے۔

فروخت پختہ مال کا انتظام اب کیا گیا ہے۔ ایک ایجنٹ امرت سر میں مقرر ہوا ہے دوسرے ایک ایجنسی بڑے پیمانہ پر لاہور میں کھولی گئی ہے۔ جو کمیشن پر مال فروخت کرے گی۔ اس کی تفصیل پھر کسی وقت کے لیئے اٹھا رکھتا ہوں

تحریک امداد باہمی سے بافندگان کو بہت فائدہ ہوا۔ ہزارہا لوگ ساہوکاروں کے پنجہ سے رہا ہو گئے۔ اقتصادی حالت بہتر ہو گئی۔ لین دین ان کا بمقابلہ زمانہ گذشتہ بدرجہا اچھا ہو گیا۔ اقتصادیات اور اخلاق کا گہرا تعلق ہے جیسا کہ ہمارے رجسٹرار صاحب بہادر فرماتے ہیں۔ اقتصادی حالت اگر بہتر ہو جائے

تو اخلاق بھی سنور جاتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ کساد بازاری ایک حد تک ہماری کوششوں کو بے کار کرنا چاہتی ہے مگر اس کے باوجود ممبران انجمن اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کرتے۔ اور بے شمار درخواستیں چلی آتی ہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ مستقل مزاج ہمتی آدمی ہر مشکل کو دور کر لیتا ہے۔ اسی طرح باوجودیکہ کئی اسباب ہماری سد راہ بن رہے ہیں۔ مگر ہم ہمت نہیں ہارتے۔ اور شاہراہ ترقی پر گامزن ہیں۔

بافندگان کے دوش بدوش دیگر صنعتی انجمنیں بھی جاری کی گئیں۔ انجمن ہائے کفش دوزان۔ رنگریزاں۔ تیلیان۔ ترکھانان۔ کمھاران۔ ظروف سازان۔ صابون سازان۔ قالین بافان۔ چاپ سازان۔ موڑھے سازان سناران وغیرہ ہیں۔ ان کی تعداد اس وقت ۴۰ تک پہونچ چکی ہے اور ابھی تک درخواستیں چلی آ رہی ہیں۔ عملہ میں کمی کے سبب کئی جگہ ہم پروپاغنڈہ شروع ہی نہیں کر سکتے۔ ورنہ اس وقت تعداد بڑھ گئی ہوتی۔ یہ انجمنیں نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہی ہیں۔ اصول کار ان سب کا ایک ہی ہے۔ ۷۔ انڈسٹریل یونین رجسٹر ہو چکی ہیں۔ شام چوراسی وتاجپور علاقہ ہشیارپور میں بہرام جالندھر خاص ضلع جالندھر میں۔ ملتان خاص میں ایک۔ خوشاب ولدھیانہ میں ایک ایک۔ یہ ثانوی انجمنیں انڈسٹریل بنک امرتسر سے ملحق ہیں اور آس پاس کی پرائمری انجمنیں ان سے الحاق رکھتی ہیں۔ مجموعی طور پر صنعتی انجمنوں کو بیحد فائدہ ہوا۔ نہ صرف ان کی مالی حالت بہتر ہو گئی بلکہ تعلیم اور ترقی نے عام حالت درست کر دی۔ صنعت کاری ان دنوں صرف امداد باہمی کی بدولت زندہ رہ سکتی ہے مشین کے مقابلہ میں دستکار کوئی چیز نہیں مگر بلحاظ کاٹیج انڈسٹری (Cottage Industry) ان کا زندہ رہنا ازبس ضروری ہے سرمایہ کی کمی اجازت نہیں دیتی کہ گراں قیمت مشینیں خریدی جائیں۔ البتہ تحریک امداد باہمی نے اتنا تو کر دیا ہے کہ نئے آلات کار استعمال ہوتے ہیں۔ اور بازار کی مانگ کے مطابق سامان تیار کیا جاتا ہے۔ پبلک کو اگرچہ بیرونی ممالک کے مال نے محو کر رکھا ہے۔ تاہم اپنے دیس کی چیزوں سے بالکل ناآشنا نہیں ہے۔ نمائشی ٹرین کے موقعہ پر صنعتی انجمنیں تقریباً ۲ ہزار سات سو کا مال فروخت کر سکیں۔ سالانہ نمائش میں کافی مال بک جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف اوقات میں محکمہ جات ریلوے اور پولیس سے آرڈر مل جاتے ہیں ابھی حال میں منیجر انڈسٹریل کوآپریٹو بنک نے پولیس کے محکمہ سے کلاہ کا آرڈر لیا ہے جس کی تعمیل ہو رہی ہے۔ انفرادی طور پر بھی اصحاب آرڈر دیدیتے ہیں۔ جن کی بروقت تکمیل و تعمیل ہو جاتی ہے۔ انجمنہائے صنعتی کی کامیابی کا سب سے بڑا ستون بجنسہ مال کی فروخت ہے۔ اس کے لئے بے انتہا کوشش کی جاتی ہے اور کامیابی بھی ہو جاتی ہے۔

لاہور کی ایجنسی امید ہے بڑی کامیابی حاصل کرے گی اور انجمنوں کا مال بآسانی فروخت ہو سکے گا۔

"این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

قرضہ کس طرح ادا ہوا

ایک بائیس تیئس ۲۳ سالہ نوجوان ایک کمرہ میں متردانہ انداز میں اپنی بہن کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کی آنکھیں سیاہ ہیں اس کے چہرہ پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا اس نے ابھی ابھی کوئی ایسا کام کیا ہے جس کی وجہ سے اس کی بہن اس سے قدرے رنجیدہ اور ملول سی ہو گئی ہے آخر اس کی بہن قدرے طیش میں آکر بولی۔

"اوہ چارلی! چارلی! تم نے یہ کام کیوں کیا؟

چارلی۔ للی مجھ سے اور کچھ نہ بن پڑا۔ میں سخت تنگ آگیا تھا۔ آدمی کا گزارہ روپیہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ عورتوں کو بھلا کیا معلوم کہ دنیا وی ضروریات اور خواہشات کیا بلا ہوتی ہیں۔

للی۔ لیکن چارلی کیا تم کو معلوم نہیں کہ یہی دنیا تمہاری اس کرتوت پر تمھیں کیا کہہ رہی ہو گی۔ او چارلی یہ تو صاف جعلسازی ہے۔

چارلی۔ تم تو سراسر بکواس کر رہی ہو یہ تو اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیئے بوڑھے گلنکر اس کی بے نہتا دولت میں سے قرضہ لینا ہے۔ میں نے چٹھی لکھکر اس سے کچھ روپیہ مانگا ہے اور اس نے نہایت حقارت سے میری درخواست کو رد کر دیا اس کے بعد مجھے اس کے بجز کوئی اور چارہ کار نظر نہ آیا۔

للی۔ مگر چارلی تمھیں اس بات کی جرات کیسے ہوئی؟

چارلی (لاپرواہی سے) جرات۔ یہ تو صرف قلم کی ایک جنبش تھی اب اگر گلنکر اس نے صرف ایک سو پونڈ کے بارہ میں ذرا بھی تامل کیا۔ تو وہ سخت کنجوس ہوگا۔

للی۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ تمھیں اسے روپیہ کسی نہ کسی طرح سے ادا کر دینا چاہیئے۔ مگر میں نے تو بچا کھچا اسباب فروخت کر دیا ہے۔ دیکھو (یہ کہکر اس نے اپنے کمرہ میں ادھر اُدھر دیکھا) میں کس طرح سے زندگی بسر کر رہی ہوں کل رات میں نے کپڑے سیتے سیتے آدھی رات گزار دی تاکہ کرایہ ادا کرنے کے لیئے میں کچھ روپیہ کماؤں میرے پاس تو کوئی زیور بھی نہیں رہا۔ اور نہ کوئی چیز باقی ہے (پھر للی نے حسرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا)

چارلی۔ (اپنی زلفوں کو جھٹکا دیکر) میں اب یہاں ہنسی مذاق کرنے کے لیئے نہیں رُک سکتا مجھے اپنے کام پر جانا ہے۔ خدا حافظ میری بہن! بجز اس کے کہ تم مجھ سے کچھ دینے کی شنوائی ہو۔ تم خراب بن نہیں بیٹھو۔

جب چارلی چلا گیا تو للی اب نئی صورت حالات کا احساس کرنے کے لیئے بیٹھ گئی۔ اب ساری بات کا دار و مدار اس امر پر موقوف تھا۔ کہ گلنکراس اب اس مالی دست برد کو کس طرح سے محسوس کرے گا۔

للی (دل ہی دل میں) لیکن کم از کم کلنکراس کے دل میں انسانی ہمدردی تو ہوگی۔ اگر میں خود اس کے پاس جاؤں اور اس کو غریب چارلی کی ضروریات کا احساس دلاؤں اور یہ کہوں کہ باوجود اتنے قصوروں اور لاپروائی کے اس کی نیت نیک ہے۔ اور اسے میں صاف طور پر کہدوں کہ روپیہ ادا کرنے کے لیئے میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ اس لیئے میں خادمہ بن کر آپ کا کام کروں گی۔ اور اپنی تنخواہ میں سے یہ قرضہ ادا کروں گی تو مجھے یقین ہو کہ اس کا دل اس بات سے کبھی انکار نہیں کرے گا۔

یہ خیال للی کے دل میں اس قدر جاگزیں ہوا کہ اپنے بھائی کے چلے جانے کے دو ہی دن بعد وہ کلنکراس کے مکان پر پہونچی۔ دروازہ پر کلنکراس کا نام کندہ تھا۔ گھنٹی بجا کر دریافت کیا کہ کیا مسٹر کلنکراس گھر میں ہیں۔

ایک خادمہ۔ ہاں! کیا آپ اندر تشریف لائیں گی؟

للی اس خادمہ کے ساتھ ایک پُرتکلف کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کمرے کی آرایش اور زیبایش نے اس کو پرستانی محلوں کی یاد دلادی اور وہ کچھ مبہوت سی ہو گئی اور ایک نفیس کرسی پر بیٹھ کر دل میں خیال کرنے لگی آخرکار وہ اتنا کنجوس تو نہیں ہے اور یہ سوچ کر سہم سی گئی۔ کہ میرا مقصد ہی سراسر فضول ہے۔ کیونکہ اس کو کسی خادمہ کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ یہ اسی اندیشہ میں غرق تھی کہ سامنے کا دروازہ کھلا اور ایک قدآور خوبصورت تیس سالہ جوان کمرہ میں داخل ہوا۔

للی۔ جناب میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ میں تو مسٹر گلنکراس سے ملنے آئی ہوں۔

نووارد۔ میں ہی مسٹر گلنکراس ہوں۔

للی "آپ" یہ کہکر وہ محو حیرت سی ہو گئی کیونکہ یہ شخص اس کے چچیرے بھائی کلنکراس سے بالکل ہی مختلف نظر آتا تھا۔ اس نو وارد نے للی کی گھبراہٹ کو دیکھ کر بڑی شایستگی سے کہا۔

نووارد۔ کیا میں آپ سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ میں آپ کی مدد کس طرح سے کر سکتا ہوں؟

للی (دھیمی آواز سے گھبرا کر) میں للی ولینڈ ہوں۔

نووارد "ولینڈ"! (یہ کہنے نہ پایا تھا کہ اس کے چہرہ پر کچھ خفگی سی چھا گئی۔ یہ دیکھ کر پھر للی کو چارلی اور اس قرضہ کا خیال آگیا اور وہ سسکیاں لیتی ہوئی اس کے قدموں پر گر پڑی اور سسکیاں بھر بھر کر اپنی داستان غم سنانے لگی۔

نووارد۔ مس ولینڈ! اُٹھو میری چچیری بہن۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہم باہمی رشتہ داری کا دعوےٰ کر سکتے ہیں

اگرچہ یہ رشتہ بہت دور کا ہی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ چند دن میری مہمان رہیں مجھے ٹیلیفون کے ذریعہ اپنی والدہ کو بلانے دو۔

مسز گلنگراس ایک پرشکوہ ضعیف خاتون تھی۔ اس نے بڑے تپاک سے للی کا خیر مقدم کیا اور پھر دونوں باہم باتیں کرنے لگ گئیں اور مسٹر گلنگراس میز پر کچھ کاغذات کے دیکھنے میں مصروف ہوگئے۔ لیکن جدید دلچسپی کے ساتھ للی کے متغیر چہرے کو بغور دیکھے جاتا تھا۔ اس کے دل میں کچھ گدگدی سی پیدا ہوئی۔ اور بار بار یہ خیال آتا تھا کہ میں نے ایسا دلربا چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔

اس رات للی نے ایک چھٹی گھر کی طرف لکھی اور مسز گلنگراس نے اخیر میں ایک مسرت آمیز فقرہ بھی لکھدیا اب للی کے بھائی چارلی کو معلوم ہوگیا کہ اس کے خطرات کا زمانہ گزر گیا۔ للی کو ان کے مکان میں رہتے ہوئے ایک ماہ گزر گیا۔ ایک دن جب وہ کمرہ میں بیٹھی ہوئی اپنی اس حالت پر آنسو بہا رہی تھی تو مسٹر گلنگراس اچانک اس کمرہ میں آگھسا اور اس کے پھول سے چہرے پر آنسوؤں کے موتی ٹپکتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا۔

پال گلنگراس۔ للی کیا بات ہی؟

للی۔ پال کچھ نہیں۔ میں تو ایک خوشگوار خواب دیکھ رہی ہوں۔ اور یہ خیال کرتی ہوں کہ آخرکار اب بیداری کا وقت آگیا ہی۔

گلنگراس۔ پراسرار لڑکی! تمہارا مطلب کیا ہی؟

اس پر للی کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس نے اپنی آنکھیں جھکالیں اور بولی۔

"پال مجھے ایک سو پونڈ ابھی تک ادا کرنے ہیں پس پال میں نے ایک اشتہار لکھا ہی اور آپ مہربانی کرکے اسے کسی اخبار کے دفتر میں لے جائیں۔ پال نے اس اشتہار کو پھاڑ دیا اور کہنے لگا۔ للی یہ سراسر فضول حرکت ہی۔ اگر تم ادا کرنا چاہتی ہو تو ادا کرسکتی ہو۔

للی۔ لیکن پال آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہی۔

پال۔ میرے لئے تم سب کچھ ہو اور دنیا کا نہایت ہی قیمتی تحفہ ہو۔

للی۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

پال۔ تو کیا میں اس کی وضاحت کردوں۔ اچھا تو للی تم اپنے آپ کو میرے حوالے کردو۔ پیاری میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمھیں اپنی بیوی بناؤنگا کیا تم اس طرح سے اپنا قرضہ ادا کرنے کو تیار ہو؟

للی۔ اوہ پال یہ خوش نصیبی تو میرے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔

پس اس طرح سے للی کے قرضہ کا فیصلہ بڑے اطمینان سے ہوگیا اور وہ چند ہی دنوں میں پال کی بیوی بنکر عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے لگی۔

(ناظرین سود مند غور کریں کہ قرضہ کیسی بری چیز ہے کہ انسان خدمتگاری یا غلامی کرنے تک کو تیار ہو جاتا ہی یہ دوسری بات ہی کہ للی کی خوبصورتی آڑے آئی اور اس نے پال کی بیوی بنکر قرضہ ادا کردیا۔ ایڈیٹر)

اصلاح رسُوم

(از جناب مولانا غلام محمد صاحب غفران الصمد آنریری سکریٹری اصلاح القوم۔ کراچی)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وخیر خلقہ محمد والہ صحبہ الطیبین الطاہرین۔

اما بعد اسلام تمام دنیا کے مذاہب سے بہترین مذہب ہی اور اس کے تمام احکام پاکیزہ اور عمدہ ہیں لیکن افسوس پیروان اسلام اس کا اتباع صحیح معنوں میں نہیں کرتے اور وہ اسلامی تعلیمات کو روز بروز ازیاد رفتہ کرتے جاتے ہیں اور خصوصاً اس زمانہ میں کہ ہرطرف سے ترقی، ترقی، بیدار باش ہوشیار باش کی آوازکانوں میں گونج رہی ہو مسلمانوں کی ایسی ناگفتہ بہ حالت ہی جس کو دیکھ کر بے اختیار مُنہ سے یہ فریاد نکلتی ہو کہ ؎

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دُعا ہی — اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہی
جو دین بڑے شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہی (حالی)

قوم کے کثیر التعداد افراد مذہب کی صاف اور سچی تعلیمات سے بالکل نابلد رسوم اختراعیہ میں مبتلا اور اعمال دین میں بھی گرفتار بدعات ہیں اور سب سے بڑھکر یہ غضب کہ بعض رسوم قبیحہ کو طاعت و عبادت بنا لیا ہی اور ان کو ادا کرنا باعث ثواب اور ترک کرنا باعث عذاب سمجھتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ سب مسلمانوں کو اعمال بد سے بچائے ؎

رغبت کفر سے اللہ بچائے سب کو — نور افگن رہے ہر سینے میں پیارا اسلام

اتباع سنت۔ اتباع سنت کی تاکید اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ خود خداوند تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہو لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاٰخر وذکر اللہ کثیراً۔ یعنی جو لوگ خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں رسول اللہ صلعم ان کے لیئے بہت ہی عمدہ اور نیک نمونہ ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہو کہ اس نمونہ کے مطابق کام کریں۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث مروی ہو قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار یعنی سب بُرے کاموں سے بُرا کام ایک نئی چیز دین میں نکالنا ہی اور جو بدعت ہو وہ گمراہی ہو اور گمراہی آگ میں ہی۔ ایک اور جگہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہی:۔

لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ یعنی مسلمانوں تم اللہ اور رسول (کے کلموں سے علاوہ باتیں ایجاد کرکے ان) سے آگے نہ بڑھو بلکہ ان ہی کی پیروی کرو۔ مگر آہ! ؎

فی المثل ہو مری مسلمانی ۔۔۔ جیسے زنگی کا نام ہو کافور

ہم کو چاہیئے ہر ایک کام میں خواہ وہ دینی ہو یا دُنیوی اتباع سُنت ہی سے کام لیں۔ کیونکہ ہماری اصلاح و ترقی اتباع سنت رسول اللہ صلعم کے بغیر ناممکن ہی۔ ؎

قدم بڑھاؤ ترقی کرو ضرور وسلے ۔۔۔ رہے رسول کے قدموں پہ سر خدا کے لیئے

اسراف یعنی فضول خرچی۔ خداوند تعالےٰ قرآن مجید میں ایک جگہ فرماتا ہی ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفوراً۔ یعنی فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے پروردگار کا ناشکرا ہی۔ لیکن افسوس عموماً سب مسلمان شادی غمی دونوں میں فضول خرچی کے مرض میں مبتلا ہیں اور اس کو باعث فخر اور آبرو کا سبب جانتے ہیں۔ حالانکہ گناہ نہ کرنے کو بے عزتی سمجھنا زوال ایمان کا باعث ہی۔ پس ہم کو چاہیئے کہ ہر کام میں رسول و خدا کی فرماں برداری کریں اور ان کی حد سے نہ بڑھیں۔

فضول خرچی کے سوا اور بہت سی رسوم قبیحہ میں مسلمان اس سختی سے گرفتار ہیں کہ اگر کوئی ان کو سمجھادے کہ یہ شرک اور بدعت کی رسمیں جو تم میں رائج ہیں اس سے ایمان رخصت ہوجاتا ہی ان کو ترک کرو اور اللہ نے جو قرآن مجید میں فرمایا ہی اور جو حکم حدیث و فقہ کی کتابوں میں درج ہیں ان پر چلو تو وہی جواب دیتے ہیں جو اگلے زمانے کے کافر رسول خدا صلعم کو دیتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہی کہ واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا اولوکان اباءھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون۔

ترجمہ اور جب ان لوگوں کو کہا جاتا ہی کہ چلو اس پر جو نازل کیا۔ اللہ نے کہتے ہیں نہیں ہم چلینگے اس پر جس پر دیکھا اپنے باپ دادوں کو اور بھلا اگر ان کے باپ دادے نہ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت پر ہوں" اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ باپ دادے کی رسوم کو اختیار کرنا اور قرآن و حدیث و فقہ کے مقابلہ میں سند پکڑنا کفر کی بات ہی۔

شادی۔ شادی کے متعلق شریعت اسلام میں فقط اسی قدر حکم ہی کہ دولھا مع چند آدمی جاکر نکاح پڑھالیں اور اگر بطور تواضع کچھ کھلایا تو کچھ حرج نہیں اور بعد از نکاح فقط لڑکے والا دعوت ولیمہ کرے۔ اگر توفیق نہیں تو کل برادری کو کھلانا ضروری نہیں بلکہ جس قدر اس کی استطاعت ہو اسی قدر کرے زیادہ کرے گا

تو گنہگار رہوگا۔ اس سے زائد جو رسوم مروج ہیں وہ سب فضولیات اور واہیات ہیں۔

عقیقہ۔ ولادت کے متعلق شریعت نے یہ فرمایا ہو کہ روز پیدائش سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے۔ لڑکے کے لیئے دو بکری اور لڑکی کے لیئے ایک بکری ذبح کریں اور اس کا گوشت کچا یا پکا تقسیم کردیں اور بالوں کے برابر چاندی وزن کرکے خیرات کردیں اور سر مونڈنے کے بعد زعفران سر میں لگائیں بس یہ سب باتیں ثواب ہیں باقی جس قدر رسوم بچے کی پیدائش پر جاری ہیں سب شیطانی تعلیمات ہیں اور لوگوں کی گمراہی کا سامان ہیں۔

ختنہ۔ لوگ جو رسوم بیاہ میں بجا لاتے ہیں۔ مثلاً برادری کو بلانا جشن و جلوس کرنا اور ضیافتوں کے سامان کرنا وغیرہ وہی ختنہ میں بجا لاتے ہیں۔ فرق فقط ایک نکاح کا ہو۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہو کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلعم کے ایک صحابی کو کسی نے ختنہ میں بلایا آپ نے تشریف لیجانے سے صاف انکار کردیا۔ لوگوں نے جب وجہ پوچھی تو جواب دیا۔ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں ہم لوگ نہ ختنہ میں کبھی جاتے تھے نہ اس کے لیئے بلائے جاتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا یہ مراسم جو ہم کررہے ہیں سب لغو اور خلاف سنت رسول اللہ ہیں۔

غمی۔ میت کی تجہیز و تکفین مناسب و معتدل طور پر کرنے کے بعد اہل میت کو فقط تین روز کے لیئے سوگ رکھنا جائز ہو۔ اور اس سے زیادہ خلاف سنت رسول اللہ صلعم ہو۔ لیکن اگر عورت کا خاوند مرجائے تو اس کو چاہیئے کہ چار مہینے دس دن تک سوگ میں رہے اس کے بعد اپنی زینت و آرائش کرنا اور شادی کے لیئے آمادہ ہونا درست ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر بغرض ایصال ثواب مردہ بغیر یا اور نقرر کسی تاریخ کے غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاوے تو باعث ثواب ہو۔ بشرطیکہ توفیق ہو۔ اور اگر قرض لے کر ایسا کرے تو میت کو ذرا بھی ثواب نہیں ملے گا بلکہ وہ شخص گنہگار ہوگا۔ اور اگر مرنے والے کے بچے یتیم نابالغ ہیں۔ تو ان کی ماں یا دوسرے اقربا کو ہرگز جائز نہیں کہ اس کے ورثہ میں سے تیجے دسویں اور چہلم کا سامان کریں۔ بلکہ وہی پیسے اس کی پرورش و تربیت پر خرچ کیا جائے۔

اپنے چھپے دشمنوں اور چوروں سے خبردار رہو - ہر ایسا خیال جو تمھیں مایوسی کا فوٹو پیش کرتا ہو جو تمھیں مردانہ وار کوشش کے میدان میں نکلنے سے ڈراتا ہو۔ اس کو ایک بڑا چور اور اپنا بھاری دشمن سمجھو اور ایک لمحہ بھر کے لیئے بھی اپنے سینہ میں نہ گھسنے دو۔ خوب چوکس رہو اور جب کبھی دبے پاؤں وہ تمہارے دل و دماغ میں گھسنا چاہے فوراً دھکے دیکر نکال باہر کردو۔ وہ دوست جو تمہیں ناکامی کی کہانی سناتا ہو اس کے لیئے اپنے کان بند کردو۔

محنت و کوشش کامیابی کی جڑ ہے

اعجاز حسین کی بیوہ ماں کو جب یہ معلوم ہوا کہ باپ کے مرتے ہی اس کے اکلوتے بیٹے کی قیمت گھٹ گئی اور عقیقی چچا نے یہ ابتی منگنی کو فسخ کرکے اپنی بیٹی سے شادی کرنا نامنظور کر دیا تو اس کے دل پر بجلیاں گریں۔ وہ بے شک بہت غریب تھی اور مکان مسکونہ یا تھوڑے سے اندوختہ کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ کیونکہ اعجاز حسین کے والد نا عاقبت اندیش اور مسرف تھے لیکن وہ اپنے بیٹے سے اس قدر محبت رکھتی تھی کہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی اعجاز حسین کی یہ حالت تھی کہ اس نے اردو، فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی جس کا ماحصل صرف اس قدر تھا کہ معمولی نوشت و خواند کے سوا کچھ لیاقت نہیں رکھتا تھا والد کے انتقال سے پہلے ہی اس نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ اگرچہ کسی قسم کی بدوضعی اور آوارگی اس کے مزاج میں پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن وہ لاعینی اور فضول طریقہ سے اپنا تمام وقت ضرور ضایع کرتا تھا۔ چنانچہ وہ کھانے کے اوقات کے سوا بہت کم گھر میں بیٹھتا تھا۔ دوستوں میں تاش اور شطرنج کھیلنا تفریح کے لیے باغوں اور تفریحی مقامات میں جانا یا گپ شپ اور ہنسی مذاق میں وقت بسر کرنا اس کا شبانہ روزی مشغلہ تھا یہ سب کچھ تھا لیکن اس کی مادر مہربان اسے دنیا کے لائق ترین فرزندوں کی طرح خیال کرتی تھی اور ہر وقت اس کی دلجوئی و دلداری میں مصروف رہتی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ اسی طرح دوسرے بھی اس کے بیٹے کو اچھا سمجھیں۔ چنانچہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اعجاز حسین کے چچا نے صاف انکار کر دیا کہ وہ اپنی بیٹی سے اعجاز حسین کی شادی نہیں کریں گے تو وہ اعجاز کو ساتھ لیکر دیور کے مکان پر گئی۔

(۲)

اعجاز حسین کے چچا کا نام ممتاز حسین تھا۔ چھاؤنی کے دفتر میں اسی روپے ماہانہ کے ملازم تھے اور چونکہ ان کی بیوی صاحب جائداد تھیں اس لیے آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے وہ اعجاز کی نسبت فسخ کر چکے تھے اس لیے بھاوج سے کسی قدر کبیدگی کے ساتھ ملے۔ تاہم اعجاز کی والدہ جس مقصد سے گئی تھیں وہ بیان کیا اور پوچھا کہ آخر اس میں کیا خرابی ہے کہ تم نے نسبت فسخ کر دی میاں ممتاز حسین نے ہنس کر کہا کہ ابھی آپ کو یہ بھی خبر نہیں کہ کیا خرابی ہے سر سے پاؤں تک خرابیاں ہی خرابیاں ہیں۔ یہ پوچھیے کہ بھلائی کیا ہے۔ رات دن آوارہ پھرتا ہے ایک حرف لکھا پڑھا نہیں۔ چار پیسے کمانے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ کوئی دیوانہ ہی ہوگا جو اس رشتہ کو منظور کرے گا اور اپنی لخت جگر کو دیدہ و دانستہ اندھے کنوئیں میں ڈھکیل دے گا۔ اعجاز کی والدہ نے کہا کہ اعجاز کافی لکھا پڑھا ہے خط کو لیتا ہے پڑھ لیتا ہے

شریفوں کے لیۓ اتنا لکھنا پڑھنا کافی ہے۔ البتہ عالم فاضل نہیں ہے۔ یہ تم نے اس پر افترا باندھا ہے کہ وہ رات دن آوارہ پھرتا ہے اور یہ تمہارا خیال قبل از وقت ہے کہ چار پیسے کمانے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ جب کمانے کا وقت آۓ گا تو کیوں نہ کماۓ گا۔ غرض انھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیۓ اور بہت کوشش کی کہ میاں ممتاز حسین کی راۓ بدل جاۓ لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا اور آخرکار اعجاز کی والدہ بیٹے کو ہمراہ لے کر اپنے مکان کو واپس چلی آئیں۔

(۳)

میاں ممتاز حسین نے جو باتیں کہی تھیں ان کو کچھ دور بیٹھا ہوا اعجاز بھی سن رہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کی بیوہ ماں اس گفتگو سے کس قدر دل شکستہ ہو رہی ہے۔ اس واقعہ نے اس کے دماغ پر زبردست اثر ڈالا۔ وہ کئی دن تک اس خیال میں محو رہا کہ میں اپنے آپ کو ایسا بناؤں کہ چچا اپنی غلطی پر عمر بھر افسوس کریں کبھی وہ کہتا تھا کہ پڑھنا شروع کر دوں لیکن ساتھ ہی اس کا دل کہتا تھا کہ تعلیم مجھے دولتمند نہیں بنا سکتی کبھی کہتا تھا کہ کوئی ہنر سیکھوں لیکن پھر وہ خیال کرتا تھا کہ جوتیاں بنا کر یا کپڑے سی کر لکھ پتی بننا دشوار ہے آخرکار غور و فکر کے بعد اس کے دل میں یہ بات جم گئی کہ تجارت کے ذریعہ سے دولتمند بن کر چچا کو نیچا دکھانا چاہیۓ اور بتا دینا چاہیۓ کہ مجھ سے بہتر دوسرا داماد نہیں مل سکتا۔ یہ اس کی ذاتی راۓ تھی اور اس کے متعلق اس نے اپنی ماں سے بھی مشورہ نہیں کیا خیالات اس کے دماغ پر جنون کی طرح مسلط تھے وہ شہر کے سب سے بڑے حکیم کے پاس گیا اور تنہائی کا موقع تلاش کر کے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ آج مجھے منجن کا ایک ایسا نسخہ بتا دیجیۓ جسے میں عام طور پر فروخت کر سکوں اور سب کو اس سے فائدہ پہونچے اور ہر شخص اسے خرید کرے حکیم صاحب اس تقریر سے بہت متاثر ہوۓ اور انھوں نے کہا کہ تم ایک سیر ریٹھے جلاؤ اور ان کے کوئلوں میں ۳ تولے پھٹکری بریاں اور ۳ تولے کالی مرچ اور ۵ تولے کھانے کا نمک ملا کر باریک پیس لو اور اس منجن کو ڈبیوں میں بھر کر فروخت کرو۔

(۴)

دوسرے دن منجن تیار تھا۔ اعجاز نے دو موٹے پٹھوں پر لکھا "افسرالاطبا کا بنایا ہوا منجن"، اور یہ دو تختے اپنے آگے پیچھے لٹکاۓ ہاتھ میں ایک تھالی لے کر اس میں منجن کی ڈبیاں رکھیں اور بازاروں میں گشت لگانا شروع کیا اس تدبیر سے آٹھ دس ڈبیاں روزانہ فروخت ہو جاتی تھیں اور تقریباً ۵۰ فی صدی منافع ہوتا تھا ایک دن اس سے ایک شخص نے کہا کہ ایسا منجن دو جس سے ڈاڑھ کا درد جاتا رہے اعجاز پھر حکیم صاحب کے پاس گیا انھوں نے کہا کہ ۵ تولے کھیلے جلاؤ اور ان میں ۶ ماشے کالی مرچ اور ۶ ماشے کھانے کا نمک ملا کر

باریک پیس لو۔ اعجاز نے ایسا ہی کیا اور اس منجن سے لوگوں کو خاطر خواہ فائدہ پہونچا۔ اس کے بعد اسے دوسرا بے نظیر نسخہ ہاتھ آیا یعنی اگر ٹنکچر آیوڈین کی ایک پھریری احتیاط سے دکھتی ہوئی ڈاڑھ یا سوجے ہوئے مسوڑے پر لگائی جائے تو ایک سکنڈ میں فائدہ ہوجاتا ہے۔ میاں اعجاز نے چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں ٹنکچر بھر کر خوب فروخت کیا اور لوگوں کو اس قدر فائدہ پہونچا کہ دور دور ان کی شہرت ہوگئی۔ اب میاں اعجاز نے گشت موقوف کردیا اور ایک رومال بچھا کر منظر عام پر بیٹھ جاتے تھے۔

(۵)

میاں اعجاز کو ان کے چچا نے بازاروں میں دیکھا تو گھر جا کر خوب مذاق اڑایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کمبخت نے خاندان کی آبرو برباد کردی لیکن اعجاز نے اس کی مطلق پروا نہ کی۔ ماں نے بھی اسے روکا لیکن اس نے ماں کا کہنا بھی نہ مانا اور اپنے کام کو بدستور جاری رکھا۔ تین چار ماہ کی جد وجہد میں اس کے پاس پچاس ساٹھ روپیہ جمع ہوگئے تھے جن میں سے ایک حبہ اس نے خرچ نہیں کیا تھا اسی اثنا میں نئی روشنی کے لوگوں نے اس کے منجن پر اعتراض کیا اور کہا کہ ایسا منجن ہم خرید سکتے ہیں جو ولایتی ٹوتھ پوڈر کے مانند خوشبودار خوش رنگ اور عمدہ ہو۔ اب میاں اعجاز کو خود بھی منجنوں کے متعلق کافی تجربہ ہوگیا تھا انھوں نے ان اجزا سے ایک نفیس منجن تیار کیا سنگ جراحت پاؤ بھر۔ گیرو ڈھائی تولہ دانہ الائچی سفید ۳ ماشہ پھٹکری بریاں ۲ ماشہ عاقر قرحا ۲ ماشہ مصطگی رومی ۲ ماشہ ان سب دواؤں کو باریک پیس کر کپڑے میں چھان لیا اور اس پر دو تین قطرے سینٹ کے ٹپکا کر رکھ چھوڑا ایک چھاپہ خانہ میں جا کر خوشنما رنگین لیبل چھپوائے اور ڈبیہ کو ایسا عمدہ بنایا کہ بالکل ولایتی معلوم ہوتی تھی میاں اعجاز کا یہ منجن نئے طبقہ میں خوب مقبول ہوا کیونکہ ولایتی منجنوں کی نسبت یہ زیادہ مفید تھا۔ بعض پان کھانے والوں نے ان سے خواہش کی کہ ہمیں ایسا منجن چاہیئے جس سے پان کی رنگینی دور ہو کر موتی کی طرح شفاف نکل آئیں انھوں نے ایک مرکب اس طرح تیار کیا کہ کھانے کا نمک ۲ ماشہ اور سرسوں کا تیل ایک تولہ ان دونوں کو باہم خوب آمیز کرکے بڑے منہ کی شیشی میں بھر لیا یہ پان کا اثر زائل کرنے کے لیئے اکسیر ثابت ہوا رات کو اچھی طرح دانتوں میں مل کر سو جانے اور دو تین روز پان نہ کھانے سے پرانے پان کھانے والوں کے دانت ایسے ہوگئے کہ گویا انھوں نے کبھی پان نہیں کھایا تھا۔

(۶)

ان واقعات پر ایک سال گزر گیا میاں اعجاز حسین سارے شہر میں منجن والے مشہور ہوگئے

جس شخص کو منجن کی ضرورت ہوتی یا جس کے دانتوں اور مسوڑھوں میں کوئی شکایت پیدا ہوتی وہ ان کو تلاش کرتا اب ان کے پاس چھ سات سو روپیہ کا سرمایہ بھی ہو گیا تھا اور ساتھ ہی پندرہ سولہ قسم کا منجن اور دانتوں کی دوائیں بھی ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ بس انھوں نے ایک چھوٹی سی دوکان بازار میں اچھے موقع پر کھول دی چھوٹی چھوٹی خوشنما الماریوں میں منجن کی خوبصورت ڈبیاں سجائیں ایک میز اور چند کرسیاں قرینے سے رکھیں۔ ہر قسم کے منجن کا بورڈ لگایا اور باقاعدہ دوکان پر بیٹھنے لگے مرکزی حیثیت سے منجن کی فروخت میں نمایاں ترقی ہوئی بعض واقف کاروں کے مشورہ سے انھوں نے اخبارات میں اپنے منجن کا اشتہار دیا۔ بیرونی فرمایشوں کی تعمیل سے بھی کچھ زیادہ تو نہیں لیکن خاصہ فائدہ ہوا دوکان پر بیٹھنے کی حالت میں ان کو کافی وقت ملنے لگا۔ چنانچہ انھوں نے ایک نیک دل طبیب سے اردو میں طب کی تعلیم شروع کی وہ ان طبیب صاحب کے پاس تو صرف ایک گھنٹے کے لئے جاتے تھے لیکن اپنی دوکان پر تمام دن طبی کتابوں کا مطالعہ رکھتے تھے چنانچہ دو سال کے عرصہ میں انھوں نے طب کی تمام خواندگی ختم کی اور اگرچہ سب کچھ اردو میں پڑھا تھا لیکن شب و روز کے مطالعہ اور دلی شوق و محنت کا یہ اثر تھا کہ ان کی معلومات ایک لائق اور اعلےٰ تعلیم یافتہ طبیب سے کم نہ تھیں لیکن میاں اعجاز نے زیادہ تر منہ مسوڑوں اور دانتوں کے علاج پر زور دیا اور جہاں تک ممکن تھا ان مخصوص شکایات کے متعلق لیاقت بہم پہونچائی اب وہ منجن فروشی کے علاوہ امراض کا علاج بھی کرتے تھے اور ان کی دوکان مطب کی حیثیت بھی رکھتی تھی۔

(۷)

چار سال کا زمانہ اس حال میں گزر گیا میاں اعجاز حسین کی آمدنی روز افزوں ترقی پر تھی۔ ان کے پاس مریض بکثرت آتے تھے بلکہ یوں سمجھیے کہ منہ کے امراض کا کوئی مریض ان کے سوا کسی دوسری جگہ نہیں جاتا تھا۔ ان کو علاج میں نوے فی صدی کامیابی ہوتی تھی۔ منجن بھی خوب بکتا تھا اور اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر انھوں نے صدہا نئی دوائیں ایجاد کر لی تھیں ان کی موجودہ آمدنی دوکان وغیرہ کا خرچ نکال کر سو روپے مہینے سے کم نہ تھی شہر میں لوگ ان کی عزت بھی کرتے تھے اور بڑے بڑے گھروں میں ان کو علاج کے لیئے بلایا جاتا تھا اس اثنا میں انھوں نے اکا دکا ہی کے دو تین علاج ایسے معرکے کے کیئے کہ بڑے بڑے طبیب ان کا لوہا مان گئے میاں اعجاز حسین کی والدہ اپنے بیٹے کی ترقی سے غیر معمولی مسرت رکھتی تھیں اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا کہ وہ اپنے دیور کی گفتگو یاد کر کے دو چار صلواتیں نہ سناتی ہوں الغرض میاں اعجاز حسین اس حالت میں تھے کہ ان کی تقدیر نے ایک پلٹا اور کھایا۔ مہاراجہ .... کو یکایک یہ مرض پیدا ہوا کہ سارے منہ میں آبلے

پڑ گئے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کیا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ قسمت نے میاں اعجاز کو بھی مہاراج تک پہونچا دیا اور خدا کی شان دیکھیے کہ ان کے پہلے نسخے سے فائدہ ہوا ایک ہفتہ میں مہاراج بالکل صحت یاب ہو گئے۔ جس نسخے نے یہ جادو کا اثر دکھایا اسے ملاحظہ کیجیے۔ کچنال۔ کیکر کٹھل۔ گوندنی کی چھال پانچ پانچ تولے پھٹکری بریاں ۲ ماشہ ہلدی کو فتہ ۲ ماشہ کالی مرچ ۲ ماشہ باؤبڑنگ تولہ بھر۔ کیکر کا گوند ۲ ماشہ ان اجزا کو ایک کوری ہانڈی میں دو سیر پانی ڈال کر جوش دیا گیا جب نصف پانی رہ گیا تو ٹھنڈا کر کے مہاراج کو غرغرہ کرایا گیا مہاراج نے تندرست ہو کر میاں اعجاز حسین کو سفر خرچ کے علاوہ دس ہزار روپیہ انعام دیا آئی بڑی رقم پا کر میاں اعجاز حسین کی حالت میں نمایاں تبدیلی ہو گئی۔ دو ڈھائی ہزار روپیہ ان کے پاس پہلے سے موجود تھا حسن اتفاق سے ایک بگڑے ہوئے زمیندار کی جائداد سستے داموں میں فروخت ہو رہی تھی اعجاز حسین نے بارہ ہزار روپیہ میں ایک موضع خرید لیا۔

(۸)

اب اعجاز حسین وہ نہ تھے جو پانچ سال پہلے تھے۔ ان کا کام تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ اگرچہ منہ کی شکایتیں لوگوں کو شاذ و نادر ہی پیش آتی ہیں تاہم بڑا شہر تھا اور روزانہ ایک دو جگہ ان کو بلایا جاتا تھا جس کے معنی تھے کہ ڈیڑھ دو سو روپیہ ماہانہ فیس کے طور پر ان کو مل جاتے تھے اسی قدر آمدنی اور دوا کی فروخت سے ہو جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ انھوں نے اپنے رہنے کے لئے ایک خوبصورت مکان بنایا اور ایک خوشنما ٹمٹم سواری کے لئے خریدی اب انھوں نے منجن کی تجارت کو غیر معمولی فروغ دیا ولایت سے لیبل اور ڈبیاں تیار کرائیں اور ہندوستان کے تمام دوا فروشوں میں رائج کر دیا۔ چنانچہ صرف ایک ٹوتھ پوڈر کی فروخت سے ان کو سو روپیہ ماہوار کا خالص منافع ہوتا تھا۔ اس قدر ترقی کرنے کے بعد ان کو شادی کا خیال پیدا ہوا۔ ان کے چچا کی بیٹی کی شادی ہو چکی تھی اور اس کا شوہر میونسپلٹی میں چالیس روپیہ ماہوار کا ملازم تھا اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ میاں اعجاز حسین کے چچا اپنی غلطی پر نہایت پشیمان تھے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ الغرض اعجاز حسین نے ایک امیر گھر میں اپنی شادی کی جسے ہر حیثیت سے امتیاز حاصل تھا اور بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ ان کی بیوی ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اور ہزاروں روپے کی جائداد کی مالک تھی روپے کی طرف سے مطمئن ہو کر میاں اعجاز حسین کو ترقی کی ایک اور راہ نظر آئی۔

(۹)

وہ عرصہ سے انگریزی پڑھ رہے تھے اور چند سال میں انھوں نے اچھی لیاقت حاصل کر لی تھی۔ روپے کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی انھوں نے یورپ کا سفر اختیار کیا اور تین سال تک انگلستان میں رہ کر مصنوعی

دانت بنانے کا کام سیکھا اور وہاں سے باقاعدہ سند حاصل کرکے جب اپنے وطن میں آئے تو وسیع پیمانے پر ایک ڈنٹسٹ کی حیثیت سے دندان سازی کا کام شروع کیا ہو رفتہ رفتہ اس قدر ترقی ہوئی کہ اسی کے متعلق تمام سامان ہزاروں روپے کا سامان ولایت سے منگایا۔ اور خدا نے انھیں اس فن میں ایسا کمال دیا کہ چند روز میں ان کا نام سارے ہندوستان میں مشہور ہوگیا۔ بڑے بڑے امرا اور والیان ریاست ان سے دانت بنواتے تھے اور انگریز دندان سازوں کے پہلو بہ پہلوان کا کام چل رہا تھا اب گویا ہر حیثیت سے میاں اعجاز حسین نے ملک کے دانتوں پر قبضہ حاصل کرلیا اور اپنی محنت نیک نیتی قابلیت اور دیانت داری کی بنا پر پانچ سال کے عرصہ میں ایک لاکھ سے زیادہ دولت حاصل کرلی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ایک دلچسپ تصحیح

ماہ اکتوبر کے سود مند میں "حکومت نوآبادیات ایک نادار مسلمان کی نظر سے"، کے عنوان سے درج ہونے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ مگر کاتب صاحب نے بجائے "نادار" کے "نادان"، لکھدیا کسی کاتب کی نسبت قصہ مشہور ہو کہ وہ قرآن شریف کی کتابت کر رہے تھے جب کہ وہ آیہ شریفہ "خر موسیٰ صعقا" لکھنے لگے تو اُنھوں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ حضرت موسیٰ کے پاس تو کوئی گدھا تھا نہیں۔ ہو نہ ہو یہ حضرت عیسیٰ کے گدھے کا قصہ ہوگا۔ اس لیے اُنھوں نے "خر موسیٰ" کے بجائے "خر عیسیٰ" بنا دیا۔ غرض کہ سود مند کے کاتب صاحب نے بجائے "نادار" کے "نادان" بنا دیا ہی۔ اس کے معنی بھی اس وقت ہماری قوم کے حسب حال ہیں۔ جو قوم محنت ومشقت کرنے میں اور دُنیوی تکالیف اُٹھانے میں سب سے آگے ہو۔ مگر پس انداز کرنے میں سب سے پیچھے ہو۔ اُس کے نادان ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہی۔ (ایڈیٹر)

جلد باز نہ بنو! یہ نہ چاہو کہ تمہاری محنتوں کا پھل تمھیں کل ہی مل جائے۔ تھوڑے دور نظر رکھنے والا انسان بڑے بڑے انعاموں سے حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ مزدوروں کی طرح ایک ہی دن کام کرکے مت تھک جاؤ۔ کہ چند گھنٹے کام کیا اور اُجرت کے لیے ہاتھ پھیلا ہوا ہی۔ تم دوربین بنو۔ اپنے دل کو لمبا کرو صبر وہمت سا اور اپنے سینہ بہاؤ حوصلہ وسیع کرو اور برسوں عرق ریزی کیے جاؤ تاکہ تم کو قیمتی انعام ملیں۔ باغبان سے جاکر محنت اور استقلال اور دور نظری کا سبق سیکھو اس کے باغ میں جو سنہری سنہری آموں سے لدے ہوئے درخت اور انگور کے خوشنما اور خوش ذائقہ خستے کے خوشے بیلوں سے لٹکے آنکھ اور دل کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں۔ اس سے جاکر پوچھو کہ اس نے کس طرح حاصل کیے۔ اگر وہ بھی جلد باز ہوتا تو تربوز اور خربوزے کے سوا اس کو کچھ نہ مل سکتا۔

(از جناب لالہ تاراچند صاحب باہل)

ناظرین کی دلچسپی اور تفنن طبع کے لیئے درج ذیل ہیں۔

پہلا کرشمہ پرانے جوتوں اور بوٹوں سے بیش بہا نایاب اشیاء بنانا ہے۔

امریکہ کے ایک نوجوان کیمسٹ جن کی سکونت کا فخر شہر بوسٹن کو حاصل ہے اور جن کا مبارک نام مسٹر جوزف مغلین ہے۔ چمڑے کے بوسیدہ اور پرانے ٹکڑوں پر عمل کیمیائی کرکے بے بہا اور بیش قیمت اشیاء برآمد کرنے میں کامیاب ہوچکے ہیں۔

امریکہ میں جوتوں کی تکمیل کے بعد لاکھوں من چمڑے کی دھجیاں بچ رہتی تھیں۔ اسی طرح پرانے اور ناقابل پوشیدنی جوتوں کی کثیر تعداد بے مصرف ادھر اُدھر پھینک دی جاتی تھی۔ مسٹر مغلین نے ۱۹۲۳ء میں حصول تعلیم سے فراغت پائی اور ہارڈرد یونیورسٹی سے سائنس کا امتحان کامیابی سے ختم کیا اور سائنٹیفک تجربات میں منہمک ہوگئے۔ آپ کا دل اس کثیر المقدار چمڑے کو بے قاعدہ جاتا دیکھ کر بہت کڑھا۔ اور دن رات یہی دھن رہنے لگی کہ کسی طرح اس چمڑے کو کارآمد بنایا جائے اور ملک کو اس نقصان عظیم سے بچایا جائے یہ ٹھان کر آپ تجسس اور تلاش میں مصروف ہوگئے۔

آخر آپ کی محنت بارآور ہوئی اور آپ اس بظاہر ناکارہ چمڑے سے روشنی کی گیس، چنبلی کا عطر اور کرم کش ادویہ اور اسی قبیل کی کئی بے بہا اشیا کی برآمدگی کامیاب ہوگئے ہیں۔

پہلے آپ پرانے جوتوں اور چمڑے کے زائد ٹکڑوں کو ایک پیپے کی شکل کے برتن میں بھر دیتے ہیں اور اسے حرارت پہونچاتے ہیں اس کے گلجانے پر جو کچھ پیپے سے نکلتا ہے اسے جمع کرلیتے ہیں جو اشیاء چمڑے گلنے سے حاصل ہوتی ہیں ان سب میں سے اول نمبر پر ایک گیس ہے جو مشتعل نہیں ہوتی۔ مگر روشنی خوب دیتی ہے گیس نکلنے کے بعد جو فضلہ بچ رہتا ہے۔ وہ کوئلہ کی طرح ایندھن کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ بھی مختلف تجارب سے واضح ہوتا ہے کہ ایسا کوئلہ جوتوں کے بالائی پرت سے بہترین قسم کا نکلتا ہے اور سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

چمڑے کے اُبالنے کے بعد ایک اور قسم کی قیمتی چیز نکلتی ہے جس کی دو تہیں ہوتی ہیں ایک تہ پانی سے مشابہ ہوتی ہے۔ جس سے امونیا کے علاوہ اور دو چیزیں پائیروکیٹی کول اور پائیروگیلول حاصل ہوتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں فوٹوگرافی کے کام آتی ہیں۔ دوسری روغنی تہ ہے جو پائیرول جیسی بے بہا چیز کا منبع ہے یہ بیش قیمت

چیز سبز رنگ ہے جس سے درختوں کے پتے سبز دکھائی دیتے ہیں۔ یہی سبز رنگ کا مادہ پتوں کے سیل میں پایا جاتا ہے یہ نہایت نایاب چیز ہے کیمیا داں اکثر اس کے محتاج رہتے ہیں۔ وہ ان کے تجربوں میں اکثر استعمال ہوتی ہے۔ اس سے سبز نباتاتی رنگ بھی بن سکتا ہے دنیا میں اس کی مقدار بہت قلیل تھی۔ کیمیاداں اس کی قلت اور کثیر الصرف ہونے کے باعث حیران و سرگرداں تھے اب ان کی دقت رفع ہو جائے گی اور اس طریقے سے وہ بافراط پیدا ہو سکے گی۔

پائیرول ایک اور قیمتی چیز کا ماخذ ہے جسے اوڈول سے موسوم کیا جاتا ہے اس کی قدر و قیمت کے لئے صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ اب سے چالیس پچاس برس پہلے بہت گراں تھی۔ اب بھی ۵۰ ڈالر فی پونڈ یا ۲۱۰ روپیہ فی سیر کے حساب فروخت ہوتی ہے یہ بالخاصہ آئی ڈوفارم سے مشابہت رکھتی ہے جو زرد رنگ کی کرم کش بودار دوا ہے اور جراح زخمی لوگوں کی مرہم پٹی کے وقت کام میں لاتے ہیں اس سے زخم بہت جلد مندمل ہوتا ہے اوڈول بے بو اور بے ضائقہ ہونے کے باعث آئی ڈوفارم پر فوقیت رکھتی ہے اوڈول سے ایک اور چیز تیار ہوتی ہے جو خوشبویات کی تیاری میں معاون و مد ہے ۲۰ ڈالر فی پونڈ سے لیکر چالیس ڈالر فی پونڈ تک قیمت پاتی ہے پائیرول سے بعض ایسی اشیاء بھی تیار ہوتی ہیں جو مسکن قسم کی ہیں اور سرجری میں خاص طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

اب مسٹر جوزف مجلین اس دھن میں ہے کہ پائیرول سے پائیرولیڈن نامی دوا تیار کرے جو بڑی شہور زہریلی دوا ہے اور جس کے چند قطرے بلی کی ہلاکت کے لئے کافی ہیں الغرض صاحب ممدوح نے ایک ناکارہ اور بے حقیقت چیز سے اتنی مفید اور قیمتی کمیاب اشیاء اخذ کی ہیں اور انھوں نے پرانے جوتوں کی قدر و منزلت بڑھادی ہے۔ ہاتھی کی طرح زندہ کی ایک لاکھ روپیہ اور مردہ کی سوا لاکھ والا مسئلہ سچ کر دکھایا ہے۔ اس سے ملک امریکہ کی اقتصادی حالت پر بہت اثر پڑے گا۔ باقی کیمیا داں اور محقق دیگر اشیاء کی تجربہ میں مصروف ہو جائیں گے ع اللہ کرے زور خرد اور زیادہ

خوش نصیب ہے وہ ملک جہاں ایسے روشن دماغ آدمی پیدا ہوتے ہیں۔ اور جو اپنے گلشن دماغ سے نادر ایجادات کے پھول کھلاتے رہتے ہیں۔

معلومات غریبہ۔ چار گھنٹے کی دماغی مشقت اعصاب پر وہی اثر کرتی ہے جو دس گھنٹے کی جسمانی محنت سے ہوتا ہے۔ نیویارک میں وقت معلوم کرنے کے لیے ٹیلیفون کی فیس اڑھائی پنس مقرر کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دن کی آمدنی تین سو پونڈ سے زیادہ شمار کی گئی ہے۔

صنعت و حرفت ہماری ملکی اور قومی ترقی کا لازمی جزو ہے

(جنابہ رقیہ خانم (ادیب عالم) کے قلم سے)

یہ جملہ جو کہ میرے مضمون کے سرورق پر زیب دے رہا ہے درحقیقت سنہرے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے یہ وہ حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ایک فقرہ میں یورپ اور امریکہ کی تمام ترقیوں کا راز پوشیدہ ہے۔ یہ وہ بھولا ہوا سبق ہے جس کو صدیاں گزر گئیں مسلمان قوم فراموش کر چکی ہے۔ مسلمان شرفا کے واسطے تو صنعت و حرفت باعث ننگ و عار ہے۔ بلکہ امرا تو فخریہ اپنی بے ہنری کا اظہار کرتے ہیں میں نہیں کہتی کہ ہندوستان ہمیشہ سے بے ہنر ہی تھا نہیں بلکہ یہی ہندوستان آب و ہوا کی خوبی، زمین کی زرخیزی اور کاریگروں کی ہنرمندی کی وجہ سے تمام دُنیا میں سونے کی چڑیا مشہور تھا۔ اب تک ہمارے اسلاف کے کارنامے روز روشن کی طرح نمایاں ہیں۔ روضہ تاج محل کی عمارت ہندوستانی کاریگری کا وہ نمونہ ہے جس کی نظیر دُنیا آج تک پیش نہیں کر سکی یہاں کی ڈھاکے کی ململ کشمیر کی شالیں اور لکڑی کا کام بنارس کا زربفت اور دیگر اشیا دوسرے ملکوں میں تحفۃً بھیجی جاتی تھیں لیکن افسوس زمانے نے پلٹا کھایا اور ہندوستانی صنعت و حرفت بھی ہندوستانیوں کی طرح یورپ اور امریکہ کی صنعت و حرفت کی غلام ہو گئی اور ہنرمند بے کار ہو کر ناقدری کا شکار ہو گئے۔

مبارک اہل ہنر کو فراغ نوحہ گری
کہ شمع بزم طرب ہو فروغ بے ہنری

اگر ہم نے صنعت و حرفت کی طرف توجہ نہ کی تو قریب مستقبل میں ہمیں دو باتوں میں سے ضرور ایک بات اختیار کرنی پڑے گی یا تو ہمیں زمانہ حال کے عیش و عشرت کے تمام سامان ترک کرنے پڑیں گے یا ہمیشہ غیر ملکی صناعوں کی غلامی اختیار کرنی ہوگی۔ میں یقین کرتی ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی ان خوشنما لباسوں کو اُتار کر پھینک دینے اور دیگر بے شمار اشیا کے بغیر گزارہ کرنے پر رضامند نہ ہوگا۔ جو کہ مشینوں اور کلوں سے تیار ہوتی ہیں۔ اور کیا ہم میں سے کوئی بھی ٹرین کی بجائے بیل گاڑی پر سفر کرنا پسند کریگا۔ میری دانست میں تو اس وضع کو کوئی اختیار نہیں کرے گا۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو پھر ایک صورت باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ اگر ہم غیر ملکی صناعوں کی غلامی میں بھی نہیں رہ سکتے تو اپنی ضروریات زندگی کے کفیل خود ہوں۔

اگر ہم اپنے غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ مل کر سلطنت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کی آرزو رکھتے ہیں اور اُن کے ہم پلہ ہو کر دوش بدوش کام کرنا چاہتے ہیں۔ تو ضرور ہمیں اپنے آپ کو کسی قابل بنانا چاہیے تاکہ وقت پر ہم ناقابل ثابت نہ ہوں۔ حکومت سے جو ہم مراعات طلب کرتے ہیں وہ ہمارے ہر مقصد کے لیئے کافی نہ ہوں گی اور ہمیں بالآخر اپنے ہی ذرائع اور وسائل پر بھروسا کرنا پڑے گا۔

اگر ہماری ہمسایہ قوم کے تجارتی صیغوں اور محکموں اور سرشتوں میں قابلیت پیدا کرتی ہے۔ تو ہمیں صنعتی اور زراعتی محکموں کے لیئے کاریگر مہیا کرنے چاہئیں۔

ہمارا جنگ عظیم کا تجربہ ہمیں بتا رہا ہے کہ تعداد فوج پر کامیابی کا انحصار اتنا نہیں جتنا کہ انتظام اور سامان پر فتح ونصرت کا دارومدار ہے۔ بس اگر ہم اپنے آپ کو صنعت وحرفت کے لیئے تیار کریں گے تو قوم کا ایک ادنےٰ اور معمولی جزو نہ ہوں گے۔ بلکہ ایک قیمتی جزو سمجھے جائیں گے۔ ایک ملک کی نظم حکومت کے لیئے اول سرمایہ اور اس کے بعد قابل صناعان و دستکار اور محنتی مزدور لابد ہوتے ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ محنتیوں کی ضرورت سرمایہ پر بھی مقدم ہے۔ فرض کر لیجئے کہ اگر کارخانوں کے مزدور موٹروں کے ڈرائیور بجلی کے مستری اور معمار اور دیگر سینکڑوں قسم کی صنعت حرفت کی کلوں کے مزدور اگر مل کر ہڑتال کر دیں تو کلکتہ بمبئی جیسے شہروں کا انتظام ایک ساعت بھی نہ چلے۔ میرا مطلب اس توضیح سے یہ ہے۔ کہ ہم صنعت وحرفت اور کارآمد فنون میں کمال پیدا کریں۔ تو ہم قوم کے جسم کا ایک ایسا لازمی عنصر ہو جائیں جس کے بغیر ملک و قوم کی زندگی محال ہوگی۔ کارخانے ریلیں۔ تار۔ قومی جسم کے لیئے بمنزلہ دست و پا آنکھ ناک، کان کے ہیں۔ ان کے بغیر قوم اندھے، لولے، لنگڑے، بہرے، اپاہج کے مثل ہے۔ نیز جس حد تک وکیل، ڈاکٹر، پروفیسر زیادہ ہوں گے اور کاریگر مشین ساز، انجنیئر وغیرہ نہ ہوں گے۔ اس قوم کی مثال زمین پر اُس رینگنے والے کیڑے کی مانند ہے جس کا سر جسم سے بھاری اور دست و پا اندا دہوں کہ اُن کے بل پر کھڑا ہو سکے۔ ہم بھوکے کلرکوں معلموں اور وکیلوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس خالی میدان صنعت وحرفت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ جہاں ابھی بہت تھوڑا مقابلہ ہے۔ گریجویٹ پیدا کرنے کی بجائے ہمیں کلوں پُرزوں اور مختلف قسم کی مشینوں کے ماہر پیدا کرنے چاہئیں۔ ہم میں فنون کا مادہ کے ہنرمندوں اور آبائی پیشہ دستکاروں کے گاؤں کے گاؤں آباد ہیں اگر ہم اُن کے لیئے سرمایہ بہم نہیں کر سکتے تو کم از کم اُنھیں جدید آلات وغیرہ سے آشنا تو کرا سکتے ہیں تاکہ وہ خود لائق ہو کر قوم اور ملک کی ضروریات کو پورا کریں۔ ہم ہر سال کروڑوں روپیہ یورپ میں نوجوانوں کی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں اگر ہم وہی روپیہ خرچ کر کے ان کو اعلےٰ درجہ کی صنعت وحرفت کی تعلیم دلائیں تو یقیناً ہمارا ملک دو تین سال میں افلاس کے پھندے سے

نکل جائے گا۔ لیکن افسوس صد افسوس ہماری آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم اپنے نیک و بد کو پہچان نہیں سکتے ؎

بزم عزا تو ہے مگر گرم فغاں نہیں کوئی
قوم پہ موت چھا گئی مرثیہ خواں نہیں کوئی

میں مثال کے طور پر کہتی ہوں کہ ایک گریجویٹ نوجوان کی تعلیم پر بلا مبالغہ چھ ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے لیکن پھر بھی برس دو برس کی انتظار اور ہزار سفارشوں سے کہیں جا کر تیس چالیس روپیہ کی کلرکی نصیب ہوتی ہے لیکن اگر یہی روپیہ لگا کر اس کو صنعتی تعلیم دی جائے تو یقیناً وہ نوجوان خود بھی آسودہ رہے گا اور ملک و قوم کو بھی نسبتاً زیادہ فائدہ پہنچا سکے گا۔ ہر ملک کی اصلی طاقت اُس کے صناعوں کاریگروں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جس قوم میں اس فرقہ نے نشوونما نہیں پائی اُس کی اقوام عالم میں کوئی حیثیت نہیں۔ اہل ہنر کسی حالت میں بیکار نہیں ہوتے علمی پیشہ لوگوں میں نہ وہ سرگرم کی برداشت ہوتی ہے جو کہ اہل حرفہ میں ہوتی ہے چنانچہ روس میں جب وکیل بے کار ہوئے تو اُنھیں محرری پر لگا دیا گیا اور کسی کام کے لیے موزوں نہ سمجھے گئے۔ ہم میں ایک غلط خیال ملازمت کا پڑ گیا لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ گورنمنٹ کے خزانے اور اصلی طاقت کا منبع دفاتر اور عدالتیں اور کالج نہیں بلکہ گورنمنٹ کی اصلی طاقت اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جو اس حکومت کی ریل تار کے سلسلوں جہازوں اور کارخانوں پر متصرف ہوں۔ سرکاری دفاتر کا ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں آنا اگرچہ اُن کی ترقی کے لیے اچھی بات ہے لیکن ریلوں تاروں اور کارخانوں کا ان کے ہاتھوں میں آنا نہایت لازمی ہے۔

ہمارے درمیان پیشہ ور قوموں مثلاً معمار۔ لوہار۔ جولاہے۔ مستری اور موچیوں کا زیادہ تعداد میں ہونا ہماری بدقسمتی کی نہیں بلکہ خوش قسمتی کی دلیل ہے۔ اگر ہم اُنھیں اُسی درجہ کا ہنر سکھائیں تو نہ صرف ہم اپنی غربت کے مسئلے کو حل کرلیں گے بلکہ ہمارے دست و بازو مضبوط ہو جائیں گے۔ اور ہم کسی کے محتاج نہ رہیں گے میں یہ نہیں کہتی کہ ہمیں صنعت و حرفت کے پُرانے اور بوسیدہ طریقوں پر کاربند ہونا چاہیئے نہیں لکیر کا فقیر بننا اکثر دفعہ مصائب کا موجب ہوتا ہے ؎

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

میرا روئے سخن اُن جدید صنعت و حرفت کے آلات، کلوں اور مشینوں کی طرف ہے اور وہی میرا مطمع نظر اور میرے مضمون کا نصب العین ہیں۔

چنانچہ سردست میں چند صنعتوں کا ذکر کرتی ہوں جن کی طرف ہمارے ملک کے لوگوں کو رجوع کرنا

مفید ہوگا۔

(۱) چمڑے کی صنعت۔ چمڑے کی صنعت نے یورپ کے عروج میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسان باوجود اس قدر ترقی کے چمڑے کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہوا بلکہ وہ روز بروز اس کا زیادہ محتاج ہوتا جاتا ہے چمڑا درحقیقت دولت اور عزت کا خزانہ ہے اور اصلی سنگ پارس ہے۔ ہندوستان کے لوگ اپنی ناواقفیت کے باعث نہایت سستے داموں چمڑا ممالک یورپ وغیرہ کو بھیج دیتے ہیں اور پھر وہی چمڑا نہایت مہنگی صورت میں اُن کے پاس واپس آجاتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ مسلمان نوجوان اس اہم فن کی طرف توجہ کریں غیر ممالک میں مثلاً جرمنی یا امریکہ میں جاکر اس فن کو سیکھیں سرمایہ دار اپنا سرمایہ چمڑے کے کارخانوں میں لگائیں۔ اس صنعت میں ۵۰٪ منافع باآسانی ہوسکتا ہے صرف ہمت و حوصلہ درکار ہے۔

(۲) شیشہ سازی۔ ہندوستان میں شیشے کی صنعت کے لیئے بکثرت مصالح موجود ہیں۔ اگر ملک جاپان کے لوگوں کی مانند کثرت سے شیشہ سازی کی بھٹیاں بن جائیں تو کروڑوں روپے کا سامان تیار ہوسکتا ہے۔ اور لاکھوں غریبوں کی روزی کا سامان بن سکتا ہے۔

(۳) بیسیوں قسم کی کانچ کی چوڑیاں ہمارے ہاں مروج ہیں جو غیر ممالک سے آتی ہیں۔ اس فن میں مہارت پیدا کرنے کے لیئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ایک سال میں انسان ماہر فن بن سکتا ہے۔

غرضیکہ اس قسم کی بے شمار چھوٹی چھوٹی صنعتیں ہیں جن کی طرف غریب لوگ بھی متوجہ ہوکر سرمایہ دار بن سکتے ہیں۔ ہم میں امیر لوگ بھی ہیں۔ ہم میں وہ بھی ہیں جن کے پاس لاکھوں روپیہ ہے اگر وہ اپنی دولت کو قومی امانت سمجھیں (غالباً ہر اک انسان یا ایک متقی مسلمان کا یہی خیال ہونا چاہیئے) اور اُسے اپنے ہم جنسوں کی بہتری کے لیئے خرچ کریں اور اُنہیں صنعت و حرفت کی تعلیم دلوائیں تو ہمیں مایوس نہ ہونا چاہیئے کہ وہ دن جلد آجائے گا جبکہ ہم اپنے افلاس کو بالکل دور کردیں گے۔ مسلمانوں نے اپنے عروج میں جبکہ اُن کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا ایسے مفید صنائع اور حرفے ایجاد کیئے تھے جس کی مثال اب تک نہیں اور اب بھی ایسے ہنرمند قابل گوہر خاک پاک ہندوستان میں پیدا ہوتے ہیں کہ جن کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کی جائے تو اُن کا دماغ اعلےٰ ایجاد کا حق رکھتا ہے۔ لیکن افسوس بقول شاعر؎

عجائب ہیں نیرنگ گلزار ہستی — زمیں نے کھلائے ہیں پھول ایسے اکثر
ہر اک گل سے اچھے ہیں جو رنگ و بو میں — لطافت ہے اُن کی کہ قدرت کا منظر
مگر ہیں وہ لوگوں کی نظروں سے پنہاں — کھلے اور وہیں گر پڑے خشک ہوکر
شمیم اُن کی محدود جنگل میں بھٹکی — یہاں تک کہ غالب ہوئی باد صرصر

یعنی وہ ایسے پھول کی مانند ہیں جو کہ جنگل میں کھلیں اور وہیں مرجھا جائیں۔ یا اُس گوہر بے بہا کی طرح جسے لوگ ناواقفی سے پتھر سمجھ کر خاک میں ملا دیں۔ اگر ایسے نوجوانوں کو بچپن ہی سے اُن کی رجحان طبیعت اور ماحول کی ضروریات کے مطابق کسی پیشہ یا حرفہ کی طرف لگا دیں تو ضرور وہ آسمان شہرت پر ستارے بن کر چمکیں گے۔

متلوّن مزاجی

جو شخص پانی کی تلاش میں کنواں کھودتا ہے مگر پانی جلد نہ ملنے کی وجہ سے اس زمین کو چھوڑ کر اور زمین پر اپنا کدال چلاتا ہے مگر اس جگہ بھی کچھ گہرائی تک جا کر یہاں بھی پانی بہت دور معلوم ہوتا ہے" کہکر اپنے کدال اور قسمت کی آزمائش کسی اور جگہ پا سزوع کرتا ہے۔ مگر پھر بھی اپنی پست ہمتی کی وجہ سے ناکام رہتا ہے۔ میں اس نامرد ہستی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہی طاقت اور وہی وقت جو تو نے انفرادی طور پر بالکل بے سود ضائع کر دیا۔ اگر مجملاً پہلی جگہ ہی صرف کرتا۔ تو کیا پانی سے مالامال نہ ہو جاتا۔ یقیناً اور بالضرور یہ ممکن تھا کہ آٹھ سات فٹ ہی اور جا کر پانی نکل آتا۔ مگر اب تمہارا کدال بھی کند ہو چکا۔ اور طاقت بھی سلب ہو چکی۔ اب تمھیں یہ ہاتھ رکھ کر رونا اور بیوقوفوں کی طرح اپنی غلطیوں اور ناہنجاریوں کو قسمت پر تھوپو۔ آہ! اس سے بڑھکر بدقسمت کون ہوگا جس کو اپنی تلوّن مزاجی سے ہر جگہ ناکامی اور مایوسی ہوتی ہے اور حق یہی ہے کہ یہ سزا ایسے شخص کے لئے بالکل ٹھیک اور مناسب کسی بزرگ کے کیا ہی پاکیزہ الفاظ ہیں "یک در گیر محکم گیر" ہاں یہ خوشخبری بہت خوب ہے کہ فلاں شخص اپنی پہلی ہی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ پر مجھے تو وہ بچہ دکھاؤ۔ ایک انگریزی مصنف لکھتا ہے "جو پہلی کوشش میں ناکام رہا۔ پس اس نے جی نہ چھوڑا اور لگا رہا ایسا ہونہار بچہ مجھے دکھاؤ تاکہ میں اس کی ہمت کی تعریف کروں۔ اور اس کا پیارا منہ چوم لوں۔

جلد باز نہ بنو!

یہ نہ چاہو کہ تمہاری محنتوں کا پھل تمہیں کل ہی مل جائے۔ تھوڑی دور نظر رکھنے والا انسان بڑے بڑے انعاموں سے حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ مزدوروں کی طرح ایک ہی دن کام کر کے مت تھک جاؤ کہ چند گھنٹے کام کیا اور اُجرت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا ہے۔ تم دوربین بنو۔ اپنے دل کو لمبا کرو۔ صبر و ہمت سے سالوں پسینہ بہاؤ۔ حوصلہ وسیع کرو۔ اور برسوں عرق ریزی کئے جاؤ۔ تا تم کو قیمتی انعام ملیں۔ باغبان سے جا کر محنت اور استقلال بعد دور نظری کا سبق سیکھو اس کے باغ میں جو سنہری آموں سے لدے ہوئے درخت اور انگور کے خوشنما اور خوش ذائقہ خوشے کے خوشے بیلوں پر لٹکتے آنکھ اور دل کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں۔ اس سے جا کر پوچھو کہ اس نے کس طرح حاصل کئے۔ اگر وہ بھی جلد باز ہوتا تو تربوز اور خربوزے کے سوا اس کو کچھ نہ مل سکتا۔

کوآپریشن کی تحریک سے متعلق چند مفید خیالات

(ایک پنجابی جرنلسٹ کے قلم سے)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان میں کوآپریشن کی تحریک ایک جدید تحریک ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس امر واقعی سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اس تحریک نے مدت قلیل میں توقع سے زیادہ مقبولیت حاصل کرلی ہے اور دیہاتی علاقوں میں سکونت رکھنے والے لوگ اس کی اہمیت کا احساس کرنے لگے ہیں۔ جن لوگوں نے اس کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ مغربی ممالک میں لوگوں کو اس تحریک سے غیر معمولی فائدہ پہونچا ہے۔ اور وہ اسے عام طور پر ایک قومی تحریک سمجھتے ہیں۔ جرمنی میں کوآپریشن نے جس قدر ترقی کی ہے وہ عالم آشکار ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ یہ تحریک دیہاتی لوگوں کے مختلف شعبہ جات زندگی پر حاوی ہوگئی ہے۔ ہندوستان میں جہاں جہل و لاعلمی کا ابھی تک دور دورہ پایا جاتا ہے کوآپریشن کی تحریک توقع سے زیادہ کامیاب ہوئی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ مستقبل قریب میں اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوجائے گا۔

ہندوستان کے زراعت پیشہ لوگوں کی مفلسی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ عام طور پر مقروض ہیں اور اُن کی آمدنی کا بیشتر حصہ قرض اور سود کی ادائی میں صرف ہوجاتا ہے۔ ان لوگوں کو اس بلائے قرض سے نجات دینے کے سلسلہ میں کوآپریشن نے جو کام کیا ہے وہ نہایت قابل تعریف اور حوصلہ افزا ہے کوآپریشن کی سب سے بڑی خوبی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ زراعت پیشہ اور اہل صنعت کو کفایت کے ساتھ خرچ کرنے کے عملی ڈھنگ سکھاتی ہے۔ فی الحقیقت جب تک لوگ کفایت کے ساتھ خرچ کرنے کے عادی نہ ہوں گے تب تک اُن کی مالی حالت اصلاح پذیر نہ ہوگی۔

اگرچہ ہندوستان کے ہر صوبے میں کوآپریشن کی تحریک نے قابل قدر ترقی کی ہے۔ مگر صوبہ پنجاب میں تو اس کی ترقی یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ اس کا مقابلہ بعض سربرآوردہ یورپین ممالک کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ اعداد شمار بتلاتے ہیں کہ پچھلے تیس سال میں جرمنی نے اس شعبہ میں جس قدر ترقی کی ہے وہ صوبہ پنجاب کی چند سالہ ترقی سے زیادہ نہیں یہ امر واقعہ بہت حوصلہ افزا ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی اس خصوص میں زیادہ سرگرمی کے ساتھ حصہ لیں گے۔

ہندوستان کی زرعی تحقیقات کے لیئے لارڈ لنلتھگو کی صدارت میں جو کمیشن مقرر ہوا تھا اس نے اپنی رپورٹ میں تحریک کوآپریشن کو وسعت دینے کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے۔ اور اس

سلسلہ میں بعض مفید اور عملی تجاویز بھی پیش کی تھیں۔ کو آپریشن اُن تمام تجاویز میں جو زراعت اور صنعت پیشہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیئے بروئے کار لائی جا رہی تھیں ایک نہایت اہم اور نتیجہ خیز تجویز ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس کو زیادہ مقبول اور زیادہ وسیع بنانے کے لیئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائے گا۔

یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ تحریک کو آپریشن کو وسیع بنانے کے لیئے وسیع تر پیمانے پر نشر و اشاعت کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں لوگوں کو یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ زراعت جیسی ضروری شعبہ زندگی کے معاملہ میں مدت قلیل میں اس کے ذریعہ زراعت پیشہ لوگوں کو کس قدر فائدہ پہونچا ہے۔ اس ضمن میں یہ دیکھنا سخت افسوسناک ہے کہ باوجود ترقی و توسیع کے اس تحریک کو ایک قومی تحریک بننا ابھی تک نصیب نہیں ہوا حالانکہ قومی تحریک بننے کی مستحق جس قدر یہ تحریک ہے۔ اس قدر کوئی اور تحریک نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے سیاسی رہنما جو اپنے وقت کا بیشتر حصہ خیالی باتوں میں صرف کرتے ہیں اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر وہ اس تحریک کو اپنے ہاتھ میں لیں اور زراعت اور صنعت پیشہ لوگوں کی فلاح و بہبود کی خاطر اسے وسعت دینے کی کوشش کریں تو سالہا سال کا کام مہینوں میں انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ ان اصحاب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ عوام کی فلاح و بہبود کے مسئلہ سے غافل رہ کر مقبولیت حاصل نہیں کر سکتے۔ کیا ہم اُمید کریں کہ وہ ہمارے اس مخلصانہ مشورہ پر غور کرنے کی تکلیف گوارہ کرینگے۔ اور کیا اُن کی طرف سے کو آپریشن کو فروغ دینے کے لیئے عملی کارروائی کی جائے گی۔

تمھاری قیمت

جانتے ہو دنیا کی نگاہ میں تمہاری کیا قیمت ہے۔ وہی جو تم خود اپنے دل میں اپنی قیمت رکھتے ہو۔ اگر تم کو اپنے اوپر بھروسہ اور یقین ہے کہ جس کام کے لیئے تم کھڑے ہوئے ہو اس کے تم بہترین اہل ہو اور اس کو کرکے چھوڑوگے تو دُنیا بھی تم پر اعتبار کرے گی۔ اگر ایک کام کرتے وقت تمہارے اپنے ہی ہاتھ ڈر کے مارے کانپتے ہیں۔ جسم تھرتھراتا ہے اور دل بار بار کان میں کہ "دیتا ہے خدا ہی ہے۔ جو تم کامیاب ہو" تو اب تم ہی فیصلہ کرلو کہ پبلک تمھیں کس نرخ پر خرید سکتی ہے۔ اگر تمہارا اپنا ضمیر "تم کو ناکارہ اور نااہل سمجھتا ہے تو دُنیا بھی تمھاری قیمت کچھ کوڑی سے زیادہ نہ سمجھے گی۔ لیکن اگر تم اپنے اندر اپنے وجود کو اس جہان کا ایک ضروری جزو تسلیم کرتے ہو اور اپنے ارادوں کی عظمت اپنے کاموں کی تعظیم اپنی طاقتور یقین اپنے دست و بازو پر بھروسہ اپنے قوائے کی توقیر اپنے اقوال کی پاسداری اور مستقل کی عزت موجود ہے۔ تو یقیناً تمہاری ہستی لوگوں کی نگاہ میں نہایت قیمتی ہستی ہے۔

ایک اہم قانونی اصول

جب کسی سے قرضہ لو اور اس کی ادائیگی کرو تو خواہ ادائیگی جنس میں ہو یا نقد میں رسید ضرور بالضرور لے لو اور اگر مالیت ۲۰ روپیہ سے زیادہ ہو تو رسید پر ایک آنہ کا ٹکٹ ضرور لگوا لو رسید اُردو میں لکھواؤ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی با اعتبار آدمی سے پڑھا کر سمجھ لو کہ اس میں لکھا ہے۔ اپنے ساہ کی بہی میں آگت کرانے پر ہی اکتفا نہ کرو کیونکہ اس صورت میں تمہارے ہاتھ میں قرضخواہ کی کوئی تحریر نہیں ہوتی جو بوقت جھگڑا عدالت میں پیش کی جا سکے عموماً ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ قرضہ کسی اور بہی پر درج ہوتا ہے اور ان پڑھ دیہاتیوں کو ساہ کسی اور بہی پر قلم سے لکھ کر کہہ دیتا ہے کہ جاؤ تمہاری رقم آگت کر لی۔ مگر دعوی کرتے وقت کچھ بھی تسلیم نہیں کرتا۔ نالش والی بہی پیش کر دیتا ہے اس میں کہیں آگت ہو تو اُسے خوف ہو۔ قرضدار بیچارہ ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے اس لیئے لازمی ہے کہ خواہ کسی کو بھی قرضہ کی ادائیگی کی جائے اس سے ایک علحدہ کاغذ پر رسید لے لو جس پر روپیہ وصول پانے والے کے دستخط اور روپیہ موجود ہو خواہ وہ کسی کے کہنے پر کسی کاغذ پر انگوٹھا مت لگاؤ۔ جب تک تسلی نہ کر لو کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ دیہاتی ان پڑھ لوگ خالی کاغذ پر یا شہادت کے طور پر انگوٹھا لگا دیتے ہیں۔ اور بعد ازاں مصائب میں پھنسے پھرتے ہیں۔ اس انگوٹھے کی بنا پر جھوٹی دستاویزات بنائی جاتی ہیں۔ جب تم کسی سے روپیہ وصول کرو تو اپنا انگوٹھا لگاؤ۔ جب کسی کو ادا کرو تو اس کا انگوٹھا یا دستخط لگواؤ۔

نصف قیمت کا رعایتی اعلان

اُنیس روپے کے بجائے صرف نو روپے آٹھ آنے

مندرجہ ذیل چاروں اشیاء کی قیمت اُنیس روپے ہوتی ہے لیکن ہم ہول سیل ڈیلر (تھوک فروشی) ہیں اور فرم کی شہرت اور مال کی نکاسی مقصود ہے اس لئے جو صاحب چاروں ایک دم طلب کریں گے اُن کو صرف نو روپے آٹھ آنہ میں روانہ کی جائیں گی اور محصول ڈاک و پیکنگ بھی ہمارے ذمہ ہوگا۔ ایک یا دو اشیاء کے لئے کوئی رعایت نہیں۔

گھڑیاں گھنٹے اور ٹائم پیس نہایت عمدگی کے ساتھ اور بکفایت درست کئے جاتے ہیں	**گھڑی ساز** اپنے مفصل پتہ سے مطلع فرمائیں ہمارے ہاں سامان گھڑی سازی کا بھی ملتا ہے

دی ہمالیہ بیمہ کمپنی لمیٹڈ کلکتہ

جو

(ہندوستان کی ایک معتبر اور ہر دلعزیز کمپنی ہے)

نے

ہندوستان کے ہر امیر و غریب کے واقعات کو پیش نظر اور مطالعہ کر کے ممکن سے ممکن اور آسان سے آسان شرح ہائے نقشہ جات ترتیب دیکر بیمہ کرانے والوں کو انتہائی سہولت بہم پہونچانے کی کوشش کی اور مبلغ

دو لاکھ روپیہ

گورنمنٹ میں بطور گارنٹی جمع کر دیئے ہیں اور اس لیئے ہمالیہ کمپنی کی ہر ایک پالیسی ہر قسم کے خطرہ سے بالکل بری اور قابل اطمینان ہے۔

علاوہ ازیں

ہمالیہ کمپنی کا مبلغ **پانچ لاکھ روپیہ** کا کل سرمایہ بے ضرر ہے کیونکہ سوائے گورنمنٹ کے کاغذات کے کمپنی کی کوئی رقم کسی جگہ اور استعمال نہیں کی جاتی جس سے کمپنی کی بنیادیں نہایت مستحکم اور استوار ہیں ہمارا **اردو پراسپکٹس** جس میں مختصر تاریخ بیمہ مع نقشہ جات شرح و قواعد تصاویر اور خطوط تعریفی درج ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔

ملنے کا پتہ

نور محمد رجب علی ہیڈ ایجنٹ

صدر دفتر دی ہمالیہ انشورنس کمپنی لمیٹڈ ڈلہوزی اسکوئر

چنانچہ سود مند کانفرنس دہلی نے بھی اپنے جلسہ منعقدہ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس کیا ہے:
"بیمہ کا اجرا اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں ہے ہر مرد و عورت اور بچہ کا، ہر مکان اور سواری کے جہاز و کشتی کا بیمہ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان آفات ارضی و سماوی سے ایک حد تک محفوظ رہتا ہے اور درانحالیکہ بیمہ بحری مسلمانوں کی اس زمانہ کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین میں حکمران تھے اور اب وہ ہر قسم کے بیمہ سے محترز ہیں جسکی وجہ سے بزرگ خاندان برباد و تباہ ہو کر گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یتیم بچے بعض اوقات دیگر مذہب کا شکار بنتے ہیں۔ یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی مفید ترین ایجاد سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش اور اپنے پسماندگان کے لیئے اپنی زندگی کا بیمہ کرائیں اور اپنے بچوں کی تعلیم اور شادی کے لیئے ان کا بیمہ کرا کر انھیں حوادث سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔

سودمند میں
اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اُٹھائیے

نرخ اجرت اشتہار

ایک سال	چھ ماہ	تین ماہ	ایک ماہ	مقدار
۵۵ روپیہ	۳۰ روپیہ	۱۱ روپیہ	۷ روپیہ	ایک صفحہ
۳۲ روپیہ	۱۸ روپیہ	۱۰ روپیہ	۴ روپیہ	نصف صفحہ
۱۸ روپیہ	۱۰ روپیہ	۶ روپیہ	۲ روپیہ ۸ آنہ	چوتھائی صفحہ
		چوتھائی صفحہ سے کم کی اُجرت فی سطر ۶ آنے		

کیا یہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے آپ سستی گھڑیاں خریدنے کی بدولت تجربہ اُٹھا چکے ہیں آپ پچھلی سال اسی چاندی

کی قیمتی گھڑی لا چکے ہیں آپ اپنے کام پر
روانہ ہونے کے وقت پر نہیں پہونچتے تو فوراً ہماری
اصلی ریلوے ریگولیٹر قیمتی گھڑی جس پر کارخانہ
کی اصلی مہر لگی ہوئی ہے اور ڈائل پر انجن کی
تصویر دی ہے [illegible] اس کارخانہ کی گھڑیوں کی
پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی
ضرورت نہیں ٹائم بالکل سچا اور دس برس کی
گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا
اور مدرسین سے صرف ۴ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہی آرڈر بھیج دیجئے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ — نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو پی

رجسٹرڈ نمبر اے ۔ ۱۱۱

بابت ماہ ... ۱۹۲۳ء

راہ گیر ۔ اصحاب کتنا ں کتنا ں کہاں جاتے ہیں اور کس علت میں!
سودمند کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت بولائی میں کوئی کلکٹری کے بیام کوئی دیوانی کے ذیل میں ۔ سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر ۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند ۔ تجارتی سود کی دادرسد کرلے اور کوآپریٹو سوسائیٹیوں میں شریک ہوئے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین ۔ ایف ۔ آر ۔ ایس ۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ ۲ عہ

قیمت فی پرچہ تین آنے ۳ عہ

سودمند بدایوں

نمبر ۱۲	دسمبر ۱۹۲۸ء	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد ۴		قیمت فی پرچہ ۳ر

فہرست مضامین

مفلسی

دور ہو اے مفلسی تو دشمنِ انسان ہے — دشمنِ ناموس ہے غارت گرِ ایمان ہے

جرم کرنے کے لئے مجبور کر دیتی ہے تو — فطرتِ انسان کو معذور کر دیتی ہے تو

تو جب آئی دب گئی اس وقت آوازِ ضمیر — پھر خموشی کے سوا ہو کون دمسازِ ضمیر

تیرا آنا کیا ہوا اسبابِ قربا چھٹنے لگے — تھا جنھیں کچھ دعوئے مہر و وفا چھٹنے لگے

زندگی انسان کی دشوار کر دیتی ہے تو — بزمِ دنیا میں ذلیل و خوار کر دیتی ہے تو

سیکڑوں آفات ہوں سر پہ مگر اک تو نہ ہو — ہر مصیبت جھیل سکتا ہے بشر اک تو نہ ہو

تو بھلا دیتی ہے سارے زندگانی کے مزے — خاک میں مل جاتے ہیں عہدِ جوانی کے مزے

تو جہاں ہو پھر کہاں وان پارسائی کے مزے — پارسائی کے مزے نہ خود نمائی کے مزے

تیرے ہونے سے ہر اک علم و ہنر بیکار ہے — عقل بھی بیکار ہے تیغ و تبر بیکار ہے

چھوڑ دے بہرِ خدا اپنے گرفتاروں کو اب

چین سے جینے بھی دے دنیا میں بیچاروں کو اب

(ماخوذ از مہا لی جھلک)

محمد علی کیفی

سودمند کی

انعامی قرعہ اندازی کی میعاد میں توسیع

سودمند کی ترقی اشاعت کی غرض سے انعامی ٹکٹوں کی جو رسید بہیاں معاونین اور ناظرین سودمند کی خدمت میں اکتوبر ۱۹۲۸ء میں بھیجی گئی تھیں اور ۲۵ دسمبر ۱۹۲۸ء آخری تاریخ مقرر کی گئی تھی نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس میعاد مقررہ میں بہت کم ٹکٹ فروخت ہوئے اکثر معاونین ذو القدرین نے خواہش کی ہے کہ

میعاد مقررہ میں توسیع کردیجائے

کیونکہ ٹکٹ فروخت کرنے کے لئے ان کو بہت کم وقت ملا ہے اس لئے تین ماہ کی مدت بڑھا دی گئی ہے

اب ٹکٹوں کی فروخت کی قیمت ۳۱ مارچ تک دفتر سودمند میں پہنچ جانا چاہیئے

اس کے بعد جو ٹکٹ فروخت ہوں گے قرعہ اندازی میں شامل نہ کئے جائیں گے۔

قرعہ اندازی ۷۔ اپریل ۱۹۲۹ء کو ہوگی اور

اپریل کے سودمند میں نتیجہ شایع ہوگا

جن معاونین اور خریداران سودمند کے پاس انعامی ٹکٹوں کی رسید بہیاں پہونچ چکی ہیں وہ براہ کرم انعامی ٹکٹ اندر میعاد مقررہ فروخت کرکے سودمند کی توسیع اشاعت میں ضرور کوشش کریں۔

نیازمند

منیجر سودمند بدایوں

انگلستان اور ہندوستان کی صنعت و زراعت کا مقابلہ

ذیل کے نقشہ سے اس امر کا اندازہ ہوگا کہ موجودہ زمانہ میں صنعت و زراعت کے اعتبار سے انگلستان اور ہندوستان کی نسبتی حالت کیا ہے

نام پیشہ	انگلستان		ہندوستان
صنعت اور کان کنی	۷۵٫۲۷ فی صدی	[illegible] فی صدی	۱۱ فی صدی
تجارت	۱۳٫۲۳		
زراعت	۱۱٫۵ فی صدی		۷۱ فی صدی

اس نقشہ سے ظاہر ہے کہ انگلستان جو کسی زمانہ میں ایک زرعی ملک تھا اب وہاں صرف ساڑھے گیارہ فی صدی زراعت پیشہ لوگ رہ گئے ہیں جو ہندوستان کی صنعتی آبادی کے مساوی ہے اور اسی انگلستان کی صنعت و تجارت کو اس قدر ترقی ہوئی ہے کہ وہاں کی صنعت و تجارت پیشہ آبادی اٹھاسی فی صدی تک پہونچ گئی جو ہندوستان کی موجودہ زرعی آبادی کے مساوی ہے نہ صرف یہ بلکہ ہندوستان کی صنعت و حرفت باوجود نام نہاد محکمہ صنعت و حرفت پر کروڑوں روپیہ خرچ کئے جانے کے روز بروز زوال پذیر ہو رہی ہے۔

پنجاب کے ماہوار رسالہ کوآپریشن نے اپنی اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء کی اشاعت میں مسٹر کیلورٹ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء اور سنہ ۱۹۲۱ء کے درمیان زراعت پیشہ اشخاص کی تعداد بڑھی ہے اور صنعت و حرفت پیشہ لوگوں کی کم ہوئی ہے۔ رسالہ مذکور نے اسی بارہ میں سنہ ۱۹۰۱ء اور سنہ ۱۹۲۱ء کے مندرجہ ذیل صوبہ وار اعداد دے کر دونوں سالوں کی تعداد کا مقابلہ کیا ہے۔

نام صوبہ	زراعت پیشہ سنہ ۱۹۰۱ء	زراعت پیشہ سنہ ۱۹۲۱ء	صنعت و حرفت پیشہ سنہ ۱۹۰۱ء	صنعت و حرفت پیشہ سنہ ۱۹۲۱ء
بنگال	۷۱٫۵	۷۷٫۵	۱۲٫۳	۷٫۸
بمبئی	۵۸٫۶	۶۱٫۶	۱۸٫۲	۱۲٫۲
برھما	۶۶٫۱	۷۰٫۷	۱۸٫۶	۶٫۹
صوبہ متوسط	۷۰٫۰	۷۳٫۲	۱۶٫۲	۹٫۸
مدراس	۶۹٫۰	۷۰٫۸	۱۷٫۵	۱۱٫۶
صوبہ متحدہ	۶۵٫۵	۷۵٫۰	۱۴٫۹	۱۱٫۰
پنجاب	۵۶٫۹	۵۹٫۰	۱۹٫۴	۱۹٫۳
میزان	۶۵٫۲	۷۰٫۸	۱۵٫۵	۱۰٫۷

مندرجہ بالا نقشہ سے پوری طور پر ثابت ہے کہ قطعی انقلاب ہوگیا ہے یعنی انگلستان تحت الثریٰ سے آسمان پر جا پہونچا ہے اور ہندوستان رفتہ رفتہ آسمان سے اُتر کر تحت الثریٰ کی طرف کو جا رہا ہے جو لوگ شہد کے چھتے سے شہد حاصل کرتے ہیں وہ محض شہد نچوڑنے پر اکتفا کرتے ہیں اور مکھیوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ چھتا درست کرکے پھر شہد جمع کیا کریں مگر انگریزی حکام نے اس اصول کو بھی مدنظر نہ رکھا ہندوستان کے صناعوں کو ان کے برتاؤ سے وہ صدمہ پہونچا کہ وہ ہمیشہ کے لیئے اپنے پیشوں سے محروم ہوگئے۔ اور ان کے پیشے کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔ اس دردناک داستان کی مثال تاریخ کے صفحات میں ملنا ناممکن ہے۔

مگر اے کاش ہندوستان کی زراعت یا صنعت جس حالت پر پہونچ گئی ہے وہ اس قابل رہتی کہ اُس سے یہاں کے باشندوں کی بسر اوقات ہوسکتی۔ امریکہ میں اسی زراعت سے وہاں کے لوگ لکھ پتی اور کروڑ پتی بنے ہوئے ہیں۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں آبادی کا کثیر حصہ فاقہ کشی میں مبتلا ہے۔ اور روز بروز مفلس ہوتا چلا جاتا ہے۔ سر ابراہیم رحمت اللہ صاحب نے گزشتہ صنعتی اور تجارتی کانگریس منعقدہ مدراس میں اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا تھا۔ کہ

"جنگ سے پہلے کپڑے کا اوسط صرف، جو ضروریات زندگی میں داخل ہے، بلحاظ آبادی ۱۰ گز فی کس تھا اور اب ۲ گز فی کس ہوگیا ہے"

انگلستان کی ایک بڑی غرض ہندوستان پر قبضہ رکھنے سے یہ بھی ہے کہ وہاں انگلستان کے تیار کردہ مال کی نکاسی ہوتی رہے۔ مگر جب ہندوستان کی قوت خرید گھٹتی ہے تو اُس کا اثر انگلستان کے کاریگروں پر پڑتا ہے جس سے وہ بیکار ہوجاتے ہیں۔ اس کے لیئے گورنمنٹ ایسے طریقے اختیار کرتی ہے جن سے ہندوستان کے لوگ پھر انگلستان کا مال خریدنے لگتے ہیں۔ اس کے متعلق سر ابراہیم نے حسب ذیل تحریر فرمایا ہے۔

"انگلستان میں بیکاری کو دور کرنے کی کوشش ممکن ہے عارضی طور پر کامیاب ہو جائے لیکن یہ مشتبہ ہے کہ اِس کارروائی کا اثر ہندوستان ہی نہیں بلکہ خود انگلستان کی آئندہ بہبودی پر مفید ہوگا یا غیر مفید۔ جب یہ حال ہو کہ قیمتوں کی ارزانی نمائشی ہو اور اُن سے قوم کی اقتصادی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہوں تو زیادہ عرصہ تک خریداروں کا میسر آنا ناممکن ہے۔"

ذیل کے اعداد سے سر ابراہیم نے مختلف ممالک کی فی کس آمدنی کا فرق دکھایا ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ	دو ہزار روپیہ سالانہ
برطانیہ عظمیٰ	ایک ہزار روپیہ سالانہ
کناڈا اور آسٹریلیا	پانسو پچاس روپیہ سالانہ
ہندوستان چند سال پیشتر	تیس روپیہ سالانہ

اس تخمینے کی غلطیوں کا اور اس کے بعد جو اقتصادی ترقی ہو گئی ہو اُس کا لحاظ رکھ کر اب ہندوستان کی فی کس سالانہ آمدنی اندازاً ساٹھ روپیہ سے لیکر نوے روپیہ تک بتائی جاتی ہے۔ جاپان کے متعلق سر ابراہیم لکھتے ہیں

"جاپان کو ہندوستان کی سی قدرتی آسانیاں حاصل نہیں ہیں بلکہ ہندوستان میں تجارت کی ترقی کے امکانات کہیں زیادہ ہیں مگر ترقی جب ہو سکتی ہے کہ حکومت ہند جاپان کی سی پالیسی اختیار کرے"

لیکن باوجود اس کے کہ ہندوستان کو قدرت نے بہت سی آسانیاں بخشی ہیں سر ابراہیم نے جاپان کے جو اعداد و شمار دیئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ چالیس سال کے اندر اندر جاپانیوں میں محصول برداشت کرنے کی طاقت ہندوستانیوں سے سات گُنی زیادہ ہو گئی ہے۔ گزشتہ دس برس میں جاپان کی درآمد کی رفتار ہندوستان سے چارگونی بڑی اور برآمد کی رفتار ہندوستان کی تین گونی رہی اور ہندوستان اور جاپان دونوں ملکوں کی درآمد کی مقدار تھوڑے عرصہ میں مساوی ہوگئی حالانکہ ہندوستان کی آبادی جاپان سے ۵ گونی ہے۔ یہاں زراعت پیشہ لوگوں کی تعداد مسلسل بڑھنے جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں زمین پر بار روز بروز بڑھتا جاتا ہے جس سے اُس کی قوت گھٹتی جاتی ہے اور اُسے آرام نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ فی کس رقبہ کاشت روز بروز کم ہوتا جاتا ہے جو کاشتکار کی بسراوقات کے لیے کافی نہیں ہے۔

صنعت و تجارت کا مسئلہ نہایت وسیع ہے اور اس مختصر مضمون میں اس کی توضیح کی گنجایش نہیں البتہ یہ امر واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل ہند دیکھتے ہیں کہ باوجود صنعت و زراعت میں جان کھپانے کے اُنھیں قوت لایموت بھی نہیں ملتا تو وہ گورنمنٹ کی خدمت میں عرض معروض کرتے ہیں اس کا علاج گورنمنٹ یہ کرتی ہے کہ محدود اختیارات کے ساتھ ایک کمیشن تحقیقات مقرر کر دیتی ہے مثلاً پچھلے دنوں ایک زرعی کمیشن مقرر کیا گیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ یہ کمیشن تمام اُن مسائل پر غور کرتا جن کا زرعی ترقی سے تعلق ہے مثلاً

(۱) قانون کے ذریعہ سے اس امر کا تحفظ کہ زرعی پیداوار میں بیرونی تاجر مقابلہ نہ کرسکیں۔

(۲) محصولات

(۳) نئی اور بہتر فصلوں کو رواج دینا اُن کی خرید و فروخت اور کسانوں کی مالی امداد۔

جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے اول الذکر دو اہم مسایل شاہی کمیشن کے حدود تحقیق سے خارج تھے انھیں صرف آخری مسئلہ پر غور کرنا تھا۔

اسی طرح جب ۱۹۱۶ء میں صنعت و حرفت پر کمیشن مقرر ہوا تو تحقیقات کے لیے جو اُمور متعین کیے گئے اُن میں یہ سوال داخل نہ تھا کہ دیسی مصنوعات کو غیر ملکی مقابلہ سے کیونکر محفوظ کیا جائے چنانچہ جس قرارداد کی رو سے کمیشن کا تقرر ہوا تھا اُس کے الفاظ یہ تھے:۔

"کمیشن کو گورنمنٹ کی موجودہ مالی پالیسی پر کسی قسم کی بحث کا حق حاصل نہ ہوگا" اس کے بعد یہ بھی بتایا گیا تھا کہ " ایسی تجاویز کرتے وقت جن میں یہ سفارش ہو کہ ہندوستانی مصنوعات کی حفاظت کے لیے بیرونی مال پر خاص قسم کے محصول لیے جائیں۔ یہ اصول اور بھی زیادہ سختی کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے گا کیونکہ ایسا طریق عمل ہندوستان اور دیگر ممالک کے باہم جو مالی تعلقات ہیں اُن پر براہ راست اثر ڈالے گا۔"

مندرجہ بالا تحریرات سے ناظرین کو اس امر کا اندازہ ہوا ہوگا کہ ہندوستان کی صنعت پر کس قسم کے ٹیکس لگائے گئے جن سے اس قدر زیادہ بربادی ہوئی۔ اب جب اُسے زندہ کرنے کی تجاویز سوچنے کے لیے بلکہ کمیشن بٹھایا جاتا ہے تو سب سے اول اُسی مسئلہ پر غور کرنے کی ممانعت کر دی جاتی ہے جو اس کی ہلاکت کا موجب ہوا تھا۔ یہی حال ہندوستان کی زراعت کا ہے کہ پیداوار میں سے ابواب وغیرہ شامل کرکے نصف سے زیادہ وصول کر لیا جاتا ہے اور زراعت کی ترقی کا مسئلہ جب پیش ہوتا ہے تو ایسے اہم اُمور کے متعلق جیسا کہ اوپر مذکور ہوئے سوچنے تک کی ممانعت کر دی جاتی ہے۔

دوسرا اہم امر صنعت و زراعت دونوں کے متعلق یہ ہے کہ ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جن سے مال کی تیاری میں کم سے کم روپیہ صرف ہو۔ اب بھی ہندوستان کی بعض مصنوعات اور پیداوار ایسی ہیں کہ دُنیا کا کوئی ملک عمدگی میں اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر دُنیا کے بازاروں میں وہ محض اس لیے کامیاب نہیں ہو سکتیں کہ ہندوستان میں ان اشیاء پر خرچ زیادہ پڑتا ہے اور خرچ اس وجہ سے زیادہ پڑتا ہے کہ اس ملک میں سرمایہ نادار ہے اور جو تھوڑا بہت ہے اُس پر سود زیادہ دینا پڑتا ہے۔

بدقسمتی سے ہندوستان میں جس قدر کمیٹیاں اور کمیشن بٹھائے جاتے ہیں اُن کی سفارشات میں ایک لازمی سفارش یہ ہوتی ہے کہ بڑی تنخواہوں کے عہدہ دار بڑھا دیئے جائیں مگر غریب کاریگروں یا کاشتکاروں کے لیے سرمایہ کا کوئی انتظام تجویز نہیں کیا جاتا۔ اس وقت ہندوستان میں کروڑوں روپیہ صنعت و زراعت کے افسروں کی تنخواہوں اور عمارتوں پر صرف کیا جاتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اُن عظیم الشان اخراجات کا کونسا حصہ بطور امداد یا قرضہ کے غرباء کو دیا جاتا ہے اور اگر کچھ دیا جاتا ہے تو اُس کی شرح سود کیا ہوتی ہے۔ مثلاً صوبہ متحدہ کے سال رواں کے بجٹ میں صیغہ صنعت و حرفت کے لیے ۱۲ لاکھ ۴۰ ہزار ۱۱۴ روپیہ رکھا گیا ہے اس میں سے صرف پچیس ہزار روپیہ پاس شدہ طلباء کی امداد کے لیے ہے۔ باقیماندہ عہدہ داروں کی تنخواہوں اور عمارات اور صنعتی اسکولوں پر صرف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ صرف ۶۶ ہزار روپیہ قرضہ کے طور پر دیا جاتا ہے۔ اس حساب سے جس قدر رقم صیغہ صنعت پر صرف کی جاتی ہے اُس میں سے صرف ، فی صدی صناعوں کو بطور امداد یا قرضہ کے دی جاتی ہے اور قرضہ پر ۷ فی صدی سالانہ سود لیا جاتا ہے جس کی ادائگی کے بعد بڑے نام

منافع حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جس شکل سے اور جن شرائط پر یہ روپیہ مہینوں اور برسوں میں جا کر ملتا ہے وہ تو ناقابل بیان ہیں۔ اب ہے وہ طلبا جو اسکولوں سے صنعتی کام سیکھ کر نکلتے ہیں وہ بالعموم سرمایہ کی قلت کی وجہ سے ولایتی مال کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور انجام کار ملازمت تلاش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کاش کل سرکاری بجٹ کا لاکھوں روپیہ کاریگروں کو بلا سود یا برائے نام سود پر دیا جاتا تو اس سے یہاں کے کاریگر دیسی پارچہ اور دیسی مال تیار کر کے اب سے کہیں زیادہ سستا فروخت کر سکتے اور اس سے ملک کو کہیں زیادہ فائدہ پہونچتا۔ آخر دو صدی قبل ہندوستان میں کونسا صنعت و حرفت کا صیغہ تھا البتہ ملک میں روپیہ کی فراوانی تھی جس سے یہاں کا مال سستا بن کر تمام دنیا میں پھیلتا تھا۔ جب ملک کا سرمایہ یا خون حیات بہہ کر نکل گیا تو خود بخود تمام نفع آور کاموں کا خاتمہ ہو گیا۔

سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح صنعتی اسکولوں کے طلبا بیکار پریشان پھرتے ہیں۔ تقریباً یہی حال زرعی درسگاہوں کے اُن طلبا کا ہوتا ہے جنھیں ملازمت نہیں ملتی اس لیے کہ انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعہ سے جو روپیہ قرض مل سکتا ہے اُس کی شرح سود پندرہ فی صدی سالانہ یا سوا روپیہ سیکڑہ ماہوار ہوتی ہے اس پر ہندوستان کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے ایسے ممالک کا جہاں سرمایہ کی فراوانی کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ہندوستان کے گنے میں شکر کا حصہ کافی ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ہی بازار میں جرمنی جاوا اور مارشیس کی شکر دیسی شکر سے سستی بکتی ہے۔ حالانکہ یہاں مزدوری بہت سستی ہے۔ بظاہر اس کا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ وہاں سرمائے کی بہتات ہے۔ چنانچہ مارشیس کے متعلق ہی کہا جاتا ہے کہ وہاں کا چھوٹے سے چھوٹا کارخانہ ہندوستان کے بڑے سے بڑے کارخانے سے بڑا ہے۔

کامیاب بینک

روس کا "ماسکو نارودنی بینک لمیٹڈ" ایک مشہور بینک ہے۔ یہ روس کی انجمنہائے امداد باہمی درآمد (امپورٹ) اور انجمن ہائے امداد باہمی برآمد (ایکسپورٹ) کو مالی امداد بہم پہونچاتا ہے۔ یہ دوسرے ممالک کے ... بیشتر بینکوں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ ۲۷-۱۹۲۶ء میں اس نے بلجیم، جرمن، فرانس، برطانیہ، سوئٹزرلینڈ، کینیڈا (امریکہ) کے بینکوں سے اپنے تعلقات زیادہ مضبوط طریق پر قایم کیے اور تسلی بخش لین دین کیا۔ گذشتہ ۱۹۲۴ء میں ۵۶۵،۴۰۰ پونڈ ۱۹۲۵ء میں ۵۳۱۰۱ پونڈ اور ۱۹۲۶ء میں ۷۷،۳۵۹ پونڈ نقد منافع ہوا۔ تین سال میں ۱۰۵۹۰ فی شہر جو ڈیویڈنڈ تقسیم کیے گئے اور ۳۵۰۱۳ پونڈ سرمایہ محفوظ میں جمع کیے گئے۔

سرمایہ اور سود اقتصادی نقطۂ نگاہ سے

(از جناب اقبال قریشی)

سود وہ روپیہ ہے جو مقروض قرضخواہ کو اس کے روپیہ کے استعمال کے معاوضہ میں ادا کرتا ہے۔

سود کا لینا ابتدا ہی سے بُرا خیال کیا جاتا ہے۔ یہودیوں میں حضرت موسیٰ کا حکم، رومیوں میں افلاطون اور ارسطو کا حکم، عیسائیوں میں عیسوی قانون سود کے خلاف ہے۔ مسلمانوں میں عام طور پر اسے ممنوع سمجھا جاتا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں قرض صرف غریب لوگ خانگی اخراجات کے لیے لیتے تھے۔ شرح سود بہت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکثر لوگوں کو سود کے عوض اپنے آپ کو بیچنا اور غلام بننا پڑتا تھا۔ مسلمانوں کے سوا اب دوسرے لوگوں نے سود کا لینا جائز قرار دیا ہے کیونکہ اب روپیہ کاروباری کاموں کے لیے قرض لیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مقروض قرض کا روپیہ تجارت وغیرہ پر لگا کر اپنی آمدنی بڑھا لیتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ جس کا روپیہ صرف ہو رہا ہے اُسے اس میں سے کوئی حصہ نہ دیا جائے۔

چونکہ اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ مقروض روپیہ خانگی اخراجات کے لیے لے رہا ہے یا کاروباری کام کے لیے۔ اس لیے سود ہر حالت میں وصول کر لیا جاتا ہے۔

سود نہ لینے کے دلائل | اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ سود لینا نہیں چاہیے۔ کیونکہ اس سے غربت زیادہ پھیلتی ہے۔ ساہوکار روز بروز امیر ہوتے جاتے ہیں اور مزدور پیشہ لوگ پستی کے گڑھے میں گرتے جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ساہوکار تجارت میں خسارے کا ذمہ دار نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ منافع پر ہاتھ صاف کریں۔ بعض اوقات تجارت میں تمام کا تمام روپیہ اکارت جاتا ہے لیکن ساہوکار پھر بھی سود لیے بغیر نہیں رہتا۔

سود کی وجہ سے انسانی ہمدردی مساوات اور وطنی ہمدردی تک جاتی رہتی ہے۔ اس لیے سود کا لینا بند کر دینا چاہیے۔ اگر یہ بات مان لی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ چند افراد کے سوا کوئی بھی روپیہ قرض دینے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

ساہوکار کا نقطۂ نگاہ | ساہوکار جو سود وصول کرتا ہے اگر اسے اصل زر وغیرہ کے وصول کرنے میں کوئی تکلیف روپیہ ضایع ہو جانے کا اندیشہ اور زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرنی پڑے تو سود جو وہ وصول کرے گا خالص سود کہلائے گا۔

اگر مقروض کسی تجارت پر روپیہ لگا رہا ہے اور اس تجارت میں نقصان کا بالکل ڈر نہیں تو بھی ساہوکار

شرح سود بہت کم وصول کرے گا۔ بعض اوقات اسے روپیہ وصول کرنے کے لیئے آسامی کے پیچھے پیچھے پھرنا پڑتا ہے چالاک اور سمجھدار مہاجن اس تکلیف کی قیمت بھی وصول کرے گا اسی سود کو Gross Interest کہتے ہیں۔

چونکہ روپیہ قرض لیکر تجارت چل سکتی ہے۔ اور وہ شخص جس کے پاس کوڑی تک نہ ہو مگر انتظامی قابلیت موجود ہو اور وہ فن تجارت سے واقف ہو تو لکھپتی بن سکتا ہے۔ پس ملک کی بہتری و بہبودی کے لیئے ضروری ہے کہ قرض کی رسم کو جاری رکھا جائے۔ ساہوکار جو تکلیف اُٹھاکر روپیہ جمع کرتا ہے اس کا بھی حق ہے اگر وہ کسی کو روپیہ قرض دے تو اس کے معاوضہ میں سود وصول کرے۔

سود کیوں دیا جاتا ہے روپیہ کی مدد سے دولت زیادہ پیدا کی جا سکتی ہے "گذر زر کشند در جہاں گنج گنج" سرمایہ کو تجارت میں لگانے سے لوگوں کی اور ملک کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔

تجار جانتے ہیں روپیہ میں بڑی ضرورت سے زیادہ آپس میں مقابلہ کرتے ہیں۔ ساہوکار یہ دیکھ کر کہ اس لیلا کے بہت مجنوں ہیں شرح سود بڑھا دیتا ہے۔

شرح کب اور کیوں کم یا زیادہ ہوتی ہے شرح سود اس لیئے گر جایا کرتی ہے کہ سرمایہ داروں کا آپس میں مقابلہ شروع ہو جاتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ روپیہ اگر بیکار پڑا رہا تو اُلٹا اُنھیں نقصان پہونچے گا۔

جب روپیہ کثرت سے جمع ہونا شروع ہو جائے تو شرح سود کم ہو جاتی ہے۔

شرح سود وہاں زیادہ ہوتی ہے جہاں لوگ جاہل ہوں تعلیم کی کمی اور مفلسی عام ہو۔ اور ساہوکار کثرت سے موجود نہ ہوں۔

سود کی حد بندی کے لیئے کوئی قانون کارگر نہ ہوگا حد سے زیادہ سود لینا وطن پرست لوگ ہمیشہ سے بُرا خیال کرتے رہے ہیں افسوسناک بات یہ ہے کہ اسے کسی قانون کے ذریعہ بند نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ادھر روپے دینے والے موجود ہیں اور اُدھر آرزومندوں کی کثرت ہے۔ اگر کوئی قانون بنا دیا جائے تو مقروض تمسک شرح سود قلیل لکھ دے گا اور زر اصل ۵۰ کی بجائے ۱۰۰ غرض

"دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را"

کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو ساہوکار روپے دینے سے انکار کر دے گا اور ضرورت ایجاد کی ماں ہے مجبوراً اسے ۵۰ کی بجائے زر اصل ۱۰۰ ہی لکھنا پڑے گا۔

ساہوکاروں اور کابلی پٹھانوں کا ظلم یہ بات پوشیدہ نہیں کہ پنجاب اور دیگر صوبوں میں شرح سود بہت زیادہ ہے چھوٹے موٹے ساہوکار اور کابلی پٹھان حیرت انگیز شرح سود وصول کرتے ہیں۔

یہ لوگ ۸۰ فی صدی سے لیکر ۵۰۰ فی صدی تک شرح سود لیتے ہیں۔ غریب لوگ جو روزانہ کماتے ہیں یہ ظالم آکر چھین لیتے ہیں بعض اوقات یہ ۲ فی روپیہ فی یوم تک سود وصول کرتے ہیں۔

کابلی ساہوکاروں کی درازدستی کابلی پٹھان یا چھوٹا موٹا ساہوکار ۵۰ روپیہ مندرجہ ذیل شرائط پر دے گا۔ ایک روپیہ ۸ آنے سے ۳ روپے ہر مہینے بطور سود ادا کرتا رہے جب تک کل زر اصل واپس نہ ہو جائے۔

فی سو پیہ روزانہ یا ہفتہ وار زر اصل ادا کرنے کے لئے دیتا رہے۔

تین ماہ کا سود روپیہ دیتے وقت ہی کاٹ لیا جائے گا تمسک اس وقت تک واپس کیا جائے گا جب تک کہ تمام سرمایہ ادا نہ کر دیا جائے گا۔

ایک آنہ فی روپیہ بطور گنڈہ چھوڑا (discount) کاٹ لیا جائے گا (گنڈہ چھوڑا پنجابی ساہوکاروں کا اپنا خاص لفظ ہے)

شمالی ہندوستان میں ایسے لوگوں کی بہت کثرت ہے ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ غریب لوگ دن بدن زیادہ غریب کیوں ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

شرح سود کیونکر کم ہو سکتی ہے تعلیم کی کثرت ملک میں امن و امان اور بنکوں کے کھلنے سے شرح سود شہروں ہی میں نہیں بلکہ دیہات میں بھی کم ہو جائے گی۔

زراعتی قرضہ کی شرح سود میں اختلاف اس وقت گاؤں میں شہر کی نسبت شرح سود بہت زیادہ ہے۔ مسٹر دتا (Datta) کے الفاظ ہیں۔

"زراعتی قرضہ کی شرح مختلف صوبوں میں مختلف ہے بعض اوقات ایک گاؤں میں بھی شرح سود مختلف ہوتی ہے"

"یہ زمیندار کی حیثیت اور شہرت پر مبنی ہے بنگال میں شرح سود ۶۰-۳۰ فی صدی تک ہے۔ مشرقی بنگال میں ۳۷½ سے ۱۰۰ فیصدی تک ہے۔ صوبجات وسط میں ۶۰ فیصدی سے ۱۰۰ فی صدی تک ہے پنجاب میں بھی کچھ کم نہیں"

"انجمن ہائے امداد باہمی کے کھلنے کی وجہ سے شرح سود کم ہو رہی ہے۔ اگر ان انجمنوں کو اور زیادہ مکمل کر دیا جائے اور تعلیم لازمی کر دی جائے تو زمینداروں کے خیالات روشن ہو جائیں گے اور وہ ساہوکاروں کے ظالم پنجہ سے نجات حاصل کر سکیں گے"

سرمایہ جمع کیوں کیا جاتا ہے دولت جمع کرنے سے انسان ممتاز ہو جاتا ہے۔ دولتمند کو لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جن لوگوں کی آمدنی ان کے خرچ سے زیادہ ہوتی ہے وہ مستقبل میں فائدہ اٹھانے

کی غرض سے روپیہ جمع کرتے ہیں۔

جب ملک میں حکومت کا انتظام اچھا نہ ہوگا بیرونی حملوں کا خوف لوگوں کا روپیہ جمع کرنے سے روکے رکھے گا اگر حکومت پرامن ہو تو لوگ روپیہ کثرت سے جمع کریں گے۔

جو لوگ مستقبل میں تجارت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے ہی سے تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہندوستانی اکثر بڑھاپے کی زندگی آرام سے بسر کرنے کی خاطر یا بیٹے بیٹی کی شادی کے لیے روپیہ جمع کرتے ہیں۔

روپیہ کے بند رکھنے کے نقصانات ہمارے ہندوستانی بھائیوں کو چاہیئے جو روپیہ جمع کریں خدا کے لیئے اسے زیورات کی صورت میں یا آہنی صندوقوں میں بند کرکے نہ رکھیں کیونکہ ایسا کرنے سے انھیں ہی نہیں بلکہ تمام ملک کو نقصان پہونچتا ہے ملک کی اقتصادی حالت کمزور ہوتی ہے۔ اس روپیہ کو بنکوں میں جمع کرنا چاہیئے۔ حکومت ہند نے جو سیونگ بنک کھول رکھے ہیں تھوڑے روپیہ والوں کو اس سے خاص فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

بچہ کا حساب سیونگ بنک میں جب بچہ پیدا ہو اسی روز سے اس کے نام سیونگ بنک میں حساب کھول دینا چاہیئے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر معمولی رقم ہر ماہ جمع ہوتی رہے تو اس کے جوان ہونے تک یہ رقم ہزاروں تک پہونچ جائے گی۔ جب بچہ کو اس کے فوائد معلوم ہوں گے تو وہ حلوائی کی دوکان پر جانے کے بجائے سیدھا بنک میں جمع کرنے جایا کرے گا۔ یہ روپیہ اس کی تعلیم پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اور ساہوکاروں کے آہنی پنجہ سے نجات مل سکتی ہے۔

سرمایہ اور دور اندیشی سرمایہ ملک میں صرف اسی وقت جمع ہو سکتا ہے جبکہ اس کے باشندے پڑھے لکھے اور دور اندیش ہوں۔ افریقہ کے وحشیوں کو اس بات کا کوئی خیال نہیں۔ انھیں جو ملتا ہے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اس کے برعکس مہذب انسان اپنے مستقبل کو سوچتا ہے اور روپیہ جمع کرتا ہے۔ ہندوستان میں لوگ روپیہ صرف اس لیئے جمع کرتے ہیں تاکہ برادری میں ان کی عزت ہو۔ اور بد قسمتی سے یہ روپیہ زیورات کی صورت میں ہوتا ہے۔

طلب نفع خیز جو قرض کی مانگ کاروباری کاموں کے لیئے ہو اسے طلب نفع خیز productive demand کہتے ہیں۔

مثال:۔ ایک بڑھئی کو اپنے کاروبار سے ۳۰ روپے روزانہ آمدنی ہے۔ اگر وہ قرض روپیہ لیکر اپنے کاروبار کو بڑھا دے تو اسے ۵۰ روپیہ آمدنی ہوتی ہے۔

قرض کردہ ۶۰ روپے زر اصل پر سود ادا کرتا ہے ۶۰ روپیہ اپنے اوزاروں کی مرمت اور نئے اوزار خریدنے کے لیئے رکھتا ہے۔ پھر بھی اسے اور زیادہ سرمایہ لگانے سے ۸۰ روپے کی بچت ہو جاتی ہے۔ اگر وہ سمجھدار ہوگا تو اپنے کام کو زیادہ فروغ دینے کے لیئے روپیہ قرض لیکر لگاتا جائے گا قرض کی یہ طلب نفع خیز ہوگی۔

خانگی اخراجات کے لیئے قرضہ یہ ملک کی اقتصادی حالت پر مبنی ہے جس ملک کے باشندے غریب ہوں گے وہاں قرضہ زیادہ خانگی اخراجات کے لیئے جائے گا۔ ہندوستان میں جب بارش نہ ہونے کی وجہ سے فصلیں نہیں ہوتیں تو زمیندار اپنے اخراجات کے لیئے ساہوکاروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں قرضہ کی یہ طلب غیر نفع خیز ہوگی unproductive demand بعض اوقات حکومت بھی عمارات وغیرہ بنانے کے لیئے اور میونسپل کمیٹیاں سڑکیں وغیرہ بنانے کے لیئے قرضہ لیتی ہیں۔

ہندوستان میں غیر ملکی سرمایہ مجموعی طور پر ہندوستان غریب ملک ہے۔ اور قرض کی جتنی اسے ضرورت پڑتی ہے وہ ملک ہی سے پوری نہیں ہو سکتی۔ اس میں لوگوں کی غربت اتنی قابل ذکر نہیں جتنی جہالت کیونکہ کروڑوں روپے زیورات کی صورت میں بیکار پڑے رہتے ہیں۔

حکومت جب دیکھتی ہے کہ اسے ملک کی حالت بہتر بنانے کے لیئے قرض روپیہ نہیں مل سکتا تو وہ بیرونی ممالک سے روپیہ قرض لیتی ہے۔

ہندوستان کے بڑے بڑے کارخانے بھی برطانیہ سے قرض لیتے ہیں کیونکہ ملک کے بنکوں کے پاس ان کی ضرورت کے مطابق روپیہ نہیں ہوتا۔

برطانیہ قرض محض ہمدردی سے نہیں دیتا۔ بلکہ ہندوستان کو اس کے عوض کثیر رقم بطور سود ادا کرنی پڑتی ہے۔

غیر ملکی سرمایہ سے نقصان یہ خیال کیا جاتا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ سے ہندوستان کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ اور ہمارا منافع سود کی صورت میں کھنچ کر چلا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے جو غیر ملکی سرمایہ کانوں کے کھودنے میں لگایا جاتا ہے۔ اس سے ملک کو بہت زبردست نقصان پہونچتا ہے کیونکہ چند سال تک یہ کانیں ختم ہو جائیں گی اور جب ہندوستان کے پاس اپنا سرمایہ ہوگا تو وہ بیکار پڑا رہے گا۔

مگر ہمیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارے پاس اتنا سرمایہ نہیں جو ہم بڑے بڑے تاجروں کو بطور قرض دے سکیں یا ملک میں سڑکیں اور ریلیں بنا سکیں جس پر ملک کی بہتری و بہبود کا انحصار ہے جس طرح ہر فرقہ قرض لیکر اپنی مالی حالت سنوار سکتا ہے۔ اسی طرح ملک ہندوستان بھی انگلستان سے روپیہ قرض لیکر اپنی حالت سنوار رہا ہے۔ موجودہ ہندوستان کی مالی حالت گزشتہ ہندوستان سے بدرجہا بہتر ہے۔ لندن میں

روپیہ زبردستی ہمارے سر نہیں تھوپتے۔ ہندوستان کی ترقی کا راز تجارت و صنعت و حرفت کی ترقی پر منحصر ہے۔

کاش ہم دیگر ممالک کی مثال سے عبرت حاصل کریں۔

مُفلِسی

کیا خوب مقولہ ہے ؎ مفلسی سب بہار کھوتی ہے ؛ مرد کا اعتبار کھوتی ہے

بمصداق الفقر سواد الوجہ فی الدارین مفلس مسلمان کا عدم وجود سے بہتر ہے کیونکہ وہ قوم کے لیے باعث ننگ و عار ہے۔ وہ قوم کے دامن پر ایک بدنما داغ ہے۔ اس کے ناشائستہ حرکات جو افلاس کی بنا پر سرزد ہوتی ہیں قوم کو رسوا اور بے آبرو کرتی ہیں وہ زکوٰۃ کی ایک بڑی مقدار نکال کر قوم کے درماندہ لوگوں کی امداد نہیں کرسکتا وہ قوم کے یتیم اور لاوارث بچوں کی پرورش سے بلکہ خود اپنے اہل و عیال کی پرورش سے معذور ہے۔ وہ قوم و رسول کی اعانت سے قاصر ہے وہ قومی انجمنوں کی سرپرستی نہیں کرسکتا وہ قوم کے بیکاروں کے لیے معاش کی راہیں نہیں کھول سکتا۔ وہ قومی یادگاروں کے باقی رکھنے میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ وہ اسلام کی اشاعت اور بقائے قوم کو مالی تقویت نہیں پہونچا سکتا۔ وہ قوم کے علم و ہنر کی ترقی میں کچھ کام نہیں آسکتا وہ قومی اخبارات و رسائل کی توسیع اشاعت اور امداد و اعانت کے لیئے ایک غیر مسلم کی طرح بیکار ہے۔ الغرض ایک مفلس کسی حالت میں ہو اور کسی پہلو سے اس کی حالت پر غور کیا جائے وہ باعث ننگ و عار اور مہلک اور مضر ہی ثابت ہوگا

؎ آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج ؛ احتیاج است احتیاج است احتیاج

پس اے دوستو! جہاں تک ممکن ہو افلاس سے بچو۔ افلاس کو فنا کردو۔ اور دولتمند بن کر اپنی ذات اپنے خاندان اپنی قوم کے لیئے خیر و برکت اور فلاح و منفعت کا باعث ثابت ہو۔ (اسسٹنٹ ایڈیٹر)

تصحیح

ماہ نومبر ۱۹۲۰ء کے رسالہ سودمند میں صفحہ ۲۰ لغایت ۲۳ پر "صنعت و حرفت ہماری ملکی اور قومی ترقی کا لازمی جزو ہے" کے عنوان سے جو مضمون رقیہ خانم صاحبہ ادیب عالم کے نام سے شایع ہوا ہے اس میں کتابت کی غلطی سے مضمون نگار صاحبہ کا نام غلط چھپ گیا بجائے رقیہ خانم کے رضیہ خانم صحیح ہے۔ ہم راقمہ مضمون سے اس غلطی کتابت پر معذرت خواہ ہیں۔
(منیجر سودمند)

شکر سازی کا کارخانہ

ہمیں یہ معلوم کرکے نہایت خوشی ہوئی کہ پنجاب میں شکر سازی کا کارخانہ اعلیٰ پیمانہ پر جاری ہونے والا ہے پنجاب کے سرمایہ داروں کی یہ کوشش قابل تعریف ہے گورنمنٹ پنجاب نے بھی اس کمپنی کے حصے خرید کر اس کمپنی کی حوصلہ افزائی کی ہے اس کارخانہ کا نام "دی پنجاب شوگر کارپوریشن لمیٹڈ" ہوگا۔ کارپوریشن سے تعلق رکھنے والے کاغذات کا سرسری مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کارخانہ کا مقصد صوبہ پنجاب میں نہایت وسیع پیمانہ پر شکر تیار کرنا ہے اور کارخانہ کے لئے سونی پت میں گورنمنٹ پنجاب کے صیغہ زراعت کی مدد سے نہایت احتیاط کے ساتھ مقام کا عمل انتخاب ہو چکا ہے۔ کارپوریشن کا سرمایہ دس لاکھ روپیہ ہے جو سو سو روپیہ کے دس ہزار حصوں میں منقسم ہے ان دس ہزار حصوں میں سے دو ہزار حصے پنجاب گورنمنٹ کے لئے ریزرو ہو چکے ہیں۔ اور آٹھ ہزار حصے عام ہیں جن میں سے ایک ہزار پانسو کمپنی کے ڈائرکٹروں اور پروپرویٹروں اور باقی چھ ہزار پانسو عام پبلک کے لئے رکھے گئے ہیں عام حصوں کے سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حصوں کی رقم کا دس فی صدی درخواست پر اور دس فیصدی حصے دیئے جانے پر ادا کرنا ہوگا اور باقی رقم جیسا کہ عام دستور ہے بروقت مطالبات بروئے قانون کارخانہ جات ہند ۱۹۱۳ء قابل ادا ہوگی۔

اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ پنجاب گورنمنٹ نے کارپوریشن کے دو ہزار حصے خرید لئے ہیں اور ڈائرکٹر صاحبان نہایت معزز معتبر اور کاروبار کا وسیع تجربہ رکھنے والے اصحاب ہیں۔ یقین کامل ہے کہ یہ کارپوریشن صنعت شکر میں انقلاب عظیم پیدا کر دے گی۔ جس سے اس صنعت کو غیر معمولی فروغ ہونے کے ساتھ ہی حصہ داروں کو بھی بہت نفع حاصل ہوگا۔ کارپوریشن سے تعلق رکھنے والے کاغذات کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کارخانہ کے لئے نیشکر کی بہم رسانی میں براہ راست دلچسپی لینے والے کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کی غرض سے گورنمنٹ کو آپریٹو سوسائٹیاں قایم کرنے کی کوشش کرے گی۔ جس سے نیشکر کی بہم رسانی کا مسئلہ قابل اطمینان طور سے طے ہو جانے پر کارخانہ جدید اصولوں کے مطابق نہایت عمدگی کے ساتھ کام کر سکے گا۔

ہماری رائے میں "دی پنجاب شوگر کارپوریشن لمیٹڈ" کا قیام پنجاب کی صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے ایک فال نیک ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تمام بہی خواہان وطن اس کو نہ صرف بنظر استحسان دیکھیں گے بلکہ عملی طور پر اس کی قدر بھی کریں گے۔ کارپوریشن کے عام حصے جو چھ ہزار پانسو ہیں بہت جلد فروخت ہو جائیں گے کیونکہ خریداروں کو ایسے منفعت بخش مواقع کم ملتے ہیں۔ اور وہ کوشش کریں گے کہ جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ

حصے خرید لیں۔

ہمارے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں بالخصوص روہیلکھنڈ میں نیشکر کی پیداوار کافی مقدار میں ہوتی ہے اسی بنا پر شہر شاہجہان پور کے قریب روضہ فیکٹری کے نام سے تقریباً غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے قایم ہے جہاں نہایت اعلیٰ قسم کی شکر تیار ہوتی ہے اور اس کے شیرے سے شراب بنتی ہے یہ کارخانہ انگریزوں کی ایک کمپنی نے جاری کیا تھا جس کو گزشتہ نصف صدی میں کثیر منافع ملا ہے۔ ایک زمانہ تھا جبکہ جاوا کی دانہ دار شکر ہمارے ملک میں نہیں آتی تھی اس وقت اعلیٰ طبقوں میں روضہ کے شکر ہی استعمال ہوتی تھی اب چونکہ ولایتی شکر ارزاں پڑتی ہے اس کے علاوہ اور دوسرے شکر کے کارخانے بھی ہندوستان میں جاری ہوگئے ہیں اس لیئے اس کارخانہ کی زیادہ توجہ اب شراب سازی پر ہے۔ روہیلکھنڈ میں روضہ فیکٹری کے علاوہ ایک کارخانہ شکر سازی پیلی بھیت میں بھی چند سال سے جاری ہے لیکن پھر بھی گنجایش ہے کہ ایک مشترکہ کمپنی کی صورت میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک کارخانہ روہیلکھنڈ میں جاری ہو اور گورنمنٹ پنجاب کی طرح اس صوبہ کی گورنمنٹ بھی اس میں حصہ لے اُمید ہے کہ ہمارے صوبہ کا محکمہ صنعت و حرفت یا محکمہ زراعت اس ضرورت کو محسوس کرے گا اور شکر سازی کی صنعت کو امداد پہونچانے میں دریغ نہ کرے گا۔

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

نکمّی اشیاء سے روپیہ پیدا کرنا

بکائن کا درخت سب جگہ عام ہے۔ ہندوستانی بکاین اور پنجابی ڈیک یا ڈھریک کہتے ہیں۔ نیم کے قطع وضع کا درخت ہے۔ مگر نیم سے قد میں چھوٹا ہوتا ہے۔ پتے نیم کے مشابہ مگر دونوں طرف سے یکساں چوڑے اور کنگرہ دار ہوتے ہیں الغرض مشہور درخت ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اس کا پھل جنگلی بیر سے بڑا اور گول ہوتا ہے۔ پک کر زردی مائل سبز رنگ اور نہایت سخت ہو جاتا ہے۔ پھل کے گچھوں کے گچھے لگا کرتے ہیں جو پک کر گر پڑا کرتے ہیں اور یونہی ضایع ہو جاتے ہیں۔ آپ بہت سے پھل جمع کرلیں اور چارپائی کے بان سے رگڑ کر انھیں صاف اور مقشر (چھلا ہوا) کرلیں پھر احتیاط سے ایک برمے سے ہر ایک میں سوراخ کرلیں۔ تیز اور باریک برمے سے سوراخ جلد ہو جاتا ہے یا باریک نوکدار سلائی آگ میں تپالیں اور اس سے سوراخ جلد جلد کرتے چلے جائیں۔ جب بہت سے دانے سوراخدار تیار ہو جائیں تب بازار سے مختلف قسم کے رنگ لا کر ان میں الگ الگ رنگ لو۔ سُرخ۔ سبز۔ زرد و سیاہ وغیرہ پھر ان کو ڈورے میں پرو کر تسبیحاں بنا لو۔ اگر حساب سے شمار کرکے گنڈہ دار مالا بنائیں یعنی ۵ دانے سرخ ۵ سبز ۵ زرد ۵ سیاہ۔ پھر سرخ سبز زرد سیاہ تو نہایت خوبصورت مالا یا تسبیح بن جاگی۔

مسئلہ سود و قرض اور اس سے تجارت کی اسلامی راہیں

مندرجہ بالا عنوان سے حیدر آباد کے مشہور اخبار رہبر دکن کے سالانہ نمبر ۱۳۳۶ھ میں جو نہایت آب و تاب سے شایع ہوا ہی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا ایک مدلل فقیہانہ و عالمانہ مضمون شایع ہوا ہی جس میں کلام مجید کے نصوص قطعی و احادیث نبوی و امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادی مسائل سے استدلال کیا گیا ہی اور صاف صاف بتا دیا گیا ہی کہ ہندوستان میں جبکہ اسلامی قانون رائج نہیں اور یہ ملک "دار الکفر" ہی مسلمانوں کو اسلامی ممالک میں بعض اقتصادی مسائل میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو خدا و رسول کے احکام کے خلاف نہ ہو ہم مضمون کے اہم اور ضروری حصے ناظرین سود مند کے مطالعہ کے لیئے درج ذیل کرتے ہیں تاکہ وہ اس کو پڑھ کر اپنی صحیح رائے اس مسئلہ کے متعلق قایم کر سکیں آئندہ کسی اشاعت میں اسپر تبصرہ کر سکیں گے

ایڈیٹر

مولانا فرماتے ہیں: "مستامن مسلمان" کے لیئے فرض ہی، کہ جس غیر اسلامی حکومت میں وہ امن کی ضمانت لیکر داخل ہوا ہی وہاں کے مروجہ قوانین کی سختی سے پابندی کرے کسی کے مال و جان عزت و آبرو پر حملہ کرکے قانون وقت کو توڑنا غدر ہی، اور غدر قرآناً و حدیثاً و اجماعاً حرام ہی۔ الغرض قانون وقت کی پابندی اس کا ایک مذہبی فریضہ ہی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ لفافہ میں نصف ماشہ کا اضافہ، یا ریل کے سامان میں پاؤ سیر کی زیادتی بھی قانون نافذہ کے مقررہ وزن سے اس کے لیئے ناجائز ہی، اور یہی وجہ ہی کہ مسلمانوں سے زیادہ امن پسند قوم مذہبی حیثیت سے کوئی نہیں ہو سکتی۔

لیکن سوال اس وقت پیدا ہوتا ہی کہ "اسلامی قانون" کی رو سے ایک فعل ناجائز ہی۔ مثلاً یہی سود کا مسئلہ ہی کہ اس ذریعہ سے کسی دوسرے کا مال لینا اسلام میں قطعاً حرام ہی، مگر غیر اسلامی قانون میں اس ذریعہ سے تحصیل مال کی عام اجازت ہی، نہ صرف رعایا کو اجازت ہی، بلکہ حکومت بھی بڑے وسیع پیمانہ پر مختلف صورتوں میں اس کا کاروبار کرتی ہی۔ ایسی صورت میں اس "مسلمان" کو کیا کرنا چاہیئے" ظاہر ہی کہ . . . .

اس صورت میں اگر وہ "مستامن مسلمان" اس ذریعہ سے اس ملک کے غیر مسلم باشندے کا مال حاصل کرتا ہی۔ تو "نقض معاہدہ" یا "قانون شکنی" یا "غدر" کا وہ قطعاً مرتکب نہیں ہی، اور اس لحاظ سے مذہبی طور پر وہ "قانون غدر" کا تو قطعاً مجرم نہیں ہی

اب رہ گئی یہ بحث، کہ کیا اس نے کسی دوسرے سے ایسا مال حاصل کیا ہی، جس کے لینے کا گو قانون نے

اسے مجاز گردانا ہے۔ . . . .

. . . لیکن مذہب یا خدا اس کے لینے سے روکتا ہے؟ یا یوں کہو کہ اس نے کیا ایسا مال حاصل کیا ہے جو قانوناً نا جائز سہی لیکن اسلام کی رو سے وہ مباح نہ تھا، بلکہ معصوم تھا۔ ابھی شریعت "اسلامی قانون" بلکہ قرآن سے گزر چکا کہ اس قسم کا مال مسلمان کے لئے مذہباً غیر معصوم ہے، اور مباح ہے۔ پھر ایک مسلمان کیا کرے قرآن اور مذہب جس کو غیر معصوم، اور مباح کہتا ہے، کیا وہ اپنے مذہب سے روگردانی کرکے اس کو معصوم اور غیر مباح کہدے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس مال کو نہ قانون نا جائز قرار دیتا ہے، اور نہ شریعت حرام قرار دیتی ہے بلکہ اس کے لینے کا حکم دیتی ہے، غریب مسلمان آخر اس جائز کو کس طرح نا جائز، اور اس حلال کو کس طرح حرام کردے کیا وہ سلطنت کے قانون سے بغاوت کرے یا شریعت کے حکم کو توڑے۔ کیا اس کے بعد مسلمان کے لئے کہیں بھی پناہ ہے؟

اسلامی قوانین کا یہی وہ اضطراری تقتضٰی ہے کہ شریعت اسلامیہ کے سب سے بڑے محتاط، بلکہ بقول بعض عوام، سخت گیر امام امام الائمہ، قدوۃ الاتقیاء، قایم اللیل، التابعی المجتہد المطلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت بین اور غیر مبہم واضح لفظوں میں امام محمد نے سیر کبیر میں یہ "فتوے" نقل فرمایا ہے۔

واذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منہم اموالھم لطیب انفسہم باای وجہ کان لانہ انما اخذ المباح علی وجہ عری عن الغدر فیکون ذالک طیبا لہ (منقول از شامی ص ۲۱۰ ج ۴ مطبوعہ مصر) جب مسلمان دار الحرب (غیر اسلامی ممالک) میں امن کا معاہدہ کرکے داخل ہو، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہاں کے باشندوں (غیر مسلم) کی مرضی سے ان کا مال لے، خواہ ذریعہ کوئی بھی ہو، کیونکہ اس نے ایک مباح مال کو لیا ہے، اور ایسے ذریعے سے لیا ہے جو قانون شکنی "غدر" سے پاک ہے تو یہ مال اس کے لئے پاک اور طیب ہے!

ظاہر ہے کہ یہ "فتوے" اس عہد تاریک کا نہیں ہے، جس وقت مسلمان محکوم تھے، جس زمانہ میں امام رحمۃ اللہ نے شریعت سے اس قانونی دفعہ کو پیدا کیا تھا، غالباً اس وقت کسی کے حاشیہ خیال میں بھی مسلمانوں کے اعمال و افعال، عقائد و رسوم کی، وہ "زشتی" نہ تھی "جو مادر یورپ" کی شکل میں کیا ملک ظاہر ہو گئی، یہاں تک کہ علماء صالحین نے قوم عابدین کو عبادت کے کٹھرے کی طرف بھگانے کے لئے، اپنی میراثوں میں، غوثی و قطبی ہونے میں ان شیروں کو کچھاروں سے چھوڑ دیا، جو سب پر رحم کرسکتے ہیں، لیکن جس کا فریضہ "عبادت" تھا۔ ان کے لئے ان کے پاس کوئی رحم نہیں ہے، اور کہیں نہیں ہے۔ فقہا جب اس مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں، کہ کسی اسلامی مقبوضہ پر فرض کرو کہ غیر اسلامی حکومت قابض ہو جائے تو معاً بطور جملہ معترضہ کے "عیاذاً باللہ" کا بھی لفظ استعمال کرتے ہیں، یعنی اس فرض کو بھی فرض کرنے سے گھبراتے ہیں، ایسی صورت میں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام اعظم نے کسی وقتی ضرورت کے لئے

نہیں بلکہ کتنی سخت ہی مجبوریوں کے آگے گردن جھکا دی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ صرف قرآن ہی نہیں، بلکہ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس "فتوے" کی عملی تصدیق بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ جس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روم و ایران کی باہمی آویزش کے سلسلہ میں، قرآن مجید کی پیشگوئی پر اصرار کرتے ہوئے ایک غیر اسلامی ملک میں جو اس وقت حکومت اسلامیہ کے تحت نہیں تھا، یعنی مکہ مکرمہ میں قریش سے یہ "شرط" لگائی کہ قرآن ہی کی پیشگوئی پوری ہوگی، وہ پیشگوئی جب پوری ہوئی، تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے روسے لینے کا انھیں حکم دیا۔ فقہا ر اسلام اس عمل سے اس "اسلامی قانون" کی توثیق کرتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی "شرط" صریح "قمار بازی" (جوا) ہے جس کی حرمت، قطعی نصوص سے ثابت ہے؛

کیا یہ حکم صرف سود کے ساتھ مخصوص ہے

لوگوں میں یہ عجیب بات مشہور ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں میں سود حلال ہو جاتا ہے، اور زیادہ تر اصل مسئلہ کے نہ سمجھنے میں یہی تعبیر مانع آتی ہے۔ ورنہ مسئلہ کی بنیاد جس قرآنی قانون پر ہے اس کے لحاظ سے یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ جو چیز حرام تھی، وہ کسی وقت حلال ہوگئی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جو چیز ہمیشہ سے حلال تھی وہی حلال ہوئی، خدا جس چیز کو حلالاً طیباً فرماتا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی کو طیب فرماتے ہیں؛ ورنہ ایک مسلمان کو اس کا کیا حق ہے کہ قرآن جس چیز کو حرام کرے، اسے وہ اپنی رائے سے یا کسی معمولی ظنی خبر کی بنیاد پر حلال کردے۔ خصوصاً وہ جو واحد خبروں سے نص پر اضافہ کو کسی طرح جائز قرار نہیں دیتا، اور یہی وجہ ہے، کہ علاوہ اسی وجہ کا ان (قانون وقت کے جس جائز کردہ ذریعہ سے وہ مال ملتا ہو) کی عمومیت کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سود ہی کو نہیں، بلکہ "قمار" (جوا) کی ان ذرائع سے تحصیل مال کو طیب قرار دیا ہے۔ جس کی قانون وقت میں ممانعت نہ ہو۔ مثلاً یہی بیمہ ہو یا لاٹری انشورنس کا ذریعہ ہے، علماء اسلام کے نزدیک قمار اور سود کی یہ مرکب شکل ہے لیکن سیر کبیر میں امام محمد امام اعظم سے ناقل ہیں۔

او اخذ مالاً منہم بطریق القمار فذلک کلہ طیب اگر ان سے غیر مسلموں سے "جوا" کے ذریعہ سے مال لے گا تو یہ سب اس کے لئے پاک اور طیب ہے۔ سود کی شہرت کے سبب غالباً امام مکحول (جو محدثین کے نزدیک ایک ثقہ راوی ہیں) کی وہ مرسل حدیث ہے جو اسی مسئلہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے:-

عن مکحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لا ربوا بین الحربی والمسلم (اسندہ البیہقی) مکحول سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حربی (غیر مسلم) اور مسلمان کے درمیان ربوا (سود) نہیں ہے۔

لوگ اس کا مطلب نہ معلوم کیا سمجھتے ہیں، ورنہ ظاہر الفاظ سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلم اور

غیر ذمی مسلمان کے درمیان اگر سود کا بھی معاملہ ہو، تو وہ سود سود ہی نہ ہوگا۔ بلکہ قرآن ہی قانون "اباحت" کے تحت یہ مال مسلمان کے لیئے طیب وحلال کر دیتا ہے۔

بہرحال اسلامی شریعت قرآن حدیث عمل صحابہ کی رو سے یہ ایک ایسا واضح اور صاف قانون ہے جس کے انکار کی کوئی گنجایش نہیں ہے، لوگ مکحول کی حدیث مرسل کے متعلق حجیت و عدم حجیت کا سوال اُٹھاتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں تو تائید میں پیش کی جاتی ہیں ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے اموال کے طیب و حلال ہونے کا حکم تو قرآن کے نصوص صریحہ کی واضح عبارت کا نتیجہ ہے۔ علامہ ابن ہمام نے بالکل صحیح لکھا ہے وفی التحقیق یقتضی انہ لولم یرد خبر مکحول اجازۃ النظر المذکور فتح القدیر ص ۱۰۱ ج ۷۔ اور تحقیق کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر مکحول کی روایت نہ بھی وارد ہوتی تو مذکورہ بالا "نظر" اس کی اجازت دیتی ہے۔ صاحب بدایع نے اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی صحیح تعبیر یہ کی ہے۔

وعلی ہذا اذا دخل مسلم اوذمی دار الحرب بامان فعاقد حربیا عقد الربا او غیرہ من العقود الفاسدۃ فی الاسلام جاز ص ۱۳۲ ج ۱۔ اور اس بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر مسلمان یا ذمی دار الحرب (غیر اسلامی ملک) میں امن کا معاہدہ کرکے داخل ہو، اور کسی غیر مسلم سے اس نے ربوا (سود) کا معاملہ کیا، یا اس قسم کا کوئی معاملہ کیا جو اسلامی قانون کی رو سے فاسد ہو، تو وہ معاملہ جائز ہوگا۔

فے اور پھاؤ کی اصطلاح

اور اسی لیئے میرا ناچیز خیال ہے کہ اس قسم کی تمام "آمدنیاں" جو مسلمانوں کو غیر اسلامی حکومتوں میں قانوناً میسر آسکتی ہیں اُن کو بجائے سود یا قمار یا جوا وغیرہ کہنے کے، مناسب ہوگا کہ اس کا خاص نام "فے" رکھدیا جائے جس کے معنی گویا یہ ہوں گے کہ وہ مال جو بغیر کسی حرب وقتال، جنگ و جدل کے دوسری اقوام سے ان پسندانہ طور پر، قانون و فت کی پوری پابندی کے ساتھ مسلمانوں کو ملا۔ مجھے ایسا خیال آتا ہے کہ ہندی میں ایک لفظ "پھاؤ" کا ہے، جو قریب قریب "فے" کا ہم تلفظ بھی ہے، اور غالباً ایک حد تک اسی معنی کو ادا بھی کرتا ہے، خواص تو ان آمدنیوں کو اپنی "فے" کی آمدنی کہیں گے، عوام کی زبان پر "ف" نہ چڑھے گی تو وہ اس کو "پھاؤ" کہدیں گے۔ اس تعین اصطلاح کی ایک بڑی ضرورت وہ وجہ بھی ہے جو بعض ثقات اسلام کی جانب سے اس مسئلہ کے متعلق بطور اندیشہ یا خطرہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اس مسئلہ کا اعلان کر دیا گیا تو ممکن ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد مسلمان اس کو بھول جائیں گے، کہ سود قمار اور اسی قبیل دوسرے ذرایع، ان کی شریعت میں حرام بھی سمجھے یا نہیں۔ اسی لیئے میرا خیال ہے کہ ان آمدنیوں کا نام "فے" رکھا جائے کہ اس لفظ سے مسلمانوں کو یہ یاد آتا رہے گا، کہ غیر اقوام سے ان کے شرعی تعلقات کیا ہیں اور غیر اسلامی حکومتوں کے معاہدہ امن کی تکمیل

ان پر شرعاً کس حد تک لازم ہے۔ آخر میں جن کاروباری معاملات سے خدا ناراض نہیں، قانون خوش، حکومت خوش، دینے والے خوش، لینے والے خوش، ان کے اختیار نہ کرنے میں مسلمانوں کو کس چیز سے ڈرنا چاہیئے فے سے انکار قومی جرم ہے۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچے کھچے سرمایہ دار قلیل البضاعت، اس کو حلال ہی نہیں بلکہ بالفاظ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ طیب آمدنی کو جسے میں فے یا بچاؤ کہتا ہوں، اور جس کے متعلق قرآن کا صحیح حکم فکلوہ حلالاً طیبا ہے۔ لیکر قومی جرم اور قومی خودکشی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے سرمایہ جو بنکوں میں محفوظ ہیں ان کے لاکھوں روپے کا "فے" صرف یہی نہیں کہ اسلامی قوتوں کی بالیدگی ہے اور مسلمانوں کے لیئے معاشی راہوں کے کھولنے سے ہر سال بے کار رہ جاتا ہے۔ بلکہ سُنا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اسی "فے" کی آمدنی نے مسلمانوں ہی کے بچوں، عورتوں، اور غریبوں کو اسلام سے چھڑا چھڑا کر محمد رسول اللہ کی صف سے توڑ توڑ کر، غیروں کی صف میں بھرتی کیا جا رہا ہے۔ کھلے بندوں

یخرجون الرسول وایاکم ان تومنوا بربکم (سورہ ممتحنہ) نکالتے ہیں رسول اللہ کو اور تم کو یہ کہ تم اپنے "رب" پر ایمان لائے۔ کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ یہ اپنی قوم کیساتھ غداری نہیں تو اور کیا ہے۔ ہائے مسلمانوں ہی کی چاندی کی چھری سے مسلمانوں کا ذبح کرنا، کس نے جائز قرار دیا کیا خدا نہیں دیکھ رہا ہے۔ امام دنیا والدین، رسول رب العلمین خاتم المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم تک یہ خبریں نہیں پہونچ رہی ہوں گی، محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو دُنیا والو دیکھو! سود کی جالوں میں پھنسا کر، پورب، پچھم، اُتر، دکھن کے لوگ دل کھول کر شکار کر رہے ہیں، سود دو، یا کھیت دو، مکان دو، یا عرب کے امی لقب صلے اللہ علیہ وسلم کا آستانہ چھوڑو! ان مہروں کی شطرنج پر کیسی دردناک بازیاں کھیلی جا رہی ہیں۔

بنک کا سود

سچ یہ ہے کہ بنک زیادہ تر سودخواروں کی باضابطہ کمپنیوں کا نام ہے۔ لیکن جب اس کا تنظیمی و اختیاری عملہ وہ نہیں ہوتا جن سے مسلمانوں کو روکا نہیں گیا ہے تو اب یہ اس کمیٹی کی ممبری یا رکنیت نہیں ہے بلکہ اس کمیٹی سے معاملہ ہے جو لوگوں کو سود پر قرض دیتی ہے پس مسلمانوں کو اس طیب "فے" سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ کمیٹی کیا کرتی ہے، کس کو قرض دیتی ہے، کن سے سود لیتی ہے اس کا اپنا معاملہ اور جداگانہ عقد ہے، جس سے اس معاملہ کو قطعاً تعلق نہیں جو ایک مسلمان نے ارباب بنک سے کیا ہے، بلکہ "بین الملی قوانین" کے جو دفعات "آئین اسلامی" سے گزر چکے ان کے سامنے رکھنے کے بعد بنک والوں کے سارے کاروبار بھی جس کسی سے ہوں صحیح ہو جاتے ہیں۔ فلیتدبر

ہاں! میں نے پہلے بھی کہا ہے، اور اب بھی کہتا ہوں اور ہمیشہ کہونگا، کہ جو ایسا کرتے ہیں،

وہ وطن کی پاسبانی نہیں کر رہے ہیں، وطن والوں کے ساتھ وطن کے مزدوروں کے ساتھ، غریبوں کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہیں، لیکن جو وطن کا محافظ ہے جس حکومت کو وطن کے باشندوں کی نگرانی سپرد کی گئی ہے جب وہی ان معاملات کو وطن کی بہبودی اور ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہے، اور خود وطن والے بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں تو مسلمان وطن کی وفاداری میں کیا اپنی قوم سے غداری کریں۔ حالانکہ وطن تو وطن ان پر تو خاندانی حقوق کے سلسلہ میں بھی قومی غداری حرام ہے، قرآن کا عام اعلان ہے

من تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیمۃ یفصل بینکم واللہ بما تعلمون بصیر (حق سبحانہ تعالیٰ) تمہارے رشتے اور بچے قیامت کے دن کام نہیں آئیں گے خدا تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہمیں صبر کا حکم دیا گیا ہے اور خاص وقت تک صبر ہی ہمارے لئے بہتر ہے، لیکن کیا قانون "صبر" کے ساتھ "مجازاۃ بالمثل" کی بھی قرآن ہی نے تعلیم نہیں دی ہے۔

فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین۔ اگر تم پر زیادتی کی جائے تو تم بھی اتنی زیادتی کرو جتنی تم پر کی گئی اور اگر عفو ہو کے صبر کرو گے، تو صبر کرنے والوں کے لئے یہی بہتر ہے۔

لیکن "صبر کی کوئی نہایت بھی ہے؟ استقلال کی کوئی حد بھی ہے جس نے صبر سکھایا آخر اسی نے تو، لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ۔ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بھی سکھایا، قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے سونے والے "یورپ" کے غازی صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تہلکہ کی جو تفسیر فرمائی ہے، عوام نہیں، تو کیا اس سے خواص بھی جاہل ہیں۔

"قے" کا نہ لینا وطنی جرم بھی ہے

بلکہ سوچنے والے تو یہ کہتے ہیں، کہ اس "قے" کا نہ لینا صرف اپنی قوم کے ساتھ نہیں، بلکہ وطن والوں کے ساتھ دشمنی ہے، زہر کھانے والے کو دیکھ کر صرف دل میں افسوس کرنا، یا زبان سے صرف پند و نصیحت پکارنا، یہ حقیقی ہمدردی ہے، یا آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے زہر کا چھین لینا،

روپیہ کی حفاظت

روپیہ کی حفاظت کرنا روپیہ کمانے سے زیادہ مشکل ہے۔ ہندوستان میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں ہے کہ جنھوں نے روپیہ کو خوب کمایا۔ مگر وہ اس کی حفاظت نہ کر سکے اور اس واسطے ان کی آخری زندگی تکلیف اور مصیبت میں گزری۔ پس روپیہ کی حفاظت کا مسئلہ نہایت سخت ہے۔

"جہالت اور غلامی کے کرشمے"
عمل عملیات اور گنڈے تعویذ

ناظرین کرام آئے دن اخبارات کے اشتہارات میں "روحانی عملیات" کے ماہرین کے اشتہارات تو ملاحظہ کرتے ہوں گے کسی "عامل" کو تو اپنے "حب" کے تعویذ پر ناز ہے۔ جو سنگدل سے سنگدل معشوق کو عاشق کے قدموں پر ڈال دینے کا دعوے بڑی بلند آہنگی سے کر رہا ہے۔ گویا غرور حسن کو عشق کی نیازمندی میں تبدیل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے کوئی "ہمزاد" کو تابع کرنیکا طریقہ بعوض مبلغ بیس روپیہ ارسال کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے۔ ایک اور صاحب ہیں جو خضر علیہ السلام کو شیشہ میں اُتارنے کی فکر میں غلطاں نظر آتے ہیں لیکن دس روپیہ کا منی آرڈر پیشگی آنا ضروری ہے۔ جس ملک میں ایسی ایسی شخصیتیں موجود ہوں وہاں جہالت اور عملی فرومائگی کا اندازہ لگانا کوئی زیادہ مشکل امر نہیں۔ جنوں کے "جادو شکن" عامل تو آپ نے اکثر سُنے ہوں گے جنھیں اپنی "فتوحات" پر بجا طور پر ناز ہے۔ بڑے بڑے عفریت صفت جنوں کو عورتوں پر مسلط کر دینا اور پھر اسی لحظہ نکال کر بھگا دینا ان کے کمالات کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے لیکن یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بھوت پریت کا "سایہ" عورتوں پر ہی پڑا کرتا ہے۔ اکثر اوقات یہی دیکھا گیا ہے کہ مکار عورتیں خود بخود جن اپنے اوپر مسلط کر لیتی ہیں اس فریب سے اُن کے کچھ مقاصد وابستہ ہوتے ہیں جن کی تفصیل عامل صاحب یا پیر صاحب ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جہاں کسی بیچاری عورت پر ہسٹیریا (اختناق الرحم) یا اسی قسم کی کسی غیر معروف بیماری کا حملہ ہوا بس رشتہ داروں کو یقین ہو گیا کہ اس کو جن چمٹ گیا ہے۔ عورت بیچاری مرض کے دورہ کی وجہ سے نیم بسمل کی طرح تڑپ رہی ہوتی ہے۔ لیکن ادھر "پیر صاحب" کی عملیاتی بتیاں جلا کر بیچاری کے ناک میں دھواں دیا جاتا ہے کہ رہی سہی عقل بھی معطل ہو جائے۔ یہ سب خرافات ہیں۔ لیکن عوام کا ان باتوں پر نہایت مستحکم یقین ہے۔ یہ سب جہالت کی کارفرمائیاں ہیں۔

پیروں اور مشائخ کا تو یہ کام ہے کہ ملک میں نیکی اور بھلائی پھیلائیں۔ لیکن (انہی میں سے کئی) حضرات چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی تعویذ دیتے ہیں اور عمل سکھلاتے ہیں کہ اگر قرآن کی یہ آیت پڑھو گے تو کامیاب رہو گے۔ سات دفعہ بسم اللہ کہکر نقب لگانا۔ اگر مخالفوں میں محصور ہو جاؤ تو یہ دُعا پڑھنا اور جو مال لاؤ اُس کی زکوۃ نکالنا اور ہماری نذر بھی کرنا۔ یہ داستان یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ سُنا گیا ہے کہ پنجاب کے بعض پیروں نے جنگ عظیم کے دوران میں اپنے فوجی مریدان اخلاص شعار کو بدیں غرض تعویذ عطا فرمائے

کہ وہ تو ترکوں کی گولیوں سے محفوظ و مصؤن رہیں گے لیکن ان کی گولیاں مسلمان ترکوں کے سینے چھلنی کر کے رکھ دیں گی۔

آہ! کیا یہی ہیں وہ شہسواران طریقت و معرفت جنھیں اپنی سجہ گردانی اور سجادہ نشینی پر ناز ہے جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے پیشوا تصور کرتے ہیں لیکن نہیں ہیں ان کے طرز عمل سے اندوہگین نہیں ہونا چاہئے انھیں تو اپنے گنبد دستار اور قبہ فضیلت کے لئے اینٹ چاہئیں۔ اس کے لئے خواہ (معاذ اللہ) اسلام کی بنیادیں نہ متزلزل کرنی پڑیں۔

"حب" کے تعویذ

اسی ضمن میں "حب" کے تعویذوں کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ آخر لوگ ان پیروں اور عاملوں سے ایسے تعویذ کیوں لیتے ہیں یہی تا کہ فلاں عورت ہم پر شیدا ہو جائے۔ فلاں کی بہو یا بیٹی سے ہمارا تعلق قایم ہو جائے، فلاں حسین لڑکی "بے قرار" ہوکر ہمارے پاس چلی آئے۔ کیا یہ فسق و فجور کی علانیہ حمایت نہیں؟ اور کیا یہ عامل اور جاہل پیر سخت سزا کے مستحق نہیں؟ اور پھر لطف یہ ہے کہ "حب کے تیر بہدف تعویذوں کی جستجو میں ہم نے بڑے بڑے سفید ریش بزرگوں کو بھی دیکھا ہے۔ پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اس عمل شنیع میں بھی حصول مقصد کے لئے قرآنی آیات استعمال کی جاتی ہیں۔ کیا یہ تمام اعمال شریعت کے منافی نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کو ان جاہل عاملوں اور نقلی پیروں پر اس قدر اعتماد ہے یہ سب جہالت اور غلامی کے کرشمے ہیں۔ خدا کرے کہ جہالت ہمارے ملک سے نیست و نابود ہو جائے تاکہ ساتھ ہی ان خرافات اور بیہودگیوں کا بھی قلع قمع ہو سکے۔ (وطن)

دوکان کیسی ہو

سوداگری کرنے کے لئے دوکان انتخاب کرنے سے پہلے ذیل کی باتوں کو جانچ لو۔

(۱) میل اور منڈی میں دوکان لو یعنی جہاں اسی قسم کی اور دوکانیں ہوں۔ یعنی اگر بزازی کی دوکان کھولنا ہے تو بزازہ میں۔

(۲) ایسی دوکان لو جو دھوپ اور بارش سے مال کی بخوبی حفاظت کر سکے اور مال خراب نہ ہونے پائے۔

(۳) ایسی دوکان ہو جس کے قریب گرد زیادہ اڑتی ہو۔ یا پرانی ہو اور اس میں سے مٹی گرتی ہو کیونکہ اس میں مال کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یاد رکھو کہ مال کی آبادی ہی بکتی ہے اور تجارت میں صفائی ضروری ہے۔

(۴) اگر دوکان کا موقع اچھا نہ ہو تو کرایہ کا لالچ نہ کرو۔ بعد میں تبدیلی کا خیال غلط ہے کیونکہ اول تو ایسی دوکان پر بکری کم ہوگی۔ دوم دوکان کی تبدیلی سے تجارت میں نقصان ہوگا خریدار اکھڑ جائینگے۔ پھر بہت دنوں کے بعد نئے سرے سے دوکانداری قایم ہو سکے گی۔

(۵) دوکان وقت پر کھولو اور بند کرو۔

سٹہ بازی یا قمار بازی

اور

اس سے ملک کی تباہی

سٹہ کی دو۲ اقسام ہیں، ایک ماہوار اور دوسرا ہفتہ وار۔ ماہوار سٹہ تو ہندوستان کے ہر گوشہ میں کھیلا جاتا ہے اور وہ افیون کے نیلام پر موقوف ہے۔ جن اعداد پر یہ نیلام ختم ہوتا ہے۔ انھیں اعداد پر ہار جیت کا انحصار ہے۔ اس کا صدر مقام کلکتہ ہے۔ جہاں ہندوستان کے لیئے افیون کی مقدار درآمد کی جاتی ہے۔ اور حکومت کے کارندے اس کو نیلام کرتے ہیں۔ حکومت کا سٹہ کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔ زرکشی کا یہ طریق محض ان لوگوں کی دماغی کرشمہ آرائی کا ایک بدترین نمونہ ہے۔ جو اس موقع سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے سٹہ میں بددیانتی کا شائبہ نہ پایا جاتا ہو اور عدد کی اشاعت میں کوئی فریب مضمر نہ ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ اعداد کی خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز قمار بازی میں مختلف طریقے استعمال کیئے جاتے ہیں لیکن نتائج کی روسے کوئی نہ کوئی عدد مفروضہ ضرور قائم رکھا جاتا ہے۔ قانون حکومت نے جب اس طریقہ داد و ستد کے جرائم کی فہرست میں داخل کر دیا ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ سٹہ کو اس سے کیوں مستثنےٰ سمجھا جاتا ہے۔

سٹہ کی دوسری قسم ہفتہ وار صورت میں کھیلی جاتی ہے۔ لیکن ماہوار اور ہفتہ وار کے اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے جس طرح ماہوار سٹہ اکائیوں اور دہائیوں کی فروخت پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ہفتہ وار سٹوں میں بھی حرفوں اور دہائیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ حرفوں کی برآمدگی پر ایک کے نو روپے دیئے جاتے ہیں۔ اور دہائیوں کی فروخت دوکانداروں کی تجویز کردہ شرح کے حساب سے جو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپے سیکڑہ تک دیکھی گئی ہے عمل میں آتی ہے۔ عام طور سے سٹہ باز ہی اس فعل کو اقتصادی و تجارتی رنگ دے کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ چونکہ اعداد فروخت کیئے جاتے ہیں۔ اس لیئے یہ جوا نہیں کہلا سکتا مگر جس حالت میں کہ قمار بازی کی طرح یہ سارا کھیل مفروضات پر منحصر ہے کوئی وجہ نہیں کہ اس کو بھی مجرمانہ فعل کی صف میں داخل نہ کیا جائے۔

منگل کے روز حرف کھلتا ہے۔ ماہوار سٹہ کا نتیجہ بھی اس ہی روز ظاہر ہوتا ہے۔ عرف عام میں اس دن کو قتل کا دن کہا جاتا ہے بلاشبہ وہ دن ہے جبکہ لاکھوں کروڑوں مخلوق کف افسوس ملتی دیکھی جاتی ہے۔ مقامی طور پر ایسے بے شمار افراد دیکھنے میں آتے ہیں جنھوں نے زندگی کے اندوختہ کو چند ہی ہفتوں میں برباد کر دیا اور اب نان شبینہ تک کو محتاج ہو رہے ہیں۔ سیکڑوں انسان منگل کے روز لٹ جاتے ہیں۔ اور دن دہاڑے

لُٹ جاتے ہیں مگر حرف شکایت زبان پر اس لیئے نہیں لاسکتے کہ وہ خود ڈاکوؤں کے پاس جاکر اپنا دامن جھاڑ دیتے ہیں۔ گو ان کی تہی دامنی کی تہہ میں اُمید کی ایک شعاع ضرور جھلک رہی ہوتی ہے۔ مگر وہ تو ہزاروں میں سے کسی ایک ہی کی آنکھ کو روشن کرتی ہے۔ اگرچہ اس کی حقیقت عارضی ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ روپیہ جو اس طریق سے حاصل ہوتا ہے۔ بہت جلد لہو ولعب میں صرف ہو جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ اس علت میں زیادہ تر مسلمان ہی مبتلا ہیں۔ جن کی مفلوک الحالی کسی شرح کی محتاج نہیں اس وبا میں مرد تو گرفتار تھے ہی اب عورتیں بھی اپنے روزانہ مصارف سے کچھ نقدی پس انداز کر کے حرام کے راستہ پر صرف کر رہی ہیں۔ یقیناً کوئی باغیرت انسان اس فعل شنیعہ کا ارتکاب روا نہیں رکھ سکتا۔ مذہب نے قماربازی اور اس قسم کے جملہ اشغال بد کو محض اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ ان سے نفع کم اور نقصان بہت زیادہ پہونچتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گناہ سے غیرت قومیت میں اضمحلال اور ضعف پیدا ہوتا ہے چنانچہ وہ مرد جو حلال کا روپیہ حرام میں صرف کرتا ہے۔ اس میں اس قدر غیرت ہی باقی نہیں رہتی کہ وہ خود اجتناب کرے۔ اور دوسروں کو مجتنب رہنے کی ترغیب و تحریص دلائے۔

اگرچہ ہندو قمی باز کسی کو سٹہ لگانے پر مجبور نہیں کرتے۔ مگر سر بازار دوکانوں پر بیٹھ کر باقاعدہ اس کام کو جاری رکھا جاتا ہے۔ جس حالت میں قماربازی کا منظر عام پر اور کسی پوشیدہ مقام پر جاری کرنا جرم ہے کیا حکومت اس فعل کو جس کا نتیجہ اکثر و بیشتر اس کی غریب و قلاش رعایا کے حق میں تباہی و بربادی کا مترادف ہے۔ بند نہیں کر سکتی۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ حکومت جو انصاف، حق پسندی، قانون اور رعیت پروری کے بل بوتے پر قائم ہے سٹہ بازی کے خلاف جلد از جلد انسدادی تدابیر عمل میں لاکر اہل ملک کو متشکر و ممنون ہونے کا موقع دیگی۔ (وطن)

ہندوستان کا دودھ

غیر ملکوں میں خوب کھپ سکتا ہے۔ خود اندرون ملک میں خالص اور جراثیم سے پاک دودھ کی اشد ضرورت ہے یہاں کے لوگ ویسے تو دودھ اور گھی کا ادراک کرتے رہتے ہیں لیکن عملاً ان کو خالص دودھ اور اصلی گھی کی پرواہ نہیں۔ یہ اتنی بڑی صنعت ہے کہ اس سے کئی ایک بیکاریوں کو باکار بنایا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ لوگوں کو اخبارات کے ذریعہ سے اصلی گھی اور ستھرے دودھ کے استعمال کا شوق دلایا جائے۔ صوبہ بنگال اس بارہ میں کوشش کر رہا ہے۔ پنجاب میں آغا عطاء اللہ خاں صاحب سرکل رجسٹرار لاہور بھی اس جد و جہد میں ہیں۔ کہ پنجاب میں خالص دودھ کی بہمرسانی کا انتظام ہو جائے۔ جو لوگ اس کے ماہر خصوصی ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اس تجارت کو اندرون و بیرون ملک ترقی دینے کی تدابیر بتائیں۔ بہرحال اہل ملک کو اس معاملہ کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے۔

کاروباری سود کا جواز و عدم جواز

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ
تو شیطاں سے اس کو سمجھو زیادہ

مجھے ایک دوست سے ایک آٹھ صفحہ کا رسالہ ملا جس کا نام ہے "رافع الضنک عن منافع البینک" یہ بینک انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کی کتابت بلحاظ تلفظ ب۔ی۔ن۔ک ہونا چاہیئے نہ کہ صرف بنک بحذف یائے تا وقتیکہ بینک میں کی یائے کو سود سمجھ کر رد نہ کر دیا جاوے۔ خیر یہ رسالہ قبلہ جناب مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب کا تالیف فرمودہ ہے جسے جناب مولوی محمد عثمان صاحب مدیر الہادی دہلی نے شایع کیا ہے مجھے اس رسالہ کے مطالعہ سے حیرت بھی ہوئی اور مایوسی بھی۔ حیرت تو اس لئے کہ ہمارے بعض علمار تجارتی منافع یا کاروباری سود (بینک کا سود) کو ربوا کیوں تصور کر لیتے ہیں اس کا موجب کیا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ایسے صاحب علم بزرگ ربوا اور کاروباری سود میں تمیز نہ کر سکتے ہوں۔ ربوا واقعی حرام ہے اسے خدا نے حرام کیا ہے تو کسی بندۂ خدا کو یہ جرات کہاں کہ وہ ربوا کو حلال کہہ سکے لیکن ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی جانتا ہے کہ کاروباری سود یا بینک کے منافع کو ربوا سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ مایوسی اس لیئے ہوئی کہ ہمارے ہادی کیوں کبھی ہماری فلاح و بہبود کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ وہ کیوں ہمیشہ اُلٹے ہمیں فلاکت کے گڑھے میں ڈھکیل دینے میں کوشاں دکھائی دیتے ہیں؟

مذکورہ بالا رسالہ میں مخدومی جناب سید طفیل احمد صاحب کے اصلاحی کام کی مخالفت کی گئی ہے۔ سید صاحب ممدوح ایک ہمدرد قوم بزرگ ہیں ان کے دل میں مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کی سچی تڑپ ہے۔ آپ نے بدایوں سے ایک ماہوار رسالہ موسوم بہ سودمند جاری کر رکھا ہے۔ اس رسالہ کے اغراض و مقاصد مسلمانوں کی بہتری کی مساعی ہیں رسالہ سودمند میں مفید و سبق آموز مضامین شایع ہوتے ہیں۔ اس رسالہ کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں کاروباری سود یا منافع (اس کی تشریح یا تعریف یعنی ربوا اور کاروباری سود میں فرق دیکھنا ہو تو خاکسار کا مضمون مندرجہ رسالہ سودمند بابت ماہ جولائی ۱۹۲۷ء بعنوان مسلمانوں میں زکوۃ کی مقدار کیونکر بڑھائی جاسکتی ہے ملاحظہ ہو) کے لین دین کا احساس پیدا کیا جاوے جس کے جواز کا اکثر علمار کرام نے بھی فتوے صادر فرمادیا ہے۔ لیکن جناب مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب نے بینک وغیرہ کے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اور جناب مولانا محمد عثمان صاحب کے نزدیک سید طفیل احمد صاحب مسلمانوں کو گمراہی کی طرف

لیجاتے ہیں۔ جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب نے اپنے فیصلے یا فتوے کے ساتھ ایک نوٹ بھی دیا ہے کہ یہ رسالہ بینک وغیرہ سے سود لینے کے مسئلہ میں میری آخری تحقیق ہے۔ اگر کوئی تحریر میری اس کے خلاف دیکھی جاوے وہ سب اس سے منسوخ ہے اس نوٹ سے یہی معنے لیئے جاسکتے ہیں کہ اگر اس سے پہلے آپ نے کوئی فتوے کسی صورت میں کاروباری سود کے جواز کا دیا ہو تو وہ منسوخ تصور کیا جاوے میرے خیال میں اس نوٹ یا تنبیہ سے قارئین کے دلمیں وساوس کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں مثلاً یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ مولانا ممدوح کبھی کبھی ادھوری یا نامکمل تحقیق پر بھی فتویٰ صادر فرمادیا کرتے ہیں۔ اور جناب مولانا صاحب کے ان الفاظ سے کہ یہ میری آخری تحقیق ہے یہ نتیجہ اخذ کرنا شاید غلط ہو کہ ممدوح نے اس مسئلہ کے متعلق آئندہ تحقیق کا سلسلہ بند کر دیا ہے اور اگر بند نہیں کر دیا تو ممکن ہے قریبی مستقبل میں ہی کوئی جواز کی صورت نکل آئے۔ اگر تحقیق جاری رہے تو نئے نئے انکشافات کا ظہور عجب انگیز نہیں کہا جاسکتا۔ یہاں کچھ اُمید کی جھلک بھی نظر آتی ہے جس طرح ممدوح نے اپنی پہلی ہی قسم کی تحریروں کو منسوخ کر دیا ہے اگر آئندہ اس مسئلہ کی بہترین صورت مل جائے تو جناب مولانا صاحب اپنے موجودہ یا رائج الوقت فتوے کو بھی منسوخ یا اس میں مناسب ترمیم کر دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے وغیرہ

میں نے اس رسالہ کا ذکر ایک محترم دوست سے کیا ساتھ ہی اپنی مایوسی اور حیرت کا ذکر بھی کر دیا سُن کر انھوں نے فرمایا اس میں حیرت کی کونسی بات ہے؟ ہمارے علما کا ایسا وطیرہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم ہندوستانی مسلمانوں کو عرصہ دراز سے ایسی ایسی ضربات لگائی جاتی رہی ہیں مگر ہم کچھ ایسے سخت جان ہیں کہ ابتک پارینتں کا نعرہ لگائے جاتے ہیں ع آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

انگریزی عملداری کے شروع شروع میں ہمارے مولوی صاحبان نے ہم پر تعلیم انگریزی حرام کر دی تھی جس اصلاحی تلقین نے ہمیں سیاست نگر سے کم و بیش پچاس برس کی مسافت پر پیچھے ہی روکدیا۔ وہ تو خدا غریق رحمت کرے سرسید مرحوم کو اس ناقابل تلافی غلطی کا احساس ہو گیا ورنہ ابتک میدان سیاست میں ہمارا داخلہ ہی بند ہوتا۔ اس کے ساتھ کاروباری سود حرام بتلا کر ہمیں دنیا کی منڈی سے نکلوا دیا حالانکہ تجارت ہمارا ورثہ تھا۔ گویا ہمیں کہیں کا نہ رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تعلیم و تجارت دونوں سے دور دور رکھے گئے تو ہم نے بیکار سے بیگار بھلی سمجھ کر مرغ بازی۔ بٹیر بازی وغیرہ میں اپنا وقت گزارنے کے رستے ڈھونڈھ نکالے ع کچھ شغل ضرور ہے آخر برائے دل

یہ دو بڑے بڑے قومی یا اجتماعی فلاکت کے کام یا ہم پر احسان تو اب سے دور کسی وقت پرانے فیشن کے مولویوں نے کیئے تھے۔ اب عہد حاضرہ کے (سیاسی) علما نے ہم پر سرکار انگریزی کی ملازمت حرام قرار دیکر ہمیں رہی سہی محنت اور ذمہ داری کی عادت سے بے نیاز کر دیا۔ گویا کوٹھوں اور تکیوں کے سوا اور کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا جن مقامات میں ہم ہیں اور ہمارا اور دع صبح سے شام ہوئی شام سے پچھلا پہرہ

اس کا ثواب غالباً انھیں بزرگوں کو ہوگا۔ ایسے ایسے آل انڈیا بخشش اور رودار میں قوم پر فلاں بزرگوں نے تو

کچھ عرصہ بیشتر مسلمانوں کے لیئے ہندوستان سے ہجرت کے جواز کا فتوےٰ دیکر انہیں شہر بدر کر دینے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا
رکھی تھی وہ تو سمجھو اللہ میاں کی رحمت کام آگئی کہ نئی روشنی کے مہاجرین پر جنت کا دروازہ جلد بند ہوگیا اور انہیں لوٹ کر
پھر انگریز کے در پر ناصیہ فرسائی کرنا پڑی۔ پھر بھی شکر کا مقام ہے بیٹھنے کو جگہ تو مل گئی ورنہ گھر کے نہ گھاٹ کے کہلانے میں
کمی ہی کونسی رہ گئی تھی۔ گو ایسے علماء کی نسبت سرسید مرحوم جیسی برگزیدہ ہستی کی شہادت ہمارے سامنے ہو کہ ہمارے
علماء جنھیں قوم کی اصلاح میں بہت کچھ دخل ہے ضروریات زمانہ سے محض ناواقف ہیں۔ ایک شخص کا قول ہے جو شخص اپنی روزی
خود نہ کماتا ہو اس کی عقل سلیم پر کارکنانِ قدرت کے ہاتھوں ایک بے پناہ اور ناقابل تلافی ضرب لگائی جاتی ہے تو جہاں
عقل سلیم مسلوب ہو وہاں واقفیت کے لیئے جگہ کہاں؟ مگر ہم مسلمان ہمیشہ سے اپنے جملہ علماء کا حد سے زیادہ احترام
کرتے رہے ہیں۔ ہم نے اپنے رہبروں کی ایسی ایسی شدید ضربوں کا کبھی ان کے منہ پر گلہ تک نہیں کیا اس پر بھی ہمارے
رہنماؤں کو ہماری بھلائی کا خیال کبھی نہ آیا۔ ہم ان کے بے نتیجہ کفر کے فتووں سے ہمیشہ لرزہ براندام رہے اس پر
بھی شاید ہی قوم کا کوئی ہمدرد یا بزرگ ہوگا جو ان کے اس ہردم تیار اور بے ضرر کند حربے سے بچا رہا ہو۔ اور تو
اور سرسید مرحوم ومغفور جیسے عالی مرتبت اور فنا فی القوم بزرگ بھی اس کافر گری کی زد سے نہ بچ سکے۔ کہتے
ہیں ہندوستان میں جہاں جہاں مولویت کے مراکز ہیں وہاں سے عموماً بلا طلب اور بلا لحاظ موسم فتاوے کفر
کے پارسل ملک کے اطراف و جوانب میں بھیجے جاتے ہیں اگر کسی وقت پبلک میں سے کوئی اس اعزاز کا اہل دکھائی
نہ دے تو اکثر علماء کی پارٹیاں آپس میں ایسے تحائف کا تبادلہ شروع کر دیتی ہیں۔ غالباً ایسے ایسے بزرگوں کے ہی
قسم کے مشاغل کی تصویر ایک مرحوم آفتاب قوم نے ان الفاظ میں کھینچی تھی ؎

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر   بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

ایسے حالات میں اگر مسلم پبلک از خود اس بحث میں پڑ کر کسی فیصلہ کن مفید نتیجہ پر پہنچ جاوے تو کیا برا ہے؟
ایک اہم ترین مسئلہ ہے جس پر قوم کی بہتری اور فلاح وبہبود کا بہت کچھ دارومدار ہے اور یہ وقت اس مسئلہ کو
حل کر لینے کے لیئے موزوں تر زمانہ ہے یا اگر مناسب نہ ہو تو فرداً فرداً فتاوے حاصل کرنے کی بجائے علماء کرام سے ان کا
ایک متفقہ فیصلہ طلب کیا جاوے۔ یعنی ملک بھر کے علماء کرام کی ایک متفقہ مجلس مشاورت منعقد کی جائے۔ علماء اسلام
کی مختلف جماعتوں سے استدعا کی جائے کہ وہ سب اس میں حصہ لیں یا اپنے اپنے نمائندے اس میں شمولیت
کے لیئے بھیجیں۔ علماء کے علاوہ دیگر پڑھے لکھے مسلمان بھی اس مجلس میں شامل ہوں ایسی مجلس کا متفقہ فیصلہ صحیح
فتوےٰ تسلیم کیا جاوے اور اس کو دستور العمل بنانے کا پروپیگنڈا کیا جاوے۔ جو جو علماء ایسی مجلس میں شمولیت سے
انکار کریں۔ ان کی طرف التفات نہ کی جائے۔ فیصلہ طلب امر صرف اس قدر ہے کہ کاروباری سود ربوا کی حدود
میں آتا ہے یا نہیں۔ ایک دن میرے ایک ستم ظریف دوست کہنے لگے ؎

مشکلے دارم ز دانش مند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر مے کنند

اگر ایسے مفتیوں سے بصد ادب استفسار کیا جاوے کہ قبلہ آپ کی شریعت میں ایک حرام کھانے والے کی کمائی میں سے کوئی صاحب خیر بزرگ حصہ وصول کرے تو وہ بزرگ خود بھی حرام خور ٹھہرتا ہے یا نہیں تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ شاید کوئی تاویل نکل آئے۔ کس قدر حیرت افزا امر ہے کہ ہم مسلمانوں پر انگریزی تعلیم حرام۔ انگریزوں کی ملازمت حرام۔ انگریزوں کے زیر نگیں عمر بسر کرنا گناہ اور فرنگی کا پیسہ مرداران کفار کی موجودگی میں ہندی مسلمان انگریزی بھی پڑھیں۔ سرکار انگریزی کی نوکری بھی کریں اور انگریزوں کے زیر حکومت مع اپنے مفتیوں کے آباد بھی ہوں۔ اور مفتی یا علما ان سب مسلمانوں کی اس حرام کی کمائی میں سے حصہ مل جانے پر بخوشی قبول فرمائیں۔ کبھی جھوٹوں بھی انکار نہ کریں۔ افسوس ہے ایسے بزرگوں نے کبھی اتنا بھی غور نہ کیا کہ آقائے دوجہان جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ علم اگر چین سے بھی ملے تو حاصل کر لو ؎

حکمت کو اک گم شدہ لعل سمجھو جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

کیا انگریزی کی تعلیم مستثنٰے کی گئی ہے؟ اگر نہیں تو ہم کس سند پر اسے حرام بنا رہے ہیں۔ ایسے بزرگوں کی طرف سے تعلیم انگریزی پر اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ دہریت کا سبق دیتی ہے۔ اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کی ند اپنے ہی گھر پر پڑتی ہے یعنی دہریت یا لامذہبی وغیرہ کی ذمہ داری زیادہ تر ہمارے علما پر ہی عاید ہوتی ہے جنھوں نے اپنے ایک اہم فرض (تبلیغ) سے منہ موڑ کر آرام طلبی کی پرستش شروع کر دی۔ ہمارے علما کا فرض تھا کہ وہ انگریزی زبان میں توحید کا لٹریچر جمع کر دیتے جس سے کوتاہی کی گئی۔ اگر کوئی دشمن ہم پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کے سامان پیدا کرنا کار ثواب کہا جائے گا یا اپنے مستقر میں دبک کر بیٹھ رہنا۔

ہندوستان میں دیگر مذاہب کے پیرو جو انگریزی کی تعلیم سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں وہ اپنے اپنے مذہب سے بے نیاز کیوں نہیں ہو جاتے اس کا باعث سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ان لوگوں کے رہنما اپنے فرایض سے غافل نہیں ہیں۔ دوسری جماعتوں کے رہنما تو عموماً گرتوں کو تھام لینے کی سعی کرتے رہتے ہیں لیکن ہمارے ہادیوں کا کمال اسی میں ہے کہ وہ سنبھلتوں کو دھکا دے کر گرا دیں۔

اب دیکھیں ہمارے علما رسالہ کمیشن کے متعلق کیا فتوے صادر فرماتے ہیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ لگے ہاتھ کمیشن مذکور سے موالات حرام قرار دے کر ہندوستانی مسلمانوں کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیں اس نیک کام سے کم از کم ایک فائدہ تو ضرور ہوگا کہ روز روز کے ہندو مسلم فساد کا امکان جاتا رہے گا۔ غرض عرصہ دراز سے ہمارے اکثر علما کا اسی پر عمل رہا ہے کہ نہ خود کچھ کام کرتے ہیں اور دوسروں کو کرتے دیکھنے کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم کرے آمین

راقم نیاز
محمد جان از پہاڑ گنج دہلی

سب اشیاء کی یکجائی قیمت صرف دس روپے 10/
مندرجہ ذیل پانچوں اشیاء قیمتی اٹھارہ روپیہ یکدم طلب کرنے پر معہ محصولڈاک و پیکنگ صرف دس روپے میں روانہ کیجاویں گی۔ ہمارا مقصد قلیل منافع پر یہ بہترین اشیاء خریداروں کو بہم پہونچانا ہے۔
کارآمد فاونٹن پن
ایک مرتبہ سیاہی بھرنے سے صفحہ کے صفحہ لکھدیتا ہے۔ گولڈن نب کا ہونے کے باعث برسوں کام دیتا ہے۔ بدخط انسان کو خوشخط بناتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ/)
سنہری خولدار چوڑیاں
اسٹیشن طلائی خول میں نیشی چکدار چوڑیاں نیلم و پکھراج کی جڑاؤ سینکڑوں روپیہ کی لاگت کا اندازہ کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ عورتیں ان پر فدا ہے۔ قیمت مکمل سٹ ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ/)
لیور پاکٹ واچ
گارنٹی ۵ سال
ایک مستند کاریگر کی ساخت ہونیکے باعث مشین کی مضبوط وقت کی سچی۔ صورت و شکل دونوں میں خوبصورت ہے۔ ہندکی آب وہوا کے موافق بنائی گئی ہے
قیمت پانچروپے (صہ/)
نفیس رسٹواچ
گارنٹی ۷ سال
۲۲ کیرٹ گولڈ پلیٹڈ رسٹواچ۔ اپنی خوبی میں انتی۔ نوٹے روپیہ کی گھڑی سے مقابلہ کرتی ہے۔ ہر موسم میں صحیح ٹائم بتاتی ہے۔ از حد خوبصورت اور بہت پائدار ہے۔ اس کو مرد و عورت دونوں بہت خوشی سے استعمال کرتے ہیں۔
قیمت چھ روپے (سے/)
نوٹ
ایک یا دو اشیاء کی خریداری پر کوئی رعایت نہیں
نوٹ نمبر (۱)
جو صاحب فاونٹن پن یا چوڑیاں دونوں میں سے ایک اشیاء خریدنا چاہیں ان کو بقیہ چاروں اشیاء نو روپیہ (للعہ/) میں روانہ کیجاویں گی +
نوٹ نمبر (۲)
جو صاحب فاونٹن پن اور چوڑیاں دونوں خریدنا چاہیں ان کو بقیہ تینوں گھڑیاں آٹھ روپیہ (سے/) میں روانہ کی جاویں گی +

سوسین فاؤنٹن پن

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر یہ اکثر منگوائے گئے ہیں۔ قلم کی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہاسال تک خراب نہیں ہوتی دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپیشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ خریدنے پر برسوں کو فراغت - قیمت چھ روپیہ قسم اول قیمت سیلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ ایک ڈراپر مفت) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے -

ملنے کا پتہ- **نظام الدین حسین اینڈ سنز بدایوں یو.پی**

نظامی پریس بدایوں

لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی صفائی اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہے اردو انگریزی ہندی کی سادہ اور رنگین چھپائی عمدہ قیمت پر اور دلکش ہوتی ہے - نمونہ چھپائی طلب کیجئے - ہر قسم کی اردو کتابیں بھی ملتی ہیں فہرست کتب مفت منگائیے -

اصلی نمک سلیمانی جس میں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں یہ نظامی نمک سلیمانی بدہضمی درد گولہ درد قولنج سینہ جلنا کھٹی ڈکاروں کا آنا - جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اسقدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھانے سے درد کم ہو جاتا ہے اور دوسری چٹکی کھاتے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے - ہر گھر میں ایک شیشی اصلی دوا نمک سلیمانی ہر وقت موجود رہنا چاہئیے-

المشتہر — منیجر کارخانہ نمک سلیمانی بدایوں یو.پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد احمد الدین ایف ار اس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر